ہفت روزہ تکبیر کراچی INTERNATIONAL URDU WEEKLY TAKBEER KARACHI-PAKISTAN

بشکریہ ہفت روزہ تکبیر کراچی
شمارہ: ۲۵ فروری ۱۹۸۸ء تا آخری صفحہ تک

مجموعہ اشاعت

آغا خانی اسمٰعیلی شیعہ امامی اثنا عشریہ کے مذہبی عقائد و نظریات پر مبنی تحقیقی رپورٹ

منجانب: حمایت کنندگان برائے ترویج و نفاذ شریعت آرڈیننس/کل علمائے اسلام کے متفقہ علماء کراچی اسلامی جمہوریہ پاکستان

میری گود میں پیغمبر محمدؐ کا خون ہے

آغا خان

مولانا شاہ کریم الحسینی آنجناب الحاضر الموجود ارتضاؤ اغفر لنا

PN: 7/2/19 23501-1 7/33.3 201-C5 7/Color 22770 68/858 61220

دی ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان فیڈرل کونسل برائے پاکستان
رئیس (مذہبی کمیٹی) جماعت خانہ۔ بریٹو روڈ۔ کراچی ۳

آغا خانی مذہبی عقائد کا پوسٹ مارٹم

حقیقت ہمارا کریم علی مدد؛

بیان یہ ہے کہ ہم لوگ آغا خانی ہیں۔ بلا تحقیق اسماعیلی تعلیم ہے جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو مذہبی معلومات، فرائض کے متعلق نہیں بتائی جاتیں۔ جماعت خانوں میں بھی صاحب کی پیر پرستی جاری ہے۔ تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کی روشنی میں ہم آغا خانی مذہبی عبادات جو جماعت خانوں میں کرتے ہیں ان کی مختصر وضاحتی تفصیل ہم تحریر کرتے ہیں۔

- سلام ہمارا ہے "یا علی مدد" ہمارے سلام کا جواب ہے "مولا علی مدد"۔
- کلمہ ہمارا ہے: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ واشہد ان علی اللہ
- وضو کی ہمیں ضرورت نہیں اس لئے کہ ہمارے دل کا وضو ہوتا ہے۔
- نماز اجزء ہر آغا خانی پر فرض ہے۔ یعنی وقت کی دعا جو جماعت خانہ میں آغا خانی پڑھتے ہیں۔ پنجگانہ نماز کے بدلے ہمارے آغا خانی ہیں۔ ہمارے

ایصال ثواب و دیگر کتب
مرکزی دارالمطالعہ فیصل آباد
یا
اللہ
مدد

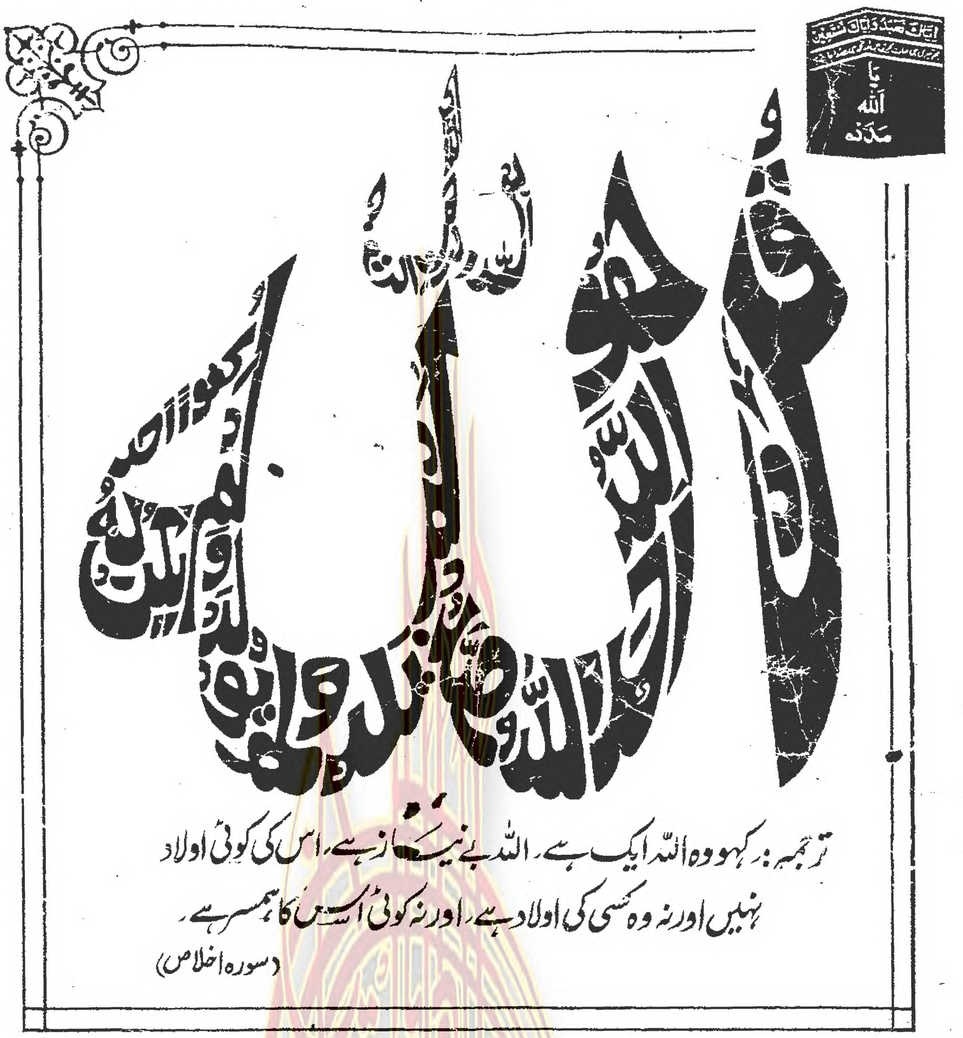

ترجمہ: کہو وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

(سورہ اخلاص)

درود شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(فہرست مضامین صفحہ نمبر ۱۶۷ پر)

(وضاحتی اداریہ)

جس کو موت آتی ہے وہ "خدا" کیسے ہو سکتا ہے؟

یہ امر قابل وضاحت ہے کہ:۔

اس "مجموعہ اشاعت" کی طباعت کی تمام تر ذمہ داری کا تعلق کسی طور پر بھی ہفت روزہ تکبیر کراچی پر نہیں ہے بلکہ یہ مستحسن اقدام کے طور پر ان خدمات کا اعتراف ہے جو وقتاً فوقتاً آغا خانی اسمٰعیلیہ کے مذہبی عقائد و نظریات پر خصوصی رپورٹیں ہفت روزہ تکبیر کراچی نے ملت اسلامیہ کے علمی اضافہ کے لئے شائع کی ہیں۔

ہم ہفت روزہ تکبیر کراچی کے مدیر اعلیٰ جناب محمد صلاح الدین صاحب کے جذبہ ایمانی کی بے حد قدر کرتے ہوئے ان کے قلمی جہاد پر ان کو و دیگر تمام متعلقہ معاونین کو بصد مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اس دور میں طاغوتی قوتوں سے اُس باطنی پردے کو چاک کر دیا ہے جو صدیوں سے ملت اسلامیہ کی نظروں سے اوجھل تھا۔ مسلمانان ہند و پاکستان ہمیشہ آغا خان کو اپنا محسن تصور کرتے ہوئے آئے ہیں اور آغا خانی قوم کو سیدھی سادی بھلی اور کاروباری برادری کے طور پر بے ضرر سمجھتے رہے ہیں اللہ جل شانہ کے فضل و کرم و خاص توفیق سے ادارہ ہفت روزہ تکبیر کراچی کا پوری ملت اسلامیہ پر احسان عظیم ہے کہ ان کی کوششوں و کاوشوں سے اصل حقائق اب سب پر عیاں ہو گئے ہیں اب ملت اسلامیہ کا بچہ بچہ آغا خان اور اس کے پیروکاروں کو ان کے صحیح روپ سے پہچاننے لگ جائے گا۔ اسی سلسلے میں تحریر ہے کہ آغا خانی مذہبی عبادات کا "پیغام" سے متعلق طویل عرصہ سے ایک مخمصہ پایا جاتا تھا۔ چنانچہ ہفت روزہ تکبیر کے شمارہ ۱۷ مارچ ۸۸ء میں جب فیڈرل کونسل کے صدر نے اسے رد کرتے ہوئے وضاحتی بیان اپنے انٹرویو میں دیا کہ:۔ اس کے علاوہ جو چیز آپ کے ہاں ہمارے لیٹر ہیڈ کے حوالے سے شائع ہوئی ہے وہ قطعی ہمارا لیٹر ہیڈ پیڈ نہیں ہے اور کسی نے آپ کو غلط فراہم کیا ہے مذکورہ انٹرویو کی اشاعت کے بعد جب اسمٰعیلی عقائد سے تائب ہونے والے نو مسلم پیارعلی ولد غلام حسین سلکھ ٹنڈو باگو ضلع بدین سندھ کی طرف سے پرزور تردید مورخہ ۱۷ اپریل ۸۸ء کے شمارہ میں شائع ہوئی کہ:۔ "اپنے وضاحتی بیان میں جناب رمضان مرچنٹ نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے علاوہ جو چیز ہمارے لیٹر ہیڈ کے حوالے سے شائع ہوئی ہے وہ قطعی ہمارا لیٹر ہیڈ پیڈ نہیں ہے" صاحب موصوف کی اس وضاحت کو درست مان بھی لیا جائے کہ لیٹر ہیڈ پیڈ ان کا نہیں ہے لیکن اسمٰعیلی فرقہ کے عقائد جو اس لیٹر ہیڈ پر درج ہیں کیا وہ ان سے انکار اور تردید کرنے کی جرأت فرما سکتے ہیں؟ اس لئے کہ وجہ نزاع لیٹر پیڈ نہیں البتہ وہ عقائد ہیں جو کہ متعدد بار اخبارات رسائل اور پمفلٹ کی شکل میں منظر عام پر آ چکے ہیں اور اسمٰعیلی برادری سے والبستہ کوئی فرد بھی ان کی تردید کرنے کی آج تک جرأت نہیں کر سکا۔

مذکورہ بالا وضاحتی بیان اور اس کی تردید کی اشاعت کے بعد یہ تضاد واضح طور پر کھل کر سامنے آیا۔ اس سے پیشتر اہلسنت کے مختلف مکاتب فکر کے ۱۶۰ اجید علماء کرام نے اسمٰعیلیوں کو کافر قرار دینے کے فتویٰ جاری کئے خاص کر اخبارات و رسائل میں جب جماعت خانوں میں اذان اور نماز پر پابندی کے خلاف سندھ ہائی کورٹ میں دائر دیوانی مقدمہ ۱۹۸۴ء کی روداد چھپنا شروع ہوئی تو عوام الناس میں تجسس پیدا ہوا اور انہوں نے مفصل معلومات حاصل کرنے کے لئے دینی اداروں مدارس و دارالعلوم کا رُخ کیا۔ چنانچہ علماء کرام نے تحقیقی مفاصد کے تحت ایک سہ رکنی جماعت مقرر کی جس نے پاکستان بھر میں اور خاص کر کراچی کے مختلف علاقوں میں آباد آغا خانیوں (اسمٰعیلیوں) سے مل کر ان کے انٹرویو لئے اور اس تضاد کے حقائق کو جاننے کی کوشش کی کہ مذکورہ مذہبی پیغام میں جن عقائد و نظریات کا پرچار کیا گیا ہے وہ کس حد تک درست ہیں؟ مذکورہ سہ رکنی جماعت نے اپنی حتمی رپورٹ میں بڑی عجیب و غریب باتوں کا انکشاف کیا ہے جو آغا خانیوں نے بیان کی ہیں خاص کر تمام آغا خانیوں نے یہ اقرار ضرور کیا ہے کہ "آغا خانی مذہبی عبادات کا پیغام" میں درج تمام رسوم و عقائد کا تعلق خالصتاً آغا خانی عبادات سے ہی ہے اور آج بھی تمام جماعت خانوں میں طبع شدہ طریقوں کے مطابق آغا خان کی تصویر کو سجدہ کیا جاتا ہے اور آباؤ اجداد کے مروجہ طریقوں و رسوم کے تحت اس کی عبادت کی جاتی ہے جو کہ صدیوں سے رائج ہے اور یہ سب کچھ درست ہے" قابل ذکر بات یہ ہے کہ تمام آغا خانیوں نے ان عقائد و نظریات کو ادا کرنے کے باوجود خود کو پکا سچا مسلمان بلکہ مومن قرار دیا اور دیگر تمام غیر آغا خانی مسلمانوں کے لئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ بھی انہی کی راہ عمل پر بلا کسی تردد و شبہ کئے ہوئے جلد سے جلد ایمان لے آئیں کیونکہ بقول اسمٰعیلیوں کے زمین پر خدا کا دوسرا صرف "حاضر امام" ہے آغا خان ہے" اب اسکا فیصلہ ملت اسلامیہ کے ہر فرد نے خود کرنا ہے کہ آغا خانی مسلمان بلکہ مومن کس بناء پر ہیں؟ اور اگر وہ واقعی مسلمان مومن ہیں تو انکی موجودگی میں ملت اسلامیہ کے ایک عام مسلمان کو کیا کہہ کر پکارا جائے؟ اس سوال کے جواب کیلئے "مجموعہ اشاعت" کا پڑھا جانا اس لئے بے حد ضروری ہے تاکہ جس کو پہچانا جائے، فکر کی جائے اور کوئی تدبیر بھی کر سکے۔

سے کر تا جو کوئی اس ہرزہ گستاخ کا منہ بند (ہم) بے حد شکور اور دعا گو ہیں کہ ان تمام دیگر اجراء (مدارس، ادارہ اور انجمنوں کے تعاون کے کہ آج مجموعہ اشاعت طباعت کی ساری منازل سے گزر کر مطالعہ کیلئے حاضر خدمت ہے) وما علینا الا البلاغ۔

اللہ حافظ۔ ناشرین مجموعہ اشاعت۔ فقط، حمایت کنندگان برائے ترویج و نفاذ شریعت بل (کل عالم اسلام کے متفقہ علماء) کراچی اسلامی جمہوریہ پاکستان۔

ہفت روزہ تکبیر کراچی INTERNATIONAL URDU WEEKLY TAKBEER KARACHI-PAKISTAN

مدعیان کے وکیل محمد اشرحسین کے دلائل

جماعت خانوں میں اذان اور نماز پر پابندی کے خلاف سندھ ہائیکورٹ میں مقدمہ کی روداد

◎ اسماعیلی جماعت خانوں کو ہر ماہ بیس کروڑ روپے آمدنی ہوتی ہے

◎ اسماعیلی فرقہ نے پاکستان میں ایک بھی مسجد تعمیر نہیں کی

◎ جماعت خانے حاضر امام کی ذاتی رقوم سے تعمیر نہیں کئے جاتے

گزشتہ ہفتے سندھ ہائیکورٹ کے مسٹر جسٹس ناصر اسلم زاہد کی عدالت میں اسمٰعیلی جماعت خانوں میں اذان اور نماز ادا کرنے پر پابندی کے خلاف دیوانی مقدمہ میں مدعا علیہان وزیر عاشق علی وغیرہ کے خلاف حکم امتناعی کی درخواست کی سماعت ہوئی۔ یہ مقدمہ اکبر علی ولد غلام حسین اور حاجی سکندر ولد قمر الدین نے ایچ ایچ آغا خان اسمٰعیلیہ فیڈرل کونسل آف پاکستان کے صدر وزیر عاشق علی ولد ایچ حسین، عالی جاہ حبیب وزیر حسن علی دیانی، صدر ایچ ایچ آغا خان اسمٰعیلیہ لوکل کونسل اور عالی جاہ شمس الدین ابراہیم سیکریٹری ایچ ایچ اسمٰعیلیہ لوکل کونسل، گلمرڈن ایسٹ کے خلاف مورخہ ۷ مئی ۸۶ء کو دائر کیا تھا۔

اس مقدمے کی تفصیلات کے مطابق مدعیان نے درخواست کی تھی کہ ان کے حق میں مندرجہ ذیل فیصلہ اور ڈگری دی جائے:۔

(الف) اعلان ہو کہ مدعیان اور دیگر تمام آغا خانی اسمٰعیلیہ مسلمان مکمل حق، مفاد اور استحقاق رکھتے ہیں کہ جماعت خانہ میں انفرادی طور پر اور باجماعت نماز ادا کریں اور ہر نماز باجماعت سے قبل اذان دیں اور مدعا علیہم یا ان کا کوئی ملازم کارکن، اسکاؤٹ، رضاکار یا کوئی دوسرا ماتحت شخص اس کا کوئی حق، استحقاق مفاد یا اختیار نہیں رکھتا کہ ان کو ہر دن جماعت خانوں کی حدود میں انفرادی یا باجماعت نماز پڑھنے اور اس سے قبل اذان دینے سے روک سکے۔

(ب) ایک مستقل حکم امتناعی جاری ہو کہ مدعا علیہم، ان کے ملازمین، کارکنوں، اسکاؤٹوں، رضاکاروں یا ان کی ماتحتی کے دعویدار اور کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ مدعیان یا کسی دوسرے آغا خانی مسلمان کو جماعت خانوں کی حدود میں انفرادی یا باجماعت نماز پڑھنے اور اس سے قبل اذان دینے سے روک سکے۔

(ج) مستقل حکم امتناعی جاری ہو کہ مدعا علیہم یا ان کے ماتحت ہونے کا کوئی دعویدار شخص مدعیان یا ان میں سے کسی کو یا کسی دوسرے آغا خانی مسلمان کو ایسی نماز پڑھنے سے نہیں روک سکتا جسے قرآن، سنت اور حاضر امام کے فرامین کے برخلاف مدعا علیہم اپنے اختیار کردہ طور طریق اور رسوم کے مطابق پسندیدہ نہیں سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے میں گزشتہ ہفتے ۲۴ مئی کو ہونے والی سماعت کے دوران مدعی وکیل محمد اشرحسین ایڈووکیٹ نے موقف اختیار کیا کہ جماعت خانے مسجد ہیں کیونکہ وہ اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ اس موقع پر معزز عدالت نے

رپورٹ: ناصر محمود

مدعا علیہان کے وکیل سے دریافت کیا کہ کیا وہ تسلیم کرتے ہیں کہ جماعت خانے عبادت گاہ ہیں؟ اس کے جواب میں مدعا علیہان کے وکیل جناب علی احمد ایڈووکیٹ نے تسلیم کیا لیکن کہا کہ وہاں اسمٰعیلی فرقے کے طریقے کے مطابق صرف عبادت اور اضافی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

مدعیان کے وکیل نے قرآن پاک اور لفظ مسجد کی لغوی تعریف سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام میں اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص ہر جگہ کو مسجد کہتے ہیں چاہے اس کا طرز تعمیر یا جائے وقوع یا نام کچھ بھی ہو۔ لہٰذا اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص جماعت خانے بھی مسجد ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نماز کو جسے خود مدعا علیہان نے خود اسلام کا اہم اور بنیادی رکن تسلیم کیا ہے روکا نہیں جاسکتا جب جماعت کے افراد جماعت خانے میں اپنی نماز ادا کرچکے ہیں تو پھر وہ اضافی نمازیں پڑھ سکتے ہیں تاہم اسلام کی رو سے یا ملکی قانون کے تحت مدعا علیہان کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ کسی فرد کو جماعت خانے میں فرض نماز اکیلے یا باجماعت پڑھنے سے روکیں۔ اس موقع پر عدالت عالیہ نے مدعا علیہان کے وکیل سے دریافت کیا کہ مدعیان نے اپنے دعوے میں کہا ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے بعد حاضر امام کے فرمان کو مانتے ہیں۔ اگر حاضر امام کا کوئی فرمان رہا ہو کہ جماعت خانوں میں فرض نماز نہ ادا کرنے دی جائے تو کیا وہ اسے مانیں گے یا مقدمہ واپس لے لیں گے۔ اس کے بعد عدالت عالیہ نے مدعا علیہان کے وکلا سے دریافت کیا کہ کیا وہ حاضر امام کا ایسا کوئی فرمان پیش کرسکتے ہیں۔ انہوں نے انکار میں جواب دیا۔

اس موقع پر عدالت عالیہ نے مدعیان کے وکیل سے یہ وضاحت چاہی کہ اگر جماعت خانے میں نماز نہیں پڑھنے دی جاتی تو اس سے انہیں کیا نقصان ہے وہ گھر پر بھی نماز ادا کرسکتے ہیں۔ مدعیان کے وکیل نے بیان کیا کہ جماعت کے افراد کی بڑی تعداد اپنا اکثر وقت جہاں تک ممکن ہو تلاش حاضر امام کے حکم کے مطابق جماعت خانوں میں گزارتی ہے اور اکثر رسومات وغیرہ کے سلسلے میں بارہ سے پندرہ گھنٹے ان کے مسلسل درجنوں گزرتے ہیں اور چونکہ اکثر رسومات وغیرہ اضافی نمازیں اس وقت ہوتی ہیں جب فرض نماز کا وقت ہوتا ہے لہٰذا اگر جاکر نمازیں پڑھنا ممکن نہیں ہوتا اور اکثر نمازیوں کی فرض نمازیں قضا ہوجاتی ہیں۔ اس موقع پر وقت کی کمی کے باعث عدالت عالیہ نے مقدمہ کی سماعت ۲۶ مئی کے لئے ملتوی کردی۔

۲۶ مئی کی سماعت کے دوران مدعی وکیل محمد اشرحسین ایڈووکیٹ نے اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ان کے مؤکل سکندر ولد قمر الدین نے عارضی حکم امتناعی کی اپنی درخواست کے ساتھ جو حلف نامہ داخل کیا تھا اور اس کی تردید میں مدعا علیہ وزیر عاشق علی نے جو الٹی حلف نامہ اور جواب دعویٰ داخل کیا اس کے جواب میں واضح طور پر عدالت عالیہ کی توجہ اس جانب دلائی گئی ہے کہ آغا خانی اسمٰعیلیوں نے کہیں بھی اور کسی بھی جگہ جماعت خانوں کے علاوہ عبادات الٰہی کے لئے (بشمول نماز) کوئی علیحدہ جگہ تعمیر نہیں کی اور نماز جس کو مدعا علیہ نے خود اہم عبادت الٰہی تسلیم کیا ہے وہ ہمیشہ جماعت خانوں میں ادا کی جاتی رہی ہے۔ اس ضمن میں ایک کتاب اسمٰعیلی تعلیمات مؤلفہ ایس آغا خان کے بارے میں یہ اقرار موجود ہے کہ "مولانا حاضر امام" نے آپ نے سات سال کی عمر میں نیروبی کے جماعت خانے میں عید الفطر کی نماز

آغاخانی نماز کو عبادت تو تسلیم کرتے ہیں مگر جماعت خانے میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے

خانقاہ، امام باڑہ یا زیارت گاہ وغیرہ میں نماز ادا کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ صرف مدعا علیہان، اسلام کے ایسے دعویدار ہیں جو نماز سے روک رہے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کہا چونکہ ہمارے ملکی قانون میں اسلام اور اس کے بتلائے ہوئے طریقوں سے انحراف قابل مواخذہ نہیں ہے اس لئے مدعا علیہان کو پورا اختیار ہے کہ وہ ان عقائد یا ان میں سے کسی ایک سے بھی انکار کر دیں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ بیان کی قانونی دفعہ دار کیا ہے کہ اپنے انکار کا واضح الفاظ میں عدالت عالیہ کے سامنے اظہار کریں تاکہ تمام اسمٰعیلیہ جماعت کو معلوم ہو جائے اور پھر وہ غور کر سکیں کہ آیا برادری کی نظر میں مدعا علیہان مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں بھی یا نہیں اور یہ کہ ان کو برادری میں رہنے دیا جائے یا نکال باہر کیا جائے۔

مدعی نے اپنے عرضی دعویٰ کے پیرا نمبر ۱ کی ذیلی دفعہ (سی) میں کہا ہے کہ قرآن پاک اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکامات حتمی ہیں اور ہر وہ شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا مسلمان ہونا یا رہنا چاہتا ہے اس کے لئے ان کی پابندی لازمی ہے لیکن مدعا علیہان کا یہ کہنا کہ یہ میرے ذاتی عقائد ہیں، اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ مدعا علیہان کو اس عقیدے سے انحراف ہے اور اگر ایسا ہے تو یہ ان کے اس دعویٰ کی نفی کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ مدعی کے وکیل نے کہا مدعی کے بیان کے مطابق نہ صرف تمام اسمٰعیلی برادری بلکہ دوسرے فرقوں کے مسلمانوں کو بھی اچھی طرح معلوم ہے اور خود لفظ "جماعت خانہ" کے الفاظ سے واضح ہے کہ یہ پوری اسمٰعیلی برادری کی ملکیت ہیں اور ان کا وجود صرف برادری کے تعرف کے لئے ہے۔ لہٰذا میں اس بات کی سختی کے ساتھ تردید کرتا ہوں کہ جماعت خانے امام کی ملکیت ہیں یا امام کی ذاتی رقم سے تعمیر ہوئے ہیں بلکہ اس کے برخلاف خود امام کی تمام دولت ہمیشہ سے وہ پنجسے نہ دانے امانت یا پیکشیں رہی ہیں جو اسمٰعیلیہ جماعت کے افراد وقتاً فوقتاً اپنی گاڑھی کمائی سے دیتے رہے ہیں۔ خود میں نے اور میرے آباؤ اجداد نے ہمیشہ اپنی گاڑھی کمائی سے خطیر رقمیں اکثر جماعت خانوں کی تعمیر اور ان کو چلانے کے لئے دی ہیں۔ علاوہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کا فائدہ برادری کے پچھلے طبقہ کو بہت معمولی بلکہ ناقابل ذکر ملتا ہے جبکہ مدعا علیہان اور ان کے حمایتیوں اور پیشواؤں نے جو زر و تر بڑی عیش و عشرت کی زندگی گزارنے میں ہمیشہ بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔

مدعی کے وکیل نے اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے یہ جماعت خانے کم از کم کراچی میں تو رفاہی تنظیمات ادارہ (AGENCY FLOTS) پر بنائے گئے ہیں جو حکومت یا دوسرے خیراتی اداروں نے برائے نام قیمت سے کر ٹرسٹ یا کسی مذہبی ادارے کے نام پر اس یقین دہانی کی بنیاد پر دئے کہ ان کو برادری کے مذہبی اور خیراتی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا اور اس لئے یہ جماعت خانے ملکی قوانین کے تحت انکم ٹیکس اور پراپرٹی ٹیکس کی چھوٹ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انہوں نے کہا ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان کے جماعت خانوں کو اسمٰعیلی برادری سے مختلف مدوں میں "رسوم اور طریقوں" کے نام پر سالانہ کم از کم بیس کروڑ روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔

مدعی کے وکیل نے کہا مدعا علیہان ایک طرف تو دعویٰ کرتے ہیں کہ شہر میں لاتعداد مساجد دوسرے فرقوں کی ہیں ان میں آغا خانی جا کر نماز پڑھیں جبکہ مدعا علیہان کا خود اپنا یہ عالم ہے کہ جماعت خانوں پر پہرے بٹھا رکھے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرا مسلمان تو عمارت کے اندر قدم تک نہیں رکھ سکتا بلکہ جو آغا خانی ہیں وہ بھی آزادی سے آ جا نہیں سکتے جس نے ذرا بھی مدعا علیہان کے خلاف آواز بلند کی اس کا داخلہ بند کر دیا۔ انہوں نے عدالت سے یہ بات چھپائی ہے کہ ہمارے جماعت خانے غیر آغا خانی کے لئے شجر ممنوعہ ہیں۔ اپنی عبادات کے بارے میں ایسی راز داری برتنے کی وجہ سے ہماری عبادات، رسوں اور طریقوں کے متعلق ایسی ایسی باتیں مشہور ہو گئی ہیں کہ دوسرے مسلک پر چلنے والے مسلمانوں کی مسجد میں نماز پڑھنا تو درکنار، وہ کسی آغا خانی کو گھسنے تک نہیں دیتے۔ مدعا علیہان یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ انہیں اس حقیقت کا علم نہیں کہ سنی فرقہ آغا خانیوں کو غیر مسلم سمجھتا ہے کیونکہ ان کے علماء کی بہت بڑی تعداد نے آغا خان کے ماننے والوں کو خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ شیعہ اثنا عشری فرقے کے لوگ بھی آغا خانی اسمٰعیلی کو شیعہ نہیں تصور کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم قابل احترام عدالت کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ مدعا علیہان نے اپنے خود غرضانہ مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مدعیان اور ہزاروں دیگر آغا خانیوں کو کتنی قابل رحم اور تکلیف دہ حالت کو پہنچا دیا ہے۔

ان دلائل کے ساتھ ہی فاضل عدالت نے مزید سماعت اگلی تاریخ تک ملتوی کر دی۔

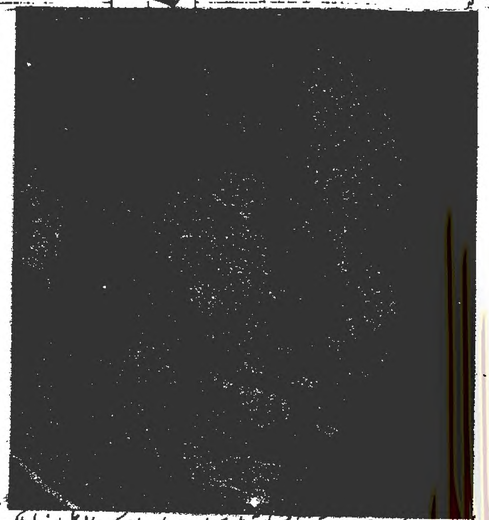

آغا خان

کی پاکستان میں بڑھتی ہوئی دلچسپی اور اُس کے اسباب

رپورٹ: ناصر محمود

موخر الذکر فروری کے اخبار میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق برطانوی وزارت خارجہ کے ایک منسٹر مسٹر ٹم اگیر نے ہدیہ کو پاکستان میں آغا خان فاؤنڈیشن کے چیئرمین مسٹر رمضان مرچنٹ کو ۵ لاکھ پچانوے ہزار پونڈ اسٹرلنگ (ایک کروڑ ۷۸ لاکھ ۵۰ ہزار روپے) کا ایک چیک پیش کیا۔ یہ چیک چترال میں آغا خان رورل سپورٹ (RURAL SUPPORT) پروگرام کے لیے برطانوی حکومت کے ۳۸ لاکھ پونڈ اسٹرلنگ (گیارہ کروڑ ۷۹ لاکھ روپے) کے کنٹری پروگرام کی پہلی قسط کے طور پر تھا۔ بظاہر یہ خبر ایک سیدھے سادے رفاہی ادارے کے رفاہی پروگرام کی عملی طور پر امداد کے لیے حکومتِ برطانیہ کی جانب سے کیے گئے احسانِ عظیم کی ایک معمولی سی جھلک پیش کرتی ہے، جو وہ تقریباً ۱۱ کروڑ روپے خطیر کر کے پاکستان کے ایک پسماندہ اور دور افتادہ علاقے کے مفلوک الحال شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے کر رہا ہے۔ البتہ اس خبر میں ایک نکتہ ایسا ضرور ہے، جو تھوڑی سی سوجھ بوجھ رکھنے والے محب وطن شہریوں کو چونکنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر برطانوی حکومت کی یہ امداد جس معروف ادارے آغا خان فاؤنڈیشن کو دی جا رہی ہے، وہ کسی بھی لحاظ سے ایک مفلوک الحال یا خیراتی ادارہ نہیں ہے، بلکہ درحقیقت وہ پاکستان کے ان امیر ترین غیر سرکاری اداروں میں شمار ہوتا ہے، جس کے پاس روپے پیسے اور وسائل کی پہلے سے قطعاً کوئی کمی نہیں ہے اور جس کی شاخیں نصف پاکستان کے اندر، بلکہ دنیا بھر کے تمام امیر ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ایسی صورت میں صرف آغا خان فاؤنڈیشن کو اتنی کثیر رقم کا عطیہ اور وہ بھی محض چترال جیسے دور دراز علاقے کے لیے ہی خصوص کیوں؟ جبکہ پاکستان میں ایسی نیکی اور فلاح کے مستحق بے شمار دیگر علاقے اور متعدد فلاحی ادارے ان سے کہیں زیادہ امداد کے مقدار ہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب کراچی میں بیٹھا ہوا کوئی شخص نہیں دے سکتا بلکہ خود چترال میں رہنے والے محبِ وطن پاکستانی اس اہم اور خوفناک راز سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ ان باخبر چترالی باشندوں کا کہنا ہے کہ آغا خان شمالی علاقوں میں اپنی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں اور وہ پاکستان کو ایک اسمٰعیلی ریاست میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے سوادِ اعظم اہلسنت چترال کے سیکریٹری جنرل قاری فیض اللہ نے ایک کتابچہ شائع کیا، جس میں اہل وطن کو خبردار کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ:

"شمالی علاقہ جات پاکستان کے انتہائی شمال میں، وہ حساس علاقہ ہے، جہاں چار ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں۔ اوّل چین، دوم روس، سوم افغانستان اور چہارم بھارت۔ یہاں پر چونکہ لوگ غریب ہیں، اس لیے یہاں جو بھی نظریہ آئے، لوگ دنیاوی منفعت کی وجہ سے اور دنیاوی لالچ کی وجہ سے فوری طور پر قبول کرتے ہیں۔ یہاں پر اہلسنت والجماعت اکثریت ہے، آغا خانی لیتے ہیں۔ شیعوں کے لیے ان کی مذہبی تنظیموں کی طرف سے بیرونی امداد آتی ہے، جس کی بنا پر ایران کے علاقوں میں مختلف مدارس، عبادت خانے وغیرہ تعمیر ہوتے ہیں اور وہ روز بروز اپنے عقائد کے پرچار میں مصروف ہیں۔ ان کی امداد کرنے میں ایران اور کویت سرفہرست ہیں۔"

ان کے علاوہ آغا خانی اپنے پُرفتن عقائد کو بڑی تیزی کے ساتھ علاقے میں پھیلا رہے ہیں۔ ان کے داؤ بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ انہوں نے مختلف قسم کی تنظیمیں بنائی ہوئی ہیں۔ مردوں کی تنظیمیں الگ کام کر رہی ہیں اور عورتوں کی الگ۔ ان تنظیموں میں غیر آغا خانیوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ ان کا مقصد پورے علاقے میں لادینیت پھیلانا ہے کیونکہ یہ بھی ایک لادین اور سادہ پرست آزاد فرقہ ہے۔ بظاہر یہ لوگ اسلام کا نعرہ لگاتے ہیں، لیکن ان کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ لوگوں کو بے دین بنانے کے لیے اور اپنی معاشی حالت کو مضبوط بنانے کے لیے انہوں نے عجیب و غریب حیلے اپنائے ہوئے ہیں، جن میں سے چند ایک بطور مشتے از خروارے پیش خدمت ہیں۔

۱۔ جب کوئی عورت حاملہ ہو جائے، تو اس کو اپنے رجسٹر میں درج کرتے ہیں، پھر اس کی دیکھ بھال شروع ہو جاتی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو اس کو جماعت خانے میں لے جا کر تولا جاتا ہے۔ وزن کرنے کے بعد زچہ اور بچہ دونوں کے لیے مفت راشن مہیا کیا جاتا ہے۔ اس اسکیم میں ہر طبقے کے لوگوں سے تعاون کیا جاتا ہے۔ یہ امداد آغا خان کی طرف سے، اس کے نام پر لوگوں کو مہیا کی جاتی ہے۔ یاد رہے، آغا خانیوں پر متفقہ طور پر کفر کا فتویٰ لگ چکا ہے، لہٰذا ان کے اعمال سے نفرت کرنا ایمان کا جزو ہے۔ اگر یہ نفرت ختم ہو جائے اور لوگ ان سے محبت کرنے لگیں، تو ایمان خود بخود ختم ہو جائے گا اور غیر محسوس طریقے سے ایک مسلمان کفر کی ظلمات میں غرق ہو جائے گا۔ اس لیے آغا خانیوں کا پہلا ہدف یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے آغا خانیوں کی نفرت ختم ہو جائے۔

۲۔ آغا خانیوں کی ایک اسکیم، جو کہ انتہائی خطرناک

آغا خان پاکستان کے شمالی علاقوں میں اسماعیلی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں؟

ہے، وہ یہ ہے کہ پاکستان کی اور خصوصاً شمالی علاقوں کی معیشت پر پوری طرح سے قابض ہو جائیں اور اس میں وہ پچاس فیصد کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔

۳۔ آغا خانیوں نے اپنا ایجوکیشن بورڈ بنایا ہوا ہے، جس کے تحت کئی ہائی / مڈل / پرائمری اسکول کھولے جا چکے ہیں، جن میں نئی نسل کو بے حیائی کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم دی جا رہی ہے۔

۴۔ آغا خان فاؤنڈیشن اور آغا خان رورل سپورٹ پروگرام کے نام سے دو ادارے بنائے گئے ہیں، جن کا مقصد اپنا ممبر بنا کر دنیاوی تعاون مثلاً سڑک / نہر وغیرہ بنا کر مختلف دیہاتوں کو اپنا ہمنوا بنانا ہے۔

قاری فیض اللہ مزید لکھتے ہیں کہ اس وقت آغا خان فاؤنڈیشن اور آغا خان رورل سپورٹ پروگرام کے تحت آغا خان کی تقریباً ۲۵۰ گاڑیاں، ۱۵۰ کے قریب مختلف درجات کے اسکول، دو فائیو اسٹار ہوٹل، ایک ہیلی کاپٹر، ایک اعلیٰ درجہ کا ہسپتال، پچاس کے قریب مختلف درجات کی ڈسپنسریاں اور ایک اکیڈمی معروف کار ہیں، جبکہ ایک ہیلی کاپٹر پچھلے دنوں تباہ ہو چکا ہے اور مقدقہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مزید دو ہیلی کاپٹر آ رہے ہیں اور بیس کروڑ روپے سالانہ اس علاقے میں بے دینی اور بے حیائی پھیلانے پر خرچ کیے جاتے ہیں۔

اسمٰعیلی قوم کی تاریخ بیان کرتے ہوئے قاری فیض اللہ نے لکھا ہے کہ ۱۱۷۱ء میں معز میں اسمٰعیلیوں کی فاطمی خلافت ختم ہوئی۔ اب آٹھ سو سال گزرنے کے بعد، باوجود تمام سازشوں اور سازشیوں کے، دنیا کے کسی ملک اور خطے میں اسمٰعیلی حکومت قائم نہیں ہو سکی ہے اور سات آٹھ سو سالوں میں اسمٰعیلی اماموں، داعیوں اور ان کے مریدوں کی عقل، تدبر اور دانش کی پوری کاوشیں صرف اور صرف ایک اسمٰعیلی ریاست قائم کرنے کے لیے وقف رہی ہیں۔

حسن بن صباح، جس نے "الموت" کی خوبصورت پہاڑیوں میں اپنی جنت بنائی تھی۔ اس نے حشیش (چنگ، چرس) کے استعمال سے تاریخ میں پہلی مرتبہ برین واشنگ — BRAIN WASHING کے ذریعہ سیاسی دہشت گردی POLITICAL TERRORISM کی ابتدا کی تھی اور اپنے تربیت یافتہ اور حشیش کے عادی دہشت گردوں TERRORISTS کے ذریعہ اس زمانے کے وزیر اعظم، کمانڈر انچیف، عالموں اور دانش وروں کو قتل کروایا تھا، مشہور اسمٰعیلی داعی تھا اور اس کا بنیادی مقصد سنّی عباسی خلافت کو ختم کرنا تھا۔ اس مقصد کو سو سال بعد حسن بن صباح کے جانشینوں نے ہلاکو اور منگولوں کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

حسن بن صباح کا مقصد بھی فاطمی خلافت یعنی اسمٰعیلی حکومت

آغا خانی مسلک کیا ہے؟

اسماعیلی فرقے کی مستند کتابوں کے حوالے سے ایک جائزہ

— میں براہِ راست حضرت محمدؐ کی نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور دو کروڑ مسلمانوں کی کثیر تعداد مجھ پر یقین رکھتی ہے، مجھے اپنا روحانی پیشوا مانتی ہے۔ مجھے خراج ادا کرتی اور میری عبادت کرتی ہے، اسی وجہ سے کہ میری رگوں میں پیغمبر محمدؐ کا خون ہے۔ (آغا خان سوئم)

الیوسیو نگ گائیڈ، از قاسم علی ایم جے، شائع کردہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن، پاکستان کراچی۔

— ہندو بھی اور مسلمان بھی روئیں گے۔ برہمن جو تشی بھی پُران پڑھ کر روئیں گے۔

مُلّا اور قاضی بھی قرآن پڑھنے کے باوجود روئیں گے۔ اپنی گدّیا میں بیٹھے ہوئے جوگی بھی روئیں گے۔

جھوٹے سُنّی کہتے بھی روئیں گے۔

کیونکہ ان کو شاہِ برحق (امام) کی حفاظت نصیب نہ ہوئی۔

یہ سب گمراہ لوگ پیر (امام) کو نہ پہچاننے کی وجہ سے روئیں گے۔

بس وہ نہیں روئیں گے، جن کو مست گر (امام) مل گیا۔

ان کو تو نُور علیٰ نور مل گیا۔

ان کی حقیقت کا کیا کہنا

حوالہ: گنان نمبر ۱۳، صفحہ نمبر ۱۴، مقدس گنان کا مجموعہ، از: پیر صدر دین۔ یہ از مطبوعہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے بھارت، بمبئی۔

س ۱۔ ہم کلمہ میں حضرت علی کا نام کیوں لیتے ہیں؟

ج ۱۔ حضرت مولیٰ مرتضیٰ علی میں خدائی نور ہونے کی وجہ سے اور حضرت علی کا مبارک نام لینے سے خدائی نور کی شناخت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ہم حضرت مولیٰ مرتضیٰ علی کا نام کلمہ میں لیتے ہیں۔ علی اللہ یعنی اللہ میں سے علی ہیں یا علی میں خدا کا نور ہے۔

حوالہ: مارگ درشکا، از منشی علی بھائی ابراہی۔ ریلیجیئس فائٹ اسکولز کے لیے خاصی درسی کتاب، صفحہ ۴۸۔ مطبوعہ: اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے ہند، بمبئی۔

— مُرشد یعنی امام حاضر کو ہر رات کی خبر ہے۔

اگر وہ یہ کہے کہ ہر (یعنی امام کی تصویر) کے بجائے شراب کو سمجھ کر پو تو کرنا چاہیئے، کیونکہ مُرشد کا فرمان ہے۔ مرتضیٰ علی بزرگ ہیں۔ ان کے فرمان ماننے چاہئیں، کیونکہ وہ خود اپنی قدرت سے گناہ بخش کر جنت میں بھیج سکتے ہیں۔

— خلیفہ عثمان کے وقت میں، کچھ حصہ قرآن شریف میں سے نکال دیا گیا ہے اور کچھ حصہ بڑھا دیا گیا ہے۔

امام حاضر کے پاس ہر وقت ایک نئی چیز ہوتی ہے۔ یہ اس وقت بتانے کی نہیں ہے بعد میں ہم بتلائیں گے۔

— عورتیں جو برقعے پہنتی ہیں، وہ اچھی بات نہیں ہے، مگر اپنے دل کی آنکھوں پر حیا کا برقعہ ڈالو، تاکہ تمہارے دل میں کبھی کوئی برا خیال نہ آئے۔

— لوگ کربلا میں جا کر اپنا وقت کیوں چھوٹ میں ضائع کرتے ہیں؟ حضرت امام حسین جماعت خانہ میں تشریف فرما ہیں، اس لیے (جماعت خانہ میں آئیے۔

— آج کے دن تک جتنے گناہ آپ لوگوں نے کیے ہیں، وہ سب ہم معاف کرتے ہیں۔ اب آئندہ گناہ نہ کرنا۔

— ہمارے سارے روحانی بچوں کا مذہبی اور معاشرتی فرض اوّلین ہے کہ اپنی پوری وفاداری سے اور کل سے طاقت سے برٹش حکومت سے تعاون کریں۔ سلطنت

کو دوبارہ قائم کرنا تھا۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک اسمٰعیلی تاریخ کے صفحوں سے غائب ہو گئے اور پھر انیسویں صدی میں، ایران میں، انگریزوں کے خفیہ پولیس کے ایجنٹ کے طور پر نمودار ہوئے اور حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش ناکام ہونے کی وجہ سے ایران سے فرار ہو کر سندھ آ گئے۔ یہاں پہنچ کر ایک طرف افغانستان پر قبضہ کرنے کے لیے، انگریزوں سے افغانستان پر حملہ کروایا، جس میں اس امید پر مدد کی کہ انگریز افغانستان کو آغا خان اوّل کے حوالے کر دیں گے۔ جب یہ چال ناکام ہوئی اور انگریز خود افغانستان سے نکالے گئے، جو اس وقت ایک سپر پاور تھے، تو انہوں نے انگریزوں کو سندھ فتح کرنے کی ترغیب دی اور اس میں ان کی مدد کی۔ آغا خان اوّل کا اصل مقصد سندھ پر اسمٰعیلی حکومت قائم کرنا تھا، لیکن یہ کوشش بھی انگریزوں کی ڈپلومیسی کے سامنے بے کار گئی۔

اس کے بعد ایک طویل سازش کی گئی جس کے تحت انگریزوں سے مکمل تعاون کیا گیا اور اپنی خدمات کے سلسلے میں کبھی مصر اور کبھی سکیانگ کو اسمٰعیلی ریاست کے لیے انگریزوں سے مانگا

گیا، مگر انگریزوں نے ہز ہائی نس اور پرنس کا خطاب تو دے دیا، لیکن کوئی ریاست یا ملک کبھی نہیں دیا۔ قاری فیض اللہ کے مطابق ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان انگریزوں اور ہندوؤں کی تمام تر مخالفت کے باوجود، دنیا کے نقشہ پر، سب سے بڑی اسلامی ریاست کے طور پر نمودار ہوا۔ آغا خان سوئم نہ صرف پاکستان بننے کے خلاف تھے، بلکہ پاکستان بنانے والے یعنی قائداعظم محمد علی جناح کے بھی خلاف تھے۔

آغا خان سوئم اگرچہ ابتدا میں مسلم لیگ کے صدر رہ چکے تھے لیکن انہوں نے کبھی بھی تحریکِ پاکستان کے دور میں، پاکستان کی حمایت میں کوئی بیان نہیں دیا۔ وہ کبھی یہ فراموش نہیں کر سکتے تھے کہ قائداعظم نے اسمٰعیلی مذہب ۱۹۱۸ء میں چھوڑ دیا تھا اور اب ان کے پیرو نہیں رہے تھے، لہٰذا قائداعظم سے اپنی نفرت کی وجہ سے آغا خان کی کبھی بھی ہمت نہیں ہوئی کہ ان کی زندگی میں پاکستان آتے۔ آغا خان کو معلوم تھا کہ قائداعظم، آغا خان سوئم کو شروع سے انگریزوں کا ایجنٹ سمجھتے تھے اور اس لیے ان کو ناپسند کرتے تھے، لیکن قائداعظم کے انتقال اور شہیدِ ملت کے قتل کے بعد آغا خان سوئم نے اپنی پالیسی بدلی اور ایک طرف تو اسمٰعیلیوں سے یہ کہا کہ وہ پاکستان کی معیشت پر قبضہ کرنے کا مکمل پلان بنائیں اور دوسرے اس وقت کے جنرل ایوب خان کو جنرل فرانسس بلاک اور اپنا مہمان رکھ کر جمہوریت ختم کر کے مارشل لاء قائم کرنے کا مشورہ دیا۔

قاری فیض اللہ مزید لکھتے ہیں، یاد رکھیے، اقلیتیں ہمیشہ

(برطانیہ) اپنے مذہب، اپنے مقصد اور اپنی آزادی کی محافظ ہے، اس لیے اس وقت پُرخلوص وفاداری کے ساتھ لامتناہی خدمات انجام دینی چاہئیں۔

(آغا خان سوئم کے فرامین کا مجموعہ)

کلام امام مبین: یعنی از مطبوعہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا، بمبئی۔

— یاد رکھنا چاہیے کہ امام حاضر کے فرامین کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ امام حاضر کے احکام کی خلاف ورزی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔

حوالہ: کلام الٰہی یعنی فرامین امام مبین۔ از عالیجاہ سلطان "۷" محمد۔ مطبوعہ: اسمٰعیلیہ پرنٹنگ پریس بمبئی، برائے اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے افریقہ تنزانیہ۔

دوسرا سبق۔ یا علی مدد

یا علی مدد ہمارا سلام ہے۔

"مولیٰ علی مدد" سلام کا جواب ہے۔

یا علی یا ہماری مدد کرتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے "یا علی مدد" بولتے رہنا۔ گھر سے باہر نکلتے وقت "یا علی مدد" بولنا۔ مذہبی اسکول میں داخل ہوتے وقت "یا علی مدد" کہنا۔ گھر میں داخل ہوتے وقت "یا علی مدد" کہنا۔ ماں باپ کو "یا علی مدد" کہنا (سلام کے طور پر) بھائی اور بہن کو "یا علی مدد" کہنا۔

پہلا سبق

ہم اسمٰعیلی "امام حاضر" کے مرید، خدا کا نور جو "امام حاضر ہیں"، روشن ہے، اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

دوسرا سبق

قرآن شریف کی صحیح سمجھ اور اس کے چھپے بھیدوں کے صحیح معنیٰ اور صحیح علم "امام حاضر" کو ہی ہوتا ہے۔ "امام حاضر" قرآن ناطق (یعنی بولتا ہوا قرآن) ہے۔ اس لیے اس کے فرمانوں کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اس کے فرمانوں پر عمل کرنے والے دنیا میں فلاح پاتے ہیں۔

امام کا ہاتھ خدا کے ہاتھ کے برابر ہے۔ امام کا چہرہ خدا کے چہرے کے برابر ہے۔ حقیقت سے امام کا دیدار کرنے والا خدا کا دیدار کر رہا ہے۔

حوالہ: شکشھن مالا نمبر ۳، مخطوطہ درسی کتاب برائے ریلیجئس نائٹ اسکولز۔

یہ از مطبوعہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا، بمبئی

— قرآن کے چالیس پارے ہیں، جس میں سے تیس پارے اس دنیا میں ہیں اور دس پارے، جو باقی رہے ہیں، وہ اس (امام) کے گھر میں ہیں۔ ان دس پاروں کو اظہر دید کہتے ہیں۔ ست گرُ (امام) کی زبان یہی (دس پارے) ہیں۔

— جو کوئی بھی یقین سے اس کے اللہ کو علی کہتے ہیں اور جو اللہ کو علی ہی مانتے ہیں، حضرت علی نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیر کی حیثیت سے تقرر کیا۔ وہ یعنی علی اور محمدؐ دونوں ایک ہی ہیں۔

لوگ ان کو الگ الگ خیال کرتے ہیں۔

حضرت علی کو خالق و شنو کہیے اور نبی حضرت محمدؐ برہما جی کا اوتار ہیں۔

علی کو اللہ کہہ کر اس کا سہارا حاصل کرو۔

جو لوگ علی کو دل سے مانیں گے، ان کی آل اولاد میں اضافہ ہوگا اور وہ فلاح پائیں گے، اسی وجہ سے نرسلی کی اطاعت و عبادت کرنا۔ اسی نرسی کی دشنو (دسواں حصہ) اگر آپ نرسلی کو دشنو دیتے رہیں گے، تو آپ کی آل اولاد اور مال میں برکت ہوگی اور وہ یعنی علی آپ کا ایمان سلامت رکھے گا۔ اس لیے کہ ہمارا یہ نرسلی (پوری کائنات کا) خالق مطلق ہے۔

حوالہ: گیان موسن چیتا منی۔ از سید امام شاہ "مقدس گیانوں کا مجموعہ"

شائع کردہ: ایچ آر ایچ دی آغا خان اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے ہند، بمبئی۔

آغا خانی اپنا علیحدہ قومی نشان، قومی پرچم اور قومی ترانہ بھی تیار کر چکے ہیں

سازش سے ہی حکومت پر قبضہ کرتی ہیں۔ اس پلان کے تحت پرنس علی خان کو پاکستان کی فوج میں پشاور میں کرنل کا عہدہ دیا گیا اور اقوام متحدہ میں پاکستان کا نمائندہ مقرر کیا گیا لیکن یہ پلان اس لیے ناکام ہو گیا کہ علی خان کا موٹر کے ایک حادثے میں، پیرس میں انتقال ہو گیا۔ اس لیے اب ایک نیا منصوبہ بنانا پڑا، جس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے کا مطلب شمالی علاقوں میں ایک مثالی اسمٰعیلی ریاست قائم کرنا اور دوسرے حصے میں پورے پاکستان کی معیشت پر کنٹرول کر کے، پاکستان پر اسمٰعیلی حکومت قائم کرنا ہے۔ یہ خواب، اگر شرمندۂ تعبیر ہو گیا، تو اسمٰعیلیوں کی ایک الگ ملک کے لیے آٹھ سو سالہ جدوجہد کامیاب ہو جائے گی اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسمٰعیلیوں نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے، اپنے مخالفین کو قتل کروانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ انہوں نے صلیبی جنگوں کے دور میں عیسائیوں سے سازش کر کے اسلام کے مشہور ہیرو سلطان صلاح الدین ایوبی کو بھی قتل کرنے کی کوششیں کیں، اس لیے یہ صرف حسن اتفاق نہیں ہے کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر نے اپنی آخری کتاب "اسمٰعیلیہ" لکھی اور ان کے جلسے میں ان کو بھونوں کا گلدستہ پیش کر دیا گیا۔

اس لیے پاکستان کی تاجر برادری خصوصاً میمن چنیوٹی اور دہلی کے پنجابی سوداگران، اس امر پر غور کریں کہ کیا وہ آغا خانیوں کی اس معاشی سازش کو، یعنی پاکستان کی معیشت پر مکمل قبضہ کو کامیاب ہونے دیں گے اور دوسری اہم بات، جس پر ہماری فوج، دانشوروں اور علماء کو غور کرنا ہے، یہ ہے کہ اگر آغا خان شمالی علاقوں میں اسمٰعیلی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو پاکستان کی سرحدیں، روس اور چین سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کٹ جائیں گی اور پاکستان کی بین الاقوامی سیاست میں ثانوی حیثیت ہو جائے گی۔

قاری فیض اللہ کے مذکورہ بالا بیان کی تائید، ایک اور کتابچہ سے بھی ہوتی ہے، جو مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۸۵ء کو پشاور میں، چترال کے ایک اور باشندے اور مدینہ مسجد کے خطیب عبید اللہ چترالی نے شائع کیا۔ ان کے بیان کے مطابق، اسمٰعیلی تاریخ کے تحت انگریزوں نے اس فرقہ کو منظم کرنے میں بڑی دلچسپی لی اور عدالتی فیصلہ کے ذریعے آغا خان کو اس فرقے کا پیشوا قرار دے کر اس کو مختلف القابات و اعزازات سے نوازا، جس کی وجہ سے اب بھی آغا خان کو "پرنس" کا لقب دیا جاتا ہے۔ پھر بھی یہ فرقہ اپنے عقائد و عزائم کو ظاہر کرنے سے گریزاں تھا اور باندر ہی اندر اپنے آپ کو مستحکم بنانے میں مصروف تھا، مگر جب افغانستان پر روس کا تسلط ہوا، اس وقت سے یہ فرقہ متحد ہو کر منظم ہونے میں مصروف نظر آیا اور نہ صرف اپنے عقائد کا برملا اظہار کرنے لگا، بلکہ مسلمانوں کو اپنے عقائد باطلہ کی طرف دعوت دینے اور علماء کو چیلنج دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ نیز آغا خان فاؤنڈیشن وغیرہ ناموں سے رفاہ عامہ کی صورت میں تنظیمیں بنا بنا کر مسلمانوں پر معاشی دباؤ ڈالنے کی کوشش کی اور کئی سرکردہ، بلکہ بہت سے دین دار افراد کو اپنے زیر اثر کیا، نیز تمام اہم محکموں میں اپنے فرقہ کے لوگوں کو بھرتی کر کے نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی بھرپور کوشش میں ہے۔

مولانا عبید اللہ کے بقول معتبر و مستند شواہد کے مطابق یہ فرقہ گلگت، چترال اور وخان کو ملا کر روس کی مدد سے ایک اسمٰعیلی اسٹیٹ بنانے کی فکر میں ہے۔ اطباری اطلاع کے مطابق روس، وخان پر قبضہ کرنے کے بعد زیر زمین سرنگ بنانے میں مصروف ہے، تاکہ چترال اور گلگت کو براہ راست وخان اور روس کے ساتھ ملایا جائے اور یوں آغا خانی اسٹیٹ کے بارے میں روسی عزائم کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ آغا خان نے روسی ساخت کے بہت سے ہیلی کاپٹر خرید کر چترال اور گلگت کے لیے وقف کر دیے ہیں، جو بہ وقت ضرورت مسلمانوں کو ذہنی طور پر مرعوب کرنے میں عملاً معروف ہیں، نیز سیاحت کے نام سے بہت سارے اہم مقامات پر کنٹرول حاصل کر کے اپنے لیے مرکز اور منصوبہ جات کے وسائل بنائے جا رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں "پرنس امین آغا خان" کئی بار پاکستان کا دورہ کر کے گلگت، سوات، چترال، پشاور اور دیگر کئی اہم مقامات میں اہم ہوٹلوں وغیرہ کو ٹھیکے پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔

عبید اللہ چترالی نے مزید لکھا کہ اس باطل فرقہ کے خلاف جب بھی آواز اٹھتی ہے، تو حکومت اپنی لاعلمی یا غفلت کی وجہ سے پورے زور کے ساتھ اس کو دبانے کی کوشش کرتی ہے۔ حال ہی میں حکومت نے اس فرقہ کے خلاف طبع شدہ تمام کتابوں، میگزین، پمفلٹ، فتاویٰ اور اشتہارات کو ضبط کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ پاکستان میں اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں کہ حکومت نے کسی فرقہ کی اس طرح کھل کر اور بے تحاشا مدد اور پشت پناہی کی ہو۔ حکومت اس فرقہ کے سرکردہ افراد سے اتنی متاثر ہے کہ ان کی پسند و ناپسند کے افراد کو آگے پیچھے کرنے میں، ان کے اشارہ کی منتظر رہتی ہے اور آئے دن علمائے کرام کو قید و بند، ضلع بدری اور مختلف ذہنی اذیتیں دی جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حکومت کی نظر میں یہ تمام امور فرقہ واریت کو دبانے کیلئے کئے جا رہے ہوں، مگر ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے فرقہ واریت دبنے کی بجائے مزید ابھرتی ہے اور ایک باطل فرقہ کو اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل میں پوری طرح مدد ملتی ہے۔

عبید اللہ چترالی کے مطابق، ادھر علمائے کرام، دانشوروں اور عام مسلمانوں کی خاموشی بھی تعجب خیز ہے۔ عوام تو کیا بہت سے خواص کو بھی اس زہریلے فرقہ کے زہریلے ہلاہل کا علم تک نہیں اور جو حضرات اس کے خلاف امانت و امداد طلب کرتے ہیں، ان کی اپیل کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا جو آگے چل کر سخت نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے، لہٰذا ہم تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اس فرقہ کی شرارتوں سے باخبر ہو جائیں اور ان کی جملہ حرکات و سکنات کا نوٹس لیں، چنانچہ انہوں نے زور دیا کہ (۱) آغا خان فنڈ کی رقومات کو زیر بحث لایا جائے کہ کس طرح جمع کیے جاتے ہیں اور کہاں اور کس طرح صرف ہوتے ہیں۔ (۲) آغا خان/آغا خان فاؤنڈیشن یا اس طرح کے دیگر اداروں سے، جو رقم بینکوں میں جمع کی جاتی ہیں، ان پر ٹیکس لیا جائے۔ (۳) مملکت کے خلاف آغا خانی سازش کو اسمبلی میں زیر بحث لایا جائے۔ (۴) اس فرقہ کے کفری عقائد کی بنا پر اس کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس فرقہ کے ظاہری کروفر کو دیکھ کر حقیقی سازش سے چشم پوشی نہ کرے۔ علماء پر نادیدہ پابندیاں لگا کا بند کرے اور جن حضرات پر پابندی عائد ہے، وہ اٹھالی جائے۔ اس سازش کی حوصلہ افزائی چھوڑ کر اس کے خلاف کارروائی کرے اور آغا خانیت کو خلاف قانون قرار دے۔ اس فرقہ کے خفیہ اجتماعات اور جلسوں پر پابندی لگا دے یا ان کا مکمل نوٹس لے۔ ان کے مذہبی اجتماعات میں مسلمان اہلسنت والجماعت کے افراد کو بطور مبصر بھیجے۔ آغا خانی اسکولوں، کالجوں اور آغا خان میڈیکل کالج کو سرکاری تحویل میں لے لے۔

چترال سے تعلق رکھنے والے ان دو مسلمان محب وطن شہریوں کی بیان کردہ تفصیلات کی روشنی میں جب ہم اسمٰعیلی طبقے کے کردار اور رویے کا پاکستان میں بغور جائزہ لیتے ہیں تو ان میں سے بیشتر الزامات حقیقت سے قریب تر نظر آتے ہیں۔

اس سلسلے میں بحیرہ نے کراچی میں آباد اسمٰعیلی طبقہ آبادی کے ایک خصوصی سروے کے دوران مختلف مکاتب فکر اور خود آغا خان کے بیروؤں سے تفصیل گفت و شنید کے بعد جو نتائج اخذ کئے ان کے مطابق قیام پاکستان کے بعد ابتدائی چند برسوں کے دوران کراچی اور سندھ میں اسمٰعیلی طبقے کی آبادی بہت کم تھی لیکن ایک اندازے کے تحت آج صرف کراچی شہر میں ان کی تعداد ۷۰ ہزار خاندانوں پر مشتمل ہے جن کا بیشتر حصہ یونائیٹڈ اور دیگر افریقی ممالک سے نکالے گئے افراد پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ سابق مشرقی پاکستان سے بھی ان کی ایک بڑی تعداد سقوط ڈھاکہ سے تقریباً چھ ماہ قبل بحفاظت کراچی اور ملک کے دیگر شہروں میں منتقل ہو چکی تھی۔ بعض باخبر ذرائع کے مطابق سقوط ڈھاکہ کے فیصلے کا علم ان کے رہنماؤں کو بہت عرصہ پیشتر ہو چکا تھا لہٰذا اندرون خانہ انہیں ہدایات دی جا چکی تھیں کہ اپنے اہل خاندان کو جلد از جلد وہاں سے رخصت کر دیں اور صرف مرد حضرات اپنے کاروباری معاملات کے لئے وہاں باقی رہیں اور پھر مرد از آبادی بھی اپنے تمام اثاثے اور نقد رقوم کو لے کر ایک وقت متعین پر بحفاظت وہاں سے نکل آئی تھی۔

ان ذرائع کے مطابق حیرت انگیز طور پر ان کے انخلاء کے بعد جو اثاثے وہاں باقی رہ گئے تھے انہیں شیخ مجیب الرحمٰن کی بنگلہ دیشی حکومت نے باقاعدہ تحفظ فراہم کیا تھا یہی وجہ تھی کہ سقوط ڈھاکہ سے قبل اور اس کے بعد ہجرت کرنے والے تمام تر قیامت خیز ہنگاموں اور درندگی کے مظاہروں کے باوجود جن میں غیر بنگالی پاکستانیوں کی عزت، عصمت، جان اور مال کو مکمل طور پر لوٹا اور برباد کیا گیا۔ اسمٰعیلی طبقہ آبادی کی جانیں اور مال سب کچھ مکمل طور پر محفوظ رہا اور بعد میں جب وہاں کے حالات کچھ سنبھل گئے تو ان میں سے بیشتر افراد دوبارہ وہاں منتقل ہو کر مختلف قسم کے کاروبار میں مصروف ہو گئے ان افراد اور ان کے اہل خانہ کی آج بھی بنگلہ دیش اور پاکستان میں آمد و رفت برقرار ہے اور ان کے کاروبار کا معتدبہ حصہ دونوں ملکوں کے درمیان ہنڈی کے ناجائز کاروبار کے ذریعہ پاکستان سے بنگلہ دیش کو کرنسی کا تبادلہ ہے۔ کیونکہ گزشتہ دس برسوں کے دوران بنگلہ دیش سے بے روزگار بنگالیوں کی ایک بہت بڑی تعداد غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہوئی ہے جس کا ایک بڑا حصہ صرف کراچی میں مقیم ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ان غیر قانونی بنگلہ دیشیوں کی کراچی میں مقیم تعداد پانچ لاکھ افراد سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔ جو شہر کے مختلف تجارتی و صنعتی اداروں کے علاوہ شہر کے فیشن ایبل علاقوں کی کوٹھیوں میں گھریلو ملازمین کے طور پر کام کرتے ہیں۔ چونکہ ان تمام افراد کی کمائی ہوئی رقوم کو کراچی سے بنگلہ دیش منتقل کرنے کا کوئی قانونی ذریعہ موجود نہیں ہے لہٰذا ہنڈی کے کاروبار کے ذریعہ ان بھاری رقموں کو اسمٰعیلی طبقہ آبادی کے وہ افراد جو دونوں ملکوں میں موجود ہیں یہاں سے وصول کر کے بنگلہ دیش کی مقامی کرنسی میں ادائیگی کرتے ہیں۔

پاکستان میں آباد اسمٰعیلیوں کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک جتھہ کی صورت میں رہتے ہیں بالعموم ان کا کوئی خاندان کسی بھی آبادی میں تنہا نہیں رہتا۔ یہ جہاں بھی آباد ہوں اپنی برادری اور قوم کی بنیاد پر ایک الگ جزیرہ بناتے ہیں۔ چنانچہ کراچی جیسے عظیم الجثہ شہر میں آغا خانیوں کی آبادیوں اور جماعت خانوں پر مشتمل لاتعداد جزیرے وجود میں آ چکے ہیں جن کے نظم و نسق ان کی اپنی جماعت کی قائم کردہ سوسائٹیاں چلاتی ہیں۔ ان جزیروں میں کوئی غیر اسمٰعیلی بلا اجازت و مرضی کے ہرگز داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے حفاظتی انتظامات بہت سخت ہوتے ہیں۔

یہ اسمٰعیلی جزیرے جن جن علاقوں میں قائم کئے گئے ہیں ان کے جغرافیہ کے مطابق کھارادر، لی مارکیٹ، رنچھوڑ لائن، گارڈن ایسٹ اور گارڈن ویسٹ ہیں ان کی ۲۲ کوآپریٹو سوسائٹیاں موجود ہیں جن میں فدائی ہاؤسنگ سوسائٹی کے بنگلے ہیں اور قلیٹوں میں پرنس علی خان، پلاٹینم ہاؤسنگ سوسائٹی، البیلا سوسائٹی، الہلال سوسائٹی، نور دلا سوسائٹی، لا بیلا سوسائٹی اور جوبلی سوسائٹی وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح ناظم آباد میں گول مارکیٹ کے پاس پیر الٰہی بخش کالونی میں ایبن آباد، نارتھ ناظم آباد بلاک سی میں نظاری ہاؤسنگ سوسائٹی بلاک بی میں حسن آباد، زہرہ آباد، نور آباد پارٹنرز، کریم آباد میں علی آباد، رحیم آباد اور سلیم آباد اور بے شمار چھوٹی سوسائٹیاں شامل ہیں۔ جبکہ کلفٹن میں بھی بہت بڑی آبادی ہے جس میں ہاتھ آباد پارٹنرز اور بقیہ بنگلے ہیں جبکہ کورنگی اور ملیر میں بھی کئی آبادیاں موجود ہیں۔

اندرون سندھ آباد اسمٰعیلی خاندانوں کی تعداد ۲۵ ہزار کے لگ بھگ بتلائی جاتی ہے جو حیدر آباد کی مثلڈی سڑک پر پریس سوسائٹی کے نام سے ہے اس کے علاوہ سکھر، شکارپور اور ٹنڈو الہ یار، ٹنڈو آدم وغیرہ جیسے ہر چھوٹے بڑے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ملتان اور پنجاب میں پوری زور گروپ آغا خانی ہے۔ اس کے علاوہ سرگودھا، لاہور اور فیصل آباد میں بھی اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ پنجاب میں آباد اسمٰعیلی گھرانے زیادہ تر خود کو شیخ کہلاتے ہیں جبکہ سندھ میں خوجے کہلاتے ہیں پشاور اور مردان میں بھی ان کی قابل ذکر تعداد موجود ہے۔

چترال کی کل آبادی اندازاً ۲ لاکھ بتائی جاتی ہے جس کی چھ تحصیلیں ہیں ان میں سے صرف دو تحصیلوں دروش اور سنی چترال میں آغا خانی حضرات نہیں ہیں جبکہ بقیہ چار میں سے تحصیل ٹھکھو میں تقریباً ۹۹ فیصد گھرانے آغا خانی ہیں لہٰذا انہوں نے اس آبادی کا نام بدل کر کریم آباد رکھ دیا ہے۔ تحصیل مستوج میں ان کی آبادی ۹۰ فیصد ہے اور یہ علاقہ گلگت سے ملتا ہے۔ تحصیل تورکھو میں سنی مسلمان اگرچہ اکثریت میں ہیں لیکن باخبر حلقوں کے مطابق وہاں کے علاقے میں سرحد کے ساتھ ساتھ تمام آبادی اسمٰعیلیوں پر مشتمل ہے اسکے علاوہ تحصیل مڑکھو میں ان کی تعداد ۵ تا ۱۰ فیصد ہے۔

گلگت کی آبادی اندازاً سوا تین لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ اس کے تین ضلعے بلتستان، گلگت اور دیامیر ہیں۔ ضلع گلگت میں تقریباً ۴۰ فیصد آبادی اسمٰعیلی ہے جبکہ باقی تعداد نصف سنی اور نصف شیعہ گھرانوں پر مشتمل ہے۔ بلتستان میں ایک فیصد اسمٰعیلی، ۶۰ فیصد نور بخشی شیعہ، ۲۵ فیصد اثنا عشری شیعہ اور بقیہ ۱۴ فیصد سنی آبادی ہے۔ جبکہ ضلع دیامیر میں ۲ فیصد شیعہ اور باقی تمام سنی افراد ہیں۔ مقامی ذرائع کے مطابق تحصیل ہنزہ چین کی سرحد سے متصل ہے جہاں سے شاہراہ ریشم نکلتی ہے لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اس علاقے کی پوری آبادی اسمٰعیلیوں پر مشتمل ہے جو حکمران کٹم میں سو فیصد موجود ہیں اور دیگر تمام سرکاری شعبوں میں بھی انہیں کا غلبہ ہے چنانچہ باخبر ذرائع کے مطابق یہاں کوئی مسجد موجود نہیں اور اذان کی آواز بھی کبھی نہیں آتی۔ اس آبادی کے چین کے ساتھ خصوصی تعلقات ہیں۔

ان ذرائع کے مطابق پونیال، اشکومن، گوپس، یاسین، غزر، پھنڈر، سرمنگ، داس وغیرہ کے تمام علاقے چترال سے ملحق ہیں اور یہ تمام سرحدی علاقے ایسے ہیں جو اسمٰعیلی طبقہ آبادی کے قبضہ میں ہیں اور واخان سے بہت قریب ہیں۔ جبکہ واخان، بدخشاں اور پامیر کا علاقہ ایک بہت نازک خطہ ہے جہاں روس، افغانستان، چین اور پاکستان کی بین الاقوامی سرحدیں ملتی ہیں۔ لہٰذا روس نے واخان کا علاقہ اسی لئے افغان حکومت سے تحریری طور پر حاصل کر لیا ہے کہ وہاں آغا خانی آبادی موجود تھی اور ان لوگوں نے اس پر کوئی تعرض یا احتجاج نہیں کیا۔

اسماعیلی رہنما اپنی خدمات کے عوض مصر اور شکیا فانگ کو بھی اسماعیلی ریاست کے قیام کے لیے مانگتے رہے ہیں

چترال میں اسماعیلی دہشت گردوں پر مشتمل خصوصی فوج بنائی گئی ہے جسے جدید ترین اسلحہ سے لیس کیا جا رہا ہے

۱۔ کہا جاتا ہے کہ افغان صوبہ بدخشاں اور دیگر کئی علاقوں میں کئی لاکھ اسمٰعیلی آباد ہیں۔ باخبر ذرائع کے مطابق آغا خان کشمیر میں یاسین کا حصہ، ہنزا، پونیال، یاسین، گلگت، چترال کے متوسط لشکر، بیر وغیل، کہت، ریچ اور ملحقہ غیر ملکی علاقے مثلاً واخان، پامیر بدخشان، کران جنجان، شغنان، اشکاشم اور دریاک کا سارا علاقہ رقبہ کے لحاظ سے افغانستان کے برابر ہے۔ چنانچہ قابل غور بات یہ ہے کہ کیا واقعی یہ طبقہ اپنے پیشوا شہزادہ کریم آغا خان چہارم کی رہنمائی میں ایک الگ اسمٰعیلی ریاست کا مندرجہ بالا خواب دیکھ رہا ہے، جو پاکستان کے شمالی حصہ میں چند علاقوں پر مشتمل اور رقبہ کے اعتبار سے افغانستان کے برابر ہو۔

ان ذرائع کے مطابق آغا خانیوں نے اپنا علیحدہ قومی نشان بنا لیا ہے اور ایک علیحدہ پرچم بھی ہے جس کا رنگ سبز اور سرخ ہے اور اس کو وہ "اپنا جھنڈا" کہتے ہیں انہوں نے اپنا قومی ترانہ بھی علیحدہ کر لیا ہے جس کو وہ اسمٰعیلی ترانہ کہتے ہیں۔ آغا خان چہارم کو اس منصوبے میں روس کا بھرپور تعاون حاصل ہے جس کی واضح علامات یہ ہیں کہ مشرقی پاکستان پر بھارت کے حملے کے دوران اور سقوط ڈھاکہ کے موقع پر جملہ اسمٰعیلیوں نے روسی سفارت خانہ میں پناہ حاصل کی تھی۔ شہزادہ صدرالدین آغا خان نے اقوام متحدہ کے تحت پناہ گزینوں کے ادارہ کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے مشرقی پاکستان کے پناہ گزینوں کے نام پر روس کی جانب سے عظیم ترین فضائی منتقل میں اہم کردار ادا کیا جو چنگیز عظیم دم کے بعد سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اس کی آڑ میں کلکتہ سے روسی اسلحہ اور جنگی سازوسامان بھی انہی ہوائی جہازوں کے ذریعے ٹھکانے پہنچایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ افغانستان میں روسی مداخلت کو پاکستان تک پہنچانے میں بھی ان کی کوششیں کافی نمایاں ہیں۔ ان ذرائع کا کہنا ہے کہ افواہ کرم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ آغا خان نے اب تک افغان مجاہدین کی قطعی کوئی مدد نہیں کی ہے اور نہ کوئی علیحدہ دیا ہے حتیٰ کہ زبانی کلامی ہمدردی بھی نہیں کی ہے۔

جب کسی علاقہ پر سیاسی غلبہ یا فوجی قبضے کے لئے منصوبہ بندی کی جاتی ہے تو پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ اس کے لئے انڈر گراؤنڈ ڈھانچہ تیار کیا جائے اور اس مقصد کے لئے مختلف اداروں پر قبضہ جمایا جائے۔ آغا خانیوں نے اس مقصد کے تحت ضروری اندرونی ڈھانچہ تیار کر لیا ہے اور بہت سے اداروں پر تصرف حاصل کر لیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل سے واضح ہے۔

۱۔ بہت سی نئی سڑکیں بنائی جا رہی ہیں جبکہ پہلے سے موجود سڑکوں کو نہ صرف از سر نو تعمیر کیا جا رہا ہے بلکہ ان کو چوڑا بھی کیا جا رہا ہے۔ اس کام کے لئے آغا خان فنڈ میں کافی رقم موجود ہے۔ واضح رہے کہ روس نے افغانستان پر قبضہ کرنے سے قبل افغانستان میں سڑکیں تعمیر کی تھیں۔

۲۔ سڑکوں سے متصل بہت سے نئے زمینی دفاتر بنائے جا رہے ہیں۔

۳۔ ان سڑکوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے لئے بہت سے پل تعمیر کئے جا رہے ہیں۔

۴۔ ہیلی پیڈ تعمیر کئے جا رہے ہیں۔

۵۔ آمدورفت کے لئے دو ہیوی ہیلی کاپٹر ہر وقت

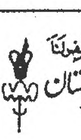

PN: 7/2210 / 335611 / 71333 / 201-05 / 7/0202 / 11710 / 68/850 / 49205

مولانا شاہ کریم الحسینی الامام الحاضر الموجود اسمٰعیلا وافضلنا

دی ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان فیڈرل کونسل برائے پاکستان

ریلیجس (مذہبی کمیٹی) ہیڈ جماعت خانہ۔ بریٹو روڈ۔ کراچی ۳

آغا خانی مذہبی عبادات کا پیغام

حقیقی جذبوں کو یا علی مدد!

بیان یہ ہے کہ ہم لوگ آغا خانی ہیں۔ ہمارا تعلق اسمٰعیلی تنظیم سے ہے جس کی وجہ سے ہماری نوجوان نسل کو مذہبی معلومات فراہم کرنا ہے۔ ہمیں جماعت خانوں میں بھی مذہبی معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو مذہب تعلیم دی جاتی ہے اُس کی روشنی میں ہم آغا خانی بندگی و عبادت جو جماعت خانوں میں کرتے ہیں ویسی اور جتنی تفصیل ہم تحریر کرتے ہیں:

- سلام ہمارا ہے: یا علی مدد او ہمارے سلام کا جواب ہے "مولا علی مدد"۔
- کلمہ ہمارا ہے: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ واشہد ان علی اللہ
- وضو کی ہمیں ضرورت نہیں اس لئے نہ ہم بے وضو کا وضو ہوتا ہے۔
- نماز کا جو طریقہ ہم آغا خانی ادا فرض ہے۔ تین وقت کی دعا جو جماعت خانے میں ہوتی ہے پانچ وقت فرض نماز کے بدلے میں۔ ہماری دعا میں قیام اور رکوع کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی نماز کے فرض کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہر سجدہ کے بعد کھڑے ہوتے ہیں جس کے بعد دعا میں حاضر امام کا تصور لانا بہت ضروری ہے (ہم دعا کی کتاب اس پنجابی کے ساتھ بھیج رہے ہیں۔ آپ کو اس میں ملیں گی اور دوسرے روحانی بھائیوں کو بھی دیں)
- روزہ کا اصل میں آنکھ، کان اور زبان کا روزہ ہے۔ کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہمارا روزہ سورج کے ڈوبنے سے پہلے کھول لیا جاتا ہے۔ یہ بیس گھنٹوں کا وقت ہے اور روزہ فرض نہیں ہے۔ البتہ سال بھر میں جس مہینے کا چاند جب بھی جمعہ کے روز کا ہوگا اس دن ہم روزہ رکھتے ہیں۔
- زکوٰۃ کی بجائے ہم ذمہ داری ہی روپیہ یعنی ڈیوٹائز (سوہنی) ہم فرض کر کے جماعت خانے میں دیتے ہیں۔
- حج ہمارا حاضر امام کا دیدار ہے نہ کہ اس نے زمین پر خدا کا گھر (پب حرف حاضر امام ہے)
- ہمارے پاس تو بوقت قرآن یعنی حاضر امام موجود ہے مسلمانوں کے پاس تو خالی کتاب ہے۔
- ہمارے جسم و ضو اس لئے نہ کرنے کی وجہ یہ ہے۔ چونکہ ہمارا دل کہ معاف کرتے ہیں ہم جس سے اگر کوئی آدمی واجبات خانہ جانے کے وقت جیب سے روپیہ دے کر چینا ڈالر اور اب شتاکیس ڈالر پاؤنڈ اپنی کرایہ کے گناہ معاف کرا سکتا ہے اور اگر کوئی جمعہ کے روز بھی جماعت خانہ نہ جا سکے تو بیسیوں گنا زیادہ رقم کا پیسے دے کر چینا ڈالر اب شتاکیس ڈالر پاؤنڈ اپنی کرایہ کے گناہ معاف کرا سکتا ہے۔
- ہماری بندگی (عبادت) کا طریقہ یہ ہے کہ:

حاضر امام ہمیں ایک بول ہمارا حکم فرماتے ہیں جس کے حوض ہم ۵، روپے ادا کرتے ہیں جس کی بندگی (عبادت) ہم ہر ماہ کے آخری ہفتے میں ادا کرتے ہیں۔ ۵ سال کی بندگی (عبادت) کرانے کے ہم ۵ سو روپے اور ۱۲ سال کی بندگی (عبادت) معاف کرانے کے ۱۲ سو روپے اور لائف ممبر (پوری لائف = عمر) کی بندگی معاف کرانے کے ۵ ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں۔ (ورلڈ حاضر امام کے نور کو حاصل کرنے کے لئے ۱۰ ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں جس سے ہمیں حاضر امام کا نور حاصل ہوتا ہے۔ قیامت کے روز حاضر امام سے ہم اپنے آپ کو بخشوانے (یعنی حاضر امام کے نور کے ساتھ اپنے نور کو ملانے جانے کا حق) جیسیں ہزار پاؤنڈ ہم جماعت خانے میں دیتے ہیں۔ فاندی: ہم نذر و نیاز خیرات کرتے ہیں۔ ہمارے محلوں میں بہترین قسم کے کپڑے والے کھانے، نظم و نسق کے پرزے، زیورات ہم جماعت خانوں میں خیرات (نذر) دیتے ہیں۔ جماعت خانہ والے اس فاندی کو نیلام کر کے اس کی رقم جماعت خانے میں جمع کراتے ہیں۔

ایک اہم وضاحت کرنا بہت ضروری ہے کہ ہمارا مذہب مصدقہ ہے۔ ہمارا مذہب صدیوں پرانا ہے۔ آج تک اس پر کسی نے تنقید نہیں کی۔ اگر ہمارا مذہب غلط ہوتا تو اب تک کا ختم ہو جاتا۔ اب اگر مسلمانوں کو ان کے علماء کو ہمارے مذہب میں کوئی خامی نظر آتی ہے جیسا کہ ان اعتراض ہے تو وہ پہلے جدید دلیل لائے ایک آدھ آج پرنس آغا خان فیڈرل کونسل برائے پاکستان سے وضاحت طلب نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے علماء بھی تنقید کرتے ہیں لیکن ہمارے حاضر امام سے وضاحت طلب کرنے میں کبھی جھجکتے ہیں؟ کیا وہ ہمارے حاضر امام سے ڈرتے ہیں؟ صدیوں سے مسلمانوں کے علماء نے ہمارے مذہب پر کسی تنقید نہیں کی تو یہ چند عمروں صدی کے علماء آخر کہاں سے پیدا ہو کر ہم پر تنقید کرنے لگے؟ یہ محض وقت کی بات ہے ہمیں حاصل ہی ہے۔ پس یہ ہی ہمارے مذہب کے زندہ ہونے کی حقیقت ہے۔

حقیقی مومنو! تم لوگ اپنے مذہب پر ثابت قدم رہو اگر تم سچے ہو۔ گویا میں قرآن کی طرح کے فتنے اور الزامات تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ہمیں اور آپ کو خود مولانا حاضر امام اسمٰعیلی اور بادشاہ کے اعوان میں نصیب ہو (آمین)

آخری کلام: یا شاہ کریم الحسینی انت الامام الحاضر الموجود (نجدوی) اللّٰھم اید نجدوی وملائکتی

فتو عاشق علی (پریذیڈنٹ)

دستخط، اس پیغام کی نقل ہمارے جماعت خانہ کو بھی دی گئی ہیں۔

اور واضح کر دی گئی ہیں۔

دی ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان فیڈرل کونسل برائے پاکستان

ریلیجس (مذہبی) کمیٹی

آغا خان نے اب تک افغان مجاہدین کی نہ کوئی مالی امداد کی ہے، نہ زبانی ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔

موجود رہتے ہیں۔

۶۔ دیہاتی ترقی کے نام پر پانی کی فراہمی کے منصوبے بنایا جارہا ہے۔

۷۔ علاج کے لئے ایمرجنسی کے نام پر ڈائریکٹس کی تقدیمات بھی مہیا کی گئی ہیں۔

۸۔ شمالی علاقہ جات اگرچہ اعلیٰ صحت مندی کے لئے معروف ہیں اور وہاں وبائی اور چھوت چھات کی بیماریاں نہیں ہوتیں لیکن اس کے باوجود علاج کے نام پر سینکڑوں فاسٹل یونٹ قائم کئے جارہے ہیں۔

۹۔ سیکڑوں تعلیمی ادارے کھولے جارہے ہیں تاکہ یہاں کی آبادی کو اسلام سے برگشتہ کرکے اسمٰعیلی مسلک کی ترویج کے لئے راستہ ہموار کیا جائے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ تین سو سال قبل ہند و پاک میں ایک بھی عیسائی نہ تھا لیکن آج عیسائی اسپتالوں اور تعلیمی اداروں کے قیام کے بعد جیریٹ، رومن کیتھولک، سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ جیسے ہر مسلک کے عیسائیوں کی کافی تعداد یہاں موجود ہے۔

۱۰۔ ڈاک کی ترسیل کا انتظام بھی آغا خانیوں کے ہاتھ میں ہے اور علاقے کا پوسٹ ماسٹر جنرل ان کا اپنا آدمی ہے۔

۱۱۔ پاکستانی افواج میں اسمٰعیلی افراد زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھرتی ہورہے ہیں اور گزشتہ دس سال کے مقابلہ میں آج اس بھرتی کی رفتار کئی گنا زیادہ ہوچکی ہے۔

۱۲۔ سول محکموں خصوصاً پولیس اور انتظامی امور سے متعلق سرکاری دفاتر میں بھی یہی صورت حال ہے۔

۱۳۔ فائیو اسٹار ہوٹلوں کا ایک جال بچھا دیا گیا ہے جس میں حکومت کا بھی کچھ تعاون حاصل کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مختلف ذرائع کے مطابق یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان ہوٹلوں کے لئے سرمایہ مختلف نجی اور بیرونی ممالک کے بینکوں سے آیا ہے جبکہ ان بینکوں میں متعدد بینک غیر ملکی سیاحوں کے تصرف میں ہیں جن کی شرح سود بہت زیادہ ہے۔ ان ہوٹلوں میں سیرینا ہوٹلز پرل کانٹی نینٹل (انٹر کانٹی نینٹل)، ہالی ڈے ان اور شیرٹن ہوٹل سب ہی شامل ہیں۔ آج کی دنیا میں عشائیات، فحاشی، جوئے اور سازشوں میں ہوٹلوں کا جو کردار ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۱۴۔ ایک نیوز ایجنسی بھی قائم کی گئی ہے جس کا دائرۂ کار اشتراکی دنیا کے مسلم ممالک تک محدود ہے۔

۱۵۔ بعض اطلاعات کے مطابق ایک انٹیلی جنس ڈیکریشن بھی حاصل کرلیا گیا ہے جس کی اشاعت جلد متوقع ہے۔

۱۶۔ شمالی علاقوں میں آغا خان فاؤنڈیشن کے روورل سپورٹ پروگرام میں غیر ملکی بہبودی ادارے اور بعض بیرونی ممالک کی حکومتیں خصوصی دلچسپی لے رہی ہیں۔ مثلاً حکومت کینیڈا، حکومت امریکہ، حکومت ہالینڈ کے علاوہ ایسٹ ایڈ، او ڈی اے، آکسفام، یو ایس ایڈ اور فورڈ فاؤنڈیشن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس سلسلے میں حاصل شدہ معلومات کے مطابق آغا خان فاؤنڈیشن کا دنیا کے کسی اور ملک یا خطہ میں اس نوعیت کا

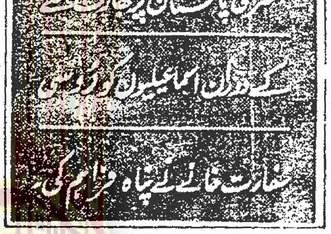

کوئی تر قیاتی پروگرام موجود نہیں ہے۔ آغا خان فاؤنڈیشن کا صدر دفتر سوئٹزرلینڈ کے دارالحکومت جنیوا (یورپ) میں ہے اور ایک رپورٹ کے مطابق شمالی علاقوں کے مذکورہ پروگرام کو خصوصی طور پر پاکستان کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اس پروگرام کی ایجاد، تیاری اور عملی مراحل تک پہنچانے کا سارا کام ایک غیر ملکی شخص رابرٹ ڈی آر کی شانے انجام دیا جو اس پروگرام کا ڈائریکٹر ہے اور جنرل منیجر کے فرائض مسٹر گیلیم ڈی اسپولبرنج ادا کررہا ہے اور متعدد غیر ملکی بہبودیوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔

ان ذرائع کے مطابق یہ پروگرام دیدہ دانستہ اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ اس سے سماجی و اقتصادی طور پر زیادہ سے زیادہ آغا خانی حضرات ہی مستفید ہوں۔ چنانچہ ان سرگرمیوں کا نتیجہ یہ نکلے کہ بہبودیوں کی طرز پر ہندیدہ افراد کا ایک اعلیٰ طبقہ تشکیل پارہا ہے۔ اس مقصد کے لئے اسمٰعیلی حضرات ان علاقوں میں زیادہ سے زیادہ اراضی خرید رہے ہیں اور اپنی دولت مندی کی بنیاد پر ان علاقوں کے معاشرہ میں ان کا غلبہ بڑھتا جارہا ہے جس کے نتیجے میں ایک طرف آغا خانیوں کا دولت مند و ترقی یافتہ طبقہ وجود میں آرہا ہے تو دوسری جانب فلاکت زدہ، منتشر اور بے سروسامان سیدھے سادے مسلمان ہیں۔ اس کے ساتھ ہی باخبر حلقے ایک اور انکشاف کرتے ہیں کہ قابل غور بات یہ ہے کہ تمام دوئے زمین پر آغا خانیوں کی ایک بھی مسجد نہیں ہے لیکن آغا خان نے چترال کے گزشتہ دو حملے میں چند لاکھ روپے ایک مسجد کی تعمیر کے لئے دیئے ہیں جس کا مقصد صرف خود کو مسلم ظاہر کرنا ہے۔ بعض باخبر حلقوں کے مطابق چند برس پیشتر آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کو ایک مرض لاحق ہوا تھا جب ان کے پیٹ میں ناگر، ہنزہ، گلگت اور اسکردو کے لوگوں کا درد اٹھا تھا اور کئی بیانات منظر عام پر آئے تھے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہاں ہندو آباد تھے بلکہ ہماردی آغا خانیوں سے کی گئی تھی۔ اس دوران چترال میں آغا خانیوں اور مسلمانوں میں جو فرقہ وارانہ فساد ہوئے تو آغا خانی "آبادی نے" پاکستان مردہ باد اور روس زندہ باد" کے نعرے بلند کئے تھے۔

مسلمان علمائے دین کے مطابق قادیانیت، بہائیت اور ذکری مذہب کی طرح اسمٰعیلی مذہب بھی جو "آغا خانیت" کے نام سے معروف ہے اسلامی فرقہ نہیں بلکہ ایک مستقل مذہب ہے مگر اس مذہب کی تعلیمات پر وہ آغا خانی میں ہیں نہ عام لوگوں کو اس مذہب کے اصول و عقائد معلوم ہیں نہ اہل علم کو بلکہ خود آغا خانی حضرات کی بڑی اکثریت بھی اپنے مذہب کے اصول و مبادی اور آثار و نتائج سے یکسر بے خبر ہے۔ بس چند رسوم ہیں جو باپ دادا کی تقلید میں سجالائی جارہی ہیں۔ اس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتے کہ مذہب کیا ہے؟ مذہب کی غرض و غایت کیا ہے؟ اسلام کے ساتھ اس کا تعلق ہے یا نہیں؟ اور بانیان مذہب کون لوگ تھے؟ ان کے اغراض و مقاصد کیا تھے؟

اسمٰعیلی مذہب پر سب سے زیادہ مفصل اور محققانہ کتاب جناب ڈاکٹر زاہد علی صاحب کی کتاب "ہمارے اسمٰعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" ہے مگر یہ کتاب آجکل ناپید ہے۔ البتہ مختلف علمائے کرام نے وقتاً فوقتاً آغا خانی تعلیمات کے مختصر نمونے خود آغا خانی حضرات کی مستند کتابوں سے مرتب کرکے شائع کئے ہیں اور آغا خانی دوستوں و بہبودیوں سے درخواست کرتے رہے ہیں کہ وہ بغیر کسی تعصب کے آغا خانی تعلیمات کا مطالعہ فرمائیں پھر ان تعلیمات کا اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ لیں تو یقیناً وہ ایک صحیح نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہوں گے۔

مذکورہ بالا کتاب کے مصنف جناب ڈاکٹر زاہد علی مدظلہ

اسماعیلی مسلمانوں کا کوئی فرقہ نہیں بلکہ ایک الگ مستقل مذہب کو ماننے والے ہیں

مفتی علی حسینی عالم حیدرآباد دکن کے رہنے والے ہیں۔ آپ بقول خود اصل دنبل اسمٰعیلی ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اور مولوی فاضل اور نظام کالج حیدرآباد دکن کے سابق پروفیسر عربی اور وائس چانسلر ہیں۔ آپ "تاریخ فاطمین مصر" کے مؤلف اور دیوان ابن ہانی الاندلسی کے شارح اور آغا پورہ حیدرآباد دکن میں قائم شدہ "اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز" کے رکن رکین ہیں۔ آپ اپنی کتاب "ہمارے اسمٰعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" کے مقدمے میں اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ "میں خود اصالتاً نسلاً اسمٰعیلی ہوں سات پشتوں سے میرے گھرانے میں اسمٰعیلی مذہب کا سرمایہ راز سربستہ کی طرح سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔" وہ صفحہ نمبر ۸ پر بعنوان مقدمہ اپنی اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنے یہاں کی مستند اور معتبر خاص کر زمانہ ظہور کی کتابوں کے اصلی اقتباسات پیش کر دیئے ہیں تاکہ ذمہ داری لکھنے والوں کے سر ہو۔ ان میں سے دو کتابیں تو ہمارے ظہور کے چوتھے امام کی زبان مبارک سے صادر ہونے کا شرف حاصل ہے اور میری حیثیت ناقل محض سے زیادہ نہیں۔ ہر طرح ذات اسلاف کے سوا اس فقیر کا مرجع کوئی اور دوسرا نہیں قرار پاسکتا۔ اب ان کی مزید تحقیق کی ضرورت نہیں۔" (صفحہ ۱۱۔ بعنوان عرض حال)

اس کے علاوہ اردو زبان میں مولانا عبدالحلیم شرر کا مشہور ناول "فردوس بریں" اور ان کی دوسری کتاب "حسن بن صباح" اس سلسلہ کی دلچسپ کتابیں ہیں مولانا نجم الغنی صاحب رام پوری کی کتاب "مذاہب الاسلام" میں بھی ان کے بارے میں کافی مواد موجود ہے۔

ایک اور محقق کے بیان کے مطابق جناب آغا خان سوئم نے اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ "(یہودیوں کے دنیا میں متمول ترین بینک مالکان) جیمز روتھ چائلڈ اور برین مورس ڈی روتھ چائلڈ پچاس سال تک ان کے بے تکلف اور اچھے دوست رہے۔ آغا خان کو ان دونوں نے مشورہ دیا کہ ہم نے اسرائیل کی ریاست بنوالی تم کیوں اسمٰعیلیوں کے لئے ایسی ہی ریاست نہیں بنوا لیتے۔" اس کے بعد آغا خان نے "اسمٰعیلی ریاست" کے لئے اپنی جدوجہد تیز سے تیز تر کردی۔

دارالعلوم سرحد، پشاور کے ایک استاد مولانا عبیداللہ نے اپنے ایک کتابچے "آغا خانیت کی حقیقت" میں خود اسی طبقہ کی ایک کتاب "تاریخ اسمٰعیلیہ" سے متعدد اقتباسات شائع کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ "آغا خان کی شخصیت سے سر جارلس اس قدر متاثر ہوئے کہ اس نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے آغا خان بہت بااثر شخصیت کے مالک ہیں وہ اپنے آدمیوں کی مدد سے ہمارے لئے کراچی سے دہلی وسائل مہیا کر سکتے ہیں اور وہ اسمٰعیلیوں کے موروثی پیشوا ہیں۔ ان کی جماعت اسمٰعیلی کے لوگ ریشیا میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں اور وہ اس خطرناک ماسکو کے رہے جہاں ہمارے بہت سے آدمی بلوچیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے، کارآمد و مفید ثابت ہوں گے۔ جب آغا خان اپنی مختصر فوج کے ساتھ قزوین میں قیام پذیر تھے تو بلوچیوں کے حملہ کی وجہ سے تقریباً ۲۳ لاکھ اور جواہرات کا کثیر نقصان ہوا۔ چنانچہ چارلس نے آغا خان کی بیش بہا خدمات اور قربانیوں کا ذکر گورنر جنرل سے کیا اور اس کے متعلق ایک رپورٹ انگلینڈ روانہ کی گئی۔ جس سے آغا خان کو ہز ہائی نس کا روشنی خطاب عطا کیا گیا۔" (تاریخ اسمٰعیلیہ صـ ۴۹ - ۵۰)

اس کے علاوہ ہفت روزہ خادم الدین لاہور نے چند برس پیشتر اپنی ایک اشاعت میں لکھا کہ "آغا خانی طبقہ کی اشتراکیت پسندی کا بین ثبوت یہ ہے کہ افغانستان میں وہ آغا خان کے علاقہ پر روس اس لئے آسانی سے قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا ہے کہ وہاں کی آبادی آغا خانی ہے۔ افغانستان میں یہ وہ واحد علاقہ ہے جہاں روس نے بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کیا ہے جبکہ افغانستان کے دیگر علاقوں میں روس کو زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور خود ساختہ پرلیورد کی ساری انسانیت خاک میں مل گئی ہے۔ آغا خانی طبقہ کی اشتراکیت پسندی کی دوسری مثال یہ ہے کہ گزشتہ سال آغا خان نے چیکوسلواکیہ کا دورہ کیا جبکہ چیکوسلواکیہ میں کوئی آغا خانی آبادی نہیں اور یہ ایک اشتراکی ملک ہے جس کا دورہ کرنے کا مقصد تجارتی امور بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ اس دورے میں آغا خان نے روس کے ساتھ مالی معاملات کرنے کی کوشش کی ہو تاکہ مجوزہ اسٹیٹ کے بارے میں گفت و شنید ہو سکے۔ الغرض آغا خانیت کے استحکام اور آغا خانی اسٹیٹ کے قیام کی زیر زمین جو کوشش ہو رہی ہے اس کے متعلق پاکستان کے جید علماء صدر مملکت کو آگاہ کر چکے ہیں اور یہاں تک واضح کر چکے ہیں کہ آغا خان مختلف تنظیموں اور فلاحی اداروں کے پس پردہ آغا خان اسٹیٹ کی جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں اس مجوزہ اسٹیٹ کے لئے پرچم اور تخت تک تیار ہو چکے ہیں۔ علماء کرام نے بادشوق اور ٹھوس شواہد کی بنیاد پر جناب صدر مملکت سے اس سلسلہ میں اعلیٰ سطحی تحقیقات کا مطالبہ بھی کیا ہے۔

خادم الدین مزید لکھتا ہے کہ آغا خان اسمٰعیلی جوانوں کی ایک فوجی فورس بھی بنائی گئی ہے جن کی باقاعدہ ایک تنظیم ہے اس کے تحت ان سادہ لوح ضعیف العقیدہ جوانوں کو فوجی تربیت دی جارہی ہے اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس کیا جارہا ہے۔ خصوصاً چترال کے انقلاب کے بعد وہاں کے اسمٰعیلیوں کو جدید ترین اسلحوں سے لیس کیا جا رہا ہے۔ اس کا مقصد وہی ہے جو خدائی فوجدار بنانے وقت من بن صبا رنگ لے سوجا تھا یعنی یہ کہ فائدین اسلام اور زعماء کرام کو قتل کرنا، عالم اسلام میں خونریزی کے ذریعے دہشت پھیلانا اور اسلامی حکومتوں کو قلع قمع کرنا۔ لہٰذا حکومت پاکستان اور مسلمان پاکستان خصوصہ علماء کرام کا یہ فریضہ ہے کہ وہ آغا خانیوں کے اس نقطہ کی طرف خاص توجہ دیں جو مختلف اداروں کے پس پردہ کام کر رہا ہے۔

اس تمام پس منظر میں جمیع الفکر اور محب وطن پاکستانی شہریوں کے ذہن میں جو سوالات اس وقت موجود ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کیا آغا خان اور ان کے مرید مسلمان ہیں؟

۲۔ ہمارے عزت مآب صدر محترم ان کی پاکستان آمد پر ان کے استقبال کے لئے منفی نفیس خود کیوں ایئرپورٹ جاتے ہیں

۳۔ آغا خان کو شاہانہ انداز پر کیوں خوش آمدید کہا جاتا جبکہ ان کا تعلق کسی شاہی خاندان سے نہیں ہے؟

۴۔ کیا یہ صحیح ہے کہ آغا خان کے ذریعہ بھاری اسلحہ اور فوجی ساز و سامان ایران پہنچ رہا ہے جو عراقیوں کے خلاف ٹھوس طور پر اور عراق کے خلاف خصوصی طور پر استعمال ہو رہا ہے۔

۵۔ آغا خان بار بار مشرقی یورپ کے اشتراکی ممالک کے چکر کیوں لگاتے ہیں؟ کیا وہ اسلحہ کی سوداگری میں ملوث ہیں یا اسلحہ کس کے لئے ہے ایران کے لئے ہے یا شمالی علاقہ جات میں اپنے مریدین میں تقسیم کے لئے؟ جبکہ ان ممالک میں نہ تو ان کے مرید ہیں اور نہ سیر گاہیں اگر اسلحہ کا حصول نہیں تو پھر کیا مؤمن ہو سکتا ہے؟

۶۔ شہزادہ صدرالدین کو اقوام متحدہ کا جنرل سیکرٹری نامزد کیا گیا۔ پاکستان نے ان کی نامزدگی کی کیوں حمایت کی؟

۷۔ کیا علامہ احسان الٰہی ظہیر کو اس لئے قتل کیا گیا کہ مرحوم نے ایک کتاب "الاسمٰعیلیہ" لکھی تھی؟

اس کے علاوہ ایک اہم حقیقت یہ ہے کہ آغا خان کا شمالی علاقوں میں دیہاتی تعاون کا پروگرام اس نوعیت کا ہے کہ اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی اس پروگرام سے بظاہر بھی طور پر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ آغا خان کو ان علاقوں پر مکمل اقتدار حاصل ہے۔ لہٰذا اس صورت میں ایک اہم ترین سوال یہ ابھرتا ہے کہ کیا دنیا میں کوئی اور ایسی حکومت ہے جس نے اپنی حاکمیت اعلیٰ کو اس طرح کسی دوسرے ادارے، فرد یا جماعت کو منتقل کر دیا ہو؟

تکبیر کی رپورٹ پر آغا خان فاؤنڈیشن کی وضاحتیں

- ہم علی کو اللہ نہیں مگر اللہ کے نور سے ضرور سمجھتے ہیں۔
- ہمارے امام مافوق الفطرت طاقتوں کے مالک ہیں۔
- رفاہی سرگرمیوں کے لیے پاکستان کے شمالی علاقوں کا انتخاب ہم نے یہاں اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی کثیر آبادی کی بناء پر کیا ہے۔

تکبیر نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۸۸ء میں صفحہ نمبر ۱۲ پر "آغا خان کی پاکستان میں بڑھتی ہوئی دلچسپی اور اس کے اسباب" کے عنوان سے ایک خصوصی رپورٹ شائع کی تھی جس کے بعض مندرجات کے بارے میں اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے آغا خان فاؤنڈیشن کی کراچی شاخ نے تکبیر کو اپنے دفتر آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ بروز جمعرات مورخہ ۳ مارچ تکبیر کی جانب سے اس کی مجلس ادارت کے دو اراکین محمد نعیم عارفی اور ناصر محمود نے آغا خان فاؤنڈیشن کے دفتر میں اس کے سرکردہ افراد جناب رمضان مرچنٹ اور عاشق علی سے ملاقات کی اس موقع پر ایڈیشنل گرلز آنٹ کمشنر کے سربراہ جناب انور ایچ رمل بھی موجود تھے۔ گفتگو کے دوران فاؤنڈیشن کی جانب سے پہلے مختلف سلائیڈز کے ذریعے شمالی علاقوں میں کیے گئے ترقیاتی کاموں کی لکھائی کی گئی اور پھر وضاحتی سوال وجواب کا دور شروع ہوا جس کی اہم تفصیلات قارئین کی دلچسپی کے لئے مندرجہ ذیل سطور میں پیش کی جارہی ہیں۔

پاکستان کے شمالی علاقوں میں فاؤنڈیشن کے ترقیاتی کاموں سے متعلق سلائیڈز شو کے اختتام پر جناب عاشق علی نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ تکبیر نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا وہ سب درست ہے لیکن اس میں سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔

تکبیر: ممکن ہے آپ کا یہ فرمانا درست ہو لیکن بحیثیت پاکستانی شہری آپ بھی جانتے ہیں اور ہم بھی اس بات سے آگاہ ہیں کہ کراچی سے چترال تک ہمارے ملک کا کوئی شہر اور کوئی علاقہ ایسا نہیں ہے جہاں اس قسم کے بنیادی ترقیاتی کاموں کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی تازہ مثال سندھ میں تھر کا قحط زدہ علاقہ ہے جس کے مصیبت زدہ افراد کے لئے سرکاری و غیر سرکاری طور پر ایک مہم چلائی گئی لیکن اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آغا خان فاؤنڈیشن نے اس جانب کبھی کوئی توجہ نہیں دی آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ کی تمام دلچسپیوں کا مرکز شمالی علاقہ جات ہی کیوں ہیں؟ جبکہ ان سے زیادہ مستحق آبادیاں اور متاثرہ علاقے آپ کے راستے میں موجود ہیں۔

عاشق علی: اس سلسلے میں ایک بات سمجھنا ضروری ہے کہ آغا خان فاؤنڈیشن یا اس قسم کی دیگر ترقیاتی ایجنسیاں

رپورٹ: ناصر محمود

کوئی حکومت نہیں ہیں ان کا کام صرف حکومت کی کوششوں اور اس کے منصوبوں کو آگے بڑھانا ہوتا ہے اس کی جگہ لینا نہیں دوسری بات یہ کہ ہر ایسی ایجنسی کے کچھ اپنے حلقے ہوتے ہیں، مثلاً ہماری اسمٰعیلی جماعت شمالی علاقوں یا چترال میں کافی بڑی تعداد میں موجود ہے۔ ویسے بھی ہمیں بچپن میں مدارس میں یہی تعلیم دی جاتی تھی کہ پہلے آپ اپنی مدد کریں پھر اپنی فیملی کی مدد کریں اس کے بعد ہمسائے کی اور پھر معاشرے کی لہٰذا قدرتی طور پر سب سے پہلے ہم اسی علاقے میں جائیں گے جہاں ہمارے اپنے لوگوں کی تعداد زیادہ ہو اس کے دو اسباب ہیں پہلا یہ کہ ہم اپنے ہونہار لوگوں کو پہلی ترجیح دیں گے اور دوسرا یہ کہ ہمیں اپنے پروگراموں کی کامیابی کے لئے ایک انفراسٹرکچر درکار ہوگا جس کے لئے کام کرنے والے ہمارے اپنے لوگ ہر سو نہ پائیں۔ اب کسی ایسے غیر علاقے میں اگر ہم جائیں جہاں ہمارے اپنے لوگ نہ ہوں اور بنیادی ڈھانچہ فراہم نہ ہو تو لازماً کام متاثر ہوگا۔ کیونکہ ہماری جماعت میں رضاکارانہ کاموں کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور ہمارے لوگ والنٹیئر کے طور پر زیادہ کام کرتے ہیں۔ اب جہاں تک تکبیر کا تعلق ہے تو وہاں ہم بھی دوسری ایجنسیوں کی طرح کام شروع کر رہے ہیں۔ ابھی پرسوں ہی سندھ اسمبلی کے اسپیکر مظفر حسین شاہ صاحب نے ایک میٹنگ بلائی تھی کہ وہاں چونکہ ٹی بی کی بیماری بہت ہے لہٰذا ہم آپ سے توقع کرتے ہیں کہ آپ وہاں کچھ دوائیاں فراہم کریں۔ لہٰذا ایسا نہیں ہے کہ ہم دوسرے علاقوں میں کام نہیں کرتے۔

تکبیر: شمالی علاقوں میں آپ کو کام شروع کئے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟

رمضان مرچنٹ: یہ ہمارا پانچواں سال ہے ویسے وہاں ہمارا اسکول تو ۱۹۴۵ء سے قائم ہے۔ دوسرا یہ کہ آپ نے غالباً شمالی علاقے دیکھے نہیں ہیں اگر آپ انہیں دیکھ لیں تو اندازہ ہوگا کہ تھر میں تو چونکہ تین سال سے قحط ہے لہٰذا صورتِ حال زیادہ خراب معلوم ہوتی ہے لیکن وہاں تو ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گاؤں اور اردگرد کے پہاڑوں سے باہر کی دنیا کبھی نہیں دیکھی اور مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق وہ علاقہ دنیا کا پسماندہ ترین کہلاتا ہے اور ہمیں بیرونی ذرائع سے امداد بھی اسی لئے ملتی ہے ورنہ وہ ہمیں کبھی ایڈ

(AID) نہ دیتے۔

تکبیر:۔ پچھلے پانچ برسوں کے دوران ملنے والی اس بیرونی امداد کی اوسط مالیت کتنی رہی ہے؟

رمضان مرچنٹ:۔ اس دوران ہنزہ ائی نس ہمیں ہر سال ۲۰ لاکھ ڈالر دیتے رہیں اس کے علاوہ تیس لاکھ ڈالر کے لگ بھگ بیرونی ممالک سے ہر سال مل جاتے ہیں جن میں برطانیہ، ہالینڈ، امریکہ، جرمنی وغیرہ کے امدادی ادارے شامل ہیں جو ہمارے پروگراموں کی پیشگی منظوری کے بعد ہمیں امداد کی رقوم دیتے ہیں۔

تکبیر:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر سال مجموعی طور پر پچاس لاکھ ڈالر سے زائد امداد وصول کرتے ہیں۔ کیا یہ تمام رقوم آپ مقامی لوگوں کو مفت فراہم کرتے ہیں یا ان سے بھی کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں؟

رمضان مرچنٹ:۔ یہ ہم انہیں بالکل مفت فراہم کرتے ہیں۔ ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ جب ہم کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو پہلے ہم اس گاؤں کی پوری آبادی کو اکٹھا کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی گاؤں کی ۷۵ فیصد آبادی کی شرکت ضروری ہوتی ہے تب ہم ویلج آرگنائزیشن بناتے ہیں۔ پھر ان سے پوچھتے ہیں کہ وہ بتائیں کیا چاہتے ہیں۔ اس کے جواب میں کچھ لوگ پانی کی نہریں طلب کرتے ہیں کچھ کی شکایت پختہ سڑکوں سے متعلق ہوتی ہے۔ بعض لوگ سیلاب سے پریشان ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ وہ طلب کرتے ہیں اس کے لئے پہلی گرانٹ ہم بالکل مفت دیتے ہیں۔ فرض کریں اس پر ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں یا ۳ لاکھ تک خرچ ہوتے ہیں تو اس کا انتظام و جنرل مینیجر کو ہوتا ہے لیکن اس سے زائد کا معاملہ بورڈ کے پاس جاتا ہے۔ اس کی پہلی قسط ۲۵ فیصد ہم دیتے ہیں کہ اس سے کام شروع کر دیا جائے۔ اسی طرح ہم لوگوں کے مویشیوں کو بیماریوں سے تحفظ فراہم کرتے ہیں جس کے لئے مختلف ٹیکے لگانے کی تربیت دی جاتی ہے اور ان کی فیس دو روپے فی انجکشن مقرر کی گئی ہے یہ ہم مفت نہیں دیتے کیونکہ مفت دینے سے کسی چیز کی افادیت نہیں رہتی۔ حبیب بینک سے ہم زرعی قرضے لے کر ان لوگوں کو دیتے ہیں جو چھ ماہ بعد قابل واپسی ہوتے ہیں یہ بلا سود قرضہ ہے اور مختلف گاؤں ان کے دروازوں تک پہنچاتے ہیں۔

تکبیر:۔ آپ کا زرنامہ یہ ہے کہ ان تمام خدمات کے کچھ چارجز نہیں لیتے جبکہ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ان آبادیوں میں پہلے لوگوں کی ممبر شپ کرتے ہیں اور اس کی فیس وصول کرتے ہیں جو آجکل ۳ سو روپے فی ہاشندہ ہے اور اس کے بعد ہر ماہ دس روپے فی کس کے حساب سے لوگوں سے وصول کر کے ان ترقیاتی رقوم کی واپسی کا نظام قائم کیا گیا ہے۔

رمضان مرچنٹ:۔ ویلج آرگنائزیشن کی ممبر شپ ہوتی ہے

موجودہ آغا خان اپنے اہل خانہ کے ساتھ

لیکن اس کی فیسوں کی وصولی والی بات قطعاً غلط ہے۔ البتہ لینڈ ڈیولپمنٹ پروجیکٹ سے خرچ آنے والی رقوم جو این ڈی ایف سی نے ہمیں بلا سود قرض کے طور پر دی ہیں، وہ ہم ان سے وصول کرتے ہیں کیونکہ وہ قرض ہے جس کی واپسی ضروری ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو کام ہیں مثلاً ابھی ہم نے ایک سڑک بنائی ہے جس پر ۲۰ لاکھ حکومت نے خرچ کئے اور دس لاکھ ہم نے دیئے، اس کے کسی کوئی ادائیگی وہ لوگ نہیں کرتے۔ یہ تو گرانٹ ہے۔ باقی ہر ایک ویلیج آرگنائزیشن کے نام ہے۔ اس کے اکاؤنٹ کی رقوم ہیں جو حبیب بینک میں جمع ہیں اور ان کی مجموعی مالیت ۲۴ ملین روپے تک پہنچ چکی ہے جس میں ایک ہزار دیہات کی رقوم شامل ہیں۔

عاشق علی:۔ ایک تو ہوتی ہے چیریٹی اور ایک ہے ڈیولپمنٹ۔ ہمارا چیریٹی کا نہیں ہے کیونکہ جب آپ کسی کو خیرات دیں گے تو وہ ایک قسم کا نشہ بن جائے گا اور آدمی ذہنی طور پر پسماندہ ہو جاتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو وسائل ہم اپنی طرف سے استعمال کر سکتے ہیں وہ کریں۔ جو وسائل

اسماعیلی اسلام کے بنیادی اصولوں کو مانتے ہیں، اختلاف صرف فروعی باتوں میں ہے۔

ان کے پاس موجود ہیں، ان کو ملا کر ان کے معیار زندگی کو بہتر بنائیں اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا موقع دیں۔ اس کی وجہ سے اس پورے علاقے میں گزشتہ ۲۰ برسوں کی نسبت آج ایک تبدیلی آپکی ہے اور ان کی معاشرتی زندگی سنور چکی ہے۔

تکبیر:۔ آپ کے اور وہاں کے مقامی مسلمانوں کے درمیان عقائد کے فرق کی بناء پر گزشتہ چند برسوں میں: ہاں جو اختلافات رونما ہوئے، ان کا کیا پس منظر تھا؟

رمضان مرچنٹ:۔ صرف چترال میں ہوئے تھے، گلگت میں کہیں بھی نہیں ہوئے اور ان کا پس منظر یہ تھا کہ مولوی لوگ آکر تقریر کرتے ہیں اور یہ اشتعال پھیلانے والی تقریریں ہوتی ہیں۔

تکبیر:۔ اس سلسلے میں ملنے والی اطلاعات کے مطابق تو پہلی آپ کی جانب سے ہوئی جب آپ کے کسی سرکردہ شخص کی ایک ریکارڈ شدہ کیسٹ کے ذریعہ مقامی علماء نے یہ سنا کہ قرآن میں پانچ نمازوں کا کہیں وجود نہیں ہے اور اب اسلام میں پانچ نمازیں فرض نہیں ہیں لہٰذا لوگ یہ نمازیں ترک کر دیں۔ اس کے نتیجے میں عام مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا اور دونوں طبقات کے مابین وہاں ایک مناظرہ ہوا جس کے بعد آپ کے افراد کی جانب سے متعلقہ مسجد کا گھیراؤ کیا گیا اور بڑے پیمانے پر لڑائی جھگڑے ہوئے۔

رمضان مرچنٹ:۔ جی نہیں یہ سب جھوٹ ہے اور چترال میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا نہ کوئی مناظرہ منعقد ہوا۔

عاشق علی:۔ دیکھئے نا یہ جو مذہبی اختلافات ہیں وہ کوئی نئی چیز تو نہیں ہیں۔ چودہ سو سال سے چلے آ رہے ہیں۔ نظریہ ہر ایک جماعت کا اپنا ہوتا ہے لیکن اسلام کے کچھ بنیادی اصول ہیں جو اصول دین کہلاتے ہیں۔ وہ سب

ہم مسجدیں نہیں جماعت خانے بناتے ہیں

مسلمانوں کے بیٹے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس پر پورا بھروسہ، آنحضرتؐ آخری پیغمبر ہیں، قرآن ہماری آخری کتاب ہے۔ یہ تو ہیں اصولِ دین اس پر کسی مسلمان کا نظریہ میرے خیال سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اگر آپ امامت کا نظریہ لیں تو وہ صرف اسمٰعیلی طبقے تک محدود نہیں ہے شیعہ بھی ہیں اور اہلِ بیت کو ماننے والے تو بہت ہیں۔ اس کے بعد جو چیز آتی ہے وہ فروعِ دین ہے کہ آپ اپنے دین پر کس طرح سے عمل کرتے ہیں اور اس میں بھی اگر آپ اسلام کو دیکھیں تو ہر ایک مسلک اپنے اپنے لحاظ سے عمل پیرا ہے۔

تکبیر :۔ یہ جو آپ نے تین باتیں بتائیں تینوں پر شک ہے۔ مجھ میں لیکن نماز کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟

عاشق علی :۔ ہم نماز پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم اپنی طرز سے نماز پڑھتے ہیں۔

رمضان مرچنٹ :۔ پانچ وقت کی نماز میں تو شیعہ جس طرح ظہر اور عصر کی ایک ساتھ پڑھتے ہیں وہ بھی شامل ہوتی ہے نا۔ کوئی اکٹھا جمع کر کے پڑھتا ہے کوئی ہاتھ کھول کر پڑھتا ہے طریقہ الگ الگ ہے نماز تو سب پڑھتے ہیں۔

تکبیر :۔ روزے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

رمضان مرچنٹ :۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔

عاشق علی :۔ دیکھیں اس میں دو چیزیں ہیں۔ ایک تو ہے یقین (BELIEF) اور دوسری عمل (ACTION) یہ کوئی بھی مسلمان جب کہتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تو یہ اس کا کلمہ ہے جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ اس کے بعد (PRACTICE) اعمال ہیں ان پر بھی ہر مسلمان کا عقیدہ ہے۔ اب وہ اس پر عمل کرتا ہے یا نہیں کرتا ہے یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔ آپ پاکستان کو ہی لے لیجئے ہماری آٹھ کروڑ کی آبادی میں اگر جائزہ لیں تو کتنے لوگ نماز جانتے ہیں یا نماز کی اہمیت کو جانتے ہیں یا نماز پڑھتے ہیں؟ لہٰذا یہ تو ہر ایک کا اپنا اپنا معاملہ ہے۔

تکبیر :۔ معاف کیجئے اسلام عملی دین ہے صرف عقیدہ رکھنے سے تو کوئی بھی مسلمان نہیں ہو جاتا جب تک کہ وہ اس پر باقاعدہ عمل کرنا شروع نہ کرے مثلاً آپ محض پانچ نمازوں پر یقین تو کریں لیکن ایک بھی نہ پڑھیں یا میں کہوں کہ ہاں نمازیں مسلمانوں پر کبھی فرض تھیں لیکن اب نہیں ہیں تو اس سے ہم مسلمان تو نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح اگر ہم یہ کہیں کہ قرآن میں تیس سپاروں کی بجائے چالیس تھے جن میں سے باقی دس صرف ہمارے پاس ہیں تو کیا ہمارا اسلام باقی رہ جائے گا۔

عاشق علی :۔ نماز پڑھنے سے کوئی آدمی مسلمان نہیں ہوتا۔

رمضان مرچنٹ :۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ نماز جائز ہے لیکن اب کسی کو ہاتھ کھڑے کر کر کے نماز پڑھانے نہیں لے جایا جائے گا۔ اس کے علاوہ جو چیز آپ کے ہاں ہمارے لیٹریچر کے حوالے سے شائع ہوئی ہے وہ قطعی ہمارا لیٹریچر نہیں ہے اور کسی نے آپ کو غلط فراہم کیا ہے۔

تکبیر :۔ لیکن خود آپ کی اپنی درسی کتب کے حوالے سے جو اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں کہ آپ کا کلمہ حضرت علی کو نعوذ باللہ اللہ قرار دیتا ہے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

رمضان مرچنٹ :۔ علی ولی اللہ شیعوں کا کلمہ ہے۔

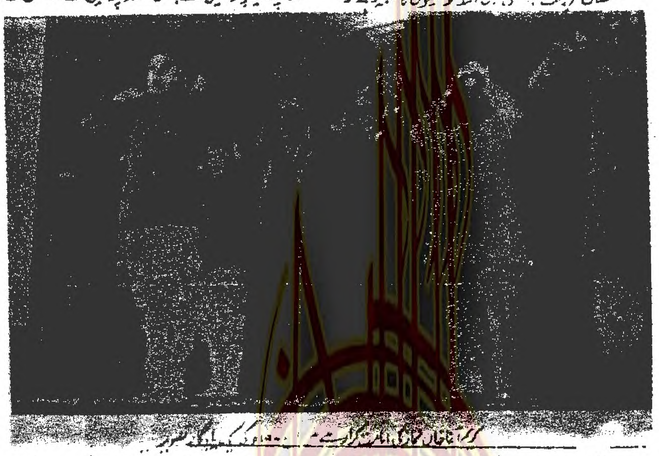

کراچی کا جماعت خانہ، امامیہ کراچی کے صدر

عاشق علی :۔ سمجھا، نہیں کا کلمہ تو ایک ہی ہے، لیکن آپ کو اس چیز کا علم ہونا چاہیئے کہ جو شیعہ ان علی میں، وہ کلمے کے بعد علی کی ولایت پر زور دیتے ہیں اور امامت کو مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ علیؑ امیر المومنین کہ امیر المومنین کہتے ہیں، کہ علیؑ ولی اللہ کہتے

اگر کوئی اسمٰعیلی نماز پڑھنا چاہے تو وہ کسی بھی مسلک کی مسجد میں جا کر نماز ادا کر سکتا ہے۔

ہیں، لیکن شیعوں میں بھی علی کی ولایہ کے مختلف بیان موجود ہیں۔ کہیں کہتے ہیں کہ ولی اللہ ہیں، کہیں کہتے ہیں کہ ولی اللہ اور وصیؐ الرسول اللہ ہیں، لیکن وہ کلمے کا حصہ نہیں ہیں۔ آپ کے پاس آغا خانیوں سے متعلق جو لٹریچر آیا ہے، اس میں اس کا غلط سلط اخذ کیا گیا ہے، جس ہماری کتاب ہے، وہ میں آپ کو بھیج دوں گا۔ اس میں آپ دیکھیے گا کہ کیا لکھا ہوا ہے۔ ہماری نظر میں علیؑ اللہ یعنی ی کے اوپر دو پیش ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ALI IS FROM ALLAH یعنی علی، اللہ کی طرف سے ہیں۔ اب اگر میں وہ دو پیش ہٹا دوں، تو آپ کیا پڑھیں گے؟ علی اللہ پڑھیں گے نا۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ لوگ اس کو غلط معنوں میں لیتے ہیں۔ ہم آپ کو اپنے لٹریچر سے یہ بتا سکتے ہیں کہ علی کو ہم کیا مانتے ہیں؟ امام کو ہم کیا مانتے ہیں؟

تکبیر :۔ اسی طرح آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کے جماعت خانوں میں آپ کے حاضر امام کی تصویر سامنے رکھ کر مخصوص نماز پڑھی جاتی ہے۔

عاشق علی :۔ یہ بھی غلط مشہور کیا گیا ہے۔ ہم جماعت خانوں میں نماز نہیں پڑھتے۔ جس طرح صوفیا کی اپنی خانقاہیں ہوتی ہیں، شیعوں کی امام باڑگاہیں ہیں، بوہریوں کے، ہالائی میمن کے اور کھائی میمن برادریوں کے اپنے جماعت خانے ہیں کھانا ہیں اور ان جگہوں میں وہ ذکر کرتے ہیں اور اپنی دعائیں پڑھتے ہیں، نماز نہیں پڑھتے۔ یہ جماعت خانے صرف ان لوگوں کے لیے ہوتے ہیں، جو اس برادری یا اس جماعت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے جماعت خانے ہیں۔ جہاں

تک نماز پڑھنے کا تعلق ہے، نماز مسجد میں پڑھی جاتی ہے اور مسجد اللہ کا گھر ہے۔ وہ کسی اور کا گھر نہیں ہو سکتا، کسی کی جائیداد بھی نہیں ہو سکتی اور اس کے دروازے کسی پر بند بھی نہیں کئے جا سکتے، چاہے وہ کسی بھی مسلک سے ہو۔

تکبیر:۔ تو کیا آپ کی آبادیوں میں مساجد الگ بنائی گئی ہیں؟

عاشق علی:۔ ماضی میں اگر آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو ہر بائی نس کے اجداد نے ایڈیا میں کافی مساجد بنائی تھیں لیکن یہاں پاکستان میں نہیں بنائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ شیعہ مسجد، یہ سنی مسجد، یہ اسمٰعیلی مسجد، یہ بریلوی مسجد کی تکرار میں نہ پڑیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، سب کے لیے کھلا ہے، جس کو نماز پڑھنی ہے، وہاں جا کر اپنے طریقے سے نماز ادا کرے۔

تکبیر:۔ صرف حضرت علی کے لیے ہی آپ نے اپنے کلمے میں تخصیص کیوں رکھی ہے کہ وہ اللہ سے ہیں؟ جبکہ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ ہم سب کو اور پوری انسانیت کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

عاشق علی:۔ دیکھئے علی ہمارا پہلا امام ہے اور اس کو ہم فاؤنڈیشن کہتے ہیں، ہر شیعہ برادری اس پر یقین رکھتی ہے اور اس میں علی کو ایک خاص مقام حاصل ہے کہ علی اللہ کے نور سے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو میں کہتا ہوں، وہ آپ مان لیں۔ اختلاف ۱۴ سو سال سے رہے ہیں اور رہیں گے، لیکن اختلاف، اختلاف تک محدود رہنا چاہئے، دشمنی تک نہیں پہنچنا چاہئے۔

تکبیر:۔ آپ کے بقول حضرت علی سے جو امامت کا سلسلہ شروع ہوا، کیا وہ آپ کے موجودہ امام آغا خان تک برقرار ہے؟

عاشق علی:۔ جی ہاں! آغا خان ہمارے ۴۹ ویں امام ہیں۔

تکبیر:۔ گویا ان کا فرمان، آپ کے نزدیک اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے؟

عاشق علی:۔ ظاہر ہے۔ دیکھئے نا، ہر جماعت کے اور ہر قوم کے کوئی نہ کوئی سربراہ ہوتے ہیں اور جو لوگ ان کے پیروی کرتے ہیں، ان کا یہ فرض ہوتا ہے کہ جو بھی ہدایات وہ دیں، ان کی مکمل پابندی کی جائے۔

تکبیر:۔ کیا آپ کے موجودہ سر آغا خان کے ساتھ کچھ سپر نیچرل پاورز بھی ہیں، جیسے کہ حضرت علی کے ساتھ تھیں۔

عاشق علی:۔ جہاں تک سپر نیچرل پاورز کا تعلق ہے، وہ ہوتی نہیں ہیں، بلکہ پائی جاتی ہیں۔ ہمارے اعتقاد کے مطابق ہر نیچرل کو ہم سپر نیچرل جنس کہتے ہیں۔ ایک تو ہوتی ہے روحانیت، لیکن دوسری ہوتی ہے قابلیت، جو ایسی اعلیٰ شخصیات میں پائی جاتی ہے اور وہ ہمارے امام صاحب میں موجود ہے۔

اسماعیلی مذہب اپنے اصل خدوخال کے ساتھ

۵ مارچ کو آغا خان فاؤنڈیشن کی دعوت پر تکبیر کے نمائندوں نے فاؤنڈیشن کے ارباب حل وعقد سے تفصیلی ملاقات کی جس میں فاؤنڈیشن کی طرف سے جناب عاشق علی، جناب رضوان مرچنٹ اور اطہر رسل صاحب نے کھلے دل و مخلصانہ کے ساتھ اپنے عقائد اور آغا خان رورل سپورٹ پروگرام کی تفاصیل بتائیں۔ عقائد کے سلسلے میں انہوں نے کہا کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج اور عمرے کرتے ہیں اور مسلمانوں کے بالعموم تمام اعتقادات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آئمہ پر ہمارا یقین غیر متزلزل ہے مگر جس طرح مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں اختلافات ہیں، ہمارے اعتقادات اور بعض دیگر فرقوں میں بھی فروعی اختلافات پائے جاتے ہیں جو انہیں موضوع مخاصمت یا باعث نزاع اور سبب جنگ و جدال نہیں بننا چاہیئے۔ ہم مسلمان ہیں اور اپنے دیگر مسلمان بھائیوں سے خود کو جدا نہیں سمجھتے۔ ناقدگان تکبیر نے ان وضاحتوں پر اسماعیلی فرقے کے مقتدر رہنماؤں کا شکریہ ادا کیا مگر ابھی بہت سی باتیں وضاحت طلب ہیں جو اسماعیلی دینی اور تعلیمی لٹریچر کی اساس ہیں۔ ہم بے حد شکر گزار ہوں گے اگر ان کے تحریری تردیدی جوابات ہمیں ارسال کر دیئے جائیں۔ بہتی سے اسماعیلی مذہبی کتب میں درج شدہ بہت سی ایسی باتیں اور عقائد موجود ہیں جو توحید، رسالت اور آخرت کے اسلامی تصور سے متصادم ہیں۔ ہم اسماعیلی کتب کے حوالوں کے ساتھ انہیں شائع کر رہے ہیں۔ اسماعیلی حضرات کی وضاحت کے لیے تکبیر کے صفحات ہمیشہ حاضر ہیں۔

عاشق علی صاحب اللہ، اس کے رسولؐ اور دیگر امامیوں کو تقریباً اسی طرح مانتے ہیں جس طرح دیگر مسلمان۔

اسماعیلی فرقے کی کتب سے یہ بھی واضح ہے کہ وہ آدم (ناسخ) کو نہ صرف مانتے ہیں بلکہ یہ ان کے عقائد میں ایک بنیادی اور اساسی چیز ہے، کیا یہ درست ہے؟

ان کی کتاب کلام الٰہی اور فرامین امام صفحہ ۵۴ پر تحریر ہے "امام کا ظہور اللہ کا ظہور ہے جس کی پہچان اللہ کی پہچان ہے، جس کی بندگی اللہ کی بندگی ہے، جس کی حمد اللہ کی حمد ہے، جس کی بیعت اللہ کی بیعت ہے اور جس کے فرمانبرداری اللہ کی فرمانبرداری ہے۔"

بلیس امام شاہ کی کتاب گنان موتی چیتا منی صفحہ ۲-۱ پر، جو اسماعیلی پبلیکیشنز بمبئی نے شائع کی، تحریر ہے۔ "آسمان سے بادل آئیں گے ادھر اُدھر برسیں گے، یہ سب مولا علی کے ہاتھ میں ہے جس نے ساری کائنات پیدا کی، یہ پوری کائنات مولا علی ہی نے پیدا کی ہے اور سب کا رب وہی ہے۔"

مندرجہ بالا کتاب کے صفحہ ۱۰۶ پر تحریر ہے۔ "نبی محمدؐ کی سب بات سمجھ میں آئی کہ حضرت علی اللہ کے اوتار ہیں۔ جب حضورؐ نے شاہ ولی کا دیدار کیا تو سب سے اوّل ان کو صحیح اللہ پایا، پھر مریدوں کو دیدار کرایا۔"

(صفحہ ۱۰۷) "نبی محمدؐ نے یہ بتلایا کہ بھائی فرشتو! آپ کو ایک اچھی بات بتاتا ہوں جب علی پیدا ہوئے تو انہوں نے اپنا تعارف مجھ کو خود ہی کرایا کہ وہی تو (یعنی علی) اپنی کائنات کا خالق ہے، اس لئے علی کو صحیح اللہ کہیئے۔ مولا علی کی قدرت لامتناہی ہے۔"

گنان برہم پرکاش مؤلف پیر شمس الدین / اسماعیلی فرقے کی مکاری و دستاویز مطبوعہ اسماعیلی ایسوسی ایشن فار انڈیا بمبئی صفحہ ۲۹۶ "اس کالیجگ میں خدا وند عالم کا ظہور انسانی جسم میں ہے اور وہ ساری روحوں کا شہنشاہ ہے، یعنی وہ امام حاضر ہے" یہی کتاب صفحہ ۲۹۷) "اس دنیا میں جو مومن پہلے تھے اور جو مومن اس وقت ہیں اور جو آئندہ ہوں گے، یہ سب مومن شاہ پیر (امام) کی عبادت کرتے تھے، کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔"

پیر شمس کی کتاب گنان شائع کردہ اسماعیلی ایسوسی ایشن برائے ہند بمبئی کے صفحہ ۴۶ پر مسئلہ تناسخ بسلسلہ ایمانیات درج ہے۔

۱۔ پہلا اوتار شاہ (اللہ) نے مچھلی کے روپ میں لیا۔ دیو سنکھ سر کی گردن مروڑ کر شاہ نے مار ڈالا اور چاروں وید اس سے لے آئے۔

۲۔ دوسرا اوتار کچھوے کی شکل میں لیا اور دیو "مدھو کیٹک" کو مارا اور پوری دنیا کا بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھایا۔

۳۔ شاہ نے تیسرا اوتار وارہ (سور) کے روپ میں لیا اور شاہ نے "مور" دیو کو مارا اور دیو "ہرنا کشس" کو بھی مارا اور

"پرہلاد" اور پانچ کروڑ مریدوں کو نجات دلائی۔

۴۔ شاہ نے چوتھا اوتار "نرسنگھ" کے روپ میں لیا اور دیو "ہلی" کو ہلاک کیا۔

۵۔ شاہ نے "پرشورام" کے روپ میں پانچواں اوتار لیا اور شیستر ارجن دیو کو مارا۔

۶۔ چھٹا اوتار شاہ نے "رام" کے روپ میں لیا اور دس سر والے "راون" دیو کو ہلاک کر کے "سیتا" کو آزاد کروایا اور راجہ "وبھشن" کو لنکا کا راجہ بنایا۔

۸۔ آٹھواں اوتار شاہ نے "کرشن" کے روپ میں لیا، "نند" کے گھر پیدا ہوئے۔ کالے بھیب ناگ کی ناک میں نکیل ڈال دی اور دیو "کنسا سور" کو قتل کیا۔

۹۔ شاہ نے نواں اوتار "بدھ" کے روپ میں لیا اور دیو "ورید دھن" کو قتل کیا۔ پانچ پانڈوؤں کو بچایا اور راجہ "دھرتر اشٹر" کو کروڑ مریدوں کے ساتھ نجات دلائی۔

۱۰۔ آجکل دسویں اوتار میں "علی" کے روپ میں شاہ (یعنی امام حاضر آغا خان) ظہور میں ہیں۔

اسماعیلی بچوں کے لئے اسماعیلی مذہبی بورڈ کی طرف سے مرتب کتاب سکھشا مالا کے سبق ۴، صفحہ ۱۱ میں درج ہے۔

"امام حاضر پیر شاہ ہے۔ پیر شاہ یعنی نبی (پیغمبر) اور شاہ (علی) ہمارے پہلے پیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہمارے پہلے امام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں جنہوں نے اسماعیلی عقیدے کے مطابق (نعوذ باللہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مقرر کیا ہے۔ ہمارا چھیاسواں پیر حضرت مولانا شاہ کریم الحسینی ہے اور ہمارا ستاسواں امام حضرت مولانا شاہ کریم آغا خان الحسینی ہے۔"

کلام امام مبین کا فرمان نمبر ۵۳ ہے: "آپ جانتے ہیں کہ انسان کی زندگی اور دنیا ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ ہر چیز بدلتی رہتی ہے جس میں صحیح ہدایت امام حاضر ہی دے سکتے ہیں۔ اسماعیلیوں کے پاس ہدایت کے لئے کوئی لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے، مگر ہدایت کے لئے زندہ امام ہے۔"

کلام امام مبین (حاضر امام) کے فرمان نمبر ۲ (صفحہ ۶۴) میں تحریر ہے۔ "حضرت مرتضیٰ علیؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ یہ کتاب مجھ کو رسول اللہ نے دی ہے اور آپ لوگوں تک پہنچانے کی وصیت کی ہے۔ اس پر سب لوگوں نے کہا، ہمارے پاس حضرت عثمانؓ کی کتاب ہے، وہ کافی ہے آپ کی کتاب کی ہم کو ضرورت نہیں۔ اس پر علی مرتضیٰؓ نے فرمایا، اس کتاب کی رتی بھر خبر آپ کو تاقیامت نہیں ملے گی۔ یہ کہہ کر کتاب اپنے گھر واپس لے گئے۔ وہ کتاب بقیہ دس سپارے ہیں جن کے بارے

اس کلجگ میں خداوندِ عالم کا ظہور انسانی جسم میں ہے اور وہ

ساری رُوحوں کا شہنشاہ یعنی حاضر امام ہے۔" گنان برہم پرکاش

پرنس کریم آغا خان ۱۹۸۱ء میں ڈربی (یو کے) کے لیے

ہیں پیر صدر الدین نے "گنان" میں سمجھا دیا ہے، اس کے مطابق عمل کرو۔"

کلام امام مبین (حاضر امام) کے فرمان نمبر ۳۸ میں صفحہ ۹۶ پر تحریر ہے: "جس امام کی بابت ہو اس کے فرمان پر عمل کرو۔ توریت، انجیل، زبور اور فرقان یہ سب الگ الگ قوموں پر وقتہ وقتہ سے نازل ہوتی تھیں۔ قرآن شریف بھی حتی تھا مگر خلیفہ عثمانؓ کے وقت میں رد و بدل کر دیا گیا۔ آگے کے الفاظ پیچھے اور پیچھے کے آگے رکھ دیئے گئے ہیں۔ اس معاملے میں سارے خلاصے ہمارے پاس ہیں۔ تم لوگ ہم سے پوچھو، ہم سارے خلاصے دکھائیں گے۔"

"گنان موہن چیتا منی مرلف سید امام شاہ اسماعیلی آفیشل پبلیکیشنز صفحہ نمبر ۹۵" قرآن کے چالیس پارے ہیں جن میں سے ۳۰ پارے اس دنیا میں ہیں اور باقی دس پارے امام کے گھر میں ہیں۔ ان دس پاروں کو "الہر وید" کہتے ہیں۔ امام کی زبان ہی دس پارے ہیں۔"

کلام امام مبین (فرمان آغا خان سوئم) سرکاری اسماعیلی پبلیکیشنز صفحہ نمبر ۱۰۔ "آپ لوگوں کے لئے جو علم ہے، وہ گنان ہے۔ قرآن شریف کو ۱۳ سو سال ہو چکے ہیں۔ وہ ملک عرب کی آبادی کے لئے ہے۔ آپ کے لئے گنان ہے جسے سات سو سال ہوتے ہیں، اسی پر عمل کرتے رہیں۔"

گنان نمبر ۳۵، صفحہ نمبر ۴ مولف پیر صدر الدین اسماعیلی سرکاری پبلی کیشن۔ "جس کو شاہ علی (امام حاضر) کا دیدار نصیب ہوا، اس کو کوئی جسمانی تکلیف نہیں پہنچے گی، اور آواگون کے دوران جتنے گناہ جمع ہوئے تھے، وہ بھی معاف ہو جائیں گے اور وہ سانوں آسمان پر فائز ہو گا۔"

درسی کتاب برائے شعبہ مذہبی مدارس اسماعیلیہ ایسوسی ایشن از علی بھائی بابوانی مارگ درشنیکا صفحہ نمبر ۱۰۲۔

"سوال:۔ خداوند تعالیٰ کا ظاہر روپ کیا ہے؟

جواب:۔ حاضر جامہ کا روحانی شاہ کریم الحسینی امام حاضر کہ جس میں خدا کا نور ہے، جو ظاہر میں نور کا حامل جسم ہے، اس کا نام شاہ کریم امام حاضر ہے۔"

آغا خان فاؤنڈیشن کی وضاحتیں غیر تسلی بخش ہیں

اسماعیلی مسلمانوں کے ہمارے ساتھ تاریخی اور مذہبی رشتے ہیں

آغا خان فاؤنڈیشن کی "وضاحت" کے حوالے سے چند وضاحتیں مجھے بھی کرنی ہیں۔ برادرم اسے اپنی آئندہ اشاعت میں شامل فرمائیں۔

رمضان مرچنٹ صاحب نے لکھا کہ چترال میں مسجد کا گھیراؤ نہیں کیا گیا۔ یہ واقعہ ایسا ہے جس سے چترال کا بچہ بچہ واقف ہے تحصیل مستوج کے شہر بونی میں جو کہ آغا خانیوں کا قلعہ تصور کیا جاتا ہے، وہاں کی جامع مسجد کا باقاعدہ گھیراؤ کیا گیا۔ مسجد پر فائرنگ کی گئی۔ کئی مسلمان نمازی شدید زخمی ہوئے جمعۃ المبارک کے روز کئی گھنٹے تک نہ کسی کو مسجد میں جانے دیا گیا نہ وہاں سے کسی کو باہر آنے دیا گیا۔ دیگر دیہاتوں میں بھی کئی مسلمان شہید ہوئے۔ جس کے ردعمل میں چترال شہر کے نوجوانوں نے مشتعل ہو کر آغا خان ہوٹل کو آگ لگا دی طویل عرصے تک دفعہ ۱۴۴ نافذ رہی کراچی سے مسلمان علماء اور مبلغین کے وفود نے وہاں جا کر امن قائم کیا۔ صوبہ سرحد اور کراچی کے اخبارات میں اس کی خبریں چھپتی رہیں۔ اتنے بڑے واقعے کا انکار کرنا ایسا ہے جیسے آغا خان کے ریس کے گھوڑے "شیر گڑھ" کے انوکا انکار کرنا جس کی یاد میں محکمہ جات اپنے بچوں کا نام شیر گڑھ رکھتے ہیں۔

عاشق علی صاحب نے اصول و فروع دین پر اظہار خیال کیا ہے۔ توحید، رسالت، معاد، قرآن پر ان کے جو عقائد ہیں ان سے کچھ تو آپ کے رسالے میں پہلے ہی چھپ چکے ہیں۔ کچھ آپ کو سوادِ اعظم چترال کے کتابچوں میں مل جائیں گے کچھ میں بھیج رہا ہوں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ شرک جلی کے مرتکب ہیں۔ ذات و صفاتِ باری تعالیٰ میں سخت کمی کے مرتکب ہیں۔ جیسا کہ منسلک پمفلٹ سے ظاہر ہے کہ آغا خان نے نومبر ۱۹۸۶ء کو اسمبلی میں ایک مذہبی تقریب "یوم حساب" کی معافی "منعقد کی اور لوگوں کی (نعوذ باللہ) افضل جانتے ہیں قرآن کو ۱۴۰۰ سال پہلے کے مراثیوں کے لیے ہدایت ہونے لگا اب ان کے مریدوں کے لیے کسی لکھی ہوئی کتاب کو نہ ماننے میں اور الغرض ہر قسم کے اصولِ دین سے ان کے بحر آزاد ہونے

۱۱ نومبر ۱۹۸۶ء کو آغا خان نے امریکہ میں "یوم حساب" کی معافی کی تقریب منعقد کر کے اپنے پیروکاروں کو اس کی اطلاع دی

میں کوئی شبہ نہیں۔

نماز

نماز کے بارے میں انہوں نے تقیہ اختیار کیا ہے۔ یہ لوگ عام طور پر نماز پڑھنے والے کو بد دین گمراہ اور ضلالتی کہتے ہیں، نفاس، جنابت کسی سے فراغت اور غسل ضروری نہیں سمجھتے۔ اسی حال میں جماعت خانے جاتے ہیں۔ وضو کے نام سے کوئی واقف نہیں۔

ان کی نماز کی قام مقام "دعا" پڑھنے والا امیر مولا آغا سامنے کی طرف اور باقی جماعت ان کے چہرے کی طرف آمنے سامنے سجدہ کرتے ہیں سامنے آغا خان کی تصویر ہوتی ہے۔ یہ نماز جو کہ کسی طرح نماز نہیں کئی دفعہ تبدیل ہو چکی ہے ——— اس کے الفاظ، ترتیب اور ہیئت بار بار بدل چکے ہیں ——— پہلے ہندو مذہب (MY THOLOGY) سے اخذ کی گئی تھی ایک مجلہ اس نماز کا عاشق علی کی یادداشت تازہ کرنے کے لیے لکھتا ہوں۔

"..... ...."

جس میں رامیہ ہریش چندر، رانی تاراستی اور دیگر بھگوانوں اور دیوتاؤں کے نام لیے جاتے تھے اور گجراتی زبان میں پڑھی جاتی تھی۔ پھر کچھ عربی سنسکرت کچھ نماز آئی جس کے ابتدائی الفاظ ہیں ———

"..... ...."

"اب عربی زبان میں ہے۔ بعض اوقات یہ نماز۔ کوئی بالغ یا نابالغ لڑکی یا لڑکا پڑھاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ کسی کو واسطہ نہیں کہ ظہرین (ظہر و عصر) یا مغربین (مغرب و عشا) جمع بین الصلوٰتین نہیں کرتے۔ ظہر اور عصر میں تو کچھ ہوتا ہی نہیں۔ کبھی کرفیو وغیرہ ہو تو شام اور رات کی بندگی دن کو بارہ ایک بجے بھی ادا کر لیتے ہیں۔ قبلہ رُخ کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آغا خان کبھی فرانس کبھی سوئٹزرلینڈ کبھی ہوائی میں ہوتے ہیں۔ آخر ہمارے کیسے اپنے متحرک قبلے کی ایک جگہ رکھیں" امام ہی (درحقیقت) کعبہ الغوام ہیں"۔ یہ الفاظ کتاب وجہ دین کے صفحہ ۱۱۲ پر درج ہیں۔ جسے دار الحکمۃ الاسماعیلیہ ہنزہ گلگت نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب حکیم تاج خسرو نے لکھی اور اس پر درج ہے۔ بجناب مولانا الامام المستعز باللہ علیہ السلام (جو کہ اسماعیلیوں کے امام ہیں حضور ہے۔

روزہ اور حج

چترال میں ان کے مشنری یہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی بکری چرائی تھی جس کی سزا کے طور پر تیس روزے فرض ہوا۔ اور یہ لوگ "ستی ماں" کا رکھتے ہیں۔ جو ہر جمعرات کو نیز سحری کھائے رکھا جاتا ہے اور سوا پہر بعد افطار کیا جاتا ہے۔ لیکن آجکل اس ہندوانہ رسم کا نام مشکل کشا مولا علی کا روزہ رکھ دیا ہے۔ جو حضرت علیؓ کے لیے رکھا جاتا ہے۔ چاند کی ۱۳ تاریخ کو نویں کا روزہ اسی طرح اتنے ہی وقت کے لیے ہوتا ہے۔ رمضان کے روزے انہیں قطعاً معاف ہیں البتہ جس ماہ کا چاند جمعہ کو ہوتا ہے اس روز "بیج" یعنی دوسری

کا روزہ رکھتے ہیں۔ نہ رکھنے کی صورت میں جماعت خانے میں داخلے ڈال کر بخشوایا جاسکتا ہے۔

حج کے بارے میں انکا عقیدہ ہے کہ آغا خان کا دیدار کرنا حج ہے۔ دیگر حوالوں کے علاوہ "وجہ دین" کے حوالہ جات بھی اس کی تائید میں موجود ہیں۔

یہ ہے ان کی مذہبیت کا مختصر احوال۔ آپ کو اپنے انٹرویو میں یہ باتیں پوچھنا تھیں۔ خیر پھر سہی۔

حقوق داخلہ

طالقا ہوں، امام باڑوں اور یمن اور دوسری برادریوں کے جماعت خانوں میں ہر شخص جاسکتا ہے کوئی پابندی نہیں۔ کیوں کہ یہ کلب نہیں کہ اس کے لیے ممبر شپ ضروری ہو۔ حتیٰ کہ گرجاؤں، مندروں اور سکھوں کے گردواروں میں بھی ہر شخص بلکہ ہر مسلمان جاسکتا ہے کوئی روک ٹوک نہیں۔ پھر آغا خانیوں کے جماعت خانوں پر کیوں لکھا ہوتا ہے کہ صرف آغا خانیوں کے لیے۔ اور دوسروں کو وارننگ دی جاتی ہے کہ غیر متعلقہ افراد کو بحوالہ پولیس کیا جائے گا۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ چند اخباری رپورٹر اور علماء حضرات کو یہ لوگ اجازت دیں اور وہ جاکر دیکھیں کہ جماعت خانوں میں ان کی "پجا پاٹ، گیان دھیان" اور مورتی یا آغا خان کی تصویر کے سامنے پرستش کس طرح ہوتی ہے۔ آخر ایسا کون سا راز ہے جس کے افشاء سے ایک "مسلمان جماعت" خوف زدہ ہے۔

اسلام کے بنیادی عقائد

کی ترویج و تبلیغ کیجیے

ہز ہائینس آغا خاں سے اپیل

THE OVERSEAS TIMES — January 15-31, '87

AN APPEAL TO HIS HIGHNESS THE AGA KHAN

YOUR HIGHNESS:

Further to our Society's last appeal through 'The Overseas Times' of October 1986, the Islamic Dawa Society of Canada wishes to make one more appeal, in the name of Islam and for the cause of promoting and upholding the fundamental doctrines of Islam.

The Dawa Society has taken cognizance of the fact that in the year 1986, Your Highness has time and again projected before the world through media, an image of an upholder, promoter and defender of Islam and it's doctrines.

The Dawa Society has also taken cognizance of the fact that during the same year, some of your acts and morves or lack of actions on your part, reflect or causes to give about an image, which is of a discord or lack of concoard.

The Dawa Society wishes to bring to your attention the following with a sincere request and an appeal to please clarify and make your actions to set right the affairs that project the image of discord.

On July 29, 1986, through a Press Release circulated by your office - Le Secretariat, Aiglemont, 60270 Gouvieux, France, it was pronounced "The Aga Khan had, at all times, made it clear to the defendants that his sole concern in the action had been to protect the interest of Islam..."

In October 1986, on a television series "Man Alive" produced by CBC Canada, Your Highness, during an interview with Roy Bonisteel declared that the Quran is the only miracle in Islam.

In July 1986, Your Highness recognized the defendants acknowledgment that "neither the Aga Khan nor his grandfather had ever laid claim to divinity but on the contrary have consistently emphasized the fundamental Islamic doctrine of "Tawhid" - the Unity of God".

Seemingly at variance to the above, in November 1986 Your Highness during the visit of U.S.A., performed religious ceremonies called "Day of Judgment Forgiveness". Every 'mureed' over an age of 55 years that sought forgiveness was forgiven of his sins by you, upon a payment of certain cash consideration to your treasury.

The Quran, "the only miracle in Islam" says, Allah alone has the power to forgive sins.

In June 1986 a group of Ismailis was refused permission to recite 'Azan and Namaz' in the Jamatkhanas of Sind, Pakistan an Islamic Republic. For the restoration of their basic right as Muslims, the group had to file an application in the High Courts of Sind, Pakistan.

Your Highness often recites 'Namaz' (Islamic Prayers) with other Muslims in Islamic Mosques around the world. Your Highness has personally led 'Namaz' and yet you refuse your own followers to recite 'Namaz' in the Jamatkhanas. Your Highness has never lead "Du'a" (Ismaili Prayers) nor has joined in "Du'a" with other Ismailis. Yet, you insist upon your followers to recite () times in a day) "Du'a" which has been time and again declared as un-Islamic prayer. "Du'a" is compiled and/or formulated by your grandfather. "Namaz" is a prayer directed by Prophet Muhammad, peace be upon him.

It has been reported that Your Highness has issued instruction to close down Jamatkhanas in the Middle East, following an armed raid upon a Jamatkhana in Saudi Arabia and the subsequent deportations of all Ismailis from Saudi Arabia, for their un-Islamic activities and for reciting "Du'a" facing your Highness'. Coloured photographs in the Jamatkhana

Finally, Your Highness is it is earnestly requested to please disown and/or denounce at publicity, the misleading 'Farmans' (Commands) made by your grandfather, on the subject of the Quran. The 'Farmans' were made with a malice to lower the prestige of the Quran in the eyes of Ismailis

May Allah guide you to fulfill your desire of protecting the interest of Islam and it's doctrines.

The Dawa Society anxiously awaits your earliest response.

Islamic Dawa Society of Canada

3226 East 44th Avenue, • Vancouver, B.C. Canada • V5S 4L4

PLEASE PHOTOSTAT COPIES AND GIVE OTHERS

اور ہز ہائینس آغا خاں سے اپیل

عالی جاہ:۔ انجمن دعوت اسلامی کینیڈا نے اکتوبر ۱۹۸۶ء اور مزید برآں اکتوبر ۱۹۸۶ء کے اوورسیز ٹائمز میں ایک اپیل پیش کی تھی اور ہز ہائینس کو مخاطب بنا کر اس اپیل کے حوالے سے انجمن نے اپنا یہ موقف واضح کیا تھا کہ اسلام کے بنیادی عقائد کی ترویج و تبلیغ کے سلسلہ میں آپ کی ذات گرامی سے ہمیں بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ انجمن بنائے اس حقیقت کا احساس کیا ہے کہ ۱۹۸۶ء میں آپ اپنے کچھ ایسے اقوال، افعال اور اعمال کے ذریعہ اسلام کے بنیادی عقائد کے منافی تاثر پیش کرنے کا سبب بنے ہیں۔ انجمن نے اپنی اس اپیل میں آپ کی توجہ ان امور کی طرف مبذول کرائی تھی جو اسلام کے بنیادی عقائد کے منافی ہیں۔ انجمن نے آپ سے یہ بھی گزارش کی تھی کہ آپ اپنے اقوال اور اپنے کردار پر نظر ثانی فرما کر اسلام کے بنیادی عقائد کی ترویج و تبلیغ کے سلسلہ میں اپنا کردار ادا کریں۔ لہٰذا انجمن نے آپ سے پرزور مطالبہ کیا تھا کہ آپ ۲۹ جولائی ۱۹۸۶ء کو Le Secretariat Aiglemont (ضلع اوائز) فرانس سے جاری کردہ پریس ریلیز کے ذریعہ اپنے اس بیان کی وضاحت فرمائیں کہ "آغا خان نے ہمیشہ اس بات کو واضح کیا ہے کہ اس کے پیش نظر صرف اور صرف اسلام کے مفادات کا تحفظ رہا ہے"۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء میں CBC کینیڈا کے ایک ٹیلیویژن پروگرام Man Alive میں Roy Bonisteel کے ساتھ انٹرویو میں آپ نے اعلان فرمایا تھا کہ قرآن کے سوا اسلام میں کوئی معجزہ نہیں ہے۔ جولائی ۱۹۸۶ء میں آپ نے اس بیان کی تردید کی تھی کہ آپ یا آپ کے دادا نے کبھی الوہیت کا دعویٰ کیا

کیا حکومت واقعی حصولِ زکوٰۃ کی مستحق ہے؟

رمضان کی آمد کے ساتھ ہی جہاں فطری طور پر اس بابرکت مہینے کے فیوض و برکات یعنی رحمت مغفرت اور عتاب دوزخ سے نجات کے خوش آئند مژدے ذہنوں میں گونجنے لگتے ہیں وہیں عملی طور پر ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی کے تضادات بھی کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ سبزیوں، پھلوں، گوشت اور دیگر اشیائے صرف و ضرورت کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں تاجروں اور متعلقہ حضرات کے مزاج بالعموم بدل جاتے ہیں پورے ملک میں بالعموم اور کراچی میں بالخصوص بھکاریوں اور مانگنے والوں کی ریل پیل ہو جاتی ہے دروازے کھٹکھٹا کر کھانے پینے، روپے پیسے اور کپڑے وغیرہ نیز زکوٰۃ کے مانگنے والوں کا تانتا بندھ جاتا ہے سڑکوں، گلیوں اور خاص طور پر چوراہوں پر جیسے ہی گاڑی رکتی ہے بچیاں، مانگنے والے لپک کر آتے ہیں اور مختلف انداز سے پوز بنا بنا کر مانگتے ہیں آخر ان بھکاریوں، فقراء اور غریب لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے اور رمضان المبارک کے مہینے میں ان لوگوں کی اتنی کثرت کیوں ہو جاتی ہے؟ مزید یہ کہ کیا حکومت اس سلسلے میں کوئی ذمہ داری قبول کرتی ہے؟ ہم سمجھتے ہیں منطقی طور پر یہ حکومت کی بھرپور ذمہ داری ہے کہ وہ ان مفلوک الحال لوگوں پر پوری پوری نظر بھی رکھے اور ان کی کفالت، رہائش اور ہر ضرورت کا ذمہ بھی لے کیونکہ حکومت نے وصولیابی زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کا باقاعدہ نظام قائم کیا ہوا ہے ایک اخباری خبر کے مطابق بینکوں کے اکاؤنٹس پر زکوٰۃ کی کٹوتی اس سال گذشتہ سال کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوئی ہے اور حکومت بھی اس سال اس سلسلے میں بہت زیادہ فعال ہے اس نے زکوٰۃ حکومتی اکاؤنٹس میں جلد از جلد یعنی ایک ہفتے کے بجائے صرف پانچ دن میں منتقل کرنے کی پابندی عائد کر دی ہے۔ زکوٰۃ کے سلسلے میں ابتدائی خبر اسی کروڑ روپیہ کی وصولیابی کی تھی جس کی بعد میں تصحیح کرکے بتایا گیا کہ زکوٰۃ کی وصولیابی ۲ ارب روپیہ سے متجاوز ہے اور حکومت اسے بہترین طریقے سے تقسیم کرنے کا تہیہ کر چکی ہے حکومت کے زکوٰۃ کو بہترین طریقے سے تقسیم کرنے کے اس دعوے کے بعد جب ہم گلیوں، سڑکوں، چوراہوں اور گھروں تک میں بھکاریوں اور مفلوک الحال مانگنے والوں کے جم غفیر دیکھتے ہیں تو حکومت کی تضاد بیانی پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے مزید ایک اور خبر فاطمید فاؤنڈیشن کو ساٹھ لاکھ روپے زکوٰۃ فنڈ میں سے دیئے جانے کی منظوری سے متعلق ہے جس میں زکوٰۃ کونسل کے چیئرمین اور سپریم کورٹ کے جج جناب جسٹس شفیع الرحمٰن کی صدارت میں ہونے والی ایک میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ فاطمید فاؤنڈیشن کو ساٹھ لاکھ روپیہ زکوٰۃ فنڈ سے فوراً ادا کئے جائیں ہم باادب یہ گذارش کریں گے کہ زکوٰۃ فنڈ کسی کی ذاتی جائیداد یا ملکیت نہیں جسے جب اور جیسا چاہا صرف کر دیا یہ صرف اور صرف اہل سنت والجماعت حضرات کے خون پسینہ سے کمائی ہوئی دولت میں سے بالجبر ان کی مرضی کے بغیر مہیا کی جاتی ہے اس سلسلے میں اہل تشیع اور آغا خانی حضرات کا واضح موقف ہے کہ ان کی زکوٰۃ نہ بینک کاٹ سکتے ہیں نہ کسی غیر اہل تشیع کو دی جا سکتی ہے چنانچہ یہ حضرات بینکوں کو لکھ کر دے دیتے ہیں کہ ہمارا اسکل یہ ہے اس لیے زکوٰۃ نہ کاٹی جائے ہمیں بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں وہ اپنی زکوٰۃ جسے چاہیں دیں یہ ان کا حق ہے ہمیں اعتراض اس بات پر ہے کہ جب ان کی زکوٰۃ ان کے فرقے کے علاوہ کسی کو نہیں دی جا سکتی اور آغا خانی حضرات کی رقوم سوائے آغا خانی حضرات یا پرنس آغا خان کے کسی کو نہیں دی جا سکتیں تو اہل سنت

ہفت روزہ تحریک

کی زکوٰۃ بھی صرف اور صرف اسی فرقے کے لوگوں کا حق ہے اور حکومت کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ وہ جبراً ان کی زکوٰۃ میں سے بندر بانٹ کی مرتکب ہو۔ دوسری بات جس کا ہمارے محترم وزیراعظم ایک سے زیادہ بار اظہار فرما چکے ہیں یہ ہے کہ اگر کوئی شریعت نافذ کرے گا اور کہہ سکتا ہے تو وہ ہم ہیں وہ بار بار فرماتے ہیں اور ایسا کرنا ان کے اختیار میں ہے بھی مگر بہرحال انہیں یہ سعادت تاحال حاصل نہیں ہو سکی ہے اس سلسلے میں وہ اپنا موقف یہ بیان فرماتے ہیں کہ بس ذرا ملک کے سب فرقے اس سلسلے میں ہم خیال ہو جائیں ایک رائے ہو جائیں تو ہم شریعت نافذ کر دیں۔ اگر وہ شریعت نافذ نہیں کر سکتے یا کم از کم ابھی تک نافذ نہیں کر سکے ہیں تو پھر انہیں زکوٰۃ کاٹنے کا حق کہاں سے مل گیا جو غالباً سترھویں چیز ہے اور جب زکوٰۃ کاٹی جا رہی ہے مضاربت کے اصول کو اپنایا گیا ہے تو پھر بینکوں کو سودی کاروبار کی کھلی چھٹی کیسی کیا انہیں قرآن کا یہ واضح حکم یاد نہیں کہ "یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" (اے ایمان والو اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ) آخر کیا جواب ہے ان کا اس حکم الٰہی کے سلسلے میں؟ تیسری اور آخری بات ہم اس سلسلے میں ان بھکاریوں اور فقراء کی فوج ظفر موج کی موجودگی کے بارے میں عرض کریں گے کہ جناب والا یہ کروڑوں بلکہ اربوں روپے کی زکوٰۃ جو لوگوں سے جبراً وصول کر لی گئی ہے۔ اس کی صحیح صحیح تقسیم کا انتظام بھی فرمایئے جیسی کہ اب تک خبریں آتی رہی ہیں کہ حکومت کے پروردہ اور مسلم لیگی عمال اور کارپرداز حضرات زکوٰۃ تک کو نہیں چھوڑتے۔ خود بھی استفادہ کرتے ہیں اور اپنے حلقۂ اثر کو بھی اس سے نوازتے ہیں۔ یہ ناگفتہ بہ صورت حال اصلاح طلب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی حکومت کو طول دینے کے شوق اور انہماک میں وہ مہلت عمل ختم ہو جائے یا سلب کر لی جائے جو تا حال ملی ہوئی ہے۔ شریعت بل منظور کیجئے اور نفاذ شریعت کے بعد اپنے آپ کو زکوٰۃ کی وصولیابی کا مستحق بنایئے نیز زکوٰۃ کو صحیح صحیح طریقے سے مستحق لوگوں تک پہنچایئے۔ اسلام معاشرے اور ریاست دونوں پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ اس کی حدود عمل کے اندر رہنے والا کوئی بھی شخص کم سے کم ضروریات زندگی سے محروم نہ رہنے پائے معاشرے کے اندر جو لوگ بیروزگار ہو جائیں یا کسی عارضی سبب سے ناقابل کار ہوں یا کسی مستقل وجہ سے ناکارہ ہو جائیں یا کسی حادثے یا آفت کا شکار ہوں، ان سب کو سہارا دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ وہ بچے بھی جن کا کوئی سرپرست نہیں، ان کی سرپرستی بھی حکومت کا فرض ہے۔ اس اللہ تعالیٰ دھوم دھڑکے اور کھانے پینے کے دور میں جہاں ہر سال ستر اسی ارب روپے حکومت کے خزانوں سے غتربود کر لئے جاتے ہیں صدر مملکت اور وزیراعظم اپنی خصوصی توجہ سے اس ملک اور ملک کے رہنے والوں کو بہترین خوشحال زندگی کی ضمانت دلا سکتے ہیں بصورت دیگر اگر ستم کی یہ رات طاری رہی تو بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

INTERNATIONAL URDU WEEKLY ہفت روزہ تکبیر کراچی TAKBEER KARACHI-PAKISTAN
مدیر: محمد صلاح الدین
اشاعت ۸ تا ۱۴ اپریل ۸۸ء
جلد نمبر ⑩ شمارہ ⑮
۱۲

ملک کے شمالی علاقوں میں اسمٰعیلی ریاست کے قیام کے منصوبے پر عمل جاری ہے

روس کی مدد سے زیر تکمیل یہ سازش پاکستان کی سالمیت کے لیے سنگین خطرہ ہے

س :۔ مولانا آجکل آغا خان اور اسمٰعیلی حضرات کے متعلق کچھ ایسے مضامین شائع ہوئے ہیں جن سے ان کے مسلمان ہونے کے دعوے کی تردید ہوتی ہے۔ اسمٰعیلی مذہب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج :۔ آغا خانیت دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے بغاوت کرکے اپنے لئے اختیار حاصل کرنے کی ایک سبیل ہے۔ اس کا بانی دراصل ابو عبداللہ شیعی ہے جو ایرانی تھا۔ عبیداللہ مہدی کو اسی نے جاکر برآمد کرایا کہ تم امام ہو اور ان کا نسب نامہ بتایا جس میں پانچ مستور ہیں اور آخر میں چل کر اس کو ملایا، حضرت اسماعیل سے اور کہا حضرت اسماعیل بیٹے تھے حضرت جعفر صادق کے اور حضرت جعفر صادق نے ان کو نامزد کیا تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو امام یا نبی نامزد کرنے کا اختیار حاصل ہی کہاں ہے؟ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو نامزد کیوں نہیں کیا۔ باقی یہ قصہ کہ رسول اللہ کے بعد حضرت علی وارث ہوئے یہ یہودیوں نے انہیں بتایا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے خسر طالوت کے وارث ہوئے تھے انہوں نے سمجھا کہ وراثت ایسے ہی ہوا کرتی ہے اس لئے رسول اللہ کے وارث (ان کے خیال میں) حضرت علیؓ ہوئے جب ان سے کہا گیا کہ داماد تو حضرت عثمانؓ بھی تھے مگر اس کا ان لوگوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا کیونکہ حضرت عثمانؓ داماد بھی تھے اور دو دو مرتبہ تھے اس لئے ذوالنورین کہے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی پھوپھی کے پوتے بھی تھے، زیادہ مستحق کون ہوا۔

دوسری بات یہ کہ وراثت آخر کس چیز میں چلتی ہے۔ وراثت چلتی ہے اس چیز میں جو کسی کی ملکیت ہو۔ کوئی گورنر کا بیٹا گورنر کیوں نہیں ہو جاتا خدا سے میں وراثت کبھی نہیں چلا کوئی اب آپ غور کرلیں رسالت، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہدہ تھا یا ان کی ذاتی ملکیت تھی پھر عہدے میں وراثت کا کیا سوال ہے۔ لیکن انہوں نے اس کے لئے تجویز کیا جاہل قسم کے قبائل کو، بربریوں کو، اس کے بعد انہوں نے تلاش کیا کہ آخر اپنے امام میں کونسی خوبی اور

مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ہمارے عہد کی ان نابغہ روزگار شخصیات میں شامل ہیں جن کی تحقیق علمیہ، مطالعہ تقابل ادیان، دینی معلومات اور تفقہ و لفظ کا زمانہ قائل ہے۔ فقہ اور حدیث میں مولانا استاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ مجمع فقہی مکہ مکرمہ کے رکن ہیں، فرانس کی ہسٹاریکل سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ موتمر عالم اسلامی کے فورم پر بھی اسلام کو پیش کرنے کے روح رواں اور عہدیدار ہیں اور پاکستان سے رابطہ عالم اسلامی کے نمائندہ ہیں۔ مولانا کی اب تک مکہ مکرمہ کے تاسیسی دکن ہیں۔ اب تک مولانا کی بائیس کتب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ مولانا کی جائے ولادت مخدوم پور، ضلع گیا، بہار ہے اور سنہ ولادت جون ۱۹۱۱ء ہے۔

تکبیر میں اسماعیلی آغا خانی حضرات کے بارے میں کئی تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب اپنے وسیع علم کی بنا پر اس موضوع پر بھی اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم نے انہیں اس بارے گفتگو کی زحمت دی۔ ہمارے سوالوں کے جواب میں انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ نذر قارئین ہے۔

خالد اسلام کے مبارز پشتی
اور وانشی رمے لانا سندہ
تحت الدوینی هاشمی
بدھ مجتمع نعیم عثمانی فی
کی گفتگو

اچھائی بتائیں جس کی بنا پر انہیں فضیلت دی جا سکے کیونکہ حقیقتاً یہ سب کے سب کسی مافوق الفطرت صلاحیت کے مالک نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک افسانہ بنایا کہ اللہ تعالیٰ کا خاص نور ان اماموں میں جلوہ گر ہوتا ہے حالانکہ ان میں ایسی کوئی بھی خصوصیت قطعاً نہ تھی جس کی بنا پر انہیں عام معمولی انسانوں سے ذرا بھی برتر ثابت کر سکتے۔ میں مثال دیتا ہوں ان میں سے سب سے بڑے کو لے لو وہ تھے حضرت علیؓ، حضرت علیؓ صحابہ میں سے تھے مگر صحابہ تو سولہ ہزار تھے، حضرت علیؓ نہیں آخر وہ کونسی خصوصیت تھی جو دوسرے صحابہ میں نہیں پائی جا سکتی تھی۔ آپ کہیں گے وہ مجاہد تھے ٹھیک ہے اور بھی بہت سے مجاہد تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ بخش دیا گیا ہے تو صلح حدیبیہ میں چودہ سو انیس آدمیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے بخش دیا ہے وہ رسول اللہ کے قریبی رشتہ دار تھے تو قریبی رشتہ دار رسول اللہ کے اور بھی تھے۔ عبیداللہ ابن زبیر بن عبدالمطلب بھی ویسے ہی چچا کے بیٹے تھے۔ حضرت عثمانؓ پھوپھی کے پوتے تھے آخر ان میں کیا خصوصیت تھی۔

س :۔ لیکن حضرت علیؓ تو مولود کعبہ تھے ؟

ج :۔ مولود کعبہ تھے ؟ میں آپ کو ایک درجن اور آدمی گنوائے دیتا ہوں جو مولود کعبہ تھے۔ تمام بت پرستوں میں رواج تھا اور ہے کہ جب خواتین کو درد زہ شروع ہوتا ہے تو انہیں دیوی کے استھان پر لے جایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں آپ آج بھی دیکھ سکتے ہیں، بہار، مدراس، یوپی اور دیگر بہت سی جگہوں پر آج بھی یہی رواج ہے سینکڑوں آپکو دیوی کے استھان پر پیدا ہوتے والے مل جائیں گے۔

س :۔ مگر اس سلسلے میں دیگر بہت سی روایات بھی ہیں ؟

ج :۔ جی نہیں میں نہیں مانتا میں کسی ایسی بات کا قائل نہیں جس کی وجہ سے وہ اساس امت تسلیم کئے جائیں، کہا جاتا ہے وہ پیدا ہوئے تو آنکھ نہیں کھولی، جب رسول اللہؐ آئے تو آنکھ کھولی اس کے بعد وہ اٹھے اور اٹھ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہلا سجدہ کیا یہ اور اس کے علاوہ اور بہت کچھ، یہ وہ دلیل مالا ہے جو کسی صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت شخص کے دماغ میں نہیں آسکتی۔ آپ مجھے کوئی ایسی خوبی بتائیے جو انسان کی عقل میں آسکے۔ پیدا ہونا کسی کی اختیاری بات نہیں ہے۔ حضرت علیؓ پیدا ہوئے تھے کعبہ میں اور مولانا سیف اللہ بنارسی پیدا ہوئے تھے بت خانے میں۔ مولانا سیف اللہ بنارسی پڑھ لکھ کر مسلمانوں کے اتنے بڑے عالم ہوئے کہ ان کے تدبر علمی کی وجہ سے بڑے بڑے پنڈت اور اکابر علماء ان کے پیر چومنے کو تیار رہتے تھے۔ حق و صداقت کی ایک اور مثال دوں جو ایک لطیفے سے کم نہیں۔ ایک مرتبہ مولانا عبید اللہ غازی پوری کو ایک مقدمے میں شہادت کے لئے لوگوں نے زبردستی پکڑ کر انگریز جج کے سامنے کر دیا۔ اُن سے انگریز جج نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے کہنے لگے عبد اللہ اس نے پوچھا آپ کے والد کا کیا نام ہے کہنے لگے بھائی میں والد کا نام نہیں بتا سکتا کیونکہ میں ایک پیشہ ور بازاری عورت کا بیٹا ہوں۔ انگریز جج حیرت زدہ رہ گیا کہنے لگا مولانا آپ اپنی ماں کی عزت رکھنے کے لئے کوئی سے نام عبد الرحمٰن، عبد الرحیم وغیرہ بتا دیتے تاکہ ماں کی بے عزتی نہ ہوتی، یہ آپ نے کیا کیا کہ اپنی ماں کی بھری عدالت میں آبرو برباد کر دی انہوں نے کہا کسی بھی مصلحت کے لئے میں جھوٹ نہیں بول سکتا میں ایک مسلمان ہوں۔ اس نے فوراً کہا "اب یہ جو کچھ کہیں اسے حرف بہ حرف سچ اور صحیح سمجھا جائے، جو آدمی اپنی ماں کی عزت بچانے کے لئے جھوٹ نہیں بول سکتا وہ بھلا اور کس بات میں جھوٹ کیا بولے گا۔"

دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی کا ذاتی کردار دیکھا جاتا ہے۔ جہاں تک اہل تشیع کے اماموں کا تعلق ہے تو یہ اچھے لوگ تھے دیندار لوگ تھے اسی لئے لوگوں نے ان سے رشتہ جوڑنے کی کوشش کی۔ ان سے فقہ جعفریہ کو بھی ملا دیا گیا حالانکہ یہ قطعی بے بنیاد ہے۔ امام جعفر ۱۴۸ھ میں انتقال کر گئے تھے اور فقہ جعفریہ کی پہلی کتاب ستر سات سو کچھ میں لکھی گئی تھی کوئی لینا دینا ہی نہیں کوئی تعلق ہی نہیں بنتا۔ آپ نے کبھی امان اللہ ملک کی تحقیقی کتاب کا مطالعہ کیا ہے کیا خوب لکھی ہے، اس نے ان سب کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور صاحب اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے اپنی طرف سے

حضرت جعفر صادقؒ سے فقہ جعفریہ کی نسبت درست نہیں اسے اُن کی وفات کے سات سو سال بعد وضع کر کے اُن سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

ایک لفظ نہیں لکھا سارا کچھ ان کی کتابوں ہی سے نقل کیا ہے اور بعد میں تجزیہ کر کے بتایا ہے کہ یہ سب کچھ جھوٹ، افترا اور طومار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس نے صاف لکھا ہے کہ فقہ جعفریہ کی کوئی روایت حضرت امام تک نہیں پہنچتی۔ جن لوگوں نے فقہ جعفریہ امام سے روایت کیا ہے ان کی خود کوئی سماع علمی نہیں ملتی سب کو چھلی ہے خود امام کا قول ہے کہ اس شخص نے میرے باپ کو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ مگر کہنے والے کا دعویٰ ہے کہ میں نے امام سے ایک نشست میں ستر ہزار حدیثیں سنیں اب یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی ہے اگر ایک منٹ میں ایک حدیث بھی سنائی جائے گی تو دو ماہ اور کچھ دن صرف روایت حدیث میں صرف ہو جائیں گے کیا یہ ممکن ہے اور یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں امام کہتے ہیں یہ شخص بالکل جھوٹا ہے کبھی والد صاحب سے اسکی ملاقات ہوئی ہی نہیں۔ اب اس کے بعد ہم سے آپ ان کی تاریخ اور حقیقت پوچھتے ہیں ان کی حقیقت اور تاریخ تو یہ ہے کہ جب اُن کے ہاتھ میں اختیار کیا اور یہ لوگ ۲۶۸ برس تک حکومت کرتے رہے کبھی انہوں نے اپنا دین نہیں پھیلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ کبھی بھی تین فیصد سے آگے نہ بڑھے اور دین اپنا انہوں نے یوں نہیں پھیلایا کہ دین پھیلاتے تو مارے جاتے۔ آرام سے گدیوں پر بیٹھے رہے اور اولاد رسول ہونے کا تاثر دے کر عیش کرتے رہے، کسی سے ملتے ہی نہیں تھے چنانچہ کافی عرصے تک جبر قائم رہا ملنے کا طریقہ یہ تھا کہ روپیہ دو، تو ملتے تھے ورنہ نہیں اور دوسری بات یہ کہ اس عرصے میں جتنی غیر مسلم طاقتوں نے مسلمانوں اور اسلام کو تباہ کرنے کی کوششیں کیں مثلاً صلیبی جنگیں ہوئیں ان میں ہمیشہ انہوں نے غیر مسلموں کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا یہ مشہور ہے کہ ۹۰ برس تک کے لئے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا گیا تھا آخر کن لوگوں کی وجہ سے یہ ہوا تھا، انہیں کی وجہ سے انکا مزاج دراصل منفی ہے اور ایک اصول اور کلیہ یہ سمجھ لیجئے کہ جب عددی طاقت سے انسان مقابلہ نہیں کر سکتا تو سازشی ہو جاتا ہے جھوٹ بولتا ہے، منافقت کرتا ہے۔ ان کی بھی عددی طاقت تو کبھی ہو نہ سکی تو آخر مسلمانوں کو دباتے کس طرح چنانچہ انہوں نے سازشوں سے کام لیا۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا اصل آغا خانیت کی ایرانی ہے اور مقامی لوگوں کو ہمیشہ فاتحوں سے نفرت ہوتی ہے کیونکہ وہ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہوتے ہیں یہی قاعدہ کلیہ یہاں بھی رو بہ عمل آیا۔ ہر فاتح کے خلاف مفتوح کو نفرت ہوا ہی کرتی ہے چنانچہ اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس وقت ہی سے یہ لوگ کمیٹیاں بنا رہے تھے چنانچہ انہوں نے تحریک شعوبی قائم کی لاکھوں روپے کے اوقاف بنائے اب خود غور کر لیجئے وہ جو کچھ بیان کریں گے وہ رسول اللہؐ کی نبوت کے خلاف دشمنی ہی میں ہوگا، مگر زبانی وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں اگر نہ کریں تو زندہ کیسے رہیں مار کر نہ پھینک دیئے جائیں چنانچہ وہ جہاں ہوتے ہیں ویسا ہی بھیس اختیار کرتے ہیں۔ ہندوستان میں ہندی نام رکھنے کے لئے کہتے ہیں۔ کیا بھیم جی آغا خانی نہیں تھا یہاں جو صاحب بہت سرگرم آغا خانی ہیں ان کا باپ بھیم جی آغا خانی ہی تو تھا۔ کیا بھیم جی نام کا شخص مسلمان ہو سکتا ہے تو ان کا گویا قلمدان یہ ہے کہ جس ملک میں رہیں گے اس کا نام اور طور طریقے اختیار کر لیں گے وہاں کے لوگوں کے وفادار بن جائیں گے ان میں پوری طرح گھل مل جائیں گے اور یہ بھی ان میں ہے کہ ان کا نسب نامہ پورا نہیں ملتا ہے۔ عبید اللہ المہدی کا نسب نامہ حضرت اسماعیل سے نہیں ملتا اس میں بیچ

آدمی نیچ سے غائب ہیں یعنی مستور ہیں پھر اس کے بعد جہاں ظاہر ہیں وہاں بھی یہی حال ہے۔ ایک صاحب طبیب کو تھیلی میں باندھ کر کنوئیں سے گرایا گیا۔ جن کے ماننے والے طبیبی کہلاتے ہیں۔ بھلا اس افسانے کو کون تسلیم کرے گا دوسرا قصہ سلیمان کا ہے جن کے ماننے والے سلیمانی کہلاتے ہیں اور ایک داؤد بن حضرت شاہ کا قصہ ہے جن کا داؤدی فرقہ ہے، دراصل قصہ سارا یہ ہے کہ ان سب کی کوشش یہ رہی ہے کہ لوگ ہم کو کما کر دیا کریں ہمیں ہاتھ نہ ہلانا پڑے۔ کچھ نہ کرنا پڑے اور بے محنت کھایا کریں اس کے لئے یہ طرح طرح کی ترکیبیں نکالتے رہتے ہیں تمہیں کہتے ہیں آج دسوند ہے ہمیں اپنی آمدنی کا دسواں حصہ دیجئے آخر یہ دسوند کیا چیز ہوتی ہے کچھ بھی تو اس کی اساس نہیں ہے خرافات ہے یہ سب کھانے کمانے کے چکر ہیں۔

س:۔ مولانا مگر آجکل آغاخانی حضرات رفاہی اور فلاحی کام بہت کر رہے ہیں یہ سب کیوں ہے؟

ج:۔ بھائی اگر یہ سب ایسا، نہ کریں خاص طور پر پاکستان میں تو ان کا زندہ رہنا مشکل ہو جائے یہ تو ان کا پیسہ اور چھلاوی اور دھوکہ ہے جو ان کے سیاہ کارناموں پر کسی حد تک پردہ ڈالے ہوئے ہے یہ سب تو فریب کے لئے کیا جاتا ہے اس کا دینداری سے کوئی تعلق سرے سے ہے ہی نہیں جب کوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین ہی کو سرے سے نہیں مانتا تو اسکا رسولؐ اللہ کے دین کی تعلیم کے لئے مدرسہ قائم کرنا آخر خدا کے لئے کیسے ہو گیا اس کا اسپتال بنانا، طب کی تعلیم دینا یہ سب کچھ فریب کے سوا آخر کیا ہو سکتا ہے، آغاخانیوں کے عقائد، اعمال، سب فریب، دھوکہ اور چھلاوی کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ ان کے اعمال بھی دیکھ لیجئے یہ جماعت خانوں کو مسجد نہیں کہتے، کہہ کیسے سکتے ہیں ۱۸۸۲ء کا پریوی کونسل کا اس پر فیصلہ موجود ہے آپ تاریخ میں دیکھ سکتے ہیں یہ فیصلہ ہر ہائیکورٹ کی لائبریری میں دیکھا جا سکتا ہے، جماعت خانہ کہتے ہیں ان کی ملکیت ہے آخر یہ کیا ہے انہوں نے کہیں تو بولٹن مارکیٹ کی مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ جا کر نماز پڑھ لی اور کہیں جماعت خانوں میں باقاعدہ مسجد کی طرح جماعت کر ڈالی پھر کہتے ہیں جماعت خانہ ذاتی ملکیت بھی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جماعت خانے وقف عمارتیں ہیں کیا وقف ذاتی ملکیت بھی ہوتا ہے، تو دراصل اس قسم کی باتیں

آغاخاں سوئم نے یہودی لیڈر روشیالڈ سے مل کر اسرائیل کے قیام کی منصوبہ بندی کی۔

یہ حسب موقع پھیلاتے رہتے ہیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر آخر زندہ کیسے رہیں عددی قوت ان کی بہت ہی چھوٹی ہے یہاں میں حدیبیہ کا ذکر کر دوں کہ بظاہر رسول اکرم نے وہاں دب کر صلح کر لی تھی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی چیں بہ جبیں تھے اور خوش نہ تھے۔ حضرت عمرؓ کا دماغ بہت بڑا سہی مگر نبوت کا دماغ تھوڑا ہی تھا۔ آپ جانتے ہیں بات کیا تھی مسلمانوں کے خلاف سازش کا دارومدار اس پر تھا کہ خیبر کے یہودیوں کی مالی قوت اور قریش کی عددی قوت یہ دونوں مل جاتی تھیں، اب قریش سے معاہدہ کر کے قریش کی عددی قوت کو خیبر کی مالی قوت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ پھر واپس مدینے آنے پر کمر بھی کھولنے کی اجازت نہیں دی گئی دو ماہ کے اندر اندر خیبر پہنچ کر خیبر کو "درست" کر دیا گیا ان کی مدد کو کوئی قریش نہیں آیا معاہدے کے بعد کبھی نہیں سکتا تھا، آپ نے غور کیا یہ نبیؐ کی خارجی حکمت عملی کا ایک بڑا کارنامہ اور کمال تھا جس پر عام نظر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اب صحابہؓ کی سمجھ میں آیا کہ یہ تو بات ہی کچھ اور تھی ہم ہی غلط سمجھ رہے تھے۔ اصل میں بنیادی بات یہ ہے کہ جب کبھی کوئی تحریک پیدا ہوا اور جب تعداد ایک طرف بہت زیادہ ہو گی تو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اور لوگ کرتے ہیں۔

س:۔ مولانا کہا جاتا ہے کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اور اس کا علم صرف امّہ ہی کو ہوتا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج:۔ بھائی یہ کلیہ ہی غلط ہے، ہر ظاہر کا باطن نہیں ہوتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ باطن کا تصور ہی قرآن کے خلاف بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے ظاہر حکم دیا، واضح حکم دیا، تم باطن کہاں سے لا رہے ہو۔ اس پر آغاخانی کی ترجمان مستند کتاب ہے اس کا نام ہی ہے "کتاب الباطنیہ" یہ سب باطنیت افسانہ ہے، میں اپنے ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھا ہوا ہوں بہ ظاہر ہے بتایئے اس کا باطن کیا ہو گا؟ ظاہر ہمیشہ باطن پر غالب ہوتا ہے آپ ظاہر پر باطن کا کوئی غلاف چڑھائیں، کوئی معنی پیدا کریں ظاہری معنی ہی غالب ہوں گے۔

س:۔ اثنا عشریہ اور آغاخانیت میں دو بڑی اہم اصطلاحات میں "الامام" اور "النور" یہ کیا ہیں؟

ج:۔ ان دونوں الفاظ سے نسل پرستوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں بڑا کام لیا ہے اور آج تک لے رہے ہیں۔ عقیدہ امامت کے لئے یہ الفاظ کیسے اختیار کئے گئے، کیوں اختیار کئے گئے اس کا سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ ۶۱۰ء میں قرآن مجید کی پہلی آیت نازل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہی سے نسلی برتری کے عقیدے کی تردید شروع کر دی۔ یہ بات عقل انسانی کے لئے قابل قبول نہیں تھی اور نہ آج ہے کہ جس بات پر انسان کو کوئی اختیار ہی نہ ہو وہ اس کے لئے برتری کی وجہ کیسے ہو سکتی ہے یا کمتری کا سبب کیوں بن سکتی ہے۔ کسی کا قریشی ہونا یا حبشی ہونا اس کے اختیار میں نہیں ہے اس کا سبب پیدا ہونا ہے اور ظاہر ہے پیدا ہونا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے اختیار اور پسند سے پیدا ہوئے تھے نہ ابولہب جو سردار قریش عبدالمطلب کا بیٹا تھا اور حضرت علی مرتضیٰؓ کا چچا تھا نہ اسنے اپنے اختیار سے اپنے ماں باپ کو چنا تھا نہ اپنے پیدا ہونے کی جگہ اور وقت کا تعین کیا تھا۔ ظاہر ہے سب انسان برابر ہیں اور انسان اپنے ارادی عمل ہی سے مکرم یا غیر مکرم ہو سکتا ہے اس بات اور نظریہ کی ابولہب اور ابوجہل جیسے قریشیوں نے شدید مخالفت کی ابولہب نے تو ایک بار میرے مجمع میں صاف صاف کہہ دیا کہ محمدؐ کہتے ہیں کہ بتوں کی پرستش کرو، ہم بتوں کو خالق و مالک نہیں مانتے انہیں خالق کائنات کے دربار میں اپنا سفارشی مانتے ہیں۔ محمدؐ کہتے ہیں تو ہم آج ہی سے ان کی پوجا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم محمدؐ کو اپنا بادشاہ بھی بنا لیتے ہیں۔ بے اندازہ مال و دولت بھی انہیں دینے کو تیار ہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ حبشی غلام بلالؓ کو اپنے برابر مان لیں اور اس کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانے بیٹھ جائیں۔ اس قسم کی نسل پرستی میں صرف قریش ہی گرفتار نہ تھے ساری دنیا گرفتار تھی اور آج تک گرفتار ہے یہود اولاد یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ایسی پسندیدہ اور متبرک نسل بتاتے ہیں کہ دوسرے ان کے مقابلے میں

کئی سیاسی و مذہبی اقلیتیں سازشوں کے ذریعے ملک کے وسائل و اقتدار پر قابض ہونے کے لیے کوشاں ہیں

صرف حیوانات اور جانوروں کا درجہ رکھتے ہیں دیکھ لیجئے آجکل اسرائیل میں کیا ہو رہا ہے۔ اسی قسم کا عقیدہ پارسیوں کا ہے ساسانیوں کے سوا کوئی اس قابل ہی نہیں کہ حکمراں ہو سکے بلکہ اُسے انسان کا درجہ ہی حاصل نہیں ہے۔ برہمن کی نسل پرستی کو دیکھئے یا جرمنیوں کی نسل پرستی پر نظر ڈالیے یونانیوں کا حال بھی اس سے بہتر نہیں یا رسنڈی کی ناروین نسل کا بھی یہی حال ہے۔ ہٹلر کا نعرہ آخر کیا تھا؟ دوسروں کو کیا کہیں خود مسلمانوں میں بھی آج پیرزادوں، خانزادوں اور نوابزادوں کی کمی نہیں ہے اور سید زادوں نے تو بڑے مالی فائدے اس عقیدے سے حاصل کئے ہیں اور آج تک حاصل کر رہے ہیں۔ گویا یہ دونوں اصطلاحیں فریب اور دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

س :۔ مولانا امتِ مسلمہ میں رہنے کے لئے کم سے کم ضروری امور کیا ہیں؟

ج :۔ امتِ مسلمہ میں رہنے کے لئے دس امور ضروری ہیں۔ پانچ یقین و ایمان سے متعلق ہیں اور پانچ کا تعلق عمل سے ہے۔

(۱) اللہ ایک ہے ان تمام صفات کے ساتھ جو اس نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں (۲) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ تمام انبیاء جو ان سے پہلے تھے سچے تھے۔ نبی کریمؐ آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اب یہ نبوت ختم ہو گئی اب کوئی اور نہیں ہو سکتا جو اللہ کی رضا بتا سکتا ہو چاہے اس کا نام کچھ بھی رکھ لیا جائے مثلاً ظلّی نبی یا امام یا اور کچھ۔ اسی طرح اللہ کے فرشتے ہیں اللہ ان سے کام لیتا ہے (۳) ہر انسان کو قیامت میں اپنے عقائد اور اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا اور وہ جزا اور سزا پائے گا (۴) قرآن مجید سچ اور حق ہے۔ اس میں کوئی کمی اور بیشی نہیں ہو سکتی۔ (۵) سارے انسان برابر ہیں نسل، رنگ یا وطن کی وجہ سے کوئی ایک دوسرے سے زیادہ مکرم نہیں ہو سکتا اس لئے کہ پیدا ہونا اور مرنا کسی کا اختیاری امر نہیں ہے اور نسل رنگ یا وطن کا دار و مدار پیدائش پر ہے۔

دوسرے پانچ امور یہ ہیں۔

(۱) اپنے ایمان کا دل سے یقین اور زبان سے واضح اقرار، نماز فرض ہے اس کی فرضیت سے انکار پر انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ زکوٰۃ فرض ہے، روزہ فرض ہے، حج فرض ہے انہیں نہ ماننے والا یا ان کی فرضیت سے منکر شخص بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا البتہ اگر کوتاہی کے سبب عمل نہ کرے تو گنہگار ہو گا دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو گا۔ (۲) ختم نبوت کے بعد کسی امام کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اس کی کوئی ضرورت بتائی ہے۔ (۳) فقہ جعفریہ کوئی چیز نہیں ہے حضرت جعفر صادق سے اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ حضرت جعفر صادق کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی اور فقہ جعفریہ کے نام سے تقریباً سات سو سال کے بعد بعض عالموں نے اپنے قیاس سے کچھ تھوڑے سے مسائل بیان کر کے اس کا نام فقہ جعفریہ رکھ دیا۔ یہ قیاسات بذریعہ روایت بھی حضرت جعفر صادق سے منقول نہیں ہیں۔ (۴) کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ فرائض جو اللہ تبارک تعالیٰ نے عائد کئے ہیں ان کو ہمیشہ کے لئے یا وقتی طور پر ساقط کر دے حتیٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ (۵) شریعت ان قوانین اور ضوابط کا نام ہے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ پابندی کرتے تھے

تحریکِ خلافت کے دوران آغا خاں نے انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا

اور ہمیشہ پابند رہے۔ طریقت، حقیقت اور معرفت کے الفاظ چالاک لوگوں نے اپنے معتقدین سے دولت بٹورنے کے لئے بنائے ہیں ان کا کوئی ذکر قرآن مجید میں یا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں نہیں ہے اور نہ اس قسم کی جعلی باتوں سے کوئی ترقی ہو سکتی ہے۔

س :۔ مولانا آج کل یہ خبریں بھی گرم ہیں کہ آغا خانی پاکستان کے کچھ شمالی حصوں پر مشتمل ایک حکومت تشکیل دینے کی کوشش و سعی میں مشغول ہیں؟

ج :۔ جی ہاں ایسی کوشش کی جا رہی ہے۔ یوں تو پاکستان میں کئی سیاسی اور مذہبی اقلیتیں ہیں جن کی وفاداریاں مکہ سے باہر کے آقاؤں سے وابستہ ہیں اور جو اندرونی خلفشار اور بیرونی مدد سے سیاسی قوت حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ایسی اقلیتوں کے لئے بظاہر یعنی عام معروف طریقوں سے اور انتخابات کے ذریعہ اپنے مقاصد کا حصول ناممکن ہے لہٰذا ان کے لئے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کی خاطر سازشوں کا جال بچھانا بے حد ضروری ہے ان میں آغا خانی اسمٰعیلیوں کی اقلیت واضح اور منفرد ہے یوں تو تاریخ میں بہت سی خفیہ اور تخریب پسند تحریکوں کا تذکرہ ہے مگر کوئی اسمٰعیلی باطنی تحریک کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس کے حالیہ سربراہ شہزادہ کریم آغا خان ہیں۔ آغا خان سوم نے برطانوی ایجنٹ کی حیثیت سے ایک بہت ہی بڑا کردار ادا کیا برطانیہ سے وفاداری میں ان کے یوں تو بہت سے کارنامے ہیں جن میں سے معروف ترین یہ ہیں (الف) یہودیوں کے رہنما روشیلڈ سے ملکر آغا خان سوم نے اسرائیلی مملکت کی منصوبہ بندی کی اور اس سلسلے میں خلیفہ سلطان عبدالحمید خان کو تین بار یادداشتیں پیش کیں مگر وہ ان کی سازشوں کا شکار نہیں ہو سکا (ب) آغا خان سوم نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ خلیفہ کو درپیش مسائل کا حل یہ ہے کہ وہ ریاستہائے بلقان سے ازخود دستبردار ہو جائیں (ج) برصغیر کے مسلمانوں کی تحریکِ خلافت میں آغا خان نے پوری طرح برطانوی آقاؤں کا ساتھ دیا (د) نتیجہ یہ ہوا کہ خود آغا خان اور ان کے مریدوں کو دونوں عالمی جنگوں میں اور پورے دورِ برطانیہ میں خالص وفاداری کے صلے میں آغا خان سوم اور ان کے صاحبزادے علی خان کو بہت سے اعزازات اور خطابات سے نوازا گیا۔

"الموت" کی حکومت کے تقریباً آٹھ سال قبل خاتمے کے بعد سے آغا خانی ایک اسمٰعیلی حکومت کے قیام کی جدوجہد کر رہے ہیں انہوں نے برطانوی حکومت کی کلیتہً حاشیہ برداری کے بعد ارباب اقتدار پر اپنی ایک حکومت اور ملک کے قیام کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کیا اور واضح کیا کہ ان کے تصرف میں افرادی قوت بھی ہے، ان کی اپنی زبان ہے اپنا جھنڈا ہے۔ اپنی تہذیب ہے اپنا مسلک ہے اور مالی اعتبار سے بھی وہ لوگ بہت مضبوط ہیں لہٰذا انہیں ایک خطہ باقاعدہ ریاست کی تشکیل کے لئے دیا جائے انگریزوں نے جنگِ عظیم دوم کے بعد انہیں ملک شام دے دینے کا وعدہ کر لیا تھا لیکن آغا خانیوں کا مطالبہ معرکے کے لئے ہوا یہ برطانوی حکومت کے لئے ممکن نہ تھا پھر انہوں نے سندھ کا مطالبہ کیا برطانوی حکومت نے اسے بھی خوبصورتی سے ٹال دیا اور آغا خان سوم کو صرف اعزازات اور خطابات کی حد تک محدود رکھا۔ اب یہ لوگ اپنے پیشوا کریم آغا خان چہارم کی رہنمائی میں ایک اسمٰعیلی ریاست کا پھر خواب دیکھ رہے ہیں جو پاکستان کے شمالی حصّے میں چند علاقوں پر مشتمل اور رقبہ کے اعتبار سے

سانحہ گلگت کے محرکات

افغانستان کے برابر ہوگی جسمیں ہنزا، ناگر، یاسین، نیال، گلگت، مستوج، برشیل، کہت، یارخون، ٹوکھو اور اسی طرح دور دراز کے غیر ملکی علاقے مثلاً واخان، بدخشاں، اشکاشم، زیباک، رباط، شغنان یا میر وغیرہ ہونگے۔ یہ ایک بہت نازک خطہ ہے جہاں افغانستان، روس، چین اور پاکستان کی بین الاقوامی سرحدیں ملتی ہیں۔ یہ سازش بے حد خوفناک اور پاکستان کی سالمیت کیلئے زبردست خطرہ ہے، اس کی وجہ سے اسلام اور پاکستان کی ساری نظریاتی اور جغرافیائی سرحدیں مسمار ہوسکتی ہیں یہ سازش واخان سے ہنزہ تک سکم سے لے کر کراچی تک اور گوا اور اور مکران کے پانیوں تک اپنے قدم جمانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ اس میں آزاد کشمیر کا سیاچن کا حصہ بھی شامل ہے رقبہ اس کا افغانستان کے لگ بھگ ہے ان مقامات میں سے بدخشاں میں اسمٰعیلیوں کی اکثریت ہے بعض علاقوں میں یہ حضرات صد فیصد ہیں آغا خان نے اپنا علیحدہ قومی نشان بنالیا ہے ایک علیحدہ جھنڈا ہے جس کا رنگ سبز اور سرخ ہے۔ اپنا ترانہ ہے جسے اسمٰعیلی ترانا کہا جاتا ہے۔ کریم آغا خان کو اس منصوبے میں روس کی امداد اور تعاون حاصل ہے روس ہمیشہ ان کی مدد کرتا رہا ہے اور یہ لوگ روس کی ہر مرحلہ پر ہم خوالی اور مدد کرتے رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان پر بھارتی حملے کے دوران سقوط ڈھاکہ کے موقع پر جملہ اسمٰعیلیوں نے روسی سفارت خانے ہی میں پناہ لی تھی۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھئے کہ آغا خان نے آج تک افغان مجاہدین کی کوئی مدد نہیں کی کوئی عطیہ نہیں دیا حتیٰ کہ زبانی طور پر بھی ان کے ساتھ اظہار ہمدردی نہیں کیا روس کے خلاف کچھ نہیں کہا گیا۔ پچھلے دنوں آغا خان نے گلگت اور ہنزہ وغیرہ کا پہلی مرتبہ تفصیلی دورہ کیا ساری امدادی سرگرمیوں کو دیکھا۔ دیہاتی تعاون کے پروگرام، سڑکوں کی تعمیر اور ان کا حال، ہیلی پیڈ، پل، پانی کی فراہمی کا نظام، اسپتال، مدارس غرض کہ ایک بھرپور سروے کیا گیا پھر آغا خان نے صدر مملکت سے ملاقات کے بعد اپنا اظہار مدعا بھی کیا جسے اس علاقے کے عوامی راہنماؤں کو معلوم ہوا تو سب لوگ پریشان ہوگئے۔ سیاچن بیچ میں ہونے اور آزاد کشمیر کا علاقہ بھی شامل ہونے کی وجہ سے صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان سے یہ لوگ ملے جنھوں نے صدر پاکستان کو صورت حال اچھی طرح سمجھائی اور یہ منصوبہ کھٹائی میں پڑ گیا معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سیاچن گلیشیئر پر ہندوستان کو حملے کی دعوت بھی ان ہی حضرات نے دی تھی اور سمجھایا تھا کہ اس علاقے پر قبضہ کرکے آپ شاہراہ ریشم کو کاٹ سکتے ہیں اور پورے علاقے پر بھرپور نظر رکھ سکتے ہیں۔

اہل وطن ابھی تک گلگت میں پیش آنے والے افسوسناک واقعات سے بے خبر ہیں بعض اخبارات میں اس کے بارے میں جو رپورٹیں شائع ہوئی ہیں وہ اتنی نامکمل اور سطحی ہیں کہ جن سے اہل وطن کی پریشانی بجائے کم ہونے کے زیادہ ہوتی ہے۔ تنظیم اہل سنت والجماعت شمالی علاقہ جات (گلگت) کے سیکرٹری اطلاعات جناب شرافت خان نے اپنے ایک مکتوب میں ان افسوسناک واقعات کے محرکات سے پردہ اٹھایا ہے۔

جناب شرافت خان کا کہنا ہے کہ گلگت میں گزشتہ دو دہائیوں سے شیعہ فرقہ کے لوگ صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ کی شان میں مسلسل گستاخیاں کرکے وہاں کے ماحول کو کشیدہ کئے ہوئے ہیں۔ اہل سنت نے ہمیشہ قانون کو ہاتھ میں لیے بغیر انتظامیہ سے درخواست کی کہ وہ یہ سلسلہ بند کرائے، مگر اس کے باوجود کہ ملک میں تحفظ ناموس صحابہ آرڈیننس نافذ ہے، انتظامیہ نے اس سلسلہ میں کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی۔

اسی طرح رمضان المبارک میں اسی فرقہ نے یوم قدس کے موقع پر ایک جلسہ منعقد کیا اور جلوس نکالا جس میں راستے بند کرکے ٹائر جلانے کے علاوہ امریکہ اور اسرائیل کے خلاف نعرہ بازی کرنے کے علاوہ پاکستان مردہ باد کے نعرے بھی لگائے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان جلسوں اور جلوسوں میں حکومت پاکستان کے متعدد اعلیٰ حکام بھی شامل تھے۔

اس واقعہ کے دوسرے روز گلگت کے بازاروں اور گلیوں کی دیواروں پر شیعوں نے صحابہ کرامؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شان میں سخت نازیبا الفاظ تحریر کرکے۔ اہل نوجوانوں کو دیواروں پر نعرے لکھتے ہوئے دیکھ کر تھانے میں رپورٹ کی گئی کہ ان کو گرفتار کیا جائے، مگر کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

ان حالات میں اہل سنت والجماعت گلگت نے ایک قرارداد منظور کرکے متعلقہ افسر کی فوری گرفتاری اور سزا کی اپیل کرکے دس دنوں کی مہلت دی کہ اظہار پر اگر قانونی کارروائی کرکے تو اہل سنت خود جواب دینے پر مجبور ہوگے۔

انتظامیہ نے حسب معمول اس اپیل پر بھی کوئی توجہ نہیں دی اور مجرموں کو گرفتار کرنے کے لیے کوئی کارروائی نہ کی۔ سنا ہے کہ ڈی آئی جی پولیس محمد علی نے جو خود شیعہ ہیں، مجرموں کو گرفتار نہ کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے علاوہ پولیس کے اے آئی جی، گلگت کے اسسٹنٹ کمشنر اور پرنسپل انفارمیشن آفیسر بھی شیعہ ہیں اور اس ناطے شرپسندوں کو مکمل تحفظ اور پشت پناہی مہیا کر رہے ہیں۔

ٹکبیر ریفورٹ

شیعوں نے عید بھی ایک روز قبل منائی اور اپنی عید کے پہلے دن دوپہر کے وقت چند شیعہ لڑکے اہل سنت کے ایک محلے میں گھستے ہوئے آکر ریوالور سے ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے سامنے اپنے محلے کی طرف بھاگ گئے۔ اہل سنت کے افراد فائر کے بے اصل گھروں سے نکل رہے تھے کہ چند سنی نوجوان ان لوگوں کو دیکھنے کے لیے محلے سے باہر کھیتوں میں اترے تو اچانک مخالف سمت سے کلاشنکوف، ایل ایم جی اور دوسرے جدید خودکار اسلحے سے ان پر فائرنگ شروع کی گئی جس سے ایک سنی نوجوان میر عثمان شہید ہوگئے۔ اور کئی نوجوان زخمی ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس اور ایس ڈی او نے ایمرجنسی نافذ کرکے شیعہ فائرنگ کرتے ہوئے پیچھے پہاڑ پر مورچہ بند ہوگئے۔ ان اشتعال انگیز کارروائیوں کے باوجود گلگت کی اہل سنت آبادی نے قانون کو ہاتھ میں نہیں لیا بلکہ مجرموں کی گرفتاری کی درخواست کی۔

گلگت کے مقامی سنی شیعوں کے مقابلے میں غیر مسلم اور نہتے تھے، جبکہ شیعوں کو ایران اور بھارت سے وافر امداد و اسلحہ مل رہا تھا۔ (جس کی توثیق سورخہ ۲۶ مئی کے بی بی سی کے تبصرے سے بھی ہوتی ہے) گلگت میں اہل سنت پر ڈھائے جانے والے مظالم کی اطلاع کس طرح ضلع دیامر اور ضلع کوہستان کے متعدد مسلمانوں کو ہوئی۔ انہوں نے گلگت کی طرف پیش قدمی شروع کی اور گلگت سے ۴۰ کلو میٹر کے فاصلے پر موضع جنگلوٹ میں اپنا مرکز بنایا اور وہاں سے گلگت کی انتظامیہ کو پھر درخواست کی گئی کہ مجرموں کو گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دی جائے۔ لیکن حکام نے سنی ان سنی کر دی۔ اس کے بعد دریا کے دوسری جانب جلال آباد (جو ایک شیعہ آبادی ہے) سے پھر اس اجتماع پر جدید اسلحہ سے لیس ریائفل بوٹ جیوں کے ایک گروپ نے فائرنگ شروع کی جس سے کئی افراد زخمی ہوئے اور یہاں سے ان فسادات کی ابتداء ہوئی۔

پولیس اور ایجنسی فورس جب حالات کو سنبھالنے میں ناکام ہوگئیں تو فوج نے چارج سنبھال لیا۔ لیکن اگر مقامی سنی علماء اور قائدین قبائلی مسلمانوں کی منت سماجت کرکے واپس نہ بھیج دیتے تو یقیناً یہ لوگ گلگت شہر میں داخل ہوتے اور گلگت کی اینٹ سے اینٹ بجادیتے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ انہوں نے مقامی علماء اور قائدین کا کہا مان لیا اور واپس چلے گئے۔ اس طرح گلگت کے حالات اب قابو میں ہیں تاہم اگر شیعہ آبادی کی اشتعال انگیزیوں کو ختم نہ کیا گیا تو حالات کے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں جاسکتی۔

□□

مساواتِ چترال و گلگت کے بارے میں آغا خاں فاؤنڈیشن کی تردید جھوٹ کا پلندہ ہے

آغا خانیوں کی اشتعال انگیزی کی تفصیلات چترال کی عدالتوں کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

اسماعیلیوں کے عقائد اور عزائم کے بارے میں تکبیر میں شائع ہونے والی پہلی رپورٹ میں مولانا عبید اللہ چترالی کے حوالے سے کئی اطلاعات شامل تھیں۔ بعد میں آغا خان فاؤنڈیشن نے ان میں سے کئی باتوں کی تردید کر دی مگر گذشتہ دنوں مولانا عبید اللہ چترالی خود کراچی تشریف لائے تو تکبیر نے اُنکا مؤقف جاننے کے لیے اُن سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے جو کچھ بتایا، نذرِ قارئین ہے۔

تکبیر کے ایک شمارہ میں رمضان مرچنٹ اور عاشق علی کی طرف سے تکبیر ہی میں شائع شدہ ایک مبنی بر حقیقت رپورٹ کی تردیدی جواب دینے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ میرا تعلق چترال سے ہے اور میں سارے واقعات کا عینی شاہد ہوں، اس لئے صورتِ حال کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ قوم صحیح صورتحال کے بارے میں تذبذب کا شکار نہ ہو جائے۔

۱۹۸۲ء میں رونما ہونے والے چترال کے واقعات کے بارے میں رمضان مرچنٹ صاحب کا کہنا ہے کہ "صرف چترال میں ہوئے تھے، گلگت میں کبھی نہیں ہوئے۔" جناب رمضان صاحب کا یہ بیان ہزاروں لوگوں کے سامنے رونما ہونے والے واقعی حقائق کو جھٹلانے اور اپنی غلطیوں اور زیادتیوں پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش ہے۔ اس لئے کہ چترال کے علاوہ شمالی علاقہ جات میں ایسے واقعات سرزد ہوئے ہیں۔ چلاس میں ایک مسلمان شہید اور کئی زخمی کر دئے گئے جس کے نتیجے میں آغا خان فاؤنڈیشن کی دو گاڑیاں جلائی گئیں اور ایک جماعت خانہ جلایا گیا۔ اس سے پہلے تقریباً ۱۹۵۲ء میں پنیال گلگت کے اسماعیلیوں نے مسلمانوں پر حملے کئے اور عام مسلمانوں کے علاوہ کئی مسلمان سپاہی بھی مارے گئے۔ اس قسم کے چھوٹے بڑے واقعات ان علاقوں میں رونما ہوتے رہتے ہیں جو تقیہ کے بغیر چھپائے نہیں جا سکتے۔

جناب رمضان صاحب چترال کے واقعے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مولوی لوگ تقریریں کرتے ہیں اور یہ اشتعال پھیلانے والی تقریریں ہوتی ہیں۔" اگر مولوی کی تقریر کے ردِ عمل میں مخالف فریق (جسے خاموش رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے) اپنے مذہب کو چھپانا اور غیروں کے سامنے اپنے مذہب کے بارے میں غلط بیانی کرنا ان کے ہاں سب سے بڑا کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے) اشتعال میں آ سکتا ہے تو کیا قرآن اور ارکانِ اسلام کو چیلنج کرنے پر مسلمان اشتعال میں نہیں آ سکتا؟ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ پہل کس کی طرف سے ہوئی، مولویوں یا مسلمانوں کی طرف سے یا آغا خانی خسرلیوں کی طرف سے۔ آغا خانی مشنری کھلے عام قرآن کو جھٹلانے اور پنج وقتہ نمازوں کا سرِعام انکار کرنے لگے۔ مسلمان اگر جواب دینے کے لئے مجبور ہوتے تو اگر قرآن و ارکانِ اسلام کے دفاع کو اشتعال دلانے کا نام دیا جا سکتا ہے تو ہم اس جرم کو نہ صرف اپنے سر پر لیتے ہیں بلکہ اس پر مفتخر اور نازاں بھی ہیں۔

آغا خانیوں کی طرف سے مناظرہ کے لئے چیلنج دینے کے

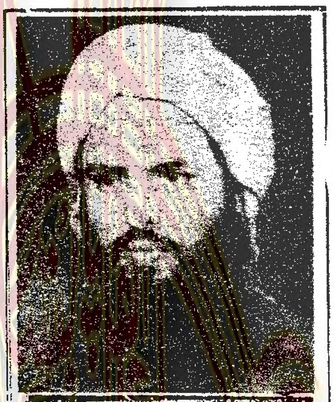

واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے جناب مرچنٹ صاحب فرماتے ہیں، "جی نہیں، یہ سب جھوٹ ہے، چترال میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔" رمضان صاحب کے اس جھوٹ سے مجھے کوئی تعجب نہیں ہو رہا، اگر علاقے کے ان لوگوں کو، جو مسئلہ کے تمام سے ناواقف ہیں، اس کتمانِ حقیقت پر ضرور تعجب ہوگا۔ میں حیران ہوں کہ آغا خانی عوام کیوں اپنے آپ کو اتنا بے وقوف بنائے ہوئے ہیں کہ ان کے سامنے ہونے والے واقعے کی تکذیب پر بھی یہ اپنے آقاؤں سے پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اسماعیلی مشنریوں کی خود ان کی آواز میں ریکارڈ شدہ کیسٹیں اب بھی ہمارے پاس موجود ہیں، جو ہم ہر وقت ہر جگہ سنا سکتے ہیں، جن میں دیگر خرافات کے علاوہ پنجگانہ نمازوں کی فرضیت کو چیلنج کیا گیا ہے۔ جب علماء اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے میدان میں آئے تو مسلمہ مشنری بھاگ نکلا مگر دیگر اسماعیلی لیڈروں نے مشنری کی مذمت کرنے کی بجائے علماء اور مسلمانوں پر نہ صرف کیچڑ اچھالے بلکہ مناظرہ کے لئے تحریری چیلنج دیا جو ہمارے پاس ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ یہ خط ۱۳ جولائی ۱۹۸۱ء کو بھیجا گیا اور ۱۶ جولائی مناظرہ کی تاریخ مقرر ہوئی۔ آغا خانی ڈر کے مارے راہِ فرار ڈھونڈنے لگے۔ چنانچہ ۱۴ جولائی کو ہی چترال کے اسماعیلی لیڈرز تقریباً ۳۰۰ لوگوں کے جلوس کو ساتھ لے کر ہمارے گاؤں آئے تاکہ اس غیر متوقعہ کارروائی سے ہمیں مرعوب کر کے مناظرہ سے باز رکھ سکیں۔ رمضان کا مہینہ تھا، مسلمان روزے سے تھے اور کام کاج سے فارغ ہو کر دوپہر کو آرام کر رہے تھے کہ آغا خانیوں کی اس اچانک آمد سے مطلع ہو کر مسجد میں جمع ہو گئے جبکہ آغا خانی پہلے سے جماعت خانے میں جمع تھے۔ مسلمانوں کو مناظرہ کے لئے تیار پا کر آغا خانی واپس ہوئے اور الٹے پاؤں گاؤں سے نکل گئے۔ مگر اپنے جرم کو چھپانے اور اپنی ہتک کا بدلہ لینے کے لئے پولیس کے ذریعے ہمیں اے سی سب ڈویژن بونی کے دفتر بلایا گیا جہاں ہماری اور ان کی آمنے سامنے گفتگو ہوئی۔

تعارف

میں ۱۹۵۱ء میں پیدا ہوا۔ میرے والد صاحب پہلے خود اسمٰعیلی تھے، لیکن جوان ہو کر یہ مذہب چھوڑ دیا اور مسلمان ہو گئے۔ پھر محمد اللہ دین کی کتابیں بھی پڑھیں۔ میرے تمام رشتے دار اسمٰعیلی تھے اور اکثر اسی مذہب میں میرے اور میرے دادا، پردادا سب آغا خانی تھے اور میرے ماحول میں اب بھی آغا خانیوں کا اثر ہے، میرے رشتے دار سب آغا خانی ہیں۔ میں نے ابتدائی تعلیم کے بعد پشاور آ کر شب قدر، پشاور سٹی، سوات اور بعد ازاں اکوڑہ خٹک کے دار العلوم حقانیہ میں داخلہ لیا۔ ۷۶ء میں میری فراغت ہوئی، پھر دار العلوم سرحد میں تدریس کرتا رہا۔ چھٹیوں میں گھر جا کر اپنے رشتے داروں میں اسلام کی تبلیغ کرتا رہا، جس کا ظاہر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ کئی لوگ مسلمان ہوئے اور مسلمانوں کو بھی آغا خانی عقائد کے بارے میں علم ہوا۔ اس سے مشتعل ہو کر آغا خانیوں نے کئی بار میرے خلاف سازش کی اور کئی بار حملے کیے، مگر خدا نے میری حفاظت فرمائی۔

ماہ رمضان ۸۱ء میں میں نے اپنی پہلی کتاب "مذہب اسمٰعیلیہ قرآن و حدیث کے آئینے میں" لکھی۔ اس کی اشاعت سے پہلے ہی ۱۴ جولائی ۸۱ء کو مندرجہ ذیل واقعہ رونما ہوا جس کے نتیجے میں میری ضلع بدری کے احکام صادر ہوئے۔ یکم جنوری ۸۲ء کو ضلع بدری کے حکم کی تجدید کی گئی اور مزید چھ ماہ کی پابندی لگائی گئی۔ یہ مدت پوری ہونے کے بعد میں چترال گیا، پھر چترال کا مذکورہ واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ ایک سال جیل میں رہنے کے بعد یکم شوال کو عید الفطر کے دن عید کی نماز سے پہلے، اپنی رہائش گاہ واقع سول کوارٹرز پشاور پہنچا۔ بعد ازاں ۸۶ء کو دار العلوم تعلیم القرآن کی بنیاد رکھی۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے ۸۷ء کو یہ ہاؤسنگ سوسائٹی منتقل ہوا اور دار العلوم فی الحال وہاں پر قائم ہے۔ میں ہفت روزہ تکبیر کا شکر گزار ہوں کہ کئے گئے دروغ دور میں بھی آزاد صحافت اور قلمی جہاد کا فریضہ ادا کر رہا ہے۔ اس کی روز افزوں ترقی کے لیے دعا گو ہوں۔

جس میں ان کو نہ ہمیت و فضیحت اٹھانی پڑی اور مسلمان باعزت طور پر رخصت ہو گئے۔ پھر ایک طے شدہ منصوبے کے تحت باہر سے ہماری گاڑی روک کر پولیس کی موجودگی میں ہم پر حملہ کیا گیا مگر بفضل اللہ ہم بچ گئے۔ کئی گھنٹوں تک ڈی ایس پی شریف احمد کے دفتر میں آغا خانیوں نے ہمیں محصور رکھا۔ آخر کار مجسٹریٹ کی نگرانی میں پولیس نے ہمیں اپنے گاؤں تک پہنچا دیا۔ طلبائے مسلمان مشتعل ہو کر اس واقعے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مجرموں کو سزا دینے کا مطالبہ کرنے لگے مگر واقعے کی تحقیقات کرنے کی بجائے مجھے دس ماہ کے لئے اپنے علاقے چترال سے نکال دیا گیا۔ ۶ اگست ۱۹۸۲ء کو میں بونی کی مسجد میں تقریر کر رہا تھا کہ آغا خانیوں نے اپنی سابقہ شکست کا انتقام لینے کے لئے مسجد کا گھیراؤ کیا۔ پتھروں، ہوائی فائرنگ اور ہتھوڑوں سے مسجد میں گھس آئے اور مسلمانوں پر حملے کئے۔ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر توڑ دئے۔ ہم بمشکل تمام اطلیں اس مسجد سے باہر نکالنے میں کامیاب ہوئے اور دروازے بند کر دئے۔ ان لوگوں نے مسجد کے شیشے توڑ دئے مگر دروازے توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ۸ گھنٹے بعد پولیس اور چترال اسکاؤٹ کے جوانوں نے آ کر حملہ آور توڑ دیا۔ اپنی حفاظت میں مسلمانوں کو ان کے گھر پہنچایا اور زخمی مسلمانوں کو ہسپتال لے جا کر مرہم پٹی کی گئی۔ یہ خبر آناً فاناً چترال میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ نتیجتاً سارا چترال سراپا احتجاج بن گیا۔ ۹ اگست ۱۹۸۲ء کو احتجاجی جلوس چترال بازار سے گزر رہا تھا کہ تاک میں بیٹھے ہوئے آغا خانیوں نے جلوس پر فائرنگ شروع کر دی جس سے چار نوجوان شہید اور بیسیوں زخمی ہو گئے۔ ادھر فائرنگ کرنے والوں کا سراغ لگا کر لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مار مار کر ڈھیر کر دیا گیا۔ یہ تین افراد تھے جن میں ایک ٹریکٹر ڈرائیور سیف الملوک، دوسرا مشنری اور تیسرا پولیس کا آغا خانی سپاہی تھا جو کئی کے کھیت میں چھپ کر سرکاری رائفل سے فائرنگ کر رہا تھا۔ پولیس نے سیکڑوں مسلمانوں اور آغا خانیوں کے خلاف مقدمہ درج کر لیا۔ یاد رہے کہ میں اس جلوس کے دوران چترال بازار میں موجود نہیں تھا، پھر بھی حکومت نے مجھے اور مولانا عبد الرحیم صاحب کو گرفتار کر کے ایک سال تک جیل میں رکھا۔ اس کے بعد تا حال مجھ پر چترال میں داخلے کی پابندی ہے۔ اس تفصیل کے بعد غور فرمایئے، مرچنٹ صاحب کا

واخان پر روس کا قبضہ آغا خانیوں کے مکمل تعاون کی وجہ سے کئی سو مربع میل کے بغیر ہو گیا کیوں کہ اس علاقے کی سو فی صد آبادی اسمٰعیلیوں پر مشتمل ہے۔

یہ کہنا کہ مناظرے کا چیلنج نہیں دیا گیا، دروغ گوئی اور واضح حقیقت کو جھٹلانے کے سوا کیا ہے؟ آپ چاہیں تو چترال کے عدالتوں سے ان تمام کارروائیوں کا ریکارڈ طلب کر سکتے ہیں۔ آغا خان فاؤنڈیشن کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے رمضان مرچنٹ فرماتے ہیں کہ "ناؤنڈیشن کی ممبر سازی کے لئے کسی سے کوئی فیس وصول نہیں کی جاتی"۔ مجھے افسوس ہے کہ رمضان صاحب نے اسمٰعیلی دنیا میں اپنی پوزیشن کی پروا نہ کئے بغیر بہت بڑی غلط بیانی فرمائی ہے۔ اسمٰعیلی کمیٹی تشکیل دیتے وقت ہر ممبر سے تین سو روپیہ فیس لازماً وصول کرنے کے علاوہ دس روپیہ ماہوار دینا لازمی ہوتا ہے اور رمضان صاحب کے اپنے کہنے کے مطابق اس قسم کی کمیٹی کے ارکان کی بچت کی رقم جو چونتیس ملین تک جا پہنچی ہے اگر فیس وصول نہیں کی جاتی تو یہ رقم کہاں سے آئی؟ اگر یہ رقم کمیٹی کے ارکان کی ہے تو ذرا یہ بتایا جائے کہ کسی بھی جگہ منصوبے کی تکمیل کے بعد ممبروں کو یہ رقم واپس کی گئی ہے؟ بہت سے دیہات میں کام مکمل ہونے کے بعد آغا خان فاؤنڈیشن کی طرف سے دوسرا منصوبہ لینے سے انکار کیا گیا مگر جمع شدہ رقم واپس نہیں کی گئی۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ ارکان کمیٹی کی بچت رقوم کا نام لے کر علاقے کے لوگوں کو مستقل طور پر آغا خان فاؤنڈیشن کے زیر اثر رکھنے کی یہ ایک سازش ہے کہ انہی پیسوں کو بنیاد بنا کر آئندہ انہیں ٹریکٹر وغیرہ فراہم کئے جائیں جن کے لون سے سود پر قرضہ کی بنیاد پر ملتے ہیں۔ یہ اس طرح سادہ لوح لوگوں سے پیسے بٹورتے ہیں۔ رمضان مرچنٹ کے مطابق "جانوروں کو ٹیکے لگانے کی دو روپیہ فیس وصول کی جاتی ہے کیونکہ مفت ٹیکے لگانے سے اس کی افادیت ختم ہوتی ہے"۔ یہ عجیب منطق ہے کہ کروڑوں روپے کے منصوبہ جات بقول ان کے مفت مکمل کئے جانے پر ان کی افادیت ختم نہیں ہوتی اور مفت ٹیکے لگانے پر اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ شاید ٹیکے لگانے والے ادارے نے ٹیکے سے سرگوشی کی ہو کہ دو روپے کے بغیر اثر نہ کرنا۔ اس قسم کی بچکانہ باتوں سے رمضان صاحب اور عاشق علی صاحب کی جھنجلاہٹ کھل کر سامنے آتی ہے اور اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ فاؤنڈیشن کے بارے میں ہمارے خدشات سو فیصد درست ہیں۔ فاؤنڈیشن کے ذمہ داران کی تردید کر سکے اور نہ ہی اپنی صفائی پیش کر سکے۔ "تکبیر" کے اس سوال کے جواب میں کہ "شمالی علاقہ جات کو اپنی امدادی کارروائیوں کے لئے منتخب کرنے کی وجہ کیا؟" عاشق علی صاحب فرماتے ہیں کہ "وہاں پر ہمارے ہم خیال لوگوں کی اکثریت ہے"۔ کیا اس سے اس حقیقت کا اظہار نہیں ہوتا ہے کہ یہ سارے کام انسانی ہمدردی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ کسی دوسری پوشیدہ غرض سے کئے جا رہے ہیں ورنہ نظر کے مفکوک الحال

اور مالکیت کے فریب تحفظ دکان کو کیوں نقصان پہنچایا جاتا؟ نیز اگر شمالی علاقہ جات کو مخصوص کرنے کی وجہ صرف ان لوگوں کی اپنی اکثریت ہے تو وہاں کی مسلم اکثریتی آبادی پر فاؤنڈیشن کو مسلط کرنے کی کوشش کیوں کی جارہی ہے؟ یہاں تک کہ چترال کے ممبران ڈسٹرکٹ کونسل کے ذریعے لوگوں کو یہ دھمکیاں دی جارہی ہیں کہ "فاؤنڈیشن" سے قرضہ نہ لینے پر سرکاری فنڈ سے بھی حصہ نہیں دیا جائے گا ــــ رمضان مرچنٹ کے کہنے کے مطابق یہ علاقہ دنیا کا پسماندہ ترین علاقہ ہے ــــ اگر مان بھی لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ۸۲ء میں چترال میں رونما ہونے والے واقعات کے بعد جناب آغا خان صاحب کو ان علاقوں کی پسماندگی کا خیال کس طرح آیا جب کہ ان کے ماننے والے خاصے عرصے سے یہاں رہتے ہیں اور انگریز گورنمنٹ نے آغا خان کی امامت میں ان کو مجتمع کرنے کے لئے ان کا باقاعدہ سروے اور مردم شماری بھی کی تھی اور یہ کہ امام زمان کو (اسماعیلی عقیدہ کے مطابق) اپنے مریدوں کے لمحے لمحے کی خبر ہوتی ہے تو ۸۲ء کے واقعے کے بعد امام صاحب کی شان کریمانہ کیوں اچانک جوش میں آئی اور اس سے پہلے اپنے ان مفلوک الحال پسماندہ ترین ماننے والوں کا خیال کیوں نہیں کیا؟ اس یکایک کرم فرمائی کا مقصد قرآن کی بیحرمتی، مسلمانوں کی خوں ریزی اور شعائر اسلام کی بے حرمتی پر انعام دینا تو نہیں؟ یا فاؤنڈیشن کی آڑ میں آغا خانیوں کو مسلح کرکے آئندہ مسلمانوں پر منظم حملے کے لئے تیار کرنا ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ۸۲ء کے بعد لاکھوں کی تعداد میں کلاشنکوف و دیگر اسلحے کلگلت اور چترال کے آغا خانیوں میں تقسیم کئے گئے؟ کیا آپ اس سے انکار کرسکتے ہیں کہ ہنزہ میں زیر زمین اسلحہ خانے میں وخیرہ شدہ غیر ملکی جدید قسم کے اسلحوں کو جیٹ رکن کے پیر صاحب کے ذریعہ مختلف علاقہ جات کے آغا خانیوں میں تقسیم کیا جارہا ہے اور اشتعال کے طریقے سکھنے کے لئے جماعت خانوں میں مالیٹریوں کو باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے؟ اور کیا آغا خان کی نوازشات کا مقصد لیتے ہوئے کو حاصل کرنے کی خاطر مسلمانوں کو پیسوں کی نکرو لالچ میں پھنسا کر اپنی طرف سے ان کی توجہ ہٹانا ہے یا پھر مسلمانوں کو اس چال کے ذریعے آپس میں الجھانا ہے تاکہ وہ جائز و ناجائز کی بحث میں پڑ کر اصل مسئلہ سے بھٹک جائیں ــــ حقیقت یہ ہے کہ ان سارے سوالات کے جواب آپ کو ہاں میں دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

❖

مزید وضاحت کرتے ہوئے عاشق علی صاحب فرماتے ہیں کہ ہماری جماعت میں رونما کارانہ کاموں کی بڑی اہمیت ہے"۔ عاشق صاحب بتائیں کہ فاؤنڈیشن کے جنرل مینجر کی تنخواہ کتنی ہے؟ کیا ۸۰ ہزار روپے ماہوار تنخواہ (جو سلطان شعیب کو دی جاتی ہے) سے کئے کو رونما کارانہ کام کہا جاسکتا ہے اور ذرا یہ بتانے کی بھی زحمت فرمائیے کہ یہ فاؤنڈیشن کے مسلمان ملازمین کم ہیں یا غیر مسلمان؟ ہزار سے کم تنخواہ والا بھی کوئی ہے؟ اگر رونما کارانہ کام ہو رہا ہے تو مسلمان سرکاری ملازمین کو زیادہ تنخواہ کا لالچ دیکر دوسری ملازمتوں سے نکال کر فاؤنڈیشن میں کیوں لگایا جاتا ہے؟ مجھے ایسے سرکاری ملازم بھی معلوم ہیں جن کو کسی قسم کا لالچ قبول کرنے سے انکار پر متعلقہ محکمے کی طرف سے آرڈر جاری کرایا گیا کہ فاؤنڈیشن کے ساتھ تعاون کیا کریں۔ کیا رونما کارانہ کام ایسے ہوتا ہے؟

❖

عاشق علی صاحب شمالی علاقہ جات میں اپنی کارروائیوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تبصرہ نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب درست ہے لیکن اس میں سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ غلط ہے، تبصرہ نے آغا خانی سرگرمیوں کے نتیجے کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ آغا خانی یہاں کسی غیر معمولی مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کا مقصد اپنی علیحدہ اسٹیٹ کا قیام ہو۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ آغا خانی اپنے اکثر عقائد و نظریات کی بنیاد منطق و فلسفہ پر رکھتے ہیں حالانکہ وہ خود منطق کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں رکھتے اگر ایسا نہ ہوتا تو عاشق علی صاحب اپنی کارروائیوں کے منطقی نتائج سے انکار نہ کرتے کیونکہ منطقی نتائج واضح اور ناقابل انکار ہوتے ہیں خدا خوفی فرمائیے کیا افغانستان کا صوبہ "واخان" بغیر کسی بھی مزاحمت کے روسی کنٹرول میں گیا جبکہ افغانستان کی باقی سرزمین پر مجاہدین سر پاور کا ناک میں دم کیا گیا اور چترال کی سرحد کے متصل واخان میں بہت بڑا زمینی دفاعی انتظامات کا اڈہ بنایا گیا ہے۔ پختہ سڑکیں چترال کی سرحدات تک پہنچ گئیں ہیں اور بھائی اڈہ واخان میں تعمیر کیا گیا ہے۔ کیا کوئی آغا خانی یا غیر آغا خانی یہ بتا سکتا ہے کہ واخان میں ان ساری کارروائیوں کے دوران روسیوں کو کسی مزاحمت کا بھی سامنا کرنا پڑا ہو اور کم از کم واخان کے باشندوں نے اس سلسلے میں احتجاج کیا ہو یا کوئی واخانی ہجرت کرکے پاکستان آیا ہو جبکہ لاکھوں کی تعداد میں افغان مہاجرین پاکستان کی طرف ہجرت کرکے آتے ہیں آخر واخان کو یہ منفرد حیثیت کیوں حاصل ہے؟ آپ کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ واخان کی سو فیصد آبادی آغا خانیوں کی ہے شاید عاصر امام نے ان کے پاس فرمان بھیجا ہو کہ روسیوں کا خیر مقدم کریں اور اپنی ریاست کے قیام کی خوشخبری سننے کا انتظار کرتے رہیں کیا اسماعیلی لیڈر اس بات سے انکار کرسکتے ہیں کہ آغا خانیوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ مسلمانوں سے نقل مکانی کا مطالبہ کرکے زیریں چترال میں آغا خانیوں کی اکثریت بالائی چترال کی طرف منتقل کی جائے اور بالائی چترال کی مسلم اقلیت مرکزی چترال کی طرف منتقل کیا جائے اور اس مرحلے کی تکمیل کے بعد پھر چترال کے بالائی حصے کو مکمل طور سے روس کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کیا جائے۔ کیا یہ بات درست نہیں کہ دو سال قبل آغا خان نے گلگت کو آزاد تجارتی علاقہ قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آغا خان نے اپنے پچھلے دورہ پاکستان کے دوران چترال اور گلگت میں کئی دن گذارے اور طویل خفیہ میٹنگیں کرتے رہے پھر اسلام آباد آکر صدر ضیاء الحق سے شمالی علاقہ جات اور چترال کو علیحدہ صوبہ بنانے کا مطالبہ کیا اور اس کے تمام اخراجات خود برداشت کرنے کی درخواست کی لیکن آزاد کشمیر کی ایک اہم سیاسی شخصیت کی مداخلت پر فی الحال اس صوبے کا اعلان روک دیا گیا ہے چونکہ شمالی علاقہ جات اور چترال براہ راست روس اور بھارت کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور روس اور بھارت کے یہ اقدامات کسی سے مخفی نہیں کہ شاہراہ ریشم پر قبضہ کرکے پاکستان کو اپنے مفلوج پیپن کے ساتھ رابطہ سے محروم کیا جائے تاکہ ان کے لیے پاکستان کی سرزمین کو روند کر آسان ہو جائے اسی غرض سے سیاچین گلیشیر کے برفانی علاقے میں لڑائی کا طویل سلسلہ جاری ہے۔ خدانخواستہ اگر چترال گلگت کو آغا خانی اکثریتی صوبے کی حیثیت دی گئی تو آگے چل کر روس کے اشارے سے "واخان" اور بدخشان کے بالائی علاقوں (جہاں آغا خانی رہتے ہیں) گلگت اور چترال کو ملا کر مذہبی بنیاد پر ایک آزاد ریاست قرار دینے کا مطالبہ کیا جائے گا اور معمولی گڑبڑ کو بہانہ بنا کر روس مداخلت کرکے اس اہم ترین علاقے کو پاکستان سے کاٹ کر اسرائیل کی طرز پر اسماعیلی اسٹیٹ بنا دیگا۔ اقوام متحدہ میں اپنے حلیف ملکوں کے ذریعے اس کو تسلیم بھی کرائے گا۔ سیاسی اسلامی ریاست پاکستان اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے چیلنج اور ناسور کی شکل اختیار کر جائے گی یہ تمام تر نتائج شمالی علاقہ جات میں آغا خانیوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی اور ان کی پراسرار سرگرمیوں سے اخذ کئے گئے ہیں اور یہ محض مولویانہ مفروضے نہیں بلکہ منطقی نتائج ہیں جو کہ ناقابل تردید و انکار ہیں اگر یہ نتیجے غیر منطقی ہیں تو دنیا میں کوئی ایسی مثال بتائیں جو منطقی نتیجہ کہلاتی ہو۔ لہٰذا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ شمالی علاقہ جات میں آغا خانی کارروائیوں پر پابندی لگائی جائے۔ تمام آغا خانی اثاثے منجمد کرکے ان کے ذرائع آمدنی کی تحقیق کی جائے۔ آغا خانی مشنری سکولوں کو سرکاری تحویل میں لیا جائے، آغا خانی فاؤنڈیشن اور آغا خان رورل سپورٹ پروگرام کو فوری طور پر سرکاری تحویل لیا جائے۔ آغا خانی اکثریتی صوبہ بنانے کی سازش کے بارے میں واضح اعلان کے ذریعے قوم کو مطمئن کیا جائے۔

کیا آغا خان آلِ رسولؐ ہیں؟

ایک علمی اور تحقیقی مطالعہ

تلخیص و ترجمہ
محمد نعیم عارفی

عام مسلمان آغا خان کی بہت عزت کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ آلِ رسولؐ ہیں۔ ان کے اس دعوے کی وجہ سے اسمٰعیلی برادری میں ان کی پرستش کی جاتی ہے، کیونکہ عام خیال یہی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی نسل سے ہیں، جو خاتم النبیین رسول اکرمؐ کے عم زاد اور داماد تھے۔ اسمٰعیلی مشنریز کا پروپیگنڈہ یہ ہے کہ اپنے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی وحی کے تحت حضرت علیؓ کو رسول اکرمؐ نے امام اوّل مقرر کیا تھا اور یہ اعلان فرمایا تھا کہ ان کی اولاد میں سے نسل بعد نسل امام مقرر ہوتے رہیں گے اور یہ امام ہمالیم قیامت مسلمانوں کے روحانی لیڈر رہیں گے۔

موجودہ کریم آغا خان چوتھے آغا خان حضرت علی کی نسل کے بیالیسویں فرد اور اٹھاسویں امام ہیں۔ کریم آغا خان کے والد پرنس علی خان، آغا خان سوم کے صاحبزادے تھے، جن کی ولادت اور ولی العہدی کا اعلان ۱۹۳۰ء میں بافاقہ کر دیا گیا تھا، مگر انہیں بعض نامعلوم وجوہ کی وجہ سے امامت کا سزاوار نہیں سمجھا گیا اور خود انہی کے بیٹے پرنس کریم خان کو ۱۹۵۷ء میں چوتھا آغا خان مقرر کر دیا گیا۔ شامی آغا خانیوں نے اس پر زبردست احتجاج کیا، کیونکہ چودہ سو سال سے اب تک ہر امام کا بیٹا ہی امام بنتا آیا تھا۔ اس مشکل کو خود پرنس علی خان نے شام جا کر حل کیا اور وہاں کے آغا خانیوں کو سمجھایا کہ آخر مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں اور آپ لوگ کریم آغا خان کو امام تسلیم کر لیں۔

ہم ذیل میں جناب صادق حسین خان کی علمی تحقیقات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔ کتاب ہذا میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ موجودہ آغا خان حضرت علیؓ کی اولاد ہیں حقیقتاً "آلِ رسول" ہیں یا ایک داعی کی کاوشوں سے جعلیؓ امامت میں داخل کردہ ایک فرقہ کی تعلیمی اولاد؟ یہ خاکسار ایک تحقیقی اور علمی مسئلہ پیش کرتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں ایران کی اسماعیلی سوسائٹی ہندوستان اور پاکستان کی اسمٰعیلی سوسائٹیز اور امریکی رؤسا اور جرمن مستشرقین کی علمی تحقیقات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اگر آغا خانی علماء رہنمائی کریں اور حقائق پر مبنی علمی و تحقیقی مواد مہیا فرمائیں تو بکمیہ ہے صفحات حاضر ہیں۔

آغا خان کا یہ دعویٰ کہ وہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی براہِ راست اولاد ہیں، ایک ایسی تاریخی حقیقت سے تعلق رکھتا ہے، جسے آغا خانی حضرات زبانی ثابت کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں، مگر کبھی تحریری طور پر اس سلسلے میں متعلق دلائل نہیں ملتے۔ ۱۹۳۵ء تک ایسی کوئی کتاب موجود نہیں تھی، جو آغا خانیت کی مکمل تاریخی و تنقیدی حیثیت سے پیش کی جا سکتی ہو، جس میں عرب کے امام اوّل علی سے ہندوستان کے کریم آغا خان یا ان کے والد تک کے تاریخی واقعات مندرج ہوں۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب ۱۹۳۵ء میں گجراتی زبان میں بمبئی میں چھپی، جس کا عنوان "نورالمبین" تھا اور مصنف تھے علی محمد جان محمد چنارا۔ اس کتاب میں مختلف دستاویزات سے تاریخی معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی تھی، جو آغا خان کے اہلِ خاندان کے پاس رہے، جو پونا اور بمبئی میں مقیم تھے۔ فراہم ہوئی تھیں۔ ۱۹۳۶ء میں جب آغا خان کی گولڈن جوبلی منائی گئی اور انہیں سونے میں تولا گیا، تو اس مبارک موقع پر "نورالمبین" کا ایک خوبصورت ایڈیشن بھی طبع کیا گیا، جو ۸۲۳ صفحات پر مشتمل تھا اور آغا خان نے ایک فرمان بھی جاری فرمایا کہ ہر اسمٰعیلی کے پاس اس کا ہونا باعثِ خیر و برکت ہے، چنانچہ یہ ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، مگر بدقسمتی سے اس کتاب کی اشاعت کے فوراً بعد ہی اس کتاب اور اس کے مندرجات پر شدید تنقید شروع ہو گئی۔ کتاب میں پیش کردہ معلومات کو غلط ٹھہرایا گیا، غیر تحقیقی اور غیر واضح کہا گیا، چنانچہ کتابہ کو آغا خان کے مستدین اور فاضل آغا خانیوں نے دوبارہ اور سہ بارہ چیک کیا اور تمیر الدین ایک آغا خانی عالم جعفر علی محمد صوفی کی زیرِ ادارت بمبئی کی اسمٰعیلی ایسوسی ایشن آف انڈیا نے چھاپا، جو ۴۵۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ اسمٰعیلی ایسوسی ایشن، اسمٰعیلی اعتقادات اور دین کی ترویج و اشاعت کی بین الاقوامی ایسوسی ایشن ہے، جس کے اخراجات آغا خان کی

آغا خان کے اولاد رسول ہونے کے بارے میں اسماعیلی مذہب کی کتابی شہادت سے پرچیں۔

جیب خاص سے ادا ہوتے ہیں۔ ایسوسی ایشن کے سب ادارے ان کا انتخاب آغا خان خود کرتے ہیں اور اس کے ارکان کی تنخواہیں بھی آغا خان کے خزانے سے ادا ہوتی ہیں چنانچہ یہ کتاب آغا خانیت کی سرکاری دستاویز قرار دی گئی۔

۱۹۷۵ء میں ہیری کانفرنس میں جس کی صدارت موجودہ آغا خان نے کی، یہ ریزولیوشن پاس ہوا کہ نورالمبین کا ایک متقرر ایڈیشن چھاپا جائے، جس میں دینیات کے بجائے تاریخی مواد پر توجہ مرکوز کی جائے اور یہ ایڈیشن گجراتی کے علاوہ، انگریزی اردو، فرنچ، عربی اور فارسی میں بھی طبع ہو اور اس کتاب کو اماموں کی تاریخ کی ایک مستند کتاب کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری پاکستان کی اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن پر ڈالی گئی، جس نے ۳۱ جولائی ۷۶ء تک اسے مکمل کر کے گجراتی اور اردو میں شائع کر دیا۔ اس کتاب میں بعض تاریخی تبدیلیاں بھی کی گئیں۔ مثلاً پہلی نورالمبین میں ۲۳ ویں امام کی تاریخ پیدائش جو تحریر ہے، اسے اس جدید ایڈیشن میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس کا گجراتی ایڈیشن جو ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، کراچی سے طبع ہوا۔ پہلی نورالمبین میں ۲۳ ویں امام حسن کی تاریخ پیدائش ۵۰۶ھ ہے، جبکہ نئے ایڈیشن میں اسے ۵۲۰ھ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح تقریباً چودہ سال کا فرق ہوا ہے، جس پر نہ کوئی وضاحت پیش کی گئی ہے، نہ اس تبدیلی کا ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔

عرب میں حضرت علی سے لے کر ہندوستان کے کریم آغا خان یعنی پچھلے پشتوں تک ۴۸ ویں امام حسن کی شخصیت سب سے زیادہ متنازع رہی ہے۔ اسمٰعیلی تاریخ کے ماہرین نے جن میں پروفیسر برنارڈ لیوس اور پروفیسر آئیوانوف پیش پیش ہیں۔ خود نورالمبین میں بھی اقتران کیا گیا ہے کہ چھٹے سولہویں اظہر ہیں اور ۲۳ ویں امام حسن کو مسلیخ کیا جاتا رہا ہے۔ ہندوستان میں بھی مسٹر رضا سورتی نے اپنی گجراتی زبان میں تحریر شدہ کتاب میں ان اختلافات کو بیان کیا ہے اور جرمن مورخ جوزف وان ہیمر کی تحقیق کو پیش کیا ہے۔ وان ہیمر کی کتاب کا انگریزی ترجمہ HISTORY OF THE ASSASSINS بھی لندن سے ۱۸۴۵ء میں چھپ کر بہت مشہور ہوا تھا۔ ان محققین کے بیانات کی تفصیل میں جائے بغیر ہم اس کا لب لباب لیتے ہیں، جو یہ ہے کہ:۔

۱۔ کیا حسن ذکرہ السلام ایک مبلغ جدر گمید کے پوتے تھے اور امام نزار کی صلبی اولاد نہیں تھے؟

۲۔ کیا امام حسن کا پہلا دعویٰ کہ وہ امام نزار کے روحانی بیٹے ہیں، بعد میں اس یقین میں تبدیل نہیں کر دیا گیا تھا کہ وہ محمد کی وفات ۵۵۷ھ میں ہوئی اور اس کی وفات کے دو سال بعد اس کے بیٹے حسن نمبر۲ نے امامت کا دعویٰ کیا اور تاریخی بیان جاری کیا۔

۳۔ اسمٰعیلی روایت کے مطابق، جو صدیوں سے چلی آ رہی ہے، تخت امامت ایک دن کے لیے بھی خالی نہیں رہتا۔ اگر امام قاہر کا بیٹا حسن نمبر۱ دائمی امامت تھا، تو اسے ۵۵۷ھ ہی میں اپنے والد کی وفات پر امامت کا دعویٰ کر دینا چاہیے تھا، اس نے ایسا دو سال بعد کیوں کیا۔

چوتھی حقیقت ۔ پہلا عجیب اتفاق۔

نورالمبین کی تحریر کے مطابق حسن نمبر۱ کے والد کا انتقال ۱۱۶۲ء میں ہوا، اسی میں یہ بھی تحریر ہے کہ حسن نمبر۲ کے والد کا انتقال ۱۱۶۲ء ہی ہوا۔ برنارڈ لیوس نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ حسن نمبر۲ کے والد کا انتقال ۱۱۶۲ء میں ہوا۔

پانچویں حقیقت ۔ دوسرا عجیب اتفاق

برنارڈ لیوس لکھتا ہے، حسن نمبر۲، ۱۱۲۷ء میں پیدا ہوا۔ نورالمبین کہتی ہے، حسن نمبر۲، ۱۱۲۷ء میں پیدا ہوا۔ تاریخ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن نے ۱۹۷۵ء میں شائع کی۔ ہندوستان میں مطبوعہ کتاب کی تاریخ میں تبدیلی کر کے تاریخ ولادت ۱۱۲۶ھ/۱۱۲۷ء لکھتی ہے۔

چھٹی حقیقت ۔ تیسرا عجیب اتفاق

پروفیسر برنارڈ لیوس کی تحریر کے مطابق حسن نمبر۲ کی وفات ۱۱۶۶ء میں ہوئی۔ نورالمبین اور تنک اتہاس کے مطابق حسن نمبر۱ کی وفات ۱۱۶۶ء میں ہوئی۔

ساتویں حقیقت ۔ چوتھا عجیب اتفاق

نورالمبین تنک اتہاس کے مطابق حسن نمبر۲ ۱۱۶۲ء میں امام بنا۔ نورالمبین یہ بھی کہتی ہے کہ حسن نمبر۲ الموت کا حاکم ۱۱۶۲ء میں بنا۔ برنارڈ لیوس بھی لکھتا ہے کہ حسن نمبر۲ الموت کا حاکم ۱۱۶۲ء میں بنا۔

آٹھویں حقیقت ۔ پانچواں عجیب اتفاق

نورالمبین اور تنک اتہاس کے مطابق حسن نمبر۱ کے ۱۱۴۷ء میں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ برنارڈ لیوس لکھتا ہے، حسن نمبر۱ کے ۱۱۴۷ء میں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اب یہ نکتہ ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۔ کیا تاریخ میں اس قسم کے عجیب و غریب اتفاقات، اتفاق ہو سکتے ہیں؟ ۲۔ نورالمبین کا یہ بیان کہ دونوں کے نام حسن تھے اور دیگر عجیب اتفاقات اسے غیر یقینی کہانی نہیں بنا دیتے؟ ۳۔ اگر حسن ایک ہی تھا، جیسا کہ بعض دیگر مؤرخین نے تحریر کیا ہے، تو وہ کون تھا جو ایک امام کا بیٹا تھا یا ایک رانی کی اولاد تھا۔

تصحیح

(صفحہ نمبر ۳۴ تا ۳۶ کے مضمون میں)

تبصرہ کے گزشتہ شمارے میں "گزارش احوال واقعی" کے عنوان سے اسماعیلیوں کے بارے میں پیارے علی والد غلام حسین کے بیان پر مبنی جناب حفیظ اللہ عباسی کی رپورٹ میں صفحہ ۳۲ کے تیسرے کالم کے پہلے دو پیراگرافوں کے بعض حصے ترتیب میں غلطی ہو جانے کے سبب بے ربط ہو گئے ہیں۔ یہ عبارت درست ترتیب کے ساتھ یوں ہے۔

اسمٰعیلی فرقہ کے نزدیک حضرت محمد مصطفیٰؐ کو جہاں تک آخری نبی ماننے کا تعلق ہے اس بارے میں برادری کے ہر فرد کو بچپن ہی سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کا درجہ تمام انبیاء سے بڑھ کر ہے اور محمد مصطفیٰؐ کے برابر ہے بلکہ اسماعیلی فرقہ کی معتبر کتابوں میں اور بہت سے وعظوں میں یہ تک کہا جاتا ہے کہ علی اللہ کے مقرر کردہ ہیں اور انہوں نے محمدؐ کو نبی مقرر کیا ہے۔

آغا خان فاؤنڈیشن کے سربراہ وزیر عاشق علی نے زیر تبصرہ اپنے وضاحتی بیان میں بالکل بجا فرمایا ہے کہ مذہبی اختلاف ہونا کوئی نئی چیز نہیں ہے لیکن عام مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں پائے جانے والے اختلافات کو فروعی نوعیت کے اختلاف کہا جا سکتا ہے جبکہ مسلم معاشرہ میں رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن اسمٰعیلی برادری کو مذہب اسلام کی غلط تعلیم دے کر انہیں غلام بنانے والوں نے تو ان کے خیالات و عقائد ہی تبدیل اور مسخ کر کے اپنی بوجاکر فنا تردیع کر دی ہے لہٰذا انہیں فروعی اختلافات قرار دے کر مرمو نظر نہیں کیا جا سکتا۔

درج ذیل حقائق سے صحیح تصویر سامنے آتی ہے۔

نویں حقیقت ۔ "ممکن ہے کہ"

نورالمبین کے صفحہ نمبر ۲۶۱ پر الموت کی لائبریری سے بچا ہوا ایک کتاب "تاریخ جہاں گشتے" جسے دورِ وسطیٰ کے مشہور مؤرخ امام نزار کی صلبی اور حقیقی اولاد دیں؟

۳۔ کیا درحقیقت آغا خان کا یہ دعویٰ کہ وہ الموت میں سے ہیں، صرف روحانی اولاد ہونے کا دعویٰ ہے یا واقعتاً حضرت علی کی صلبی اور حقیقی اولاد ہیں؟

یہ کوئی معمولی سوالات نہیں ہیں، ان سوالات کے جوابات میں محققین، مؤرخین اور خود اسمٰعیلی علماء نے متعدد کتب تصنیف کی ہیں، مگر ان میں سے اکثر و بیشتر غیر واضح، تذبذب کا شکار اور تضادات سے پُر نظر آتی ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان اور پاکستان کی اسمٰعیلی سوسائٹیز کی تصنیف اور مرتب کردہ کتب میں بھی یکسانیت نہیں ہے۔ ذیل میں ہم چار مستند ترین کتب کا حوالہ دے رہے ہیں جو اسمٰعیلی مذہب پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہیں، مگر ان کے مندرجات میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۔ "نورالمبین" ۱۹۵۱ء کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن مطبوعہ دی اسمٰعیلی ایسوسی ایشن ناراٹیا۔

۲۔ نئک، اتہاس، ۱۹۸۰ء کا نظر ثانی شدہ جوائنٹ ایڈیشن مطبوعہ دی اسمٰعیلی ایسوسی ایشن فار پاکستان۔

۳۔ "الامورت ولا اساتیا" ۱۹۶۰ء کا ایڈیشن مطبوعہ اسمٰعیلی سوسائٹی ۔ تہران۔ ایران۔

۴۔ "شام کے اسمٰعیلی"، مطبوعہ ۱۹۷۰ء یہ کتاب ایک اسمٰعیلی مؤرخ ڈاکٹر مصطفیٰ غالب پی، ایچ ڈی کی تحقیق ہے۔

ایک طویل روایت کو جو صدیوں سے چلی آرہی ہو ترک کر دینا آسان نہیں ہوتا۔ بالعموم کوشش یہی کی جاتی ہے کہ اسے برقرار رکھا جائے، مگر جب ناقابلِ تردید حقائق سامنے آجائیں، تو دوا دبی، تصوراتی یا تخیلاتی باتیں برقرار نہیں رہتیں، اور نہ روشن میں آنکھیں موند لینا اور یہ سوچ لینا کہ سورج وجود نہیں ہے، اپنے آپ کو دھوکا دینا ہوتا ہے۔ یہ دراصل ضمیر کو قتل کرنے اور پھر عمر بھر اس کی لاش اٹھائے پھرنے کے مترادف ہے، بظاہر ایسا کرنے سے سکون سا محسوس ہوتا ہے، مگر درحقیقت اس عمل سے جو بے چینی، تذبذب، اضطراب اور ناآسودگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ رفتہ رفتہ ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔ جتنے زیادہ عرصے آپ ضمیر کو دبائے رکھیں گے، اتنا ہی شدید اس کا ردِ عمل ہوگا۔ آیئے اسمٰعیلی کتب کی روشنی میں کچھ حقائق کا مطالعہ کریں:

پہلی حقیقت ـــــ دو حسن

نورالمبین کے صفحات نمبر ۲۵۸ اور ۲۶۳ پر درج ہے کہ حسن دو تھے۔ ایک حسن طاہر کے بیٹے تھے، جو نزار کی اولاد میں تھے۔ دوسرے حسن داعی محمد کے بیٹے تھے، جو داعی کیا بزرگ امید کے بیٹے تھے۔ کیا بزرگ حسن بن صباح کے منتخب کردہ جانشیں تھے، جنہوں نے دورِ بار ایران میں الموت کے مقام پر اسمٰعیلی قوت کو مستحکم کیا تھا۔ حسن بن صباح اور کیا بزرگ الموت کے حاکم اور داعی تھے جنہوں نے "حشاشین" کے نظام کو مضبوط کیا تھا، داعی حضرات نہ اولادِ علی تھے، نہ آئمہ تھے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں حسن ہم عصر تھے۔ سہولت کے لیے حسن بن طاہر کو حسن اول اور حسن بن داعی محمد کو حسن دوم لکھا گیا ہے۔ اب درج ذیل نکات ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ اسمٰعیلی مؤرخین تسلیم کرتے ہیں کہ داعی محمد کا ایک بیٹا تھا جس کا نام حسن تھا۔

۲۔ اسمٰعیلی مؤرخین یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ حسن دو تھے۔

۳۔ دیگر مؤرخین، جیسے پروفیسر برنارڈ لیوس اور جے وان ہیمر وغیرہ نے صرف ایک حسن کا تذکرہ کیا ہے، جو داعی محمد کا بیٹا تھا۔

دوسری حقیقت ۔ داعی محمد کے بیٹے حسن کا دعویٰ برائے امامت ۔

نورالمبین کے صفحہ نمبر ۲۵۸ پر تحریر ہے کہ حسن نمبر دو نے امامت کا دعویٰ کیا اور اپنے والد داعی محمد کی زندگی ہی میں اس نے خود کو امام کہلوانا شروع کر دیا۔ وہ ایک جھوٹا مدعی امامت تھا۔ نورالمبین میں ایک ایرانی مؤرخ کی کتاب روضۃ الصفا کے حوالے سے یہ بھی درج ہے کہ داعی محمد اپنے بیٹے کے اس جھوٹے دعوائے امامت سے سخت ناراض تھا اور اس نے اپنے بیٹے کے ماننے والے لوگوں میں سے ۲۵۰ کو قتل کرا دیا تھا اور بقیہ کو الموت سے نکال دیا تھا۔ کچھ مؤرخین کے مطابق قتل کیے جانے والوں کی تعداد ۵۰۰ تھی۔ اب یہ نکات بھی ملاحظہ کیجیے۔ (۱) اسمٰعیلی مؤرخین تسلیم کرتے ہیں کہ داعی محمد کے بیٹے نے امامت کا دعویٰ کیا۔ ۲۔ یہ دعویٰ چونکہ ایک طویل مدت تک جاری رہا، کیونکہ اس کے لیے اتنی بڑی تعداد میں اس کے ماننے والے نہیں ہو سکتے تھے۔

تیسری حقیقت ۔ ۱۷ رمضان ۵۵۹ کی تاریخی قرار داد۔

نورالمبین کے صفحہ ۲۶۵ پر تحریر ہے کہ حسن نے ایک تاریخی دعویٰ کیا تھا۔ ایسا ہی برنارڈ لیوس نے بھی تحریر کیا ہے، تاریخ اور مقام وغیرہ نورالمبین میں بھی وہی ہے، جیسا پروفیسر برنارڈ نے لکھا ہے مگر نورالمبین کے مطابق یہ دعویٰ حسن نمبر ۲ نے کیا تھا، حسن نمبر ۱ نے نہیں۔ جیسا کہ پروفیسر برنارڈ نے لکھا ہے۔ یہاں درج ذیل نکات قابلِ غور ہیں۔

۱۔ اسمٰعیلی مؤرخین کے ریکارڈ کے مطابق امام طاہر کی وفات ۵۵۷ھ میں ہوئی اور اس کی وفات کے دو سال بعد ان کے بیٹے حسن نمبر ۲ نے امامت کا دعویٰ کیا اور متواتر یہی بیان جاری کیا۔

۲۔ برنارڈ لیوس اور دوسرے مؤرخین کے مطابق داعی اسماعیل جرینی نے تحریر کیا ہے، سے اخذ شدہ معلومات کی روشنی میں تحریر ہے کہ امام حسن ۵۰۶ھ مطابق ۱۱۱۲ء میں الموت میں پیدا ہوا تھا اور عین ممکن ہے کہ وہ امام نزار کی آل میں سے ہو۔ "عین ممکن ہے کہ" الفاظ سے غیر یقینی کا تاثر پیدا ہوتا ہے، جس سے اختلاف اور بحث و تمحیص کے دروازے کھلتے ہیں۔

دسویں حقیقت ۔ اس کا دعویٰ جعلی ہے۔

نورالمبین کے صفحہ نمبر ۲۶۵ نے اطہر محمدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ نے کہا تھا کہ حسن نمبر ۲ یہ کوشش کر رہا ہے کہ اپنا خونی رشتہ امام مستنصر باللہ سے جوڑ دے (جو امام نزار کے والد تھے) مگر اس کا دعویٰ جھوٹا اور جعلی ہے۔ پھر عباسی خلیفہ نے حسن نمبر ۲ کا ایک نسب نامہ جاری کیا، جسے نورالمبین نے جعلی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ امام کے ماننے والوں کو گمراہ کرنے کے لیے گھڑا گیا تھا۔

گیارہویں حقیقت ۔ امام ایک داعی کے گھر پیدا ہوا تھا۔

نورالمبین کے صفحہ نمبر ۲۵۳ پر امام مہتدی کی ایک بشارت درج ہے، جس کی رو سے حسن نمبر ۲ کے والد نے اپنے ایک داعی محمد کو بلا کر کہا کہ میری بیوی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے، جو مستقبل کا امام ہوگا۔ وہ تمہارے گھر پیدا ہوگا۔ تم میری بیوی کو، جو حاملہ ہے، اپنے گھر لے جاؤ اور وضع حمل تک اس کی حفاظت کرو، چنانچہ داعی نے ایسا ہی کیا۔ جب لڑکا پیدا ہوا، تو اس کا نام طاہر رکھا گیا، جو حسن نمبر ۲ کا والد تھا۔ ولادت کے بعد امام مہتدی نے اپنے لڑکے کو جا کر دیکھا، دعا دی اور پیار کرنے کے بعد اپنی بیوی کو سونپ دی، جس کی رو سے امام مہتدی کے بعد طاہر کو امام بنانے کا حکم دیا گیا تھا، اس کے بعد امام مہتدی روپوش ہو گئے۔ یہاں درج ذیل نکات قابلِ ملاحظہ ہیں۔

۱۔ نورالمبین نے کوئی وجہ بیان نہیں کی کہ کیوں امام مہتدی کی بیوی گھر پر وضع حمل سے قاصر تھی۔

۲۔ نورالمبین نے بشارت کا واقعہ تو بیان کیا اور امام کے اپنے داعی کے گھر جانے اور سند امامت تفویض کرنے کا ذکر بھی کیا، مگر بچے کا کوئی پیدائشی نام وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا

(جاری ہے)

ایک علمی اور تحقیقی مطالعہ

گزشتہ سے پیوستہ

تلخیص و ترجمہ
محمد نسیم عارفی

آغا خاں کے کئی اجداد کی شخصیت دیومالائی کہانیوں کی طرح پُراسرار ہے

۲- امام مہتدی کے روپوش ہو جانے کا کوئی سبب بھی بیان نہیں کیا گیا ہے۔

۴- امام مہتدی کی نار مدیع پیدائش بھی درج نہیں کی گئی ہے۔

اس طرح امام کے ایک داعی کے گھر پیدا ہونے کا پورا واقعہ اسماعیلی مورخین نے ایک طلسماتی انداز میں بیان کیا ہے۔

پارسویں حقیقت۔ امام قاہر کی سند امامت

نور المبین کے صفحہ ۲۵۵ پر تحریر ہے کہ داعی محمد نے تمام علاقوں سے لوگوں کو جمع کیا اور ایک لڑکے کو ان کے سامنے لایا گیا اور اس کے بارے میں پیشین گوئی کی کہ یہ امام زماں ہیں اور سیاسی طور پر یہ الموت کے حاکم بھی ہیں۔ ساتھ ہی داعی حسن بن صباح کی اس خواہش کا تذکرہ بھی کیا گیا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ میں روحانی اور سیاسی طور پر ایک شخص کو حاکم وقت دیکھنا چاہتا ہوں اور کہا گیا کہ امامت اور خلافت اب ان میں مرتکز ہے۔ داعی محمد نے کہا' یہ میری بہت بڑی خوش نصیبی ہے کہ میں اس مقدس فریضے کو انجام دے رہا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے داعی محمد نے خاموشی سے اس لڑکے کے حوالے کی اور اسے امام قاہر کا لقب دیا۔ ساتھ ہی نور المبین میں درج ہے کہ حاضرین میں سے بہت سے حضرات نے اس پر شدید اعتراض بھی کیا۔ اس پر داعی محمد نے اپنی بیوی کو بلا کر سند لانے کو کہا اور کہا یہ وہ سند ہے جو اس بچے کے والد امام مہتدی نے عطا کی تھی۔ اس ثبوت کی رو سے یہ امام وقت ہے۔ نور المبین میں مزید تحریر ہے کہ اس مخالفت اور سرکشی کو جو اس موقع پر پیدا ہوئی تھی' فرو کرنے میں داعی محمد کو پانچ سال لگے اور انہوں نے اس مخالفت کو دبانے کے لئے بہت سے ذرائع استعمال کئے۔ آخر میں ۵۵۷ھ مطابق ۱۱۶۲ء میں یہ قضیہ فرو ہوا۔ اب یہاں چند نکات قابل غور ہیں:

۱- اگر یہ پیشین گوئی والا بچہ یعنی امام قاہر امام مہتدی کی جائز اولاد تھا تو پھر یہ ہنگامہ اور مخالفت کیا معنی رکھتی ہے؟

۲- جیسا کہ نور المبین میں درج ہے کہ امام قاہر کا دور امامت صرف پانچ سال پر محیط تھا یعنی ۱۱۵۷ء سے ۱۱۶۲ء تک تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ امام قاہر کا سارا دور امامت فتنہ' سرکشی اور شورش کو فرو کرنے ہی میں صرف ہو گیا اور ان کی زندگی میں ان کی امامت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔

۳- اسماعیلی مورخین نے امام قاہر کی تاریخ پیدائش کہیں درج نہیں کی ہے' صرف یہ لکھا ہے کہ امام قاہر ۱۱۵۷ء میں تخت امامت پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔ اس سند جلوس سے بھی امام قاہر کی کم از کم عمر کا تخمینہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

(الف) امام قاہر کا بیٹا حسن ۱۱۱۲ء (یا ۱۱۲۶ء) میں پیدا ہوا تھا (اسماعیلی کتب کے مختلف نسخوں میں یہی تحریر ہے)

(ب) اس طرح امام حسن کی عمر تینتالیس سال تھی (۱۱۵۵ء میں سے ۱۱۱۲ء منہا کر لیجئے) یا پھر ان کی عمر ۳۱ سال تھی (۱۱۵۷ء میں سے ۱۱۲۶ء منہا کر لیجئے) جب ان کے والد امام قاہر امام بنے۔

(ج) اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام قاہر کو کم از کم اپنے بیٹے حسن سے پندرہ سال تو بڑا ہونا چاہیے (یعنی ساٹھ سال یا پھر چھیالیس سال کا) یہاں چند بہت اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱- اس طویل عرصے یعنی ساٹھ سال یا چھیالیس سال کی عمر تک پہنچتے ہوئے بھی ان کے اپنے والد امام مہتدی نے اپنے بیٹے کا کسی سے بھی تعارف اپنے بیٹے کی حیثیت سے کیوں نہیں کرایا اور کیوں نہیں کہا کہ میرے بعد میرا یہ بیٹا امام ہوگا۔ واضح رہے کہ ان کا انتقال ۱۱۵۷ء میں ہوا تھا۔

۲- داعی محمد کی بیوی یا امام مہتدی کی بیوی کو بالآخر "سند" کیوں پیش کرنا پڑی تھی' کیا یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس ساٹھ سالہ امام کا والد کون تھا؟

۳- امام قاہر ۱۱۵۷ء جب مسند امامت پر سرفراز ہوئے تھے' اس وقت وہ کوئی بچے نہیں تھے بلکہ باپ ہی نہیں دادا بھی بن چکے تھے۔ اس وقت تک بھی ان کی شخصیت اتنی نامعلوم اور غیر معروف تھی کہ ان کی شناخت کرانا پڑی۔ (حالانکہ وہ دادا بن چکے تھے۔ واضح رہے کہ امام قاہر کا پوتا علی محمد ۱۱۴۷ء میں پیدا ہوا تھا)

مندرجہ ذیل حقائق قاری کو ایک مختلف ہی کہانی سناتے ہیں۔

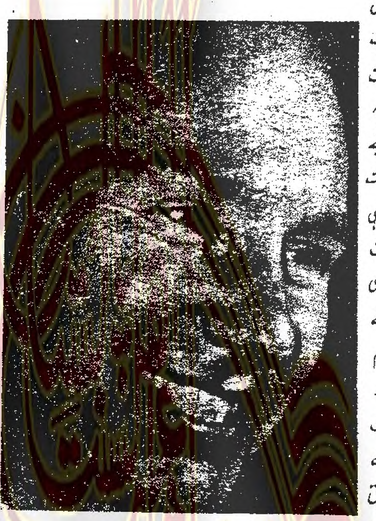

امامت صرف پانچ سال پر محیط تھا یعنی ۱۱۵۷ء سے ۱۱۶۲ء تک تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ امام قاہر کا سارا دور امامت فتنہ' سرکشی اور شورش کو فرو کرنے ہی میں صرف ہو گیا اور ان کی زندگی میں ان کی امامت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔

۱۔ ۔۔۔ یہ کیسی فرد اسی شخصیت کا نام تھا یا امام حسن نے لفظ "ظاہر" کو اپنے لقب کے طور پر اختیار کیا تھا؟

۲۔ داعی محمد کے گھر پیدا ہونے والی شخصیت کون تھی

(الف) امام ظاہر (ب) احسن نمبر ۱ (ج) یا پھر حسن نمبر ۲

۳۔ کیا امام مہتدی کبھی کہیں پیدا ہوئے تھے یا اسماعیلی تاریخ میں ایک علامتی شخصیت کا روپ رکھتے ہیں۔ اسی لئے ان کا تذکرہ ہمیشہ غائب امام کے طور پر کیا جاتا ہے جو نادراً ہی ملفساتی طور پر کبھی کہیں ظاہر ہوئے ہیں۔

۴۔ امام مہتدی کے والد امام ہادی کبھی اسکندریہ کے جیل خانے سے باہر آسکے تھے؟ کیا وہ ایران میں "الموت" تشریف لاتے تھے؟

۵۔ امام ہادی، امام مہتدی اور امام ظاہر نے الموت کی سیاست میں کبھی عملی طور پر بھی حصہ لیا تھا کبھی "حشاشین" کی فوجی مہمات میں شریک ہوئے تھے جیسا کہ متعدد مورخین نے اپنی کتب میں تحریر کیا ہے۔

۶۔ امام ہادی، امام مہتدی اور امام ظاہر کی ولادت کی تاریخیں کیوں آج تک اسماعیلی مورخین نے اپنی کتب میں درج نہیں کی ہیں؟

۷۔ کیا اس بات کا امکان ہے کہ اسماعیلی مورخین ان تین عظیم شخصیتوں یعنی اپنے آئمہ کی ولادت کی تاریخیں بیان کر سکیں گے۔

۸۔ جب ایک اسماعیلی مورخ نے ان تینوں آئمہ کی ولادت کی تاریخیں تخمینی اور قیاسی طور پر متعین کرنے کی کوشش کی تو اسے کیا کیا واقعات پیش آئے اور کن کن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

مندرجہ بالا سوالوں کا تشفی بخش جواب تلاش کرنا اسماعیلی مورخین کے لئے بیحد مشکل اور کٹھن مسئلہ ہے۔ اگر ایسا کرنے کی کوشش کی گئی اور دانستہ انصاف سے کام لیا گیا تو قاری کے سامنے یقیناً ثابت شدہ کر دینے والے ہوش ربا حقائق سامنے آئیں گے۔

روس کے مشہور مورخ اور محقق پروفیسر آئیوانو نے اسماعیلی لٹریچر پر بیحد سے محظوظات اور کتب کا فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اسماعیلی تاریخ اور روایات کے میدان میں پروفیسر آئیوانو کی تصانیف، تراجم اور تحقیقات کو خود آغا خان نے بھی بے حد سراہا ہے۔ ۱۹۵۸-۵۹ء میں پروفیسر آئیوانو نے بنفس نفیس الموت اور اس سے متعلق تاریخی مقامات کا خود جا کر سروے کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی ایسے تمام مقامات جو ایرانی اسماعیلیات سے متعلق تھے اور اسماعیلی مذہب کی قدیم تاریخ سے متعلق تھے، آئیوانو نے جا کر دیکھے۔ ان سے متعلق کتب کھنگالیں اور پھر اپنی ان تمام تحقیقات کی روشنی میں پروفیسر آئیوانو نے ایک کاتی تفصیلی سروے رپورٹ شائع کی۔ اس پورے منطقے کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ "شاید مستقبل کے محقق اور اسماعیلیات کے شائقین کے لئے جو حقائق کے انکشافات میں دلچسپی رکھتا ہو، میری ان تحقیقات سے کافی مدد ملے۔ ایسے لوگ جو الموت کے سیاسی، ثقافتی، دینی اور تاریخی حالات سے حقیقی دلچسپی رکھتے ہوں گے، ان کے لئے میری ان تحقیقات میں بہت کچھ مواد موجود ہے۔" پروفیسر آئیوانو کی یہ قیمتی اور بلند معلوماتی سروے رپورٹ تہران کی اسماعیلی سوسائٹی نے تہران سے ۱۹۶۰ء میں شائع کی تھی۔ اس سروے رپورٹ کا جو ایک قیمتی کتاب کی شکل میں ہے، "امام" الموت اور قاسم" رکھا گیا ہے۔ طابع کا پتہ ہے: کیہان پریس، زود سی ایونیو، تہران (ایران)۔

تیرھویں حقیقت۔ الظاہر بہ امراللہ، امام کا نام نہیں لقب تھا

اپنی تصنیف "الموت و لاماسار" کے صفحہ ۲۸ پر پروفیسر آئیوانو رقمطراز ہیں:

خداوند جلال الدین حسن از ذکر السلام ۱۲۶۱ء (مطابق ۶۵۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۳ ربیع الاول ۵۵۷ھ (۲ فروری ۱۱۶۲ء) میں کیا گیا کہ وفات پر الموت اور متعلقہ علاقے کے حاکم بن گئے، اور انھیں سرکاری طور پر کیا محمد کا بیٹا تسلیم کر لیا گیا۔ ان کے تحت حکومت پر متمکن رہنے کے درمیان ہی ایک بڑی مشکل اور خلفشار پیدا ہو گیا اور یہ سوال اٹھایا جانے لگا کہ وہ (امام حسن) امام مہدی کے فرزند ہیں (یعنی شہزادے نزار کے پوتے) یا امام ظاہر بہ امراللہ کے بیٹے ہیں اور اس طرح سے امام مہتدی کے پوتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اوپر تحریر شدہ لقب القاہر بہ امراللہ امام حسن نے خود اختیار کیا تھا۔

اگر القاہر بہ امراللہ لقب تھا تو پھر پیشین گوئی والا بچہ بھی جو داعی محمد کے گھر پیدا ہوا تھا حسن تھا، امام قاہر نہیں تھا۔

چودھویں حقیقت۔ نزاریوں کے تئیں "قاہر شاہ" لقب تھا

کیا آغا خان آلِ رسول ہیں؟

صادقون خان کی تہلکہ خیز تالیف

A NEW BOOK

"Aga Khan As Descendant Of The Prophet"

By: Saadiquun Khan

اس کتاب میں ان لوگوں کے حسب و نسب پر منطقی انداز میں سوالات اٹھائے گئے ہیں، جو آلِ رسول ہونے کے دعویدار ہیں اور مدعی ہیں کہ ہم اولادِ نرینہ علی کرم اللہ وجہہ ہیں، یعنی پورا سلسلۂ اہلبیت اور آئمہ کرام کی تاریخ، اس کتاب میں موضوعِ بحث ہے۔ کیا آغا خان آلِ رسول (ہیم صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ اسماعیلی مذہبی کتب اور دیگر تاریخی کتب کی روشنی میں، اس کتاب میں آغا خان کے دو خاندانی سلسلوں سے بحث کی گئی ہے۔ ایک سلسلہ خاندانِ نبوت تک پہنچتا ہے، جبکہ دوسرے کا تعلق الموت کے ایک داعی محمد کیا بزرگ سے ہے جس کی وجہ سے آغا خان کا خاندانِ نبوت سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ کتاب میں بتایا گیا ہے کہ ابتداء میں آلِ نبوت ہونے کا دعویٰ صرف روحانی معنی تھا، جو ایران میں داعی محمد کے بیٹے حسن دوم نے بارہویں صدی میں کیا۔ بعد میں یہ دعویٰ نسلی اور سببی آلِ رسول ہونے کے دعوے میں بدل دیا گیا۔ اس کتاب نے اسماعیلی اعتقادات کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ تاریخِ اسلام کے طلبہ، اسکالرز اور دین سے دلچسپی رکھنے والے سب حضرات کے لیے یہ کتاب ایک نادر تحفہ ہے۔

ملنے کا پتہ

Distributed By: Bay Books
P.O. Box 58828, Seattle, WA. 98188
U.S. $2.15; CDN $2.95 Plus 70¢ Postage
Intern'al Seamail $1.00, Airmail $2.00

نورالمبین کے صفحہ ۲۹۷ پر مذکور ہے کہ امام رکن الدین خورشاہ کو عامۃ الناس ازراہِ عقیدت "قاہر شاہ" کے لقب سے پکارتے تھے۔ اس سلسلے میں ۱۸۲۹ء میں فرانس سے شائع شدہ سرجان ملکم کی کتاب "تاریخ ایران" کا حوالہ بھی موجود ہے۔ رکن الدین الموت کے دور کے اماموں میں سے آخری امام تھا۔ یہاں درج ذیل نکات قابلِ غور ہیں:

۱۔ نورالمبین اور سرجان ملکم کی تاریخی کتاب "تاریخ ایران" میں درج شدہ حقیقت یہ ظاہر کرتی ہے کہ روسی محقق پروفیسر آیوانو کا یہ نظریہ درست ہے کہ "القاہر" اسمٰعیلی اماموں کے مرغوب القاب میں سے ایک لقب تھا جو انہوں نے اپنے "الموت" کے دورِ حکومت میں اختیار کیا تھا۔

۲۔ اگر القاہر "حسن نمبر ا کا لقب تھا، نام نہیں تھا، تو پھر ایک مزید امام یا گروہِ ائمہ میں ایک اور اضافی شخصیت کو داخل کر دیا گیا۔ گویا آغاخانی کے خاندان کے اسمار الرجال میں ایک طلسماتی شخصیت کا اضافہ۔

۳۔ امام قاہر، اس کے بیٹے یا پوتے کی پیدائش کی کہ تاریخیں نہ نورالمبین میں درج ہیں، نہ "تنگ التباس" میں تحریر کی گئی ہیں۔ اس طرح بھی یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اسمٰعیلی اماموں کی نسل میں اس طرح اضافہ کر دیا گیا ہے اور اسے چھپانے کے لئے تاریخ سے ان اماموں کی پیدائش کے سال ہی غائب کر دئے گئے ہیں۔

پندرھویں حقیقت۔ دو نسلیں، بیٹا اور پوتا ۱۸ سال کے عرصے میں پیدا ہوئے

نورالمبین سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ امام مستنصر باللہ کا ۱۰۹۴ء میں مصر میں انتقال ہوا تھا اور نتیجے میں اس کا بیٹا نزار امام بنا تھا۔ امام نزار، اس کا بیٹا ہادی اور دوسرے افراد خاندان کو امام نزار کے بھائی "مستعلی" نے قید کر لیا تھا۔ مستعلی خود امامت کا دعویدار تھا۔ نورالمبین کے صفحہ ۲۴۲ پر تحریر ہے کہ ہادی اسکندریہ میں قید خانہ سے کسی طرح راہ پا گیا اور مصر سے بھاگ کر ایران میں قلعہ لامسار میں جا گزیں ہوا۔ نورالمبین میں ہادی کے جیل سے نکلنے کا سن تحریر نہیں کیا گیا ہے مگر بہر حال امکانی طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ۱۰۹۴ء یا اس کے لگ بھگ ہوگا۔

نورالمبین کے صفحہ ۲۵۰ پر درج ہے کہ امام ہادی نے ایک پاکیزہ اطوار ایرانی خاتون (جس کا نام درج نہیں ہے) جو مدبار کی رہنے والی تھی، شادی کر لی تھی جس سے اس کا بیٹا مہتدی پیدا ہوا۔ (جس کا سنِ ولادت نامعلوم ہے) یہ ولادت ایران میں لامسار کے قلعہ میں ہوئی تھی۔ اب اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ولادت یقیناً ۱۰۹۴ء کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اب اگر ہم اماموں کے خاندانی چارٹ پر نظر ڈالیں تو حسن نمبر ا (جو مہتدی کا پوتا سمجھا جاتا ہے) ۱۱۱۲ء میں پیدا ہوا ہوگا۔ اب اس اٹھارہ سال کے فرق کا

اسماعیلی پیشوا کے نسب نامے پر اعتراضات دور کرنے کے لیے ترمیم و تبدیلی کا عمل مسلسل جاری ہے۔

خود اندازہ لگا لیجیے (یعنی ۱۱۱۲ میں سے ۱۰۹۴ر منہا کر لیجیے)

سولہویں حقیقت۔ بیٹا باپ سے پہلے پیدا ہوا

جیسا کہ ہم پہلے نورالمبین کے حوالے سے لکھ چکے ہیں، (گیارہویں حقیقت ملاحظہ ہو) کہ امام مہتدی نے اپنے بیٹے قاہر کو پیار کیا اور سند (ثبوت امامت) داعی محمد کے گھر میں قاہر کی ولادت پر اپنی بیوی کو دی کہ بوقت ضرورت ثبوت امامت کے طور پر پیش کر دی جائے۔ اس سے یہ حقیقت واضح اور ثابت ہوتی ہے کہ جب قاہر کی ولادت ہوئی تو امام مہتدی حیات تھا اور تختِ امامت پر متمکن تھا جب ہی تو اس نے سند دی تھی اور اپنے بچے کو پیار کیا تھا۔ بس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قاہر کی ولادت ۱۱۳۶ء اور ۱۱۵۷ء کے درمیان کسی وقت ہوئی جو امام مہدی کا دورِ امامت تھا۔ نورالمبین میں تحریر ہے کہ قاہر کا بیٹا حسن ۱۱۱۲ء میں پیدا ہوا یعنی اپنے والد قاہر سے ۴۲ سے ۴۵ سال پہلے کے عرصے میں جو یقیناً حیاتیاتی طور پر ناقابلِ یقین ہے۔

چلئے اگر نورالمبین کی بات کو صحیح نہ مانا جائے تو بھی حسن کا جدید ترین اور تبدیل شدہ سنِ پیدائش بھی ۱۱۲۶ء ہے جو اسمٰعیلی مورخین نے ۱۹۸۰ء کے عشرے میں اپنی مستند تاریخی کتاب "تنگ التباس" میں تحریر کیا ہے جسے اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن آف پاکستان نے کراچی سے شائع کیا ہے، اور اس طرح تاریخ کی انتہائی غیر منطقی حقیقت کہ امام حسن کی ولادت اپنے والد امام قاہر کی ولادت سے کم از کم دس سال پہلے ہوئی تھی، ناقابلِ تردید ہے۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں مگر ہر ایک مسلمہ اور ثابت شدہ حقیقت ہے جو خود اسمٰعیلی تاریخ کی کتب سے ثابت ہے۔

سترھویں حقیقت جس نمبر ا کی پیدائش ایک مصنوعی کہانی ہے۔

نورالمبین اور تنگ التباس دونوں مستند اسمٰعیلی کتب میں علی محمد کی تاریخ پیدائش ۱۱۴۷ء درج ہے۔ ساتھ ہی امام مہتدی کی تاریخ وفات بھی ۱۱۵۷ء درج ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب امام مہتدی کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا قاہر، پوتا حسن اور پرپوتا علی محمد، جو اس وقت دس سال کا تھا، (۱۱۵۷ء میں سے ۱۱۴۷ء منہا کر لیجیے) موجود تھے۔

مہتدی ۱۱۲۶ء میں امام بنا اور اس کے گیارہ سال بعد یعنی ۱۱۴۷ء میں اس کا پرپوتا بھی موجود تھا یعنی علی محمد جسے خود اسمٰعیلی مورخین تسلیم کرتے ہیں۔ اگر حقیقتاً ایسا تھا تو داعی محمد کا امام مہتدی کے لئے تگمین ہونا کہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور امام مہتدی کی پیشین گوئی کہ ایک بیٹا پیدا ہونے والا ہے، قطعاً غیر حقیقی، غیر منطقی اور ایک جھوٹی کہانی معلوم ہوتی ہے۔ اگر ہم گھپلے نما کے کوئی منطقی جواز پیدا کرنے کی کوشش کریں تو اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اسمٰعیلی مورخین نے یہ قصہ صرف اس لئے تصنیف کیا ہے کہ وہ اپنی پہلے سے بیان کردہ "دو حسن" والے قصے کو کس طرح ثابت کریں جو دونوں داعی محمد کے گھر پیدا ہوئے تھے۔ ایک امام حسن کی صورت میں اور دوسرا داعی حسن کی شکل میں حقیقتاً "حسن نقطہ" ایک تھا جو داعی محمد کا بیٹا تھا اور اگر ہم اسکا نسب نامہ تلاش کریں تو کچھ اس طرح بنتا ہے۔

۱۔ کیا محمد (حسن بن صباح کا جانشین)
۲۔ داعی محمد ا
۳۔ حسن ۲
۴۔ محمد ۲
۵۔ جلال الدین حسن
۶۔ علاؤ الدین محمد
۷۔ رکن الدین خورشاہ

اب مشہور مورخ ڈاملک جوینی (۱۲۸۳ء-۱۲۲۶ء) کی کتاب THE ASSASINS کے صفحہ نمبر ۹۵ پر یہ تحریر

تصحیح

گزشتہ شمارہ میں شامل، زیرِ نظر تحریر کی پہلی قسط میں عبارت کی ترتیب غلط ہو جانے کے سبب ۳۶ ویں سطر کے دوسرے کالم میں "چوتھی حقیقت" کی ذیلی سرخی سے لے کر ۳۷ ویں سطر کے پہلے کالم میں "پہلی حقیقت" کی ذیلی سرخی سے قبل تک کی عبارت، پہلے شائع ہو گئی ہے۔ براہِ کرم قارئین ترتیب کو درست کر کے مطالعہ فرمائیں۔ (ادارہ)

آغاخاں کے ماننے والوں نے جس دن اُن سے اُن کی روحانی قوتوں کا ثبوت طلب کر لیا، اُسی دن اُن کی اصلیت ہر انسان پر کھل جائے گی

ملاحظہ کیجئے "رکن الدین خورشاہ اور اس کے ماننے والوں کو پہلے تو ہلاکو خان نے قلعوں سے باہر کیا پھر ہلاکو خان کی فوج نے ان سب کو تہہ تیغ کر دیا تھا۔ پھر نہ اس کا اور نہ اس کے خاندان کا کوئی سراغ باقی رہا تھا۔ بعد میں اس کی نسل اولاد کے بارے میں صرف لوگوں کے لبوں پر کہانیاں رہ گئی تھیں جو دنیا کی عام روایت ہے۔"

ایران سے اسماعیلیوں کا اس طرح خروج اسماعیلی تاریخ کا ایک اور المناک باب ہے جیسے جوینی نے بیان کیا ہے۔ "۱۷ اماموں [illegible] کا تار بکھیں (یعنی ۱۷ نسلوں کا تار کٹی تسلسل) نہ ٹوٹا۔ [illegible] رہے ہیں شکوک اتہامی سے اس کا کوئی ثبوت چلتا ہے۔ کاش ا [illegible] وضعیں بیان کر سکتے۔

اٹھارویں حقیقت۔ حسن بن صباح یا محمد

ڈاکٹر مصطفےٰ غالب ایک شامی اسماعیلی ہیں جنھوں نے ادب اور تاریخ میں کینیڈا کی نیشنل یونیورسٹی سے ۱۹۷۰ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ ڈاکٹر غالب اپنی کتاب "شام کے اسماعیلی" کے صفحہ ۷۳ پر رقمطراز ہیں۔

"وہ دستاویز جو ہمارے نقطۂ نظر کو ثابت کر سکے وہ خط ہے جو تمام اسماعیلی نزاریوں میں تقسیم کیا گیا تھا جسے امام حسن بن حسن بن محمد بن علی بن نزار نے ۵۵۸ھ میں تحریر کیا تھا۔ اس خط میں انہوں نے کہا تھا "ہمارے نائب الحسن بن مزدگ کی بزرگی ہمارے داعی اور ہماری حجت ہیں۔ وہ تمام لوگ جو ہمارے دین، اصولوں اور طریقہ کار کو مانتے ہیں انہیں تمام دینی اور سیاسی و معاشرتی امور میں ان کے احکامات ماننے ہوں گے ان کے قوانین چلانا ہوں گے اور ان کی تقاریر اور ہدایت و رہنمائی کو ہماری طرف سے سمجھنا ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے ماننے والے ان کے احکامات کی خلاف ورزی نہیں کریں گے ان کے احکامات کو حرف بہ حرف تسلیم کریں گے بالکل اسی طرح جیسے وہ ہماری طرف سے جاری کئے گئے ہیں۔ یہاں قابل لحاظ باتیں یہ ہیں۔

۱۔ لفظ "بن" کے معنی بیٹے کے ہوتے ہیں۔

۲۔ الامام حسن کو حسن کے بیٹے کے طور پر لکھا گیا ہے القاہر کے بیٹے کے طور پر نہیں۔

۳۔ حسن بن حسن کو محمد کا پوتا لکھا گیا ہے مہتدی کا نہیں لکھا گیا۔

۴۔ الامام حسن بن حسن کے نائب الحسن بن محمد تحریر کئے گئے ہیں۔

۵۔ اس بیان سے تین حسن اور دو محمد ثابت ہوتے ہیں

انیسویں حقیقت۔ اسماعیلی دعائیں

اسماعیلی "تاریخ کی کتابوں کے علاوہ ایک اور ذریعہ بھی ہے جس سے اسماعیلی اماموں کے نسب نامے کے بارے میں کسی قدر معلومات مہیا ہو سکتی ہیں اور وہ ذریعہ ہے دعاؤں کی کتاب۔ تمام دنیا کے جماعت خانوں میں دعا مانگتے وقت روزانہ تمام کے تمام ۴۹ اماموں کے نام لئے جاتے ہیں ۴۳ ویں متنازع امام حسن کا نام بھی کتاب۔ دعا میں درج ہے اور پکارا بھی جاتا ہے مگر انہیں مولانا علی ذکر السلام کے نام سے پکارا جاتا ہے لہٰذا اس سے علی ذکر السلام کے نام سے نہیں پکارا جاتا اس سے نہ ان کا لقب ظاہر ہوتا ہے نہ ان کے مرتبے کا پتہ چلتا ہے اسماعیلی دعاؤں کی کتاب سے جو نسب نامہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے

مولانا مستنصر باللہ، مولانا نزار، مولانا ہادی، مولانا مہتدی، مولانا قاہر، مولانا علی ذکر السلام، مولانا علی محمد، مولانا جلال الدین حسن۔ مولانا علاؤالدین محمد، مولانا رکن الدین خیر شاہ۔

پروفیسر آئیوانو اپنی کتاب "الموت ولاماسار" کے صفحے ۲۸ پر لکھتا ہے "اسماعیلی الفاظ میں اس طرح دعائیں ایک معین اور مخصوص مفہوم رکھتی ہیں گویا یہ دعا الحسن علی ذکر السلام سے متعلق ان کے "قائم" ہونے کے لئے ہے اور اسماعیلی الفاظ میں قائم "مہدی" کے لئے مخصوص لفظ ہے جو قیامت کے قریب ظاہر ہوں گے ان کا حقیقی نام ابھی تک پردہ اخفا میں ہے گویا اس طرح دعا کے الفاظ میں مفہوم کچھ اس طرح بنتا ہے کہ "سلام اور برکتیں ان پر

آغاخاں کا شجرۂ نسب

حقائق کے بجائے قیاس

اور مفادات کی بنیاد پر

مرتب کردہ نظر آتا ہے۔

نازل ہوں جن کا کوئی بھی نام ہو یا جو نام بھی وہ اپنے لئے پسند فرمائیں"۔ موز۔ خ۔ ایز فرانزیوس نے اپنی تاریخی کتاب "تاریخ نظام حشاشین" میں صفحہ ۷۸ پر تحریر کیا ہے "اور حسن نمبر ۲ نے اپنے آپ کو مہدی یا قائم ظاہر کیا ہے جس کے معنی ہیں قیامت لانے والا" (ایز فرانزیوس کی مندرجہ بالا کتاب FUYK AND WAGNALLS نے نیویارک سے ۱۹۶۹ء میں شائع کی ہے)

پروفیسر آئیوانو نے ایک بے حد اہم اور توجہ طلب سوال اٹھایا ہے وہ لکھتا ہے:

(الف) شیعہ اثنا عشری حضرات اُس دن سے امام مہدی کے انتظار میں ہیں جس دن سے ان کے امام غائب ہو گئے ہیں۔

(ب) شیعہ مستعلین اُس دن سے اپنے امام مہدی کے منتظر ہیں جب سے وہ پردے میں چلے گئے ہیں۔

(ج) شیعہ اسماعیلی نزاری حضرات بھی اپنے امام مہدی کے انتظار میں اس دن سے جس دن امام نزار اور ان کی آل اولاد کو قید خانے میں تہہ تیغ کر دیا گیا تھا یا پھر وہ اسکندریہ مصر کے قید خانے میں خود وفات پا گئے تھے۔

(د) داعی حسن (جو داعی محمد کے بیٹے تھے) نے مردہ سلسلۂ امامت کو یہ کہہ کر زندہ کیا تھا کہ وہ خود مہدی موعود ہے۔ کیا اسی کو تو مولانا علی ذکر السلام کے طور پر الموت کے اسماعیلی تسلیم نہیں کرتے تھے؟

حقیقی امر

اسماعیلی عقیدے کے مطابق ایک حقیقی اور صحیح النسب امام اس وقت تک انتقال نہیں کرتا جب تک اس کے ایک نامکر اولاد جید امام نہ ہو جائے جو اس کے وصال کے بعد اس کی جگہ لے سکے چنانچہ آنے والے امام کو اس کے والد یا دادا امام کے طور پر متعین کر دیتے ہیں اس کے بعد ہی ان کی وفات ممکن ہے گویا اس طرح ایک حقیقی اور صحیح امام ہمیشہ آل علی میں سے ہوتا ہے جو پہلے امام تھے بالفاظ دیگر ایک حقیقی امام نسبی طور پر اولاد علی آل رسول ہوگا اپنے نسب سے کبھی برگشتہ نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی مفقود الخبر، غائب یا غیر موجود ہو سکتا ہے۔ گویا اسماعیلی نظریۂ امامت کی بنیاد یہ ہے کہ امام ڈائریکٹ آل علی ہوگا، خانوادۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا۔ اس کا حکم قرآن ہوگا وہ قرآن کو تبدیل کر سکتا ہے قرآن کی سورتوں اور آیتوں

بقیہ صفحہ ۴۲ پر

صفحہ ۵۹ سے آگے (آغا خان: دولت اور مشاغل)

سرپارنس نیپئر کو مدد دی تھی تاکہ کسی طرح انگریز سلسلہ قائم ہو جائے تو اپنے پڑپوتے کو دیکھ کر اور یہ بدلی ہوئی دنیا پاکر کس قدر حیرت زدہ ہوتے۔ پرنس کریم تین چوتھائی یورپین ہیں اور ایک چوتھائی اطالوی کیونکہ ان کی دادی تھریسیا سیگیانو (علی خاں کی والدہ) ایک اطالوی خاتون تھیں۔ ان کا آدھا خون والدہ کی طرف سے انگریزی ہے کیونکہ علی خاں کی پہلی بیوی اور پرنس کریم کی والدہ جون یارڈے بُلر ایک انگریز خاتون ہیں۔ پرنس کریم کی خالائیں ڈچیز آف بیڈفورڈ اور لیڈی ابیوری ہیں۔ اسماعیلیوں میں وہ پہلی شخصیت ہیں جو اس طرح اعلیٰ انگریز شاہی خاندان میں ضم ہوئی ہے۔ ان کے والد کی، اعلیٰ حلقوں میں کبھی زیادہ پذیرائی نہیں ہو سکی۔ ان کے دادا اپنے تمول اور سحر انگیز شخصیت کی وجہ سے راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کی صفوں میں تو شمار ہوتے رہے مگر یورپ کے صحیح النسب خاندانوں سے زیادہ قریب نہیں ہو پائے۔ ایک مرتبہ تو ایک اعلیٰ خاندانی لیڈی نے ان کے قریب کرسی پر بیٹھنے سے انکار کر کے ان کی بڑی توہین کی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ کالا شخص کچھ بھی ہو، اس مرتبے کو نہیں پہنچا کہ میرے پاس بیٹھ سکے۔ انہیں اگرچہ لارڈ ہیور بروک، ڈوف کوپر، زادور پرنس آف ویلز نے ۱۹۰۶ء میں مارلبرو کلب کا ممبر بنا دیا تھا پھر بھی لندن کی سڑکوں پر دوڑتی ہوئی بسوں میں جو اشتہار چسپاں ہوتے تھے ان پر لکھا ہوتا تھا "پاکیزہ کھایئے مگر کسی اور قیمتی آغا خان کی طرح"

ان کے اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی تعداد ۴۰۰ سے زیادہ ہے جن میں سے صرف ایک گھوڑے کی قیمت جو پچھلی گھوڑ دوڑ میں اوّل آیا تھا، ۱۹ ملین ڈالر تھی۔

آغا خان سوم مہاتما گاندھی کی طرح اپنے دور کی مشہور ترین شخصیت رہے۔ حکمران دونوں کی شہزوریوں کی نوعیت میں۔ میں آسمان کا فرق تھا۔ ۴۳ پونڈ وزنی آغا خان کو ہیروں میں تولا گیا اور تقریباً ۷۰ سال تک گھوڑ دوڑ کے میدانوں کے وہ بے تاج بادشاہ بھی رہے۔ "ایکی" جو آغا خان سوم کا لقب تھا، تمام آغا خانیوں کو مغربی طور طریقوں اور طرز بود و ماند کا عادی بنا دینا چاہتے تھے مگر وہ اس سلسلے میں اپنی خاندانی وجاہت اور دینی مرتبے کے پیش نظر خود بھی بڑے محتاط رہے۔

پرنس علی خان نے اپنے لڑکے پرنس کریم کو ۱۴ سال کی عمر میں انگلستان کے ہیرو بچے واقع ایک اسکول میں داخل کرایا جہاں وہ چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا برطانوی نسل کی بنیادی خصوصیات سے اچھی طرح واقف ہو جائے اور برٹش نسلی تعصب کی زد سے محفوظ رہے جس کا انہیں بارہا تجربہ ہوا تھا۔

یہ ۱۹۵۰ء کی دہائی ہے، فرانس کے شہر آغا خان اسکول [illegible] میں، جو اپنے اطراف و جوانب کے خوبصورت مگر محرک انگیز ماحول کی وجہ سے نوابوں، راجاؤں، ڈیوکس، سنزدل شاہوں کے فرزندوں، پرنسز رینیئر اور صنعتی ملکتوں کے ولی عہدوں میں بیحد مقبول ہے، دو نوجوان خوبصورت بچے زیر تعلیم ہیں جن کی خصوصی حفاظت کی جاتی ہے۔ ہر ہفتے ایک بادقار لیموزین رولس رائس جس کے دبیز دار کرٹینوں کے پیچھے سے کچھ نظر نہیں آتا، اس اسکول کے

صرف پاکستان کے جماعت خانوں سے آغا خان کی آمدنی ۲ کروڑ روپیہ ماہانہ ہے۔

کورٹ یارڈ اور سبزہ زار کا چکر لگاتی ہے۔ دونوں خوبصورت بچے جو اس کار کے منتظر رہتے ہیں، دور سے کار آتے ہی کار کا خوبکار شیشہ آہستہ آہستہ تلے سے جس میں سے ایک موٹا مکانی کلڑ، ہاتھ برآمد ہوتا ہے۔ لڑکے ایک ایک کر کے اس ہاتھ کو چومتے ہیں۔ بچوں کو یہ دستِ مبارک کچھ رقم دیتا ہے۔ ہاتھ کھنچ لیا ہے، آہستہ آہستہ شیشہ چڑھ جاتا ہے اور کار رولس اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتی ہے۔ بزرگ آغا خان کا یہ معمول سالوں جاری رہتا ہے اور دونوں شہزادے پرنس کریم اور پرنس امین اپنے عظیم والد سے اسی طرح ملتے رہتے ہیں۔

بوٹے سے آغا خان کی ۸۰ ویں سالگرہ میں صرف چند ماہ باقی تھے کہ ۱۱ جولائی ۱۹۵۷ء میں جنیوا کے قریب سوئٹزرلینڈ کے خوبصورت قیام گاہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ دوسرے دن تمام افراد خاندان اور اسماعیلی مذہب کے اکابرین کو تحفی کے ڈرائنگ روم میں جمع ہوئے جہاں لندن کے لائیڈز بینک کے لاکر سے آہنی صندوقچی میں بند وصیت لاکر کھولی گئی۔ ہر طرف چھائی ہوئی خاموشی کو وکیل قانون کی سپاٹ مگر موثر آواز نے دھیمے پڑھتے ہوئے توڑا۔ "وہ سانس روکے دھیمے سن رہے تھے جس کے الفاظ تھے۔" میں پورے ایمان کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ شیعہ اسماعیلی فرقے کے بہترین مفاد میں ہے کہ میرا جانشین وہ نوجوان ہو جو پچھلے چند سالوں میں میرے زیر تربیت کن شعور کو پہنچا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ نوجوان امامت کے جدید تقاضوں کو کامیابی کے ساتھ پورا کرے گا، یہ نوجوان ہے میرا پوتا پرنس علی سلیمان خان کا بیٹا پرنس کریم۔ میرے بعد آغا خان یہی ہوگا، یہی پیر ہوگا اور یہی امام ہوگا، میرے تمام ماننے والوں کو اسی کی اقتدا کرنی چاہیئے۔"

دو آدمیوں کے لئے بدقسمت اور اعلان ہم کے دھماکے سے کم نہیں تھا، علی خان کے لئے اور صدرالدین خان کے لئے۔ ۴۶ سالہ علی خاں اگرچہ جانتے تھے کہ ان کے والد ان کی بہت سی بے تکی حرکتوں کی وجہ سے انہیں پسند نہیں کرتے مگر وہ خیال کرتے تھے کہ ان کی بے راہ روی بلکہ کجروی کا بوڑھے آغا خاں کو علم نہیں۔ پرنس صدرالدین نے کچھ ہی دنوں قبل ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ وہ علی خاں سے برابری کے درجے کے ساتھ امامت کے مستحق ہیں مگر سربراہ والد صاحب کے ہر فیصلے پہ سر تسلیم خم کر دیں گے کیونکہ یہی خاندان اور اسماعیلی فرقے کے مفاد میں ہوگا۔ اپنے والد کے اس فیصلے سے انہیں اس قدر ذہنی صدمہ ہوا کہ وہ فوراً دلا چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ علی خاں اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے بیٹے سے لٹکیر ہوئے اور انہیں اس "عظیم فیصلے" پر مبارکباد دی مگر ان کی مجبوبہ بیگم نے بعد میں بتایا کہ درحقیقت وہ ایک سکتے کے عالم میں تھے، انہیں شدید ذہنی

بقیہ صفحہ نمبر ۳۶ پر

بے ریاست تاجدار آغا خاں نے اپنی ریاست کے قیام کے لیے پاکستان کے شمالی علاقوں کا انتخاب کر لیا ہے

دھچکا پہنچا تھا جسے انہوں نے بڑی دانشمندی سے چھپا لیا تھا۔ پرنس کریم، جو اس وقت صرف ۲۰ سال کے ایک نوجوان سے طالب علم تھے اور ہارورڈ میں زیر تعلیم تھے، اس اچانک واقعے سے بہت زیادہ متاثر معلوم نہیں ہوتے تھے۔ شاید انہیں ایکدم اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ وہ اب پندرہ لاکھ اسماعیلیوں کے سیاہ و سپید کے مالک اور دنیا کے دولتمند ترین انسان ہیں۔ انہیں ان کی والدہ جو ان علی خان کے ساتھ کوٹھی کے لان میں لایا گیا جہاں ان سے پاکستان، ہندوستان، سنگاپور، ڈنفاسکر اور دیگر متعدد ملکوں سے آئے ہوئے اسماعیلی ایڈمنز نے ملاقات کی اور مبارکباد پیش کی۔ بعد میں ان کی والدہ نے بتایا کہ پرنس کریم کو اپنی کمیونٹی اور عالم اسلام کی فلاح و بہبود کا بھی خیال ہے، اس لئے انہوں نے اتنی بڑی ذمہ داری کو نبھانے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ پرنس کریم نے پوری ذمہ داری اور تندہی سے اپنی تعلیم مکمل کی اور بڑی مہارت کے ساتھ پرنس کے امور نمٹانے شروع کر دئے۔ اکتوبر میں پرنس کریم کی ماڈل گرل سیلی سے باقاعدہ منگنی ہو گئی جس میں پرنس نے انہیں جو انگوٹھی پیش کی اس میں پنگ یا ٹنگ کی گیند کے برابر ایک انتہائی قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا۔ ۱۲ اکتوبر کو یہ خوبرو جوڑا باقاعدہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گیا۔ یہ شادی عیسائی طریقے کے مطابق ہوئی مگر ایک ہی ہفتے بعد پیرس کی اسماعیلی مسجد کے امام صاحب نے اسلامی طریقہ سے ان کا نکاح پڑھا دیا۔ شادی کے بعد دلہن کے ساتھ ہی ساتھ ان کے نام کو بھی مشرف بہ اسلام کر لیا گیا اور وہ پرنسس سلیمہ کہلائی جانے لگیں۔

شادی کے وقت پرنس کریم کی عمر ۳۲ سال تھی جبکہ دلہن ماڈل گرل سیلی ۲۹ سال کی تھیں۔ وہ طلاق یافتہ تھیں اور اس بلند مرتبے کا شاید اپنے خواب و خیال میں بھی تصور نہیں کر سکتی تھیں جو انہیں خوبی قسمت سے اچانک حاصل ہو گیا تھا۔ ان کے والد برٹش آرمی میں لیفٹیننٹ کرنل تھے۔ ان کی ولادت نئی دہلی میں ہوئی۔

پرنس کریم کی زندگی گے بندھے اصولوں اور پہلے سے طے شدہ معمولات کے مطابق گزرتی رہی۔ انہیں مختلف اوقات میں مختلف شہروں میں موجود رہنا ہوتا ہے۔ کبھی وہ سارڈینیا کے پرتعیش ولا میں ہوتے ہیں تو کبھی جنیوا میں جہاں پرنس امین کمیونٹی امور کی دیکھ بھال کے لئے مستقلاً رہتے ہیں۔ انہیں بین الاقوامی سوسائٹی میں بھی بھرپور طور پر شریک رہنا ہوتا ہے۔ ملکوں کے صدور، وزرائے اعظم، بادشاہوں، ولی عہدوں، امراء، سفراء، بڑے تاجروں غرض دنیا بھر کے اونچے لوگوں سے ان کے تجارتی، سیاسی اور معاشرتی تعلقات ہیں۔ ہر تین سال کے بعد پرنس کریم کو افریقہ اور ایشیا کے مذہبی امور کے تصفیوں اور دیکھ بھال کے لئے دورے کرنے ہوتے ہیں۔ شہزادی سلیمہ کے دوستوں میں لے دے کے ایلزبتھ ٹیلر برائنر (YUL BRYNNER) کی بیوہ ڈورس بریئر ہیں، جن سے ملاقات وہ ہوائی جہاز پر ہوتے ہوئے یا پھر پیرس میں ہی کبھی کبھی کر لیتی ہیں۔

پرنس کریم کا ایگل مانٹ کا محل ایک عجوبۂ روزگار ہے جدید وسیع و عریض کوٹھی ہے جو پیرس سے ایک گھنٹے کی مسافت پر جنگلات اور باغات سے گھرا ہوا ہے۔ سترھویں صدی کے فرنیچر سے آراستہ اس محل میں پرنس کریم کے نوادرات، خاندانی قیمتی اشیاء اور شوق کی تمام چیزیں جمع ہیں۔ یہ دراصل ایک محل ہی نہیں، بہت سے محلوں، اسطبلوں اور دیدہ زیب مقامات کا مجموعہ ہے جہاں علیحدہ علیحدہ عمارات ہیں۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے کے لئے کاریں استعمال کی جاتی ہیں۔ پرنس کا مذہبی سیکرٹریٹ بھی یہیں ہے۔ محل، اسطبلوں، سیکرٹریٹ کی بلڈنگوں اور خود پرنس کی قیام گاہوں پر مشتمل یہ جگہ خود ایک دلفریب مقامات میں شامل ہے۔ اس جگہ کی کشادگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسطبلوں کے بعد ریس کورس آتی اور پھر کئی ریس کورس کے میدان جس میں شامل ہیں۔ جھیلوں میں پرنس کے بچے بھی ماں باپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ شہزادی زیرو تو ماں کے ساتھ ساتھ ہی رہتی ہیں مگر بیٹوں کا رویہ اپنی ماں کے ساتھ کچھ زیادہ اچھا نہیں رہتا۔ سیلی مگر ایک بہت اچھی اور صابر و شاکر ساس کا کردار ادا کرتی ہیں۔ ہاں ان کی ساس پرنس کی والدہ اپنی بہو سے بہت خوش اور مطمئن رہتی ہیں، مگر چونکہ انہوں نے بھی ۱۹۸۶ء میں ہی سیلی سے دوسری شادی کر لی ہے، لہٰذا کم ہی آپاتی ہیں۔ پرنسس سلیمہ بھی اب کمیونٹی میں بیگم سارسیہ کہلاتی ہیں، سوشل محفلوں میں بھی بہت حصہ لیتی ہیں۔ کمیونٹی کی طرف سے منعقد محفلوں میں وہ اکثر مہمان خصوصی بنتی ہیں۔ ان کی زندگی کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ زاتی سیلی کاپٹر اور ہوائی جہاز ہوتے ہوئے بھی وہ ہوائی سفر سے بہت ڈرتی ہیں اور حتی الامکان کہیے کم ہوائی سفر کرتی ہیں۔

اسمٰعیلی فرقہ، اسمٰعیلیت اور آغا خان کے کرائسٹ کی اشاعت پر بڑی گہری نظر رکھتا ہے۔ ایسی تحریروں میں جن سے "اسمٰعیلیت" پر کسی بھی طرح منفی انداز میں روشنی پڑ سکتی ہے عمر مآحد القوں میں چیلنج کر دی جاتی ہیں جن کی ایک نمایاں مثال ہیرولڈ لیمب کی ۱۹۸۴ء میں تین سال کاوشوں کے بعد تحریر کردہ ۳۸۴ صفحات پر مشتمل مبسوط کتاب THE AGHA KHANS بھی ہے، جس کے نتائج آغا خان نے دعوی واپس کر دیا تھا اور بالآخر لیمب کی ہوئی اور کتاب مجبوراً واپس لے لی گئی۔

آغا خان نے خود اخبار گارڈین سے متعلق ایک خاتون صحافی HELLA PICK کا انتخاب کیا تھا کہ وہ ان کی شخصیت اور اسمٰعیلی مذہب میں ان کے مرتبے کو ملحوظ رکھتے ہوئے، ایک کتاب لکھے۔ کتاب کی آؤٹ لائن اور مندرجات بھی طے ہو گئے تھے۔ دو سال کی سخت محنت اور دنیا کے متعدد چکر لگانے کے بعد آخری مسودہ، جب تین مرتبہ تحریر کیے جانے کے بعد تیار ہوا، تو پرنس امین کی طرف سے نامنظور کر دیا گیا اور اسمٰعیلی بڑے لوگ بھی ان سے مطمئن نہ تھے، چنانچہ ہیلا پک نے یہ کہہ کر کہ کتاب کا ابھی ترک کر دیا کہ میں عامۃ الناس کے ردعمل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اب صورتحال یہ ہے کہ "آغا خانیت" ایک فرد واحد کی مملکت ہے، جس کی طاقت غائب یقین ہے، جس کی دولت کا حاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ جس کے سیاسی، تجارتی، معاشرتی اور مذہبی اثرات کی پیٹ میں آج پوری دنیا ہے۔ وہ ایک ایسے ماڈرن مسلم لیڈر ہیں، جن کے خلاف لب کشائی کی بمشکل ہی جرأت کی جا سکتی ہے۔

ویلی نیٹر کے اس مضمون میں آغا خان سوئم، پرنس علی، پرنس امین، صدر الدین اور کریم آغا خان کی نجی زندگی سے متعلق بہت سی تفصیلات دی گئی ہیں۔ چونکہ ہماری دلچسپی [illegible] نہیں، اس لیے ہم نے ان کے مندرجہ [illegible] مضمون کے صرف ان حصوں کا انتخاب کیا گیا ہے، جو آغا خان کی دولت، کاروبار اور ان کے عالم پبلک مشاغل سے متعلق ہیں۔ ان سے بھرحال یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس فرد کی عالمگیر حیثیت کیا ہے اور بے تاج بادشاہ "ک بجائے" بے ریاست تاج بادشاہ" کا اطلاق کس طرح ہوا ہے۔ اب اس "تاج" کے لیے ایک ریاست کی ضرورت ہے، جس کے قیام کے لیے پاکستان کے شمالی علاقوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

○○○

سر آغا خان کے ساتھ ایک شام

پہلے سفیر جناب راجہ غضنفر علی خاں سے ہو پاکستان بننے سے پہلے بھی ہندوستان کی عبوری حکومت میں شریک رہ چکے تھے بعد منصبے ہوئے سیاست داں تھے اور آغا خان کو اپنے ذاتی دوستوں میں شمار کرتے تھے۔

عام طور پر سفراء سفارت خانوں میں آنے والے معزز

تحریر: ڈاکٹر افضل اقبال

ترجمہ: محمد نعیم عارفی

حضرات کو ہدایا اپنے کارڈ ارسال کرتے ہیں اور سر سہولت اور حسب مراتب معززین دعوت کو چائے، کھانوں اور دیگر تقریبات میں مدعو کرتے ہیں۔ مگر آغا خان کوئی عمولی شخصیت نہ تھے وہ پاکستانی ہونے کے ساتھ ساتھ ایرانی شہری بھی تھے

یہ ۱۹۵۱ء کے موسم بہار کی ایک انتہائی سرد صبح ہے تو کہ رہے ہیں اور میں خیابان تخت جمشید تہران میں پاکستان کے سفارتخانے کے استقبالیہ روم میں بیٹھا ہوں۔ ایک خبر بصورت رولس رائس چانسری میں داخل ہوتی ہے جس پر کوئی نمبر نہیں صرف ایک تاج کندہ ہے ایک باوردی ڈرائیور لیموزین سے نکل کر استقبالیہ کمرے میں آتا ہے۔ پاکستانی سفیر جن کی رہائش گاہ ذرا فاصلے سے ہے غالباً ناشتے میں مصروف ہیں۔ استقبالیہ کلرک ڈرائیور کو میری طرف متوجہ کرتا ہے۔ ڈرائیور کہہ رہا ہے کیا سفیر صاحب سر آغا خان سے مل سکتے ہیں؟ میں صورت حال کو سمجھتے ہوئے بھاگ کر چانسری جاتا ہوں جہاں کار میں کمزور، نحیف اور بیمار آغا خان اپنے پیروں پر گرم بھورے رنگ کی کشمیری شال ڈالے نیم دراز ہیں۔ میں انہیں مکمنہ گرمجوشی سے خوش آمدید کہتے ہوئے بتاتا ہوں کہ وہ تھوڑے ہی فاصلے پر اپنی قیام گاہ میں ناشتہ کر رہے ہیں آپ تشریف لائیں میں ابھی انہیں بلوائے لیتا ہوں۔ وہ بڑی نرمی سے میری پیشکش کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں ہم تو صرف ملاقاتیوں کی کتاب پر دستخط کر کے چلے جائیں گے۔ بے حد مشغول ہیں اور خاصے علیل بھی۔ ہمارا مقصد صرف ایک دوستانہ ملاقات تھی ہم سفیر صاحب کو اس غیر مناسب وقت میں زحمت نہیں دینا چاہتے میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اتنے معزز مہمان کی پیشوائی کس طرح کروں گھبراہٹ میں میں دروازے کی کتاب لے کر آتا ہوں مگر سر آغا خان اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ایسے نہیں کسی استقبالیہ میں لے چلو ہم اس پر وہیں دستخط کریں گے۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں "ہم پاکستانی شہری ہیں کم از کم تعظیم تو ہم اپنے ملک کو دیں وہ یہ تو ہونا چاہیئے کہ ملک سے باہر ہونے کی صورت میں وقتاً فوقتاً ملک کے سفارتخانے جاتے رہیں۔ آغا خان کی وہیل چیئر کار سے نکالی جاتی ہے اس اثناء میں کئی چپراسی اور دیگر لوگ جمع ہو چکے ہیں جو ان کی استقبالیہ کمرے تک پہنچنے میں مدد کرتے ہیں وہ داد و رعایت ہو آغا خان نے مجھ سے چاہی یہ تھی کہ میں کتاب ان کی گود میں رکھ دوں جہاں وہ آسانی سے اس پر دستخط کر سکیں کیونکہ وہ اس ڈیسک تک نہیں پہنچ پائیں گے جس پر عام طور پر یہ کتاب رکھی رہتی ہے۔ سر آغا خان تو اپنا کام منٹوں میں نبٹا کر واپس کار میں بیٹھے جو چند ثانیوں میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔۔ مگر بقول شخصے دیکھنے والوں پہ کافی دیر تک سکتہ طاری رہا۔

رہا یہ اتفاق دیکھیے چند ہی منٹ بعد سفیر کبیر پاکستان تشریف لے آئے۔ جیسے ہی ان کے علم میں آیا کہ سر آغا خان تشریف لائے تھے اور ملاقاتیوں کی کتاب میں دستخط کر کے روانہ ہو گئے ہیں تو وہ بے حد مضطرب اور بے چین ہوئے یہ سفیر ایران میں پاکستان کے اور ان دنوں شاہ ایران کے خصوصی "مارشل پلیس" میں قیام فرما تھے۔ سفیر صاحب نے فوراً گاڑی نکلوائی اور جوابی ملاقات کے لیے مارشل پلیس پہنچ گئے۔ چند ہی منٹوں بعد وہ آغا خان سے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ آغا خان سے راجہ صاحب علی خاں کی گفتگو جاری ہی تھی کہ شاہ ایران تشریف لے آئے۔ آغا خان تو وہیل چیئر سے اٹھ نہیں سکتے تھے ان کے علاوہ سب ہی نے کھڑے ہو کر شاہ ایران کو تعظیم دی اور ان سے مؤدب انداز میں کچھ گفتگو شروع کر دی اسی اثناء میں مہمانوں میں چائے پیش کی جانے لگی۔ راجہ صاحب نے ایک ہاتھ میں چائے کی پیالی لے لی اور دوسرے میں شکر دان سے کیوب نکالنے والا چمٹا پکڑ کر شوگر کیوب نکال کر پیالے میں ڈالنا چاہے تو جہ شاہ کی طرف ہونے کی وجہ سے تو ان بگڑ گیا اور گھبراہٹ میں چائے ان کی پتلون پر گر گئی۔ بیرے نے فوراً کپڑا لا کر پتلون صاف کرنے کی کوشش کی شاہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے مگر راجہ صاحب نے اپنے آپ کو بڑی نازک پوزیشن میں محسوس کیا آئندہ پھر زندگی بھر انہوں نے چمٹے کے بجائے ہاتھ سے کیوب نکال کر پیالے کی پیالی میں ڈالے ساتھ ہی آغا خان سے سفارت خانے میں ملاقات ہونے پر بھی وہ بعد میں زندگی بھر ملول رہے۔

اگرچہ آغا خان کالی علیل تھے پھر بھی راجہ صاحب نے ان کے اعزاز میں ایک زبردست رنگارنگ عشائیے کا اہتمام کیا ادھر سے مہمان خصوصی بننے کی بطور خاص درخواست کی جسے آغا خان نے اپنے دوست کی دلجوئی کی خاطر بخوشی مان لیا۔ یہ عشائیہ صرف عشائیہ نہیں تھا ڈنر ڈانس کے علاوہ کئی تفریحات پر مشتمل تھا۔ سوائے شاہ ایران کے اس محفل میں راجا شاہی خاندان موجود تھا۔ شاہ کی بڑی بہن ہیشہ شہزادی اشرف پہلوی بے حد قیمتی جواہرات سے مزین نہایت دلکش لباس پہنے آغا خان سے بڑے دلچسپ مذاق کر رہی تھیں شہزادی کے شوہر جو اس وقت فائر سیکرٹری جنرل سعد آباد ملٹری اسٹیٹ تھے ایک دوسرے کونے میں نوجوان خوبرو شیرازیوں سے ہنسی مذاق میں مشغول تھے۔ شاہ کی دوسری بہنیں شہزادی شمس، شہزادی فاطمہ وغیرہ بھی موجود تھیں مگر محفل کی جان آغا خان کی طویل الفاظ نہایت خوبصورت اور پرکشش زانسیسی بیگم تھیں ان کی تقاریر کی جاذب نظر شخصیت کی وجہ سے لوگ پروانہ وار ان کے اطراف جمع تھے۔

اس وقت میری ڈیوٹی آغا خان کی وہیل چیئر پر تھی میں ان کی خدمت کر رہا تھا۔ اس خدمت نے اگرچہ مجھے اس شوخ و شنگ محفل کی متعدد دلچسپیوں سے محروم رکھا مگر میں آغا خان کے بہت قریب ہونے اور انہیں بہتر طریقہ پر جاننے کی سعادت سے بہرحال مستفید ہوتا رہا۔ ان کا مذاحیہ انداز

اور دلچسپ کیفیتیں جلد مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے وہ کس قدر نغمہ دل، حسن و جمال کے دلدادہ اور فراخدل ہیں اس کا مجھے پہلی مرتبہ اندازہ ہو رہا تھا۔ محفل کا دورانیہ کافی طویل تھا سفیر صاحب مختلف میزوں پر جا جا کر مہمانوں کو ذاتی طور پر خوش آمدید کہہ رہے تھے اسی اثنا میں آغا خان کو احساس ہوا کہ سفیر صاحب نے ابھی تک ڈانس میں حصہ نہیں لیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کی بیگم صاحبہ کی میز پر جاؤں اور انہیں بلا کر لاؤں۔ بیگم صاحبہ ایک جاذب نظر طویل القامت بے حد خوبصورت خاتون تھیں۔ سفیر پاکستان ان سے بھی کچھ زیادہ طویل القامت تھے ساتھ ہی ان کے ایک فٹ اونچے صاف نے انہیں طویل تر بنا دیا تھا۔ انہیں خیال آیا کہ سفیر اور ان کی بیگم کا جوڑا بہت اچھا رہے گا۔ انہوں نے کہا اگر مجھ جیسے پستہ قد آدمی سے شادی سے پہلے یہ خاتون سفیر سے مل چکی ہوتی تو صورت حال مختلف ہوتی۔ پھر بیگم سے مخاطب ہوئے اور کہا "تم سفیر کے ساتھ ڈانس کرو" مگر میں کس طرح ان کے ساتھ ناچوں، انہوں نے تو مجھ سے کہا ہی نہیں"، بیگم صاحبہ نے احتجاجاً کہا۔ "بیوقوفی مت کرو دوسری جان"، انہوں نے کہا "یہ قوانین مشرق میں نہیں چلتے سفیر شرمیلا آدمی ہے جاؤ اسے فرش پر کھینچ لاؤ"

بیگم صاحبہ نے ایسا ہی کیا انہوں نے ایک ولولہ انگیز مسکراہٹ کے ساتھ سفیر صاحب کو فرش پر کھینچ لیا اور ان کے ساتھ رقص کرنے لگیں۔ سفیر صاحب خبط الحواسی کے عالم میں بیگم آغا خان کے ساتھ کھنچے کھنچے پھر رہے تھے بیگم صاحبہ مسکرا کر بظاہر رقص سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہو رہی تھیں سفیر صاحب نے بیگم صاحبہ سے معذرت کرنی چاہی اور کہا "مجھے رقص کی الف بے بھی نہیں معلوم" مگر بیگم صاحبہ نے جو اپنے شوہر آغا خان کے ایما کو اچھی طرح سمجھتی تھیں ان کی ایک نہیں سنی اور کہا "دیکھیے کیا مشکل کام ہے سیدھی سی دھن پر بس قدم بڑھاتے رہیے" سفیر صاحب بغیر کچھ سوچے سمجھے ان کا ساتھ دیتے رہے۔ سفیر اور بیگم آغا خان محو رقص تھے اور سب لوگوں کی نظریں اس خوش قامت اور خوش قسمت جوڑے پر جمی ہوئی تھیں، آغا خان بھی اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر سفیر پاکستان کی حالت بہت دگرگوں تھی ان کے پاؤں بے میل پڑ رہے تھے، سانس پھولی ہوئی تھی پسینے پسینے تھے اور بے حد بے بس نظر آ رہے تھے جب یہ جوڑا بے میل انداز میں ناچتے ہوئے آغا خان کی وہیل چیئر کے قریب آیا تو آغا خان نے اپنی بیگم کے انتخاب پر انہیں داد دی اور سفیر صاحب سے گفتگو کرنے لگے انہوں نے دونوں کی شخصیات کی مناسبت اور ہم آہنگی کا ذکر کیا اور کہا آپ دونوں کا جوڑا محو رقص افراد میں سب سے زیادہ مزے دار اور ہم آہنگ ہے۔ آپ ایک دوسرے کے لیے بے حد مناسب ہیں" کیا صرف رقص کے فرش پر؟" بیگم نے قہقہہ لگاتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا اور اس قہقہے میں قرب و جوار میں کھڑے سب لوگ شامل ہو گئے۔

رات کافی بھیگ چکی تھی۔ پارٹی کا جوش و خروش اپنے شباب پر تھا۔ اپنا اپنی جگہ ہر شخص ایسی ہی طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔ آغا خان میری طرف دیکھ کر کچھ متاسف ہوئے اور فرمایا "تم کیوں رقص میں حصہ نہیں لیتے جاؤ تم بھی ڈانس کرو"، انہیں بے مدایوسی ہوئی جب میں نے جواباً عرض کیا "سر مجھے ڈانس کرنا نہیں آتا" انہوں

آغا خان نے اپنی بیگم سے کہا!

سفیر شرمیلا آدمی ہے جاؤ اسے رقص کیلئے فرش پر کھینچ لاؤ

نے مجھ سے کچھ پینے کو کہا میں نے پھر عرض کیا "سر میں نہیں پیتا"، انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ "میں پیتا ہوں نہ ڈانس کرتا ہوں یہاں تک کہ سگریٹ بھی نہیں پیتا۔ انہوں نے کہا "نوجوان آدمی پھر تم کرتے کیا ہو۔ زندگی ضائع کرنے والی چیز نہیں۔ مجھے دیکھو اگرچہ بیماری نے مجھے کرسی سے چپکا رکھا ہے مگر میں لمحہ بہ لمحہ زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہوں جوانی کے مزے لوٹ زندگی سے استفادہ کرو۔ دیکھیے میں اگرچہ ڈانس نہیں کر رہا مگر موسیقی کی ایک ایک تان اور فلور پر ہونے والی ایک ایک جنبش سے لطف اندوز ہو رہا ہوں، رقص نہ کرتے ہوئے بھی رقصاں ہوں" انہوں نے پھر ایک مرتبہ زور دیا کہ میں جا کر اپنی ہم رقص تلاش کروں مگر میں نے پھر مؤدبانہ عرض کیا "سر میں کسی شرم و حجاب یا جھوٹے مذہبی لبادے میں ملفوف نہیں حقیقتاً میں رقص سے بالکل نابلد ہوں" انہوں نے پھر کہا کوئی بات نہیں ہر چیز کی ابتدا کرنی پڑتی ہے تم جا کر شروع ہو جاؤ ڈانس کوئی ایسی مشکل چیز نہیں جسے سیکھنے کے لئے کسی اہتمام کی ضرورت ہو۔ میری نظروں میں اپنے سفیر کا لاچار بے بس اور شرمندہ چہرہ گھوم گیا میں نے ایک مرتبہ پھر معذرت کر لی۔ وہ کچھ برہم ہو کر خاموش ہو گئے مگر پھر کچھ سوچ کر بولے "کوئی بات نہیں رقص نہیں کرتے تو کچھ پیو ضرور" میں بار بار کے انکار سے شرمندہ ہو چکا تھا ان کے اصرار پر شیمپین کے دو گلاس لے آیا ایک ان کے لئے دوسرا اپنے لئے ہم دونوں چسکیاں لے لے کر شراب پینے لگے۔ اب آپ سے کیا عرض کروں واقعی شراب پینے میں لطف آیا مجھے ذائقہ دار محسوس ہونے لگی حالانکہ میں پہلی مرتبہ پی رہا تھا۔

شراب جیسے عام حالات میں چھونے کی بھی ہمت نہ کر پاتا آغا خان کی ترغیب پر۔ اور ان کے ساتھ پینے میں مجھے مزید ارگلی اور کوئی شرم حجاب یا شرمندگی کا احساس بھی نہیں ہوا۔ پیگ مکمل ہوتے ہی مجھے اس شام کی خوبصورتی، جمال اور دلآویزی کا احساس ہونے لگا۔ میرے سامنے اپنے وقت کی خوبصورت ترین خواتین محو رقص تھیں مردوں میں طاقت ور ترین شخصیات نہ صرف سامنے محو رقص تھیں اپنی مدمقابل خواتین کے سامنے بھی جا رہی تھیں عجز و نیاز کا پیکر بنی ہوئی تھیں مجھے بھی اپنی شخصیت اہم اور دلاویز محسوس ہونے لگی۔ مجھ میں اعتماد کی لہریں ہلکورے لینے لگیں پیش نظر خواتین میں سے ہر ایک مجھے قابل حصول محسوس ہو رہی تھی گلاس پر گلاس اڑ رہے تھے بہترین کھانے سرو ہو رہے تھے بہترین شرابوں کی فراوانی تھی ساتھ ہی آغا خان بھی کھلتے جا رہے تھے۔ ان کے دلچسپ تبصرے، رقص و سرود پر ماہرانہ تنقید زبان حال سے شاہد تھی کہ اس میدان میں شاید ہی کوئی ان کا مدمقابل ہو۔ نوجوان مردوں اور خواتین پر ان کے خوبصورت تبصرے سنتے ہیں یہاں تحریر نہ سکوں مگر مردوں سے چپکی ہوئی خواتین کو دیکھ کر یہ مجھے ایک جوان تازہ کی سیر کرا رہے تھے۔ رقص و سرود کی اس محفل میں کئی وقفے بھی ہوئے مگر گھنٹوں سے پینے والے بھی مدہوش محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ تھک جانے والوں کی جگہ نئے جوڑے لے رہے تھے۔ ہمارے سفیر صاحب نے صرف ایک دودھ کا پیالہ پیا تھا مگر محفل کی بھرپور کامیابی انہیں بھی مخمور بنائے ہوئے تھی۔ آغا خان اگرچہ جسمانی طور پر محفل رقص میں حصہ لینے سے معذور تھے، مگر بلا پینے والوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ روحانی طور پر بیحد مسرور تھے۔ ان کی کرسی رقاص جوڑوں کے قدموں کی طرح فرش پر تھرک رہی تھی۔ وہ بھرپور انداز میں انجوائے کر رہے تھے، چہرہ تازہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا، مرچ اور مسکراہٹ۔

آج میں آغا خان کی شخصیت کے بہت سے رموز سے آشنا ہو گیا تھا۔ میں اگرچہ انہیں بہت پہلے سے جانتا تھا مگر مجھے صرف اس قدر معلوم تھا کہ وہ ایک بیحد متمول شخصیت ہیں۔ ان کے شوق بھی مجھے ہی کیا سب کو معلوم تھے۔ مثلاً ان کے گھوڑوں کے اصطبل لاثانی تھے، گھڑ دوڑ میں ان کے

باقی صفحہ ۴۰ پر

دلیپ کمار کا دورۂ پاکستان

ایک سربستہ راز جس پر سے پردہ اُٹھتا جا رہا ہے

بھارت کے عالمی شہرت یافتہ فلمی اداکار دلیپ کمار (اصل نام یوسف خاں) گزشتہ ماہ اپنی بیگم سائرہ بانو کے ساتھ پاکستان آئے۔ انہوں نے اپنے مولد اور آبائی وطن پشاور کے علاوہ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد اور بقیہ تین صوبائی دارالحکومتوں لاہور، کراچی اور کوئٹہ کا بھی دورہ کیا۔ انہوں نے اس دورے کو ایک سہانے خواب سے تعبیر قرار دیا اور پشاور میں اپنے مکان، محلے اور گلی کوچوں کی زیارت بڑے جذباتی اور ڈرامائی انداز میں کی اور ہر موقع پر اظہارِ جذبات میں فلمی مکالمات اور اداکاری کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

دلیپ کمار کا یہ دورہ فلمی دنیا کے علاوہ ملک کے سنجیدہ حلقوں میں بھی زیرِ بحث رہا ہے اور اس سلسلہ میں جو سوالات موضوعِ گفتگو بنے رہے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ دلیپ کمار کو اپنے آبائی وطن پشاور سے اس درجہ قلبی لگاؤ تھا تو کیا قیامِ پاکستان کے بعد گزشتہ اہم سال میں انہوں نے یہاں آنے کی کوئی کوشش کی؟

۲۔ کیا انہوں نے بھارت میں پاکستانی سفارت خانہ کو کبھی ویزا کی کوئی درخواست دی؟

۳۔ کیا حکومتِ پاکستان نے ان کی ایسی کوئی درخواست کبھی مسترد کی؟

۴۔ اپنی شدید مصروفیات کے باوجود کیا دلیپ کمار کبھی ملک سے باہر بیرونی دورے پر نہیں گئے؟

۵۔ اگر وہ بیرونِ ملک جاتے رہے ہیں تو ان کی ترجیحات میں اپنے محبوب وطن اور جائے ولادت کا دورہ کیوں کوئی گنجائش نہ پا سکا؟

۶۔ کیا دلیپ کمار کی راہ میں مالی مشکلات حائل رہی ہیں؟

۷۔ کیا دلیپ کمار نے پشاور میں اپنے احباب، اعزا یا بچپن کے دوستوں میں کسی کے نام خط یا پیغام میں کبھی پشاور آنے کی آرزو کا اظہار کیا ہے؟

۸۔ کیا انہوں نے پاکستان کی فلمی صنعت کی کسی تنظیم یا

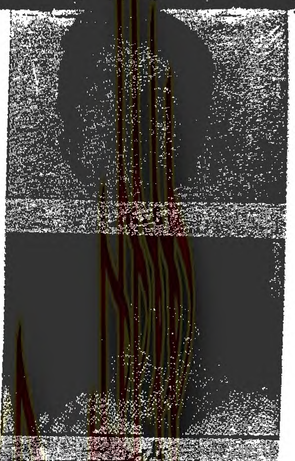

اپنے پرانے ساتھی فلمی اداکار یا اداکارہ سے ممکنہ زیارتِ وطن کا اظہار کیا ہے؟

۹۔ کیا پاکستان کے فلمسازوں یا فلمی اداکاروں اور اداکارائوں نے انہیں کبھی پاکستان آنے کی دعوت دی ہے؟ اگر دی ہے تو اسے قبول کرنے اور انہیں شرفِ میزبانی عطا فرمانے سے انہوں نے کیوں گریز کیا ہے؟

۱۰۔ دلیپ کمار نے دورۂ پاکستان کے بعد بمبئی سے اپنے دوست ایس ایم وارث کے نام ارمئی کو روزنامہ نوائے وقت کے صفحۂ اوّل پر شائع ہونے والے خط میں لکھا ہے کہ وہ آئندہ دورہ میں پشاور کا "مفتی جنرل اسپتال" دیکھنے آئیں گے۔ سوال یہ ہے کہ ان کی دلچسپی "فاطمہ بلڈ بنک" یا "مفتی اسپتال" کی زیارت تک کیوں محدود ہے؟ کیا اس ملک میں ان کے ہم عقیدہ بھائیوں نے کوئی ایسا قابلِ ذکر ادارہ یا اسپتال قائم نہیں کیا جس کے دیکھنے کی آرزو ان کے دل میں مچلتی ہو؟ ظاہر ہے ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے اور ان کے حالیہ دورے کو یا مستقبل میں ہونے والے کسی اور دورے کو یہی پہلو خاصا پراسرار اور مشتبہ بنا دیتا ہے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ انہوں نے زیارتِ وطن کی آرزو کی تکمیل کے لئے "فاطمہ" کے دعوت نامہ کی ضرورت کیوں محسوس کی اور اسی سے منسلک سوال یہ ہے کہ آخر آغا خانیوں کی ذیلی تنظیم "فاطمید" کی نگاہِ انتخاب دلیپ کمار پر کیوں پڑی۔ آخر دلیپ کمار سے اس تنظیم کا یا اس کے سربراہ ناظم جیوا صاحب کا کیا تعلق یا رشتہ ہے؟ اگر ہے بھی تو اس تعلق نے دورۂ پاکستان کی اس انتہائی مہنگی میزبانی کے منصوبے کی صورت کیسے اختیار کی؟ آخر دلیپ کمار کے لئے ناظم جیوا سے کہیں زیادہ پرانے، بے تکلف اور صاحبِ ثروت دوست احباب اور "پرانے" یہاں موجود ہیں۔ ان کی میزبانی یا بحیثیت دورہ بھی تو زیارتِ وطن کا ذریعہ بن سکتا تھا، اس سے گریز کیوں کیا گیا؟

اس سلسلہ میں "تکبیر" نے اپنے ذرائع سے جب اصل حقائق و معلومات جاننے کی کوشش کی تو چونکا دینے والے انکشافات سامنے آئے۔ بمبئی اور کراچی کے انتہائی باخبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہ دورہ درحقیقت آغا خان کے اشارے پر ہوا ہے جو پشاور اور شمالی علاقوں میں اپنی سیاسی، مذہبی اور نام نہاد فلاحی سرگرمیوں پر وہاں کے مسلمانوں اور بالخصوص علماء میں ابھرنے والے شدید ردِعمل، ان کے مسلسل مظاہروں، احتجاجی جلسوں اور مذمتی بیانات سے خاصے پریشان تھے اور صورتحال کو اپنے حق میں اس طرح ہموار کرنے کی تدابیر سوچ رہے تھے جن کے ذریعے آغا خان فاؤنڈیشن اور فاطمید جیسے اداروں کے منصوبوں کی تکمیل ممکن ہو سکے اور ساتھ ہی سرکاری خفیہ ایجنسیوں اور صوبائی اخطابیہ کے اعلیٰ عہدیداروں میں اثر و رسوخ کو وسعت دی جا سکے۔ ذرائع ابلاغ اور بالخصوص مقامی پریس کو اپنی پالیسی کے لئے استعمال کر کے اس کا مزاحمتی کردار تبدیل کیا جا سکے اور ملک کے دگرگوں صوبائی و انتظامی حالات میں حکام اور بااثر طبقات سے، کے اندر نرم گوشہ پیدا کر کے ذاتی روابط کو فروغ دے کر اور مستحکم بنا کر اپنے لئے ایک مجموعی سازگار فضا تیار کی جا سکے۔ دلیپ کمار کی پشاور کی وطنیت، فلمی اداکار کی حیثیت سے حلقۂ خواص و

بقیہ: دلیپ کمار

عوام میں مقبولیت اور پریس میں پبلسٹی کے نقطۂ نظر سے غیر معمولی اہمیت کے تین بیانوی عناصر کے پیش نظر نگوں انتخاب ان پر پڑی۔

ہمبٹی کے ذرائع کے مطابق دلیپ کمار نے اس دورے کی درخواست کرنل آغا خان کے بھائی پرنس صدرالدین نے کی تھی اور انہیں اس کے لیے ایک کرنڈ روپے معاوضہ کی پیشکش بھی کی گئی۔ پاکستان میں میزبانی کی ذمہ داری، فاطمید کے ناظم جیرا صاحب کو سونپی گئی۔ ناظم جیرا نے باقاعدہ دعوت نامہ ارسال کیا اور رقم بھی ادا کر دی گئی۔ حسب توقع پاکستان میں دلیپ کمار کو غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی۔ انہیں حکومت پاکستان کے سرکاری مہمان کی حیثیت دی گئی۔ ہماری معتبر اطلاع کے مطابق، ناظم جیرا نے اس دورے سے قبل پشاور جا کر گورنر سرحد جناب فدا محمد خان سے درخواست کی کہ وہ دلیپ کمار کو گورنر ہاؤس میں ٹھہرائیں اور انہیں سرکاری مہمان کی حیثیت دیں۔ ان کی درخواست قبول کر لی گئی اور اس کے نتیجے میں، حسب توقع پورے عرصے کی انتظامیہ دلیپ کمار نے ناظم جیرا اور آغا خان کمیونٹی کے مہمان رہنماؤں کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کر دیئے۔ بدبازاں وہ اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں بھی اسی طرح نوازے گئے۔ کراچی میں ایک اور میزبان، فاؤنڈیشن نے دلیپ کمار کو تین لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ کہ یہ رقم پہنچنے تک، اس منصوبے کی کچھ من گن موبائی انتظامیہ کو اپنے ذرائع سے ہو گئی تھی۔ اس لیے وہاں پشاور، اسلام آباد، لاہور اور کراچی والی پذیرائی نہ ہو سکی اور نسبتاً سرد مہری کا رویہ اختیار کیا گیا۔ ۱۰ اپریل کو اسلام آباد میں اوپن کیمپ کے راستہ نے دلیپ کمار کو پبلسٹی کی غیر معمولی سہولت اور مرکزیت سے محروم کر دیا۔ یہ حادثہ رونما نہ ہوتا، تو پاکستان کا پریس، دلیپ کمار اور ناظم جیرا کی گرفت میں رہتا اور استقبالیہ تقریبات کا رنگ بھی پھیکا نہ پڑتا۔

دریں اثناء بعض اعلیٰ حکام نے نکتہ کریدا یا ہے کہ وہ اس دورے کے اسباب و محرکات اور بالخصوص شمالی علاقوں میں اس کے اثرات اور آغا خانیوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لے رہے ہیں اور مناسب وقت پر کچھ ضروری اقدامات بھی عمل میں لائے جائیں گے۔ اعلیٰ سطح پر یہ سوال بھی زیر بحث ہے کہ آخر دلیپ کمار کو سرکاری مہمان کی حیثیت کیوں دی گئی، جبکہ بھارت سے آنے والے مسلم زعماء مثلاً مولانا ابوالحسن علی ندوی یا شاہی مسجد کے امام بخاری تک کو یہ حیثیت کبھی نہیں دی گئی۔ معلوم ہوا ہے کہ بھارت کے مسلمانوں کے دینی اور سیاسی حلقوں نے بھی دلیپ کمار کی اس غیر معمولی پذیرائی پر سخت اظہار ناپسندیدگی کیا ہے اور اسی نوعیت کا ردعمل پاکستان کے اور بالخصوص پشاور اور شمالی علاقہ جات کے دینی حلقوں نے ظاہر کیا ہے۔ دلیپ کمار کے تازہ خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ آئندہ وہ کسی بھی تنظیم کی دعوت پر پاکستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں، تاکہ وہ میزبانوں کے قائم کردہ مشکل اپنا لوں اور اسکولوں کا دورہ کر کے ان کی کوئی خدمت انجام دے سکیں۔

تکبیر (۲۹) ۲۶ مئی ۱۹۸۸ء

بقیہ: بنات النبیؐ

صفحہ نمبر ۵۴ کا باقی حصہ

چھوٹے کی تیار ہوئی جس میں عرصے کے درخت کا پوست بھرا گیا۔ امام احمد کی روایت کے مطابق ایک کملی مخطط، ایک مشک اور ایک تکیہ چرمی بھی جہیز میں تھا اس طرح آپؐ نے حضرت علیؓ کا نکاح کر دیا۔ مہر چار سو مثقال چاندی تھا۔

روایت صحیحہ ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے حیات فاطمہؓ دوسری کسی خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ حضرت فاطمہؓ کی عمر اٹھائیس برس اور ایک روایت کے مطابق انتیس برس کی ہوئی اور وفات بروز سہ شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ میں واقع ہوئی۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

آپؓ کا شمار ان چار خواتین میں ہوتا ہے جن کا مرتبہ دنیا میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔ ۱۔ حضرت آسیہؓ زوجہ فرعون مصر ۲۔ حضرت مریمؑ ام سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ۳۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ۴۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ۔

آنحضرتؐ کو حضرت فاطمہؓ بے حد عزیز تھیں آپؐ نے اپنی وفات سے پیشتر حضرت فاطمہؓ کو بشارت دیدی تھی کہ میری وفات کے بعد سب سے پہلے مجھ سے تم ملو گی۔

اس خوش خبری سے حضرت فاطمہؓ کو بے حد خوشی ہوئی اور آپؐ کی زبان مبارک سے آپؐ کے انتقال کی خبر سن کر جو صدمہ ہوا تھا اس کی بہت کچھ تلافی ہو گئی۔ چنانچہ حضورؐ کی وفات کے تھوڑے عرصے بعد ہی حضرت فاطمہؓ نے انتقال فرمایا۔

تکبیر (۲۵) ۱۶ جون ۱۹۸۸ء

صفحہ نمبر ۳۸ کا باقی حصہ

مس آغا خان کے ساتھ

گھوڑے ہمیشہ اول رہتے تھے، سیاست ان کے گھر کی لونڈی تھی، 'لکشن' فلاسفی' روحانیات' جمالیات' خوبصورت پھول اگانا، لکھنا پڑھنا' ان سب کے وہ ماہر تھے۔ دنیا بھر کے سیاستدان، ادیب، شاعر، اسپورٹسمین، ہیرے جواہرات کے شائقین، امراء، نواب، سلاطین اور نادر چیزوں کے شائق ان کے احباب میں شامل تھے۔ وہ ایک مقبول کمیونٹی کے امام، روحانی لیڈر اور بے تاج بادشاہ تھے۔ خوبصورت عورتوں اور وجیہہ مردوں کو دعوتیں دینا ان کا شوق تھا۔

ہز ہائی نس سر سلطان محمد شاہ آغا خان اس عمر میں بھی اس قدر انجوائے کر سکتے ہیں، اتنے زندہ دل ہیں اور نوجوان خواتین کی نفسیات پر اس قدر عبور رکھتے ہیں، اس کا مجھے اندازہ نہ تھا۔ یہ ۲۵ سال سے بھی زیادہ عرصے کی بات ہے۔ آج وہ ہم میں نہیں، مگر مجھے یقین ہے کہ وہ آج بھی جنت الفردوس میں لطف اندوز ہو رہے ہوں گے، حوروں کے ساتھ رقص کر رہے ہوں گے اور شراب طہور کا جام ان کے ہاتھ میں ہو گا۔ (ماخوذ از روزنامہ ڈان کراچی ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء)

آغا خانیت سے متعلق

جملہ کتب مندرجہ ذیل پتہ سے طلب فرمائیں

مکتبہ اہلسنت

دار العلوم تعلیم القرآن بارہ گیٹ پشاور صدر

کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا!

دو اسمٰعیلی خواتین کے قبولِ اسلام کی روح پرور روداد

تحریر: آثر حارث

یہ آج سے دس سال پہلے ۱۹۷۸ء کے اواخر کا ذکر ہے۔ ان دنوں میں فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں فائنل ایئر کی طالبہ اور اسلامی جمعیت طالبات کی رکن تھی۔ مجھے اپنی بیماری کے سلسلے میں کراچی جانا پڑا جہاں میں دو ماہ رہی۔ کراچی میں میرے اس قیام کی یادیں آج بھی دل میں روزِ اوّل کی طرح تازہ ہیں۔ ماہنامہ بتکبیر میں آغا خان فرقے کے بارے میں معلومات نے مجھے میرے ان سوالوں کا جواب دے دیا جو دس سال پہلے میرے ذہن میں اٹھے تھے اس کے ساتھ ہی میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان واقعات کو بتکبیر کے قارئین تک بھی پہنچا دوں جو میرے لئے حیران کن تھے۔

ان دنوں میری قریبی نہیں مجھے ایک خاتون کے ہاں لے گئیں جن کا تعلق آغا خانی گروہ سے تھا۔ وہاں ایک صاحب نے پس پردہ درسِ قرآن دیا اور پھر مولانا مودودیؒ کے ساتھ اپنی نشستوں کے احوال بتائے نیز بتایا کہ میں کس طرح مسلمان ہوا۔ اس سلسلے میں انہوں نے "خطبات" اور "دینیات" کا حوالہ دیا اور کہنے لگے کہ چونکہ "دینیات" نے مجھے آغا خانی جہالت کی تاریکیوں سے نکالا ہے لہٰذا میں اس کتاب کو اس کی ظاہری ہیئت تبدیل کر کے اور ہزاروں کی تعداد میں شائع کروا کے مفت تقسیم کرتا ہوں تاکہ اس گروہ کے دوسرے افراد بھی اس علم سے آزاد ہو جائیں۔ جس خاتون کے ہاں یہ محفل تھی وہ ہمیں بے حد محبت سے ملیں اور دوبارہ آنے کو کہا۔ دوسری مرتبہ افطار پارٹی میں ہم ان کے گھر گئے۔ انہوں نے کھانے میں اتنا اہتمام کیا اور اتنے اصرار سے ہمیں کھلایا کہ ہم مزید دو دن تک کچھ اور کھانے کی گنجائش ختم کر کے ان کے ہاں سے نکلے۔ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ بہت دلچسپ انداز میں بتایا ان کا وہ والہانہ انداز اور اسلام سے محبت مجھے اب تک متاثر کئے ہوئے ہے۔ کہنے لگیں کہ میرے شوہر مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان کی شدید خواہش کے باوجود میں اپنا دین چھوڑنے پر تیار نہ ہو سکی۔ شوہر بہت کوشش کرتے لیکن میں سنی ان سنی کر دیتی۔ انہوں نے مجھے غالباً "خطبات" پڑھنے کو دی تو میں نے بھی انہیں اپنی کوئی کتاب دینی۔ انہوں نے تو ساری پڑھ ڈالی اور میں نے نہیں پڑھی۔ میرے شوہر نے اس پر بھی نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "کوئی بات نہیں اگر تم نے یہ کتاب نہیں پڑھی ہم دونوں ملکر اس کو پڑھیں گے۔" اس کے بعد انہوں نے مجھے وہ کتاب پڑھانی شروع کی اور اس کے ساتھ ہی میرے ذہن اور دل کی دنیا بدلتی چلی گئی کہ

میں دل اور جان کی ساری گہرائیوں سے اسلام کی حقانیت پر ایمان لے آئی۔ لیکن میں نے اپنے شوہر کو نہیں بتایا اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں خدا کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤں اور نماز پڑھوں تو میں شوہر کے دفتر جانے کا انتظار کرتی جیسے ہی وہ روانہ ہوتے ہیں اللہ جی کے حضور سربسجود ہو جاتی۔ ایک دن میں اسی انہماک سے نماز پڑھ رہی تھی دیر تک دعا مانگنے کے بعد میں نے جانماز تہ کی اور جو مڑ کے دیکھا تو شرم کے مارے وہیں بیٹھ رہ گئی میرے شوہر نہ جانے کب سے کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے وہ دفتر سے کسی کام کے سلسلے میں آئے اور یہ منظر دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ بے اختیار رونے لگے اور گویا ہوئے کہ خدایا تیرا شکر ہے میں تو سمجھتا تھا کہ میرے گھر میں ہنوز جہالت کے اندھیرے ہیں تب میں نے جواب دیا "جبکہ یہ اندھیرے کئی ماہ پہلے ہمارے گھر کی دہلیز پار کر چکے ہیں اور اب یہاں پر توحید کا اجالا ہے۔"

وہیں ایک نوجوان لڑکی سے بھی ملاقات ہوئی جس نے ہمیں اپنے گھر کا ایڈریس دیا اور باصرار آنے کو کہا۔ کچھ دنوں کے بعد ہم اور میری ایک تحریکی ساتھی اس کے گھر کی راہ پر چل پڑے۔ میرے لئے تو کراچی کے سب ہی راستے اجنبی تھے لیکن جب بس سے اترے تو مجھے یوں لگا میں کسی اجنبی دنیا میں چلی آئی ہوں۔ ایک طرف ایک بڑی سی عمارت جماعت خانہ تھی اور دوسری طرف منزل در منزل فلیٹس کا سلسلہ اور بیرونی گیٹ پر پہرے۔ گیٹ پر کھڑے لوگوں نے ہمیں گھورنا شروع کر دیا لیکن جب ہم نے اس لڑکی کے گھر کا ایڈریس بتایا تو فوراً فیصلہ کیا تو ہمیں جانے دیا گیا۔

شاہ بانو کا گھر دوسری منزل پر تھا۔ ہم پوچھتے پوچھتے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہ بہت خوش ہوئی گھر کے اندر داخل ہوتے ہی ایک تصویر پر ہماری نظر پڑی۔ ہم نے پوچھا کہ تمہارے ذہنی انقلاب کے بعد یہ تصویر کیوں یہاں لٹک رہی ہے؟ کہنے لگی، اگر یہ تصویر ہم یہاں سے ہٹا دیں تو ہمیں اس کمیونٹی سے نکلنا ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک ہماری مشکل یہ بھی ہے کہ اگر ہم پردہ کریں تو جب بھی ہمارا جینا دوبھر کر دیا جائے گا۔ ہمارے گھروں میں باقاعدہ چیکنگ ہوتی ہے اور اگر آغا خان کی یہ تصویر گھر میں نمایاں جگہ پر نہ ہو تو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ہم ذہنی طور پر ان گنت سوالات لئے وہاں بیٹھے اس کی باتیں سنتے رہے اور تقریباً دو گھنٹے بعد ہم وہاں سے اداس اداس واپس آ گئے۔ شاہ بانو نے مجھے کہا کہ "آپ مجھے بہت یاد آئیں گی اور آپ نے جو درسِ قرآن دیا ہے وہ بھی ٹیپ کر لیا ہے اور یہ کیسٹ ہم یہاں سے بہت دور ہنزہ بھجوائیں گے جہاں ہمارے رشتہ دار رہتے ہیں۔" شاہ بانو

کے ساتھ جتنا وقت گزرا، بہت عجیب باتوں میں آتی رہی کہ وہ جب بھی ہنستی یا مسکراتی تو یوں جیسے زبردستی ایسا کر رہی ہو اور اس کی آنکھوں میں نہ معلوم اداسیوں نے جیسے ڈیرے جما رکھے تھے۔

اتفاق کی بات ہے کہ پچھلے سال میں اپنے شوہر کے ہمراہ سیر کے لیے ہنزہ گئی۔ وہاں مجھے شاہ بانو بہت یاد آئی اور وہاں میں نے اسی نوعیت کی عمارات بہت تعداد میں دیکھیں اور ہنزہ سے خنجراب ٹاپ تک ہر ۵ - ۶ میل کے بعد "آغا خان رورل ڈویلپمنٹ پراجیکٹ" کے نام سے کہیں نو تعمیر شدہ اور کہیں زیر تعمیر کوئی منصوبہ بلند بالا پہاڑوں میں عجیب شان پیدا کرتا نظر آیا۔ ہنزہ میں علی آباد سے ۲ میل دور اور کافی بلندی پر ایک خوبصورت ترین مقام کریم آباد" (پرنس کریم کے نام سے) سیر تفریح کے دلدادہ لوگوں کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔ ہم وہاں ایک رات رہے اور ہوٹل کے آغا خانی منیجر نے بتایا کہ یہاں کی ۹۵ فیصد آبادی آغا خانی ہے اور صرف ۵ فیصد مسلمان۔ اس کی باتیں سن کر یہ فکر میرے ذہن کے ساتھ چپک کر رہ گئی کہ ۹۵ فیصد آبادی جبکہ ہزاروں پر مشتمل ہے، کب سے اور کتنے دس سال پہلے کا یہ بیج ہوا اور سن قرآن کا ایک کیسٹ کیا کرے گا؟

آغا خان صفحہ نمبر ۳۴ کا بقیہ حصہ

میں اپنی حسبِ منشاء تبدیلی اور تغیر و تبدل کا مجاز ہوتا ہے ایک حقیقی امام کے ماننے والوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ہمیشہ موجود اور ظاہر رہتا ہے۔ وہ کبھی خفیہ یا غائب نہیں ہو سکتا۔ کوئی اسماعیلی داعی جائز اور حقیقی امام نہیں بن سکتا۔ داعی کو تبلیغ کے لئے امام کی طرف سے مقرر کیا جا سکتا ہے مگر امام نہیں بنایا جا سکتا۔ داعی کی شخصیت نہ قرآن کو تبدیل کر سکتی ہے نہ اس میں تحریف کی مجاز ہے۔ غیر شیعہ حضرات کے نقطۂ نظر کے مطابق قرآن کو تبدیل کر دینے، اس میں تحریف یا نعوذ باللہ اسے ساقط کر دینے کا عقیدہ غلط تصور ہے۔

ایک حسن کے بجائے دو حسن

ایک حسن کے بجائے دو حسن کیوں، کس طرح اور کیسے؟ اس سوال کا جواب آسان نہیں، اسماعیلی عقیدے اور اس کی ساری بنیاد اس سوال کے حقیقی جواب پر منحصر ہے اور اس جواب ہی سے اس کا طلسماتی انداز میں پردۂ اخفا میں رہنا ہی اسماعیلی حضرات کو مناسب نظر آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حسن کی شخصیت کا یہ راز جب تک راز ہے سادہ لوح اسماعیلی حضرات کو اپنے عقائد اور مذہبی طریقۂ کار میں تحفظ، یقین، ایمان اور بھروسہ کی کیفیات نظر آتی ہیں۔ امام حسن کی شخصیت مہدئ آخر الزماں کی شکل میں بڑی قوی آئیڈیل بھروسہ اور دستگیر نظر آتی ہے یہ کھوج کرید کہ حسن امام آخر الزماں اور حسن امام اوّل علی کی اولاد حقیقی میں کیا رشتہ ہے، کیا راز ہے۔ اچھے اسماعیلیوں کے لئے نہ مناسب ہے نہ اس کی شاید اجازت ہی ہے اس قسم کے سوالات اور تحقیق و تفتیش حقیقتاً ایک حق کے متلاشی اسماعیلی کو جو کچھ بوجھ رکھتا ہو اور تاریخ کے تناظر میں دور تک۔ دیکھ بھی سکتا ہو اپنے عقائد سے برگشتہ کر دینے کے لئے کافی ہے۔ اسماعیلیت کا ایک بنیادی اور مشہور عقیدہ یہ ہے کہ ایک حقیقی امام سب کچھ جانتا ہے اس سے نہ کوئی چیز چھپی رہ سکتی ہے نہ چھپائی جا سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے جو کچھ کرتا ہے ہمیشہ صحیح ہوتا ہے اس سے اغلاط کا صدور ممکن ہی نہیں اس کے علاوہ وہ ایک حقیقی مرشد اور رہنما ہوتا ہے اس کی زیرِ ہدایت لوگ نہ غلطی کر سکتے ہیں نہ دھوکا کھا سکتے ہیں کیونکہ ان کا امام، انکا ہادی، انکا مرشد و رہنما ایسے ہونے دے گا جبکہ وہ ہر چیز، ہر حاضر و غائب حقیقت سے کما حقہ واقف ہوتا ہے۔ بہر حال شاید اب وہ وقت قریب ہے جب امام زماں آغا خان سے ان کے دو ملین ماننے والوں (آغا خانی حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کی تعداد اس وقت دنیا میں بارہ سے بیس ملین یعنی ایک کروڑ بیس لاکھ سے دو کروڑ تک ہے ناقابلِ یقین ہے) میں سے کوئی شخص یا اشخاص ان کے اس دعوے کا ثبوت چاہیں گے اور اس دعوے کا پول جلد ہی کھل جائے گا کہ ان میں کتنی روحانی قوتیں مرتکز ہیں۔ کچھ منحرفین کے اقوال کے مطابق بعض آغا خانی حضرات کی طرف سے روحانی رہنمائی، تاریخ، ایمان و اعتقاد اور روایات پر بعض سوالات کے جواب میں آغا خان کی خفیہ تنظیم نے انہیں کافی حد تک متزلزل کر بھی دیا ہے مگر ابھی شاید عام ایمانی کیفیت اور اکثریت کی حمایت نے انہیں لب کشائی سے باز رکھا ہے مگر کب تک؟ تاریخ بہت جلد بہت سے سوالات کا خود جواب پیش کر دے گی اور جب تک ایسا نہیں ہوتا اسماعیلی جماعت خانوں میں دن میں تین مرتبہ مولانا علی ذکر السلام کے نعرے گونجتے ہی رہیں گے۔ ہماری دعوت بہر حال وہی ہے جو قرآن کی دعوت ہے اور وہ ہے "بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (المؤمنون، ۹۰) (ترجمہ:- اور ہم امرِ حق ہے وہ ہم ان کے سامنے لے کر آئے ہیں اور یہ لوگ ہیں کہ جھوٹے ہیں)

گلگت و چترال میں تکبیر کے خلاف انٹیلی جنس کی مہم

کراچی (اسٹاف رپورٹر) گلگت اور چترال میں مملکت پاکستان کی سالمیت کے خلاف آغا خانیوں کے خفیہ عزائم و منصوبوں کے انکشافات کے بعد، جو دو ماہ قبل تکبیر نے اپنی ایک خصوصی رپورٹ میں شائع کیے تھے۔ ان دو علاقوں کی مقامی انٹیلی جنس نے اسمٰعیلی طریقت آبادی کا آلۂ کار بنتے ہوئے وہاں ہفت روزہ تکبیر کی ترسیل اور فروخت جزوی بند کرنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ اس بارے میں تکبیر کے ایجنٹ نے دفتر تکبیر کو مقامی انٹیلی جنس کی ان ناپسندیدہ سرگرمیوں سے مطلع کرتے ہوئے بتایا کہ مقامی پولیس اسے تنگ کر رہی ہے اور سرکاری انٹیلی جنس کے اہلکار تکبیر کی فروخت سے روکنے کے لیے اس پر مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں

آوازِ خلق

فاطمید فاؤنڈیشن کے لیے ۶۰ لاکھ کی زکوٰۃ کیوں - ۹

جناب والا ۱۹ اپریل کے جنگ میں یہ خبر پڑھ کر بیحد دکھ ہوا کہ مرکزی زکوٰۃ کونسل نے اپنے ایک حالیہ اجلاس میں جس کی صدارت کونسل کے چیئرمین اور سپریم کورٹ کے جج جناب جسٹس شفیع الرحمٰن کر رہے تھے آغا خانیوں کی طرف سے قائم کردہ فاطمید فاؤنڈیشن کو ساٹھ لاکھ روپے دینے کا فیصلہ کیا ہے تمام اہلِ تشیع حضرات اور آغا خانی حضرات پاکستانی بینکوں میں اپنی زکوٰۃ نہیں کٹواتے اور سب نے لکھ کر دیا ہوا ہے۔ کہ ہم اہلِ تشیع ہیں لہٰذا ہماری زکوٰۃ نہ کاٹی جائے چنانچہ ان کی زکوٰۃ نہیں کٹتی۔ پھر اہلِ تشیع کے ہاں فقہ جعفریہ کے مطابق صرف شیعہ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ ایسے حضرات جو زکوٰۃ کٹواتے بھی نہیں اور ان کے ہاں مستحق زکوٰۃ صرف اور صرف شیعہ ہے انہیں کروڑوں پاکستانیوں کے اکاؤنٹس سے زبردستی کاٹی ہوئی زکوٰۃ میں سے رقوم مختص کر دینا مزید ظلم ہے ایک طرف تو حکومت کا رویہ یہ ہے کہ جب سب فرقے نفاذِ شریعت پر متفق ہو جائیں گے شریعت نافذ کر دی جائے گی ہمیں الحال مجبور ہیں دوسری طرف عام اہلِ سنت والجماعت حضرات کی زکوٰۃ زبردستی کاٹ لینا اور پھر ایسے لوگوں کو دینا جو حکومت کو زکوٰۃ دیتے ہی نہیں نہ صرف سراسر ظلم ہے بلکہ اس سلسلے میں صدر پاکستان اور وزیرِ اعظم یقیناً اہلِ پاکستان کے سامنے جواب دہ ہیں۔ مزید یہ بھی عرض کرنا ہے کہ زکوٰۃ کونسل میں ایک شیعہ عالم بھی رکھے گئے ہیں۔ کیوں؟ جو فرقہ زکوٰۃ دیتا ہی نہیں صرف اپنے لوگوں کو دیتا ہے اسے اس زکوٰۃ کونسل میں جو ہمارے پاکستان کے نظامِ زکوٰۃ کا انتظام کرتی ہے شامل کرنا کیا صرف اسلئے نہیں کہ وہ چور دروازوں سے غیر مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ دلائے جیسے فاطمید کو دلوائی گئی ہے؟

(غلام مرتضیٰ خان بیت الکبریٰ ۱۹۲ - B، بلاک D شمالی نارتھ آباد کراچی)

ہفت روزہ تکبیر کراچی
INTERNATIONAL URDU WEEKLY
TAKBEER
KARACHI-PAKISTAN

گزارش احوالِ واقعی

ہم ہندو ہیں!
یہ نہ ہندو ہیں نہ مسلمان
بمبئی ہائیکورٹ میں آغاخانیوں کو دلچسپ تفصیلی اور اُس کا فیصلہ

اسماعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ:

حاضر امام کو قرآنی احکام میں ردّوبدل کے کُلی اختیارات حاصل ہیں

وہ قرآن کے حلال کردہ امور کو حرام اور حرام کو حلال کر سکتے ہیں

آغاخان کی پاکستان میں بڑھتی ہوئی دلچسپی اور اس کے اسباب پر پہلی ہفت روزہ تکبیر کی رپورٹ کے جواب میں آغاخان فاؤنڈیشن کی جانب سے جو وضاحتیں پیش کی گئی ہیں وہ گول مول، اصل اور بنیادی موضوع سے ہٹ کر اور کذب گوئی پر مبنی ہیں۔

اسماعیلی عقائد، رسومات، طریقۂ عبادت اور وقتاً فوقتاً مذہب اور مذہبی معتقدات اور رسومات سے متعلق اس فرقہ میں جو تبدیلیاں آئیں یا لائی گئی ہیں، میں اپنی گزشتہ اچھاس قسطوں سے اس برادری سے اپنے تعلق کی بنا پر ان تمام باتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ لہٰذا عوام، علمائے کرام اور حکومت کے دانستہ اور نادانستہ کی کے لئے چند اہم اور ناقابلِ تردید حقائق منظرِ عام پر لانا چاہتا ہوں تاکہ مذہبی پیشوائی کی آڑ میں بھولے بھالے اسماعیلی معتقدین سمیت عالمِ اسلام اور پاکستان کو نقصان پہنچانے کا جو منصوبہ بنایا گیا ہے اس کی بروقت روک تھام کر کے ملک و ملت کو اس سے بچایا جا سکے۔ میں پوری ذمہ داری اور احساسِ آخرت کے ساتھ اور ثابت کر دینے کی گارنٹی کے ساتھ کہتا ہوں کہ مذکورہ وضاحت میں آغاخان فاؤنڈیشن کے وزیرِ داخلہ علی اور رمضان مرچنٹ وغیرہ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ اللہ کی توحید، اس پر پورا بھروسہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر اور قرآن پاک کو اللہ کی آخری کتاب اسی جذبۂ دل سے تسلیم کرتے ہیں جیسے کہ اور مسلمان۔ درحقیقت ان مذہبی پیشوا کی بقا کا راز یہی ہے کہ بات اس طرح کی جائے کہ سننے والا کچھ اور مطلب نکالے لیکن حقیقت کچھ اور ہی کیوں نہ ہو۔ یہ لوگ اپنے اسمٰعیلی معتقدین کو توحیدِ الٰہی کے بارے میں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے نور سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کا جسم نوری تھا جو کہ بعد ازاں حضرت علی علیہ السلام کی ذات میں منتقل ہو گیا اور اس کے بعد یہ نور امام کی بڑی نرینہ اولاد میں منتقل ہوتا چلا آرہا ہے اور یہ کہ اللہ، علی اور حاضر امام (آغاخان) ایک ہی نور سے ہیں، اس لئے

اسماعیلی عقائد سے تائب ہو جانے والے پیارعلی ولد غلام حسین ساکن ٹنڈو یاگو ضلع بدین کا بیان

حاضر امام اس دنیا میں اللہ کا مظہر ہے جسے اللہ کے بندوں کی رہبری کے لئے وقت، محلِ وقوع اور حالات کے مطابق احکامات جاری کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔ اسماعیلی فرقہ کے مذہبی پیشوا مسلمانوں کے اس عقیدہ کی نفی کرتے اور غلط قرار دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد قرآن میں درج شدہ احکامِ الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔

قرآن کو اللہ کی آخری کتاب ماننے کے متعلق اسماعیلی فرقہ بھی دوسرے شیعہ فرقوں کی مانند یہ ایمان رکھتا ہے کہ اصل قرآن جو کہ اللہ کی کتاب ہے وہ حضرت علیؓ نے جمع کی تھی اور

تحریر: عظمت اللہ عباسی

جب ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اسے رائج کرنے سے انکار کیا تو حضرت علی نے اسے ایک صندوق میں بند کر کے مہر لگا دی اور کہہ دیا کہ اب اسے نہ کوئی دیکھ سکتا ہے نہ ہی چھو سکتا ہے۔ جب بھی کائنات الزماں آئیں گے تب اس کو صندوق سے نکال کر رائج کریں گے۔ لہٰذا اسمٰعیلی فرقہ کے ہر فرد کو شروع ہی سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ جو قرآن آج دنیا میں ہے وہ نقلی ہے اور حاضر امام یعنی ہز ہائی نیس پرنس کریم آغاخان کی ذات ایک بولتا ہوا قرآن ہے۔ یعنی قرآن پاک میں جو احکامات ہیں، ہمارا حاضر امام اپنی صوابدید کے مطابق ان میں حسبِ ضرورت ردّوبدل کر سکتا ہے۔ جتنی کہ اس میں درج شدہ حلال کردہ حرام اور حرام کو حلال کر سکتا ہے۔ اس طرح اسمٰعیلی عقائد سے تائب ہو جانے والے پیارعلی ولد غلام حسین ساکن ٹنڈو یاگو ضلع بدین کا بیان ہے کہ وہ دیگر مسلمانوں کی طرح نہ تو قرآن پر یقین اور نہ ہی اس کے ترجمہ و تفسیر میں جائیں بلکہ حاضر امام (ہز ہائی نیس کریم آغاخان) انھیں جو فرمان جاری کریں، اس کو اللہ کا حکم سمجھ کر ماننا شروع کر دیں۔ ساتھ ہی انھیں یہ تلقین بھی کر دی جاتی ہے کہ جو اس سے انکار کرے وہ ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ یہ وہ بنیادی اصول ہیں جو ہر اسمٰعیلی کو ان کو اوائل عمری ہی سے بتائے اور ٹائے، سکھائے اور ان کو گھٹی میں پلائے جاتے ہیں۔ انھیں ذہن نشین کرا دیا جاتا ہے کہ کوئی بھی غیر اسمٰعیلی صحیح مسلمان نہیں ہے اور یہ کہ جنت میں صرف اسمٰعیلی ہی جائیں گے۔ لہٰذا اسمٰعیلیوں کو قرآن کی جگہ گمراہ کن تحریف بار بار اور ہر موقع پر پڑھنے کی تاکید کی جاتی ہے جو کہ بعینہٖ ہندو مت کی مذہبی کتاب رامائن کی طرز پر ترتیب کی گئی ہے بلکہ اس کے بہت سے حصے اس میں شامل ہیں۔ خاص طور پر کوروں پانڈوں کی جنگ کے واقعات کا ذکر۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب دینِ اسلام ایران آیا تو وہاں کے قدیم زرتشتی نظریات بھی چور دروازہ سے اس میں شامل کر دئے گئے۔ بعد ازاں جب اسمٰعیلی فرقہ ہندوستان کی سرزمین پر آیا تو ہندو روایات اور قدیم رسم و رواج بھی اس میں شامل کر لئے گئے لیکن دوسرے مذاہب کی طرح وہ رسومات قبول کی گئیں جن سے کہ اسمٰعیلی فرقہ کے اکابرین کی گرفت اور دھاک بڑھے اور انھیں پُرتعیش زندگی گزارنے کی کھلی چھٹی مل جائے۔ دین و مذہبی پیشوائی کے نام پر وہ جو چاہیں کریں، ان کی کوئی گرفت نہ کر سکے۔ اس کی زندہ مثال یہ ہے کہ بمبئی ہائیکورٹ میں باقاعدہ مقدمہ دائر کر کے یہ فیصلہ کرایا گیا کہ اسمٰعیلی فرقہ کے افراد دراثت کے بارے میں قرآن پاک کے احکام کو نہیں مانیں گے، بلکہ ہندو مذہب کا جو قانونِ وراثت ہے وہ ان پر لاگو ہوگا۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بمبئی ہائی کورٹ میں مقدمہ اپیل نمبر ۲۲۵ / ۱۸۷۵ میں تنہا دتیں پیش کی گئیں کہ اسمٰعیلی فرقہ جیشہ سے اسمٰعیلی

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ اقامت، رکوع اور سجدے والی نماز غلط ہے۔ اصل نماز صبح شام حاضر امام کی تصویر کے سامنے سجدہ ریز ہو کر دعا مانگنا ہے۔

ہندو قانون وراثت پر عمل کرتا چلا آیا ہے جس کے مطابق اسمٰعیلی دھرم میں وارثوں میں جائیداد کی تقسیم کا رواج نہیں البتہ بڑے بیٹے کو مختار تسلیم کیا جاتا ہے یا پھر باپ اپنی زندگی میں ہی اولاد میں سے جسے مقرر کر جائے وہی وارث ہوتا ہے جبکہ بیوہ اور بیٹیوں اور ماں باپ کو وراثت میں حصہ دار تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اسمٰعیلی دھرم میں شوہر کی وفات کے بعد عدت کی کوئی میعاد مقرر نہیں ہے۔ بیوہ اور مطلقہ عورت چاہے تو اگلے روز ہی شادی رچالے۔ اسمٰعیلی دھرم میں مردوں کو داڑھی رکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ ہمارے حاضر امام نہ تو داڑھی رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنے پیروکاروں کو کبھی داڑھی رکھنے کی تلقین کی ہے۔ اسی طرح خواتین میں پردہ کا اس لیے رواج نہیں ہے کیونکہ نہ تو ہماری مانا سلامت" (بیگم آغا خان) نے کبھی پردہ کیا ہے اور نہ ہی کبھی عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم ہی دیا گیا ہے ان کے نزدیک پردہ تو آنکھوں اور دل کا ہوتا ہے۔ اسی لیے ہمارے اسمٰعیلی معاشرے میں یہ رواج عام ہے کہ ہر شام نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بن سنور کر ایک ساتھ سیر و تفریح یعنی گھومنے پھرنے (چکر) کو جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ عبادت بھی جماعت خانوں میں جا کر "باجو" میں کرتے ہیں۔ شادی بیاہ سے قبل لڑکے اور لڑکی کو آپس میں ایک دوسرے میں زیادہ سے زیادہ محبت پیدا کرنے اور مزاج جانچنے کیلئے باہمی ملاپ (پریم) کرنے کی بھی کھلی آزادی ہوتی ہے۔ اسمٰعیلی دھرم میں سود کی لین دین پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ گانا بجانا سینما بینی (فلم) وی سی آر، بلیو فلمیں، ہینڈ بجانا اور آرکسٹرا، شراب نوشی۔ سٹہ، پانسہ، لاٹری، ریس، جوا سب کی مکمل آزادی ہے۔ ہندوستان میں آباد اسمٰعیلیوں کے پیدا ہونے والے لڑکوں کا ختنہ کرانا بھی ضروری نہیں ہے۔

اسمٰعیلی فرقہ کے روحانی اور مذہبی پیشوا اپنے پیروکاروں کو ذہنی آسودگی پہنچانے کے لیے خاص خاص موقعوں کے لیے مبارک مجالس منعقد کراتے ہیں جن میں (۱) ذوالی جی مجلس (۲) نورانی جی مجلس (۳) تاہمات صبر جی مجلس (۴) پاؤ سالہ جی مجلس (۵) پانچ سالہ والوں جی مجلس (۶) بڑے کام جی مجلس (۷) روشنی جی مجلس (۸) حیاتی جی مہمانی مجلس (۹) مردوں جی لاء (۱۰) نواب جی مجلس (۱۰) خصوصی مہمانی جی مجلس (۱۱) عام مہمانی۔ (۱۲) ستا ڈے جی مجلس (۱۳) نوروز جی مجلس (۱۴) تخت نشینی جی مجلس (۱۵) روشنی جی مجلس (۱۶) نویں جی مجلس (۱۷) چاند جی مجلس (۱۸) بارہویں جی مجلس (۱۹) چودھویں جی مجلس (۲۰) معراج جی مجلس (۲۱) ناتدی جی مجلس۔ (۲۲) دیوالی جی مجلس (۲۳) ستی مائی جی مجلس (۲۴) روٹ جی مجلس (۲۵) ایر پیر جی مجلس (۲۶) بیت الخیال جی مجلس (۲۷) بنت ستا ہ جی مجلس (۲۸) میڈیو پال جی سروس (۲۹) دن فوری جی مجلس۔

مولا بابچا یعنی حاضر امام کی آمد کے موقع پر اسمٰعیلی برادری کے افراد نئے نئے کپڑے خوشبو سے معطر کر کے پہنتے ہیں اور لذیذ چٹ پٹے کھانے پکاتے ہیں خوب چراغاں کرتے اور ہینڈ باجے بجاتے ہیں خاص کر راستہ اور ڈانڈیا راس رات بھر تمام مرد، عورتیں اور نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مل جل کر کھیلتے ہیں جس سے حاضر امام بہت ہی مسرور اور شادمان ہوتے ہیں۔ اس خوشی کے موقع پر وہ سب کے لیے رحمتیں و برکتیں عنایت کرتے ہیں اور نجات سے نوازتے ہیں۔

اسمٰعیلی فرقہ کے نزدیک حضرت محمد مصطفٰے ؐ کو جہاں تک آخری نبی ماننے کا تعلق ہے اس بارے میں برادری کے ہر فرد کو بچپن ہی سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ حضرت علی ؓ کا درجہ تمام انبیاء سے بڑھ کر ہے اور محمد مصطفٰے ؐ کے برابر ہے بلکہ ہونا کوئی قابل ذکر چیز نہیں ہے لیکن بلاشک عام مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں پائے جانے والے اختلافات کو فروعی نوعیت کے اختلاف کہا جاسکتا ہے جو کہ مسلم معاشرہ میں رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن اسمٰعیلی برادری کو مذہب اسلام کی غلط تعلیم دے کر انہیں غلام بنانے والوں نے قرآن کے بنیادی عقائد ہی تبدیل اور مسخ کر کے اپنی پوجا کر دانا شروع کر دی اسمٰعیلی فرقہ کی معتبر کتابوں میں اور بہت سے وعظوں میں یہ تک کہا جاتا ہے کہ علی اللہ کے مقرر کردہ ہیں اور انہوں نے محمد کو نبی مقرر کیا ہے۔

آغا خان فاؤنڈیشن کے سربراہ وزیر عاشق علی نے زیر تبصرہ اپنے وضاحتی بیان میں بالکل بجا فرمایا ہے کہ مذہبی اختلافات ہے لہٰذا انہیں فروعی اختلافات قرار دے کر صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

نماز پر اپنے یقین کرنے کے بارے میں جناب وزیر عاشق علی نے جو فرمایا ہے کہ وہ اپنے طرز پر نماز ادا کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے وضاحت نہیں کی کہ وہ طرز کیا ہے؟ لہٰذا میں وہ طرز بتا دینا چاہتا ہوں کہ! اسمٰعیلی فرقہ کے اکابرین نے قرآن میں جو لفظ صلوٰۃ آیا ہے اس کا ترجمہ "دعا" بتایا ہے اور اپنے اسمٰعیلی پیروکاروں کو وہ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ ان کا اقامت رکوع اور سجدہ کے ساتھ ادا کی جانے والی عبادت جو کہ نماز کے نام پر عام مسلمان کرتے ہیں غلط اور قرآن کے خلاف ہے۔

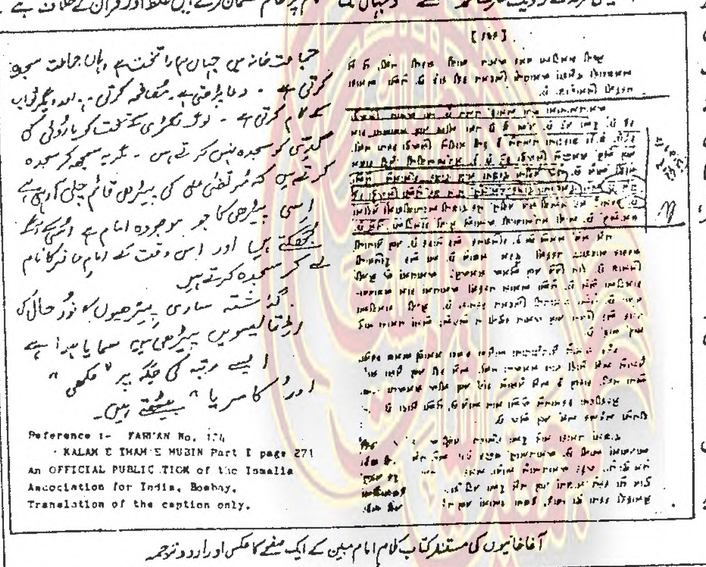

جماعت خانہ میں جہاں مولا تشریف رکھتے ہیں وہاں جماعت سجدہ کرتی ہے۔ دعا پڑھی جاتی ہے۔ مصافحہ کرتی ہے۔ اور پھر قوالی کے ساتھ رقص کرتی ہے۔ نوکر نکری سے حاضرین کی یا دنیوی کی گدیوں کو سجدہ نہیں کرتے ہیں۔ مگر یہ سمجھ کر سجدہ کرتے ہیں کہ مرتضٰی علی کی پیڑھی قائم چلی آرہی ہے اسی پیڑھی کا جز موجودہ امام ہے اور اسی لیے وہ اس پیڑھی کے آگے جھکتے ہیں اور اس وقت کہ امام فرمان نام لے کر سجدہ کرتے ہیں۔

گذشتہ ساری پیڑھیوں کو نور حال کی ارواح لیسوں پیڑھی پر سمایا ہوا ہے ایسے مرتبہ کی جگہ پر "حکمی" اور "کا مریا" بیٹھتے ہیں۔

Reference :- FARMAN No. 174
- KALAM E IMAM-E MUBIN Part I page 271
An OFFICIAL PUBLICATION of the Ismailia Association for India, Bombay.
Translation of the caption only.

آغا خانیوں کی مستند کتاب کلام امام مبین کے ایک صفحے کا عکس اور اردو ترجمہ

اسماعیلیوں کو قرآن کے بجائے ہندوؤں کی مقدس کتاب رامائن کے بعض حصوں اور دیگر تحریروں پر مشتمل "گنان شریف" پڑھنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

مسلمانوں میں عام طور سے تصاویر آویزاں کرنا اور خاص طور سے نماز پڑھتے وقت اس کی موجودگی کو معیوب، مکروہ تصور کیا جاتا ہے کہ جہاں تصویر ہو رحمت کے فرشتے نہیں آتے جبکہ اس کے برعکس اسمٰعیلی برادری کے افراد کو تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ گھروں، دکانوں، دفاتر اور جماعت خانوں میں خاص طور سے عبادت (دعا) کے وقت حاضر امام کی تصاویر سامنے رکھیں اور سجدہ ریز ہوں تاکہ رحمت اور برکتوں کا نزول ہو۔

وزیر عاشق علی جو کہ پاکستان میں آغا خان ناؤ پڈلشی کے چیئرمین بھی ہیں، کا یہ کہنا کہ "نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا" بھی کوئی خاص تعجب کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ ہمارے حاضر امام خود بھی نماز نہیں پڑھتے اور نہ ہی انہوں نے کبھی اپنے پیروکاروں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، جبکہ رمضان مرچنٹ یہ تو فرماتے ہیں کہ نماز جائز ہے لیکن اب کسی کو ہاتھ پکڑ پکڑ کر تو نماز پڑھانے کے لیے نہیں لے جایا جائے گا، مگر انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اگر نماز جائز ہے، تو پھر وہ ہاتھ پکڑ پکڑ کر نمازیوں کو نماز پڑھنے سے کیوں روکتے ہیں؟ اپنے جماعت خانوں میں اذان دینے پر کیوں پابندی لگا رکھی ہے؟ اگر کوئی اسمٰعیلی حاضر امام کو سجدہ کرنے یا ان کسی تصویر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا مانگنے کے بجائے مسلمانوں کی طرح قیام، قعود، رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہے، تو اسے حکماً روک دیا جاتا ہے اور جماعت خانوں سے بے عزت کر کے کیوں نکال دیا جاتا ہے، جس کی زندہ مثال سرکاری ریکارڈ پر موجود وہ مثال ہے کہ جناب وزیر عاشق علی نے اسمٰعیلی برادری کے ممتاز اور سرکردہ رکن اکبر علی اور چند دوسرے اسمٰعیلیوں کو سرِ عام بازارِ کراچی کے نزدیک واقع خوجہ جماعت خانہ میں نہ صرف یہ کہ نماز پڑھنے سے روکا، بلکہ انہیں زدوکوب کر کے اٹھا ان کے خلاف سولجر بازار کراچی کے تھانہ میں فوجداری قانون کی دفعہ ۱۱۷/۱، کے تحت رپورٹ کرائی کہ یہ لوگ جماعت خانہ میں اذان دینا اور نماز پڑھنا چاہتے ہیں، جس سے نقضِ امن کا اندیشہ لاحق ہو گیا ہے۔ لاچار ہو کر اکبر علی وغیرہ نے سندھ کی عدالتِ عالیہ میں مقدمہ نمبر ۳۲۱/۸۶ دائر کیا ہے کہ جو اسمٰعیلی جماعت خانوں میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں، انہیں نماز پڑھنے سے نہ روکا جائے، اور مقدمہ ہائی کورٹ میں زیرِ سماعت ہے۔ درحقیقت

جماعت خانے میں نماز پڑھنے کی کوشش کرنے والوں پر فوج داری مقدمہ دائر کر دیا گیا۔

آغا خانی اسمٰعیلوں میں نماز سے مراد تین وقت ایک صبح اور دو شام دعا کا مانگنا ہے، جو کہ ہر اسمٰعیلی پر فرض ہے، جو کہ جماعت خانوں پر مانگی جائے گی، لیکن دعا کے وقت حاضر امام (نامدار ہز ہائی ایٹس پرنس کریم آغا خان) کی تصویر سامنے رکھنا اور اس کے آگے سجدہ ریز ہونا ضروری ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ ہندو رام، سیتا اور بھگوان کی مورتیوں کو سامنے رکھ کر پوجا پاٹ اور سجدہ کرتے ہیں۔ اپنے وضاحتی بیان میں، جناب رمضان مرچنٹ نے یہ بھی کہا ہے کہ "اس کے علاوہ جو چیز ہمارے لٹریچر کے حوالے سے شائع ہوئی ہے، وہ قطعی ہمارا لٹریچر نہیں ہے۔" صاحب موصوف کی اس وضاحت کو درست مان بھی لیا جائے کہ لٹریچر ان کا نہیں ہے، لیکن اسمٰعیلی فرقہ کے مقتدا، جو اس لٹریچر پر درج ہیں، کیا وہ ان سے انکار اور تردید کرنے کی جرأت فرما سکتے ہیں؟ اس لیے کہ جب نزاع لٹریچر میں نہیں البتہ وہ عقائد ہیں، جو کہ متعدد بار اخبارات، رسائل اور پمفلٹ کی شکل میں منظرِ عام پر آ چکے ہیں اور اسمٰعیلی برادری سے وابستہ کوئی فرد بھی ان کی تردید کرنے کی آج تک جرأت نہیں کر سکا۔

اسی طرح اسلام کے دوسرے اور اہم بنیادی رکن روزہ کے بارے میں رمضان مرچنٹ کا یہ کہنا بھی غلط اور فراڈ ہے کہ اسمٰعیلی روزہ رکھتے ہیں، اس لیے کہ ہمارے حاضر امام بھی نہ روزہ رکھتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے ہمیں روزہ رکھنے کا کبھی حکم دیا ہے۔ اسمٰعیلی فرقہ کے افراد کو بچپن ہی سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ قرآن میں روزہ کے بارے میں، جو احکامات دیے گئے ہیں، انہیں اب حاضر امام نے منسوخ کر دیا ہے، لہٰذا اب کسی اسمٰعیلی کو روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، پھر بھی اگر کوئی اسمٰعیلی اپنی مرضی اور شوق سے روزہ رکھنا چاہے، تو رات کا کھانا کھا کر سو جائے اور سورج نکلنے کے بعد یعنی صبح دس بجے روزہ افطار کرے۔ قرآن پاک میں حج کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کے بارے میں اسمٰعیلی برادری کے پیروکاروں کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ حج کے لیے مکہ معظمہ جا کر اپنا پیسہ اور وقت ضائع کرنے کے ایک پرانی عمارت (دعا مانگنے) کے گرد چکر لگانا، اس کا کوئی ثواب نہیں ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ خود، جناب حاضر امام کی شکل میں موجود ہے، لہٰذا اس کا دیدار کر لینا ہی حج ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے حاضر امام نے خود بھی آج تک کبھی حج نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں کبھی حج کرنے کا حکم ہی دیا ہے۔ قرآن پاک میں،

ہندو قانونِ وراثت پر اصرار ــــ چند حوالے

حقِ وراثت کے سلسلہ میں آغا خانی شیعہ اسمٰعیلی فرقہ کے سربرآوردہ افراد کی جانب سے خود کو ہندو روایات اور رسم و رواج کا پابند ہونے کی شہادتیں پیش کر کے بمبئی ہائی کورٹ سے اسلامی قانونِ وراثت کے بجائے ہندو لاء کے تحت حقِ وراثت طلب کیے جانے کے بارے میں چند حوالہ جات پیشِ خدمت ہیں، جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حاضر امام جنکو اپنے تئیں اللہ کا مظہر کہتے ہیں ان کے ہاں ہندو قوانین کی پیروی کر کے اسلام کا کس طرح مذاق اڑایا جاتا رہا ہے۔

۱- بمبئی ہائی کورٹ اپیل نمبر ۲۲۵ میں مترقی رحیم بھائی الوجانی کے وارثان کی جانب سے جج سر چارلس سرجنٹ کی عدالت میں پیش کردہ مقدمہ جس کا فیصلہ ۲ جولائی ۱۸۷۵ء میں ہوا دیکھئے صفحہ نمبر ۲۹۵ بمبئی ہائی کورٹ رپورٹ۔

۲- مسماۃ مولی بائی کا کیس صفحہ نمبر ۲۶ بمبئی ہائی کورٹ رپورٹ جج سر رچرڈ کلاوج کی عدالت۔

۳- پیر بھائی مانکجی کے مقدمہ مورخہ ۱۸۵۵-۱۱-۲۶ کو بمبئی ہائی کورٹ کے جج یارڈلی سی جی کا فیصلہ۔

۴- مورخہ ۱۸۵۶-۲-۱۱ کو بمبئی ہائی کورٹ کے جج یارڈلی سی جی نے کاوسو مرسانی کے مقدمہ کا فیصلہ۔

۵- مورخہ ۱۸۶۶-۱۱-۱۲ کو جج آرنولڈ کی عدالت میں آغا خان کا مقدمہ میں فیصلہ۔

جز کوٰۃ کا حکم ہے، آغا خانی مذہبی پیشواؤں اور ان کی تعلیمات میں اسمٰعیلی برادری کے افراد کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسے دیگر مسلمانوں نے غلط سمجھا ہے۔ یہ ہر سال فی صد سالانہ نہیں ہے، بلکہ ان کی روز کی آمدنی کا ساڑھے بارہ فی صد ہے، جو کہ صرف حاضر امام کا حق ہے۔ اسے آغا خانی اصطلاح میں "دسوند" کیا جاتا ہے۔ جو شخص یہ رقم حاضر امام کو دینے کے بجائے کسی اور غریب، قیم، بیوہ، یتیس اور نادار کو دے یا کسی اور طریقہ پر خرچ کرے گا، اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ کسی زکوٰۃ (دسوند) دینے والے کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ حاضر امام سے یہ محاسبہ کرنے کی جرأت اور گستاخی کر سکے کہ یہ رقم کہاں اور کس مد میں خرچ کی گئی۔ یہ رقم جو کہ کروڑوں کی تعداد میں وصول ہوتی ہے، ۔۔۔ کو پورا حق ہے کہ اسے اپنی ذات پر خرچ کرے، کسی سیاسی مقصد کے لیے استعمال کرے، جسے اور جس قدر چاہے دے اور اگر چاہے، تو سود کمانے کے لیے قرض میں دے دے۔ اسمٰعیلی فرقہ میں اس کے مذہبی پیشواؤں نے جہاد کو بھی ساقط کر دیا ہے، حالانکہ اس تنظیم میں رضاکاروں کی بڑی تعداد کو فوجی حربہ اور اسکاؤٹنگ کی تربیت دی جاتی ہے اور اسلحہ اور وسائل کی بھی بھرمار ہے۔ ان کی بلوری اور طاقت صرف اور صرف حاضر امام کی دھاک بٹھانے پر صرف ہوتی ہے۔ اور جماعت خانوں اور مجالس کے انعقاد کے موقع پر بھی اس نیم عسکری تنظیم کو حرکت میں لایا جاتا ہے تاکہ ان کی غیر اسلامی حرکات پر کوئی زبان نہ کھول سکے۔ جیسا کہ یہ بات اس سے قبل بھی منظر عام پر آ چکی ہے اسمٰعیلی فرقہ کے مذہبی پیشواؤں کا یہ کہنا ہے کہ حاضر امام اللہ کا نور ہے اور اسے اللہ کے بندوں پر دینی اختیارات حاصل ہیں جو کہ اللہ کو ہیں۔ حاضر امام اور اس کے حکمی مقررہ معاونہ ملنے پر گناہوں کو بخش دیتے ہیں، بندگی (عبادت) کی معافی دے سکتے ہیں جنت کی گارنٹی دے سکتے ہیں۔ اسمٰعیلی مذہب میں جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ہندو عقائد بڑی کثرت سے شامل کیے گئے ہیں۔ لکشمی کی خوش نودی کے لیے دیوالی اور ستی ماتی کے لیے جماعت خانوں میں اس کی مجلس ہوتی ہے مذکورہ مجالس کا انعقاد جو کہ بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے اس کی ادائیگی انتہائی راز داری سے کی جاتی ہے اور کسی غیر اسمٰعیلی کو وہاں کی سن گن لینے کے لئے داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

ہفت روزہ تکبیر کراچی شمالی علاقہ جات کے مسلمانوں کی جانب سے آغا خان فاؤنڈیشن کی پراسرار سرگرمیوں اور وہاں آغا خانی اسٹیٹ بنانے کے منصوبے کے بارے میں جو تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اسے خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔

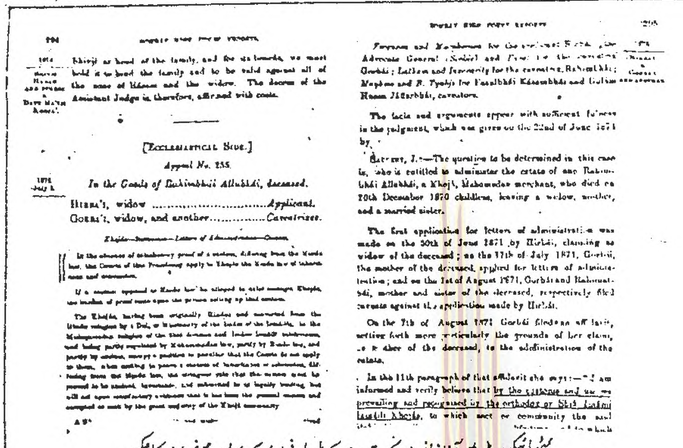

بمبئی ہائیکورٹ میں آغا خانیوں کے مقدمے کے طویل فیصلے کے پہلے دو صفحات کا عکس۔

میں بدھی پشتی اپنی گزشتہ انچاس نسلوں سے اسمٰعیلی برادری کا رکن ہونے کے باوجود ان تمام غیر اسلامی عقائد، کفریہ شرکیہ اور ملحدانہ رسومات اور غیر ملکی سازشوں میں اسمٰعیلی اکابرین کی شرکت کی پرزور الفاظ میں مذمت کرتا ہوں اور پاکستان کے مسلمانوں، علمائے کرام اور حکام اور برسر اقتدار مسلم لیگ سے خدا اور رسول کا واسطہ دے کر فریاد کرتا ہوں کہ مذکورہ سازش کے سرغنہ اور غیر اسلامی حرکات کے خاتمہ کے لیے فوری اور سخت اقدامات کئے جائیں۔ میں حکومت پاکستان سے یہ بھی فریاد کرتا ہوں کہ وہ ان معروضات کے پائیدار اور مستقل حل کے لیے کم از کم ان مسائل کی تحقیقات کے لیے جو کہ اسلام کے بنیادی نظریات سے متصادم ہیں عدالتی تحقیقات کرکے سخت اقدامات کرے۔

جو باتیں میں نے بیان کی ہیں میرا یہ دعویٰ ہے کہ اسمٰعیلی برادری کا کوئی فرد بھی ان کی صحت سے انکار نہیں کر سکتا۔ جس کی تصدیق کے لیے کسی بھی اسمٰعیلی سے نامدار آغا خان حاضر امام کی فوٹو پر ہاتھ رکھوا کر قسم لی جا سکتی ہے۔

میں پاکستان کے علمائے کرام سے یہ فریاد کرتا ہوں کہ کیا اللہ کے نزدیک حاضر امام آغا خان کی تصویر کے سامنے گریہ وزاری کرنا اور یہ کہنا کہ یا حاضر امام سب اسمٰعیلیوں کو روزی دے، تندرستی دے، ہمارا دشمن جو پیدا ہوا اس کو دفع کر، سب مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی توفیق دے، یا حاضر امام ہماری مجلس کرانا اور دسوند سرکریت قبول فرما اور سب اسمٰعیلیوں کو جماعت خانہ آنے کی توفیق دے اور ہماری جو روحانی زندگی تیرے حضور آئی ہے اس کو اصل میں واصل کر، کیا یہ عقائد مشرکانہ اور الحادیہ معنی نہیں ہیں! افسوس کا مقام ہے کہ اسمٰعیلیوں کے گھروں میں گنہان شریف تو ملے گی لیکن شاذ و نادر ہی کسی کے گھر میں قرآن شریف ملے گا۔

اسمٰعیلیوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کے لیے گزشتہ دنوں حسب روایت ۳۰ مارچ کو پاکستان میں آغا خان کی آمد کے مجموعہ پروگرام میں "ماتھا کا چھٹا" کے نام پر فی کس مبلغ پچاس روپیہ وصول کئے گئے جو کہ پروگرام منسوخ ہو جانے کے باوجود اب تک واپس نہیں گئے گئے اور کہا گیا کہ رقم اگلے پروگرام کے لیے جمع رہے گی۔

علمائے کرام سے میں یہ بھی پوچھتا ہوں کہ جماعت خانے میں مردوں اور عورتوں کا بے پردگی سے آنا اور مخلوط اجتماع۔ فرقہ وارانہ رقص کروانا۔ مختلف صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑنا، گھٹنے چھونا کرانا اور دعا پڑھوانا۔ ناندی (جو کہ گھروں سے جماعت خانے میں آتے ہیں) ان کا نیلامی میں خریدنا اور اس کا پیسہ ادا کرنا جماعت خانوں میں نیاز چڑھانا۔ جھٹا ڈلوانا۔ دسوند دینا۔ دشمن دفع کرانا۔ مرے ہوؤں کی روحوں کو ثواب پہنچانا۔ باپ دادا کی مجلس کرنا وغیرہ جس شکل میں اسمٰعیلیوں کے تحت نافذ میں رائج ہیں کیا وہ اسلام کے مطابق ہیں؟

اس مضمون کی تصحیح صفحہ نمبر ۲۹ پر

ہفت روزہ تکبیر کراچی INTERNATIONAL URDU WEEKLY TAKBEER KARACHI-PAKISTAN
اشاعت ۱۵ تا ۲۱ اپریل ۱۹۸۸ء
جلد نمبر (۱۰) شمارہ (۱۶)

آغاخانی مذہب میں مالی عبادات کا نظام

مختلف ناموں سے وصول کیے جانے والے درجنوں مذہبی ٹیکس حاضر امام کی دولت میں ہر روز کروڑوں کا اضافہ کرتے ہیں۔

تحریر: عبدالکریم رنگون والا

اس اسلامی جمہوریہ میں رفاہی قطعاتِ اراضی (AMEN-ITY PLOTS) پر آغاخانی حضرات کی نظر رہتی ہے، اور کراچی میں تو جا بجا انہوں نے ایسے پلاٹ اپنی جماعت کے نام الاٹ کروا لیے ہیں۔ کیونکہ KDA میں ایک آغاخانی ایجنسی بیٹھا ہوا ہے۔ ایجنسیز مسٹر عبدالحسین میرا والا اس خدمتِ خاص کے لیے موجود ہیں اور بعض مواقع پر ترقیاتی اداروں کے ترقی پسند افسران کی مذہبی میں بھاری رقوم کے نذرانے بھی پیش کیے جاتے ہیں مثال کے طور پر آئی آئی کالونی سے متصل نفیس آباد میں ہزاروں مسلمان ۱۹۵۲ء سے آباد ہیں۔ لیکن آغاخانیوں نے ۱۹۶۰ء میں اس پلاٹ کو رفاہی پلاٹ کے طور پر حاصل کر لیا اور کسی طرح ۱۹۶۲ء میں اپنے نام لیز بھی کروا لیا۔ اور اس پر اپنا جماعت خانہ بھی بنوا لیا۔ اب بعض بڑوں کے تعاون سے غیر مسلم جماعت خانے کی بقا کی خاطر نفیس آباد کے مسلمانوں کو بے دخل کرنے اور ان کی مساجد کو ڈھا دینے کی مہم چل رہی ہے۔ یہ سب کچھ آغا خانی حضرات اپنے عظیم مقصد اور افضل العبادات "تعمیرِ جماعت خانہ" کے لیے کر رہے ہیں کیونکہ اس کام کے لیے سر آغا خان سوئم نے بڑی بشارتیں سنائی ہیں بمثل "کلام امامِ مبین" (آغا خان سوئم کے فرامین کا مجموعہ) کے صفحہ ۱۲۳ پر درج ہے۔

"آپ لوگوں نے جماعت خانہ بنوایا۔ اس سے ہم بہت خوش ہوتے ہیں۔ آپ نے جماعت خانہ بنوایا۔ یہ ہمارا گھر ہے۔ آپ نے زمین پر ہمارا گھر بنوایا ہے۔ تو ہم نے بہشت میں آپ کا گھر بنایا ہے اس بات کی آپ کو مبارک باد ہو۔"

جناب عالی۔ مالی عبادات پر گفتگو کرنے کے لیے میں نے تعمیرِ جماعت خانہ سے کیوں ابتدا کی۔ اس کی حقیقت اب کھولنے جا رہا ہوں۔ یہ جماعت خانے دراصل سونے کی کانیں ہیں ٹکسالیں ہیں۔ بنک ہیں۔ اس کام میں ان کی چابکدستی لازمی ہے آج کراچی میں جگہ جگہ ان کے جماعت خانے ہیں یہ سب کوڑیوں کے بھاؤ خریدے ہوئے پلاٹ پر تعمیر ہیں۔ اور بیشتر پلاٹ پر مسلمانوں سے ان کا تنازع ہے۔ ان مندروں میں جو غیر شرعی عبادات ہوتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک (بدعتی عبادات) کا ذکر تو میں اپنی پچھلی تحریر میں کر چکا ہوں۔ آج ان کی چند اور مذہبی رسوم کے بارے میں قارئین حضرات کو باخبر کرنا چاہتا ہوں اس جماعت پر آغاخان کی طرف سے بہت سے ٹیکس لگائے گئے ہیں۔ جنہیں "مال واجبات" کہتے ہیں۔ کلام امام مبین صفحہ ۲۶۴ فرمان ۲۱۔ مقام منزل بئی تاریخ ۱۸۹۴-۱-۲۰ء جس نے مال واجبات ادا نہیں کیا لیکن بعد توبہ کر کے مال واجبات ادا کر دیا تو اسے بھی پھٹکارا (نکمات) مل جائے گا۔"

مال واجبات میں زکوٰۃ، عشر، خمس و شمس اور بے شمار قسم کے ٹیکس شامل ہیں۔ آغاخان سوئم یکم اگست ۱۸۸۵ء کو مسندِ امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس کے دو ہفتے بعد حیرفان جاری کیا وہ حسبِ ذیل ہے۔

فرمان نمبر ۱ بمبئی ۱۰ ستمبر ۱۸۸۵ء بروز جمعہ۔

آپ اپنی خوشی سے جو دیں گے وہ ہم لے لیں گے لیکن آپ کو ناراض کر کے لینے والے ہم نہیں۔ آپ اپنی لیاقت سے جو کچھ ہمیں راضی خوشی سے دیں گے وہ ہمیں میٹھا لگتا ہے اگر آپ سچائی اور یقین سے ہمیں دیں گے تو آخرت میں ایک کے سو لاکھ ملیں گے۔ اور دنیا میں بھی اس کا فائدہ ہوگا۔ سچے ایماندار مومن کا پیسہ بیت المال میں داخل ہوتا ہے۔ اس میں سے مزیوں کے لیے علم کی سرپرستی، ہمارے بادرچی خانے کا خرچہ اور اپنے لباس ہم بنتے ہیں۔ ایسے ایماندار دن کا پیسہ اچھے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس سے بہت باطنی فوائد حاصل ہوتے ہیں، جس کے بارے میں ہم ابھی کچھ کہنا نہیں چاہتے، لیکن آپ ایسا نہ سمجھیں کہ دیتے بغیر چھٹکارا ہوگا۔ دنیا کے ہر مذہب میں دینا ہے، لیکن اسلام میں تین طرح سے دینا ہے۔

۱۔ حقِ اللہ: جو قرآن میں ہے وہ دسوند، دسوند کے لیے فرمایا گیا ہے۔ اور عربستان میں تمام حاکم ہر ایک سے لیتے ہیں۔ ۲۔ خمس: پانچواں حصہ جو امام کا ہے۔ ۳۔ زکوٰۃ: کافروں اور مسکینوں کے لیے ہے۔ اوپر بیان کیے گئے تمام حقوق ہمارے ہیں۔ اے اہلِ جماعت! دیکھو یہ باتیں نظائر و دلائل اور کتاب اور قرآن سے ہمارا حق تم پر ثابت ہے۔ اگر ہمارا حق دو گے تو ٹھیک، ورنہ قیامت کے دن تمہیں دینا پڑے گا۔ سو اس بات کا خوب دھیان رکھو اور ہمارا حق دو ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔"

ماشاء اللہ اس آٹھ سالہ بچے کی کیا خوب تربیت کی گئی ہوگی، اور انہوں نے آئندہ امام کی بھی کیسی عمدہ تربیت کی ہوگی۔

مالِ واجبات ادا کرنے والوں کو مژدہ ہو۔ کلام امام مبین صفحہ ۲۸۵ فرمان ۱۲۵ ملاحظہ فرمائیں۔

"آپ کی دسوند ہم قبول فرمائیں گے اور آپ سے سرسند ہونے والے گناہوں کو ہم معاف کر دیں گے۔"

ظاہر ہے کہ جن کے نزدیک بہشت میں گھر، مغفرت نجات سب کچھ آغاخان کے ہاتھ میں ہے اور یہ ٹیکس ادا کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے تو وہ اس معاملے میں تغافل کیسے برت سکتے ہیں۔ ان تمام ٹیکسوں کی ادائیگی جماعت خانوں میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ روحانیت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے کے لیے مختلف قسم کی مجالس باقاعدگی سے منعقد ہوتی ہیں جس کی ممبر شپ ہوتی ہے۔

نامدی:۔

تمام آغاخانی روزانہ بہترین کھانوں کا طشتہ جماعت خانے لے جاتے ہیں جہاں اس کی نیلامی ہوتی ہے۔ اور رقم آغاخان کی تجوری میں جمع کر دی جاتی ہے۔ اسے عام مہمانی بھی کہتے ہیں خاص مہمانی:۔

آغا خان کی تشریف آوری کے موقع پر ہر گھر سے کم از کم ایک مہمانی وصول کی جاتی ہے جس کی کم از کم فیس ۱۵۱ روپے ہے اور زیادہ کی کوئی انتہا نہیں۔ سوا لاکھ روپے اس مد میں دینے والے اسی شہر میں کئی ہیں۔ اور خواص میں "چنور سیٹھ نے ۲۵ لاکھ اور شبان جی کے سیٹھ نے ۵۰ لاکھ روپے اس سلسلے میں دیئے۔

آغا خان کی بار بار تاکید کے سبب لوگ اس بارے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ کتاب کلام امام مبین۔ فرمان نمبر ۲ بمبئی ۸ ستمبر ۱۸۸۵ء بروز بدھ۔

"جن کو باطنی حج کرنا ہو تو ان پر لازم ہے کہ دھرم پر قائم رہیں۔ امام زمان کا دامن مضبوط پکڑیں، اپنی برادری کے بھائیوں سے محبت کریں ان کے ساتھ مٹھاس سے برتاؤ کریں۔ دسوند، مالی واجبات ادا کریں۔"

اسی طرح اسی کتاب کے فرمان نمبر ۶۷ بمقام راجکوٹ بتاریخ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء دیکھیں "جو ہماری خدمت کرتے ہیں ان سب مردوں، عورتوں کے ایمان، مال اور اولاد میں ہم برکت دیں گے۔" یا مثلاً فرمان ۴۷ بمقام مغوری بتاریخ ۵ نومبر ۱۹۰۳ء کو سلم ہوا۔ "جماعت اور سرکار (اپنے آپ کو سرکار دو جہاں کہتے تھے) کی خدمت کرو۔" اور اس خدمت کے کیا کیا طریقے رائج تھے۔ جیسے حیاتی کی مجلس (یا جیوتا جگتیہ) مرید اپنے مرنے سے پہلے ہی اپنی روح کے ایصال ثواب کے لئے مجلس منعقد کر کے جماعت خانے میں بڑی رقم اور قیمتی سامان اور کھانے اور پھل پیش کر دے تو اسے مغفرت کی بشارت مل جاتی ہے۔ ان اشیاء کے نیلام کی جملہ رقم آغا خان کے خزانے میں جمع ہو جاتی ہے۔ جمع شدہ رقم پر خصوصی نظر رکھی جاتی ہے۔

آیئے اسی کتاب کا فرمان ۸۷ بمقام کچھ ناگپور بتاریخ ۲۹ نومبر ۱۹۰۳ء سماعت کریں۔ "کارسازی (جماعتی فنڈ) کو جان کی طرح سنبھالنا بلکہ جان سے بھی زیادہ سنبھالنا۔ ہمارا پیسہ آتش کی طرح ہے۔"

فرمان نمبر ۱۰۱ بمقام جنگیار۔ بتاریخ ۲۵ اگست ۱۹۰۵ء فرمایا "تم مجلس شب بیداری میں جاؤ تو قوال، سفرہ مہمانی وغیرہ رسومات کے ختم ہونے سے پہلے نہ اٹھ جانا۔ اس طرح کرو گے تو قوال سفرہ وغیرہ کی آمدنی کم ہو گی جس کا گناہ تمہارے سر ہو گا۔" کس میں تاب ہے جو یہ گناہ اپنے سر لے۔ بندہ تو مغفرت کا طلب گار ہو تا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا۔ فرمان نمبر ۱۲۵ نیروبی۔ ۶ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو "تمہاری دسوند ہم قبول کریں گے اور تم سے سرزد ہونے والے گناہوں کو ہم معاف کریں گے۔" اس دسوند سے تو کس معمولی کسان کو بھی چھوٹ نہیں۔ فرمان نمبر ۸۵ بمقام کچھ ناگپور بتاریخ ۲۷ نومبر ۱۹۰۳ء "دسوند آٹھواں حصہ برابر دیتے رہنا۔ تمہارے کھیت میں جو اُگے اس میں سے راجہ اپنا حصہ لے جائے اس کے بعد جو باقی رہے اس میں سے آٹھواں حصہ دینا۔"

اب آیئے اگلی مجالس کی طرف۔

روشنی کی مجلس :

اس کی فیس ادا کر کے ممبر شپ حاصل کرنے والوں کو مجلس میں خصوصی فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔

بیت الخیال یا بچے کام کی مجلس :

اس کی فیس ۷۵ روپے فی کس ہے۔ اس کے عوض ایک اسم اعظم عطا ہوتا ہے۔ جو جماعت خانے میں آدھی رات کو مرد، عورت اندھیرے میں آغا خان کا تصور کر کے ورد کرتے ہیں۔

پانچ سال کی مجلس :

اس کی فیس پانچ سو روپے ہے اس کے ممبر کے دو سال

کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

بارہ سال کی مجلس :

اس کی فیس بارہ سو روپے ہے اس کے ممبر کے بارہ سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

لائف کی مجلس :

اس کی فیس پانچ ہزار روپے ہے اس کے ممبر کے زندگی بھر کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

نورانی کی مجلس :

اس کی ممبر شپ فیس ہے سات ہزار پانچ سو روپے یہ ذریعۂ حصول نور امامت ہے۔

فدائی کی مجلس :

روحانیت کا انتہائی اعلیٰ مرتبہ "اصل میں واصل" ہو جانا ہے۔ یعنی آخرت میں آغا خان کے نور میں مل جانا۔

اس فانی کیفیت کے حصول کے لئے فدائی کی مجلس کا ممبر ہونا ضروری ہے اور اس کی فیس پچیس ہزار روپے ہے۔

میٹروپول کی مجلس :

انڈیا میں آغا خان سوئم کا بنگلہ مالکیشور میں تھا اور اس نسبت سے ایک مجلس والکیشور کی مجلس ہندوستان میں اب بھی منعقد ہوتی ہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان سے آغا خانیوں کو اس سے مستفید کرنے کے لئے اس کا نعم البدل تلاش کیا گیا۔ ان دنوں کراچی میں کوئی فائیو اسٹار ہوٹل نہیں تھا لہٰذا آغا خان ہوٹل میٹروپول میں ٹھہرا کرتے تھے۔ چونکہ ان کے بابرکت قیام سے ہر محل کے در و دیوار منور ہو جاتے تھے (ان کے اپنے تئیں) لہٰذا ان انوار کے انجذاب کی غرض سے ایک مقررہ فیس کے عوض اس کی بھی ممبر شپ عطا کی جاتی تھی۔ آج کل یہ منسوخ ہو گئی ہے اور اس کی جگہ ایگل مونٹ (فرانس میں آغا کا محل) اور سارڈینیا (آغا خان کا ذاتی جزیرہ۔ ایضی جنت) کی مجالس کے اجراء پر غور ہو رہا ہے۔

مجلس نوروز :

اس کی داخلہ فیس کچھ نہیں۔ ۲۱ مارچ کو منعقد ہوتی ہے۔ انڈوں پر زرتشتیوں کی طرح رنگ کر کے جماعت خانے لے جاتے ہیں۔ ہر فرنس کی طرف سے کم از کم ایک انڈا۔ یہ گویا فطرہ کا نعم البدل ہے اور یہی عید سب سے بڑی عید ہے۔ ان انڈوں کا نیلام ہوتا ہے۔ آغا خان کی طرف سے ہر ذی روح کو "روزی" یعنی رزق دیا جاتا ہے۔ جو ایک پیکٹ میں کچھ گندم اور کچھ شکر کی صورت میں ہوتا ہے۔ ایک تھال میں کچھ روزی کے پیکٹ کچھ پھل اور دودھ کا جگ رکھ کر اس کا نیلام ہوتا ہے اور اس پہلے نیلام کو اوّل سفرہ کہتے ہیں فارسی میں سفرہ دسترخوان کو کہتے ہیں اور اس دسترخوان اوّل کو حاصل کرنا بڑی سعادت کی بات ہے۔ عام طور پر بڑے جماعت خانوں میں پچاس ہزار روپے تک اس کی بولی جاتی ہے یہ رقم بھی آغا خان کی تجوری میں منتقل ہو جاتی ہے۔

سالگرہ کی مجلس :

ہر سال ۱۳ دسمبر کو آغا خان چہارم کی سالگرہ کی خوشی میں یہ مجلس منعقد ہوتی ہے اور حسب توفیق لوگ اس میں مالی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

مجلس تخت نشینی :

یوم امامت ہر سال ۱۱ جولائی کو منایا جاتا ہے۔ اس روز آغا خان چہارم امامت کی مسند پہ جلوہ فگن ہوئے تھے۔ چونکہ یہ ایمان و میثاق کو تازہ کرنے کا دن ہے لہٰذا اس

"جو کھانا پیتے ہوئے اس میں سے امام کا حق دھیان سے دو صاحبِ سرکار کو ہو تو ہم سے پہلے ذرا اور اپنا بھی یاد کر کے حاضرِ امام کی خدمت میں پہنچا دو ——— آغا خان کی مرتب کردہ "نماز" سے ایک اقتباس

مجلس میں لوگ بہت رقم جماعت خانوں میں دیتے ہیں۔

چاند رات کی مجلس :

بکری کیلنڈر کے حساب سے نوچندی شب کو یہ مجلس ہوتی ہے اور اس میں معروف سے معروف شخص بھی ضرور شریک ہوتا ہے اور مہینے بھر کے گناہ حسبِ توفیق رقم ادا کر کے معاف کروا لیتا ہے۔

پنجے بھائی کی مجلس :

جماعت کے عہدیداران مکھی صاحب وغیرہ کو چونکہ آغا خان سے شرفِ دست بوسی حاصل ہوتا ہے اور ہر عامی شخص اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم رہتا ہے لہٰذا اس مجلس میں لوگ مکھی صاحب سے ہاتھ ملاتے ہیں اور آپس میں ہاتھ (پنجہ) ملاتے ہیں اس طرح آغا خان کا نور پوری جماعت میں گردش کر لیتا ہے۔ ہر شخص اس مجلس کا تو ضرور ممبر بنتا ہے اور اس کی فیس بھی کم ہوتی ہے۔

بخشا معافی کی مجلس :

یعنی یومِ آخرت کی معافی۔ اس کے بارے میں تو میں اپنی پچھلی تحریر میں بتا ہی چکا ہوں۔ نئے قارئین کے لئے اتنا عرض ہے کہ یہ وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے۔ آخری مجلس امریکہ میں ۱۹۸۶ء میں ہوئی جس میں ایک بھاری رقم کے عوض آغا خان نے بہ نفسِ نفیس اپنے مریدوں کی مغفرت فرمائی۔

ستاڑے کی مجلس :

یہ مجلس اس وقت منعقد کی جاتی ہے جب کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہو یا ناگہانی مصیبت آ جائے۔ مثلاً اس سال آغا خان کے قطعی اور طے شدہ پروگرام کے باوجود تشریف آوری منسوخ کر دی گئی (حالانکہ "مسلمانوں" نے ان کے شایانِ شان استقبال کا معقول انتظام بھی کیا تھا) ایسے شدید حالات میں منعقد ہوتی ہے اور مسلسل سات روز تک جاری رہتی ہے۔ چھوٹے شہروں میں آخری عبادت (موکڑی) کے بعد رات کو ہوتی ہے اور بڑے شہروں میں جہاں ان کے حفاظتی وسائل زیادہ ہوتے ہیں رات کے آخری پہر میں ہوتی ہے۔ مرد عورتیں سبھی شریک ہوتے ہیں اور "مولا مشکل کشا" کی تسبیح۔ یا علی" پڑھتے ہیں۔ پھر ابلے ہوئے گندم یا چنے تقسیم ہوتے ہیں اور کچھ پرشاد مٹھائی کی صورت میں بھی ملتا ہے۔ اسکے دالمی کو بھی رقم ادا کرنی پڑتی ہے اور بھی کئی مجالس ہیں جن کی تفصیل بغرضِ اختصار یہاں نقل نہیں کر رہا مثلاً نویں کی مجلس، میراجی کی مجلس، امیر پیر کی مجلس (صرف سندھ میں) ستی ماں کی مجلس، رمٹ کی مجلس اور ٹھالی کی مجلس (مؤخر الذکر آخری دو مجالس صرف خواتین کے لئے ہیں) صاف صفائی کی مجلس، ولیالی کی مجلس۔ بعض مصلحتوں کے سبب اب پاکستان میں ستی ماں کی مجلس اور ولیالی کی مجلس منعقد نہیں ہوتیں۔

گھٹ پاٹ :

یعنی آبِ شفا۔ جس پانی میں آغا خان نے اُنگلیاں ڈبوئی ہوں وہ آبِ شفا بن جاتا ہے اور تمام ظاہری اور باطنی بیماریوں سے شفا کی غرض سے تمام جماعت اسے جمعہ اور چاند رات کو جماعت خانے میں پیتے ہیں۔ اس کے لیے کچھ رقم اپنی مرضی سے (مَن مُراد) جماعت خانے میں ڈالتی ہے۔ اس موقع پر "حوضِ حق سے پیو" والا گانا مرد اور عورتیں کورس میں گاتے ہیں۔ جو پانی لے آئے حوض کوثر پر آغا خان پانی پلائیں گے۔

چھینٹا :

عیسائیوں کی مذہبی رسم "بپتسمہ" کی طرح ہر آغا خانی بچہ کو آغا خان کی طرف سے مکھی صاحب آبِ شفا کے چھینٹے مار کر آغا خانی بناتے ہیں۔ اسے "کانسکرا" کہتے ہیں اور زرتشتیوں کی طرح ایک جنوئی زنہار گٹ پاٹ والے پانی سے آلودہ کر کے پہناتے ہیں اصطرح وہ اس بندھن میں بندھ جاتا ہے۔ اسی موقع پر زچہ جو ہر صورت میں فراغِ نفاس سے قبل جماعت خانے میں مکھیانی کے سامنے پیش ہو جاتی ہے وہ بھی چھینٹا ڈلواتی ہے اور اس طرح وہ پھر سے طاہرہ ہو جاتی ہے۔ اس خوشی کے موقع پر بھی رقم کی ادائیگی ہوتی ہے۔ سہرا چاند رات کو بھی سب چھینٹا ڈلوا کر مہینے بھر کے گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں اور اس کا بھی معاوضہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ نو بیاہتا جوڑے کو بھی چھینٹا ڈلوانا پڑتا ہے اور اس میں بھی قاضی الحاجات کا دخل ہے ——— قریب المرگ شخص کے پاس مکھی یکھیانی آ کر صفت کا چھینٹا ڈالتی ہیں موت کے بعد بھی میت پر چھینٹا ڈالا جاتا ہے۔ اور جس پر یہ چھینٹا پڑ جائے اسے دوزخ کی آگ نہیں چھوتی۔ اور یہ چھینٹے "عرقِ انفعال" کے نہیں ہوتے لہٰذا اس کا بھی معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے۔

جہیز ٹیکس :

شادی کے موقع پر جہیز کی کل مالیت کا ۱۲ فی صد ولیا جماعت خانے میں ٹیکس ادا کرتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے بعض اوقات دولہا کے خونی رشتہ دار دلہن والوں سے UNDER INVOICING کی فرمائش بھی کرتے ہیں۔ لیکن مکھی کو تحریل دینا بہت مشکل ہے مکھی دلہن والوں سے کہتا ہے کہ جہیز کی فہرست دیکھ ڈالیں محفوظ رہے گی تاکہ اگر بعد میں کبھی طلاق کی نوبت آئے تو لڑکے والوں سے تمام سامان یا اس کی رقم وصول کی جا سکے۔ مال کہ وصول کر کے دے نہیں پاتے۔ الغرض روپیہ بٹورنے کے سو طریقے ہیں آغا خان سوئم کی مرتب کردہ "نماز" کے پندرھویں باب (پاٹ ۱۵) میں یوں عبادت کی جاتی تھی۔

"ڈیوڑھی کھٹے پیٹے سارسنبار اور چھینوں اور پاچھیوں ڈرمڑی یدام مارے سرکار میں ڈیجا"

یعنی۔ آمدنی میں سے اور اخراجات میں جو کھاتے پیتے ہو اس میں سے امام کا حق دھیان سے دو صاحبِ سرکار (امام) کا قرض تم پر ہے اور نوزائد لیما بھی یاد کر کے حاضرِ امام کی خدمت میں پہنچا دو۔

مُردانی کی مجلس :

جب کوئی آغا خانی مر جاتا ہے تو اس کی بیوہ اسی جماعت خانے میں جا کر کچھ رقم دے آتی ہے ——— عدت کا تو کوئی تصور ہے ہی نہیں۔ تیسرے روز جماعت خانے میں زیارت کی مجلس ہوتی ہے۔ میت کے تمام رشتے دار پھل اور مٹھائیاں نیلام کے لیے لاتے ہیں اور ہر شخص چھینٹا ڈلوا کر اس کا معاوضہ ادا کرتا ہے۔ دسواں، بیسواں، چالیسواں، سہ ماہی، چہار ماہی، ششش ماہی، برسی الغرض اس کے

شادی کے موقع پر جہیز کی کل مالیت کا بارہ فی صد دولہا کو جماعت خانے میں جمع کرانا پڑتا ہے۔

اسمٰعیلی جماعت خانے آغا خان اور اُن کے خاندان کے لیے سونے کی کانیں ہیں۔

ایصالِ ثواب کے لیے جماعت خانے میں مجالس ہوتی رہتی ہیں اور اُن کی فیس ادا ہوتی رہتی ہے۔

ان میں سب سے اہم بھانڑا کپڑا کی مجلس یعنی کھانے کپڑے کی نیلامی۔ یہ عام طور پر انتقال کے دس روز کے اندر ہوتی ہے اور ایک طرح کا جمعہ بازار ہوتی ہے۔ میت کے ورثاء میت کے استعمال میں آنے والی ہر چیز اور سینکڑوں نئی چیزیں مثلاً ریڈیو، روکس گھڑیاں، کراس پین، چشمے، ریڈیو، وی سی آر، پلنگ بستر، سونے اور ہیرے کے زیورات، سوٹ، ساڑھیاں، برتن، کم و بیش سب کچھ اس اُمید پر جماعت خانے میں نیلامی کے لیے دیتے ہیں کہ یہ کچھ اُسے جنت میں مل جائے اور کسی قسم کا پرابلم نہ ہو۔ چند سال پہلے گارڈن جماعت خانے میں ایک متوفی شخص کے انتقال کی اس مجلس میں اس کے صاحبزادے نے دیگر بہترین اشیاء کے علاوہ برانڈ نئی مرسیڈیز بینز کار بھی نیلامی کے لیے دی کسی نے ازراہِ تفریح یہ کہہ دیا کہ بڑے میاں تو ڈرائیونگ نہیں جانتے تھے اب جنت میں ان کی کار چلانے کے لیے کسی ڈرائیور کو بھی مار کر بھیجو۔ اس پر وہ بہت محظوظ ہوئے اور جھینپ مٹانے کے لیے کہنے لگے "مولا اس کام کے لیے کسی فرشتے کو مقرر کردیں گے"۔

ایسی بابرکت مجلس کی منظر کشی کے لیے ایک نظم پیشِ خدمت ہے۔

کل جو صاحب چل بسے "مولا" اُنہیں جنت ملے
آج اس کے مال کی اللہ کرے قیمت ملے
سوٹ بے چارے نے سلوایا مگر پہنا نہیں
بولی اس کی آٹھ سو ہے اس سے کم کہنا نہیں
اور دیکھیں کس قدر یہ خوب صورت شال ہے
میک ہے کشمیر کا بے شک یہ مہنگا مال ہے
اے اللہ کس قدر پیارا ہے سونی (SONY) ریڈیو
مرد تو کنجوس ہیں بولی بڑھاؤ لیڈیو!
اور اسمگلنگ کا ٹیلی ویژن ہے لاجواب
جس قدر مہنگا خریدیں اس قدر زیادہ ثواب
اتنی سستی سیل تو ہوتی نہیں ہے بار بار
روز تو مرتا نہیں ہے کوئی اتنا مالدار
واہ وا۔ مرحوم کے بچوں نے کچھ چھوڑا نہیں
سب ہی کچھ تو دے دیا "مولا" کا دل تو را نہیں

اس کے علاوہ ہزاروں افراد کی پر تعیش بیس یعنی اپنی کل کمائی کا ۵ فیصد جماعت خانے میں دینا اور اس میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ شلوار کسی کے یہاں گئے اور سیون اپ کی بوتل پی۔ تو واپس آکر اس بوتل کی قیمت کا بل فوراً جماعت خانے میں ڈال دیں گے۔

آغا خانیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا بھر میں پونے ۲ کروڑ کی تعداد میں ہیں۔ اگر چترال جیسے پس ماندہ علاقے اور کراچی جیسے متوسط علاقے اور پاکستانی روپے اور امریکی ڈالر کا اوسط مقرر کیا جائے اور فی کس ایک روپیہ روزانہ حاصل کی عبادت اور مجلس کا تصور رکھا جائے تو آغا خان کی روزانہ آمدنی کم از کم ۲ کروڑ ہوئی۔ اور دیگر جیسی قسم کی مجالس کا اوسط بھی روزانہ ۱۰ کروڑ روپے سے کم نہیں ہو سکتا۔ یہ تمام انکم ٹیکس اور پراپرٹی ٹیکس سے مستثنیٰ ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ وزارتِ خزانہ اور سی بی آر۔ تمام جماعت خانوں کی ایک سیلنگ مقرر کردے۔ مثلاً گارڈن جماعت خانہ کراچی سے روزانہ صرف ۱۰ ہزار روپے ٹیکس وصول کرے اور اسی طرح دیگر جماعت خانوں سے۔ تاکہ پاکستان کی دولت کا کم سے کم حصہ پاکستان اور اسلام کے خلاف استعمال ہو اور بعض بڑی مساجد اور مزارات کی طرح یہ جماعت خانے وزارتِ مذہبی امور اور اوقاف کے تحت آڈٹ اور سپروائز ہوں۔ پاکستان سے اربوں روپیہ حوالے کی ہنڈی کے ذریعے باہر چلا جاتا ہے۔

آغا خان کے دورۂ پاکستان کے موقع پر آتے جاتے ان کی اُن کے پورے دستے کی کوئی کسٹم چیکنگ نہیں ہوتی اور یوں بھی ہماری دولت آسمگل ہو جاتی ہے۔ نہ یہ کسی ملک کے سربراہ ہیں نہ کہیں کے سفیر پھر یہ پروٹوکول کیوں؟ ۹۹ فیصد یہ ایک کمسٹم آفیسر نے آغا خان کے سامان کی جانچ پڑتال کی کوشش کی تو آغا خان تیار نہیں ہوئے۔ انہوں نے وہیں سے دہلی میں ایرانی سفیر کو صورتِ حال سے باخبر کیا۔ ایرانی سفیر نے یہ کہہ کر مداخلت کی کہ آغا خان کو ایران سے "آغا خان" کا ٹائٹل ملا ہے لہٰذا انہیں شاہی خاندان کا فرد تصور کیا جائے اور جانچ پڑتال نہ کی جائے۔ اس طرح ان کی گلو خلاصی ہوئی۔ اب تو ایران میں بھی کوئی شہنشاہیت باقی نہیں۔ اب یہ رعایات کیا معنی رکھتی ہیں؟؟؟

اے کریم رحمٰن والا
صدیقی مسجد، بھٹکل ہوٹل۔ بمبئی بازار۔ اولڈ ٹاؤن کراچی

آغا خان کے بیش قیمت جواہرات کا نیلام

کراچی ایکسپریس رپورٹ الندن سے آمدہ ایک خبر کے مطابق کرسٹی نامی ایک مقامی ادارہ موجودہ آغا خان کے دادا آغا خان سوم کے جواہرات کی نیلامی کا اہتمام کر رہا ہے۔ مورخہ ۱۲ مئی کو جنیوا میں فروخت کیے جانے والے جواہرات کے اس ذخیرے کی خاص اشیاء میں آغا خان کی انتیاتی کی ساخت کا ایک ہیرا ہے جس کی مالیت ۵۰ ہزار پونڈ اسٹرلنگ ہے۔ ہیروں، مرتبوں اور زمرد سے مرصع کلاہ، جو پہلے سر تخامس پیچم کے پاس تھا اور پھر بیگم آغا خان کے پاس پہنچا، اس کی قیمت اندازاً ۲ لاکھ پونڈ ہے۔ ایک عدد یاقوت، زمرد اور رنگ سلیمانی کا کفگن اور ۴۲ انگوٹھیاں زائد از مرصع کا بروچ بھی شامل ہیں۔ یہ دونوں اشیاء منقش اور ۷۵ ہزار پونڈ مالیت کی ہیں۔ بیگم آغا خان مرحوم کی ہیرے کی چوڑیوں سے ۲۲ ہزار پونڈ اسٹرلنگ ملنے کی توقع ہے۔ لندن کے مقبول کے مطابق آغا خان کی یہ بے بہا دولت حیرت انگیز طور پر انسانی نوعیت کی لگتی ہے۔ آغا خان سوم کا عرصۂ حیات ۱۸۷۸ء تا ۱۹۵۷ء تھا۔ انہوں نے ایٹن اور کیمبرج میں تعلیم پائی اور اسمٰعیلی قوم کے روحانی رہنما کے طور پر معروف ہوئے۔ وہ ریس کے بادشاہ تھے اور پانچ مرتبہ ڈربی جیتے تھے۔ ان کی سالگرہ کے متعدد جشن قدیم ہندوستانی رسم و رواج کے مطابق ان کی قوم کی جانب سے سونے اور ہیروں میں تول کر منائے گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۴ء میں جب ان کا وزن ۲۵۰ پونڈ تھا، انہیں کھارچی میں پلاٹینم میں تولا گیا تھا۔

کرسٹی والوں نے اس سوال کا جواب دینے سے انکار کیا کہ ۱۹۵۷ء میں آغا خان کے انتقال کے بعد سے اب تک یہ تمام جواہرات کہاں رکھے گئے تھے البتہ انہوں نے بتایا کہ ان کی نیلامی سے حاصل ہونے والی تمام بھاری رقم بیلا ریو نائٹ نیشن کے پاس جائے گی جو دس سال قبل ترقی پذیر ممالک میں ماحولیاتی تحفظ کی ترقی کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس تمام پس منظر میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کی کئی ریاستوں سے زیادہ دولت مندی کے حامل ہونے کے باوجود آغا خان اور پاکستان میں مقرر کردہ ان کی آغا خان فاؤنڈیشن برطانیہ، امریکہ، کینیڈا اور اسکینڈے نیویا جیسے ممالک سے امداد کے نام پر کروڑوں ڈالر کی بھاری رقمیں ہر سال کیوں وصول کر رہی ہے؟ آخر وہ خود کو اس امداد کا مستحق کیوں بنائے ہوئے ہے؟

"جو علی کو خدا نہ مانے وہ کافر ہے" آغا خان

اسماعیلی برادری پر تکبیر میں شائع ہونے والے مواد کے بارے میں ایک پُرجوش اسماعیلی سے میز تکبیر کا مکالمہ

تکبیر میں کچھ عرصے سے اسمٰعیلی فرقے کے بنیادی عقائد اور ملک کے شمالی علاقوں میں ان کے سیاسی عزائم سے متعلق کچھ مضامین کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کا آغاز ایک لیٹر بم میں زیر سماعت اس مقدمے کی روداد سے ہوا تھا جس میں بعض آغا خانی مسلمانوں نے جماعت خانوں میں ادائیگی نماز کی اجازت کے لیے درخواست دی تھی اور آغا خان فاؤنڈیشن نے فریق مخالف کی حیثیت سے اس کی مخالفت کی تھی۔ یہ مقدمہ ہنوز زیر سماعت ہے اور عنقریب اس کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ اس کی سماعت کے دوران اس فرقے کی درسی کتب اور آغا خان کے فرامین و خطبات کے حوالے اسی مقدمے بھی تفصیل سے سامنے آئے اور پہلی بار منظر عام پر آئے، انہیں یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ یہ عقائد سریح کفر اور کھلے شرک پر مبنی ہیں۔

ہم بالعموم اقلیتوں مثلاً ہندوؤں اور عیسائیوں وغیرہ کے عقائد کو کبھی زیر بحث نہیں لاتے، یہ بحث زیادہ تر علمائے کرام اور ان کے زیر ادارت شائع ہونے والے دینی پرچوں تک محدود رہتی ہے۔ لیکن جب ایک فرقہ خود کو مسلمان کہتا ہو تو قرآن و سنت کی روشنی میں اس کے عقائد کا جائزہ ضروری ہو جاتا ہے اور جب وہ سیاسی عزائم بھی رکھتا ہو تو اس سے صرف نظر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آخر قادیانیوں سے ہمارا جھگڑا کیا تھا؟ اسلام کے دعوے کے ساتھ ختم نبوت سے انکار، مگر یہاں تو معاملہ اس سے آگے بڑھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر اور خدا کے وجود سے، جیسا کہ وہ ہے، انکار کی حد تک جا پہنچا ہے آغا خانیوں کے مسلمہ عقائد کی رو سے نعوذ باللہ حضرت علیؓ خدا ہیں، حاضر امام خدا کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے خود خدا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ کے مقرر کردہ پہلے پیر ہیں اور علیؓ ان کے خدا ہیں جن کی اطاعت ان پر واجب ہے، معراج میں بھی ان کی ملاقات جس خدا سے ہوئی تھی وہ حضرت علیؓ تھے۔ اب ہمیں کوئی بتائے کہ یہ عقائد کھلے کفر اور شرک کے سوا اور کیا ہیں؟ اس فرقہ کا دعویٰ اگر مسلمان ہونے کا نہ ہو تو ہم اسے نظر انداز کر سکتے ہیں لیکن اسلام کے دعوے کے ساتھ ان عقائد کا کھلا اظہار ایک مسلم معاشرے میں زیر بحث آئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عام لوگوں میں اور صوبائی حکومت سے لے کر مرکز کی اعلیٰ سطح تک ہم سے پوچھا جا رہا ہے کہ آخر تکبیر میں اس سلسلہ کی اشاعت کیوں جاری ہے اور کب تک جاری رہے گی؟ یہی سوال لیکر گزشتہ ماہ ایک اسمٰعیلی بھائی شرکت علمی پیرے دفتر تشریف لائے اور غامی و برہان سے گفتگو ہوتی رہی، ان سے جو مکالمہ ہوا اسے قارئین تکبیر کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ بھی ہماری نیت اور اصل محرکات سے باخبر ہو جائیں۔

"آپ ہمارے عقائد کیوں شائع کر رہے ہیں؟"

آپ کو شکایت کرنے کی بجائے ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم آپ سے کچھ لئے بغیر مفت میں آپ کے عقائد کی تشہیر کر رہے ہیں، ہر فرقہ اس بات کا خواہشمند ہوتا ہے کہ اس کے عقائد زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچیں اور ان کی تبلیغ ہو۔ کوئی بات غلط بھی ہو تو آپ اس کی تردید کر دیں کیونکہ ہم تو آپ کی درسی کتب ہی سے سب کچھ شائع کر رہے ہیں۔"

"ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے، آپ کچھ شائع نہ کریں، آخر آپ اس کی اشاعت کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟"

"اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ ایک طرف آپ کے ملک کے عام مسلمان، جن کے درمیان آپ زندگی بسر کرتے ہیں، آپ کے عقائد سے واقف ہو جائیں اور دوسری طرف ان ہزاروں اسمٰعیلی بھائیوں کی طرح، جو کافرانہ اور شرکانہ عقائد ترک کر کے اب قرآن و سنت کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں، آپ کے فرقے میں مزید کچھ لوگوں کو اسلام کی توفیق میسر آ جائے، ہر آپ کے خیر خواہ ہیں آپ کو گمراہی سے نکال کر حقیقی اسلام کی روشنی میں لانا چاہتے ہیں تاکہ آپ آخرت میں خدا کے غضب سے محفوظ ہو جائیں اور دنیا میں انسان کے آگے سجدہ کرنے کی ذلت سے بچ جائیں۔"

"آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں، ہم اسلام کو آپ لوگوں سے بہتر جانتے ہیں۔"

(Cont'd/....2)

Such people quote numerous "firmans" and "hadiths" to back their contentions such as the firman of Imam Agha Ali Shah of 1878:

"...I must make it clear that Ali is truly God. The doubtfuls are truly Kafirs."

To them, as to those who have ascribed divinity to Isaa ibn Mariam (PBUT), our answer is the Sura Al-Kafirun, verses 1-6 (109:1-6):

1. Say: "O you who deny the truth!
2. I do not worship that which you worship,
3. and neither do you worship that which I worship.
4. And I will not worship that which you have worshipped,
5. and neither will you worship that which I worship
6. Unto you, your moral law, and unto me, mine".

[translation as rendered by Muhammad Asad]

In conclusion, I pray to Allah (SWT) that He grant you strength as well as perseverance to spread His Word. I shall be indeed looking forward to hearing from you again.

Jazak allahu khairun.

Nizam Peerwani, M.D.

c.c.: 1. Senior Al-Waiz Abualy A. Aziz
2. Br. Mehboob Kamadia

NP/

اسلام کے دعوے کے ساتھ کفریہ عقائد کا کھلم کھلا اظہار مسلم معاشرے میں زیر بحث آئے بغیر نہیں رہتا

"آپ جب تک اسلام پر اصرار کرتے رہیں گے، ہم آپ کے کافرانہ اور مشرکانہ عقائد کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر آپ اسلام کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں تو مجھے اس کلمہ کے معنی سمجھائیے جس میں حضرت علیؑ کا کوئی ذکر نہیں۔"

"مکہ میں محمد رسول اللہ سے پہلے جس اللہ کا ذکر ہے وہ علیؑ ہی تو ہیں۔"

"تو کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ علیؑ سے کم ہے۔"

"ہاں، ہم یہی عقیدہ رکھتے ہیں، کیا آپ معراج کے واقعہ پر ایمان نہیں رکھتے؟ وہاں رسول اللہ کے استقبال کیلئے پردے کے پیچھے سے جو ہاتھ برآمد ہوا تھا وہ کس کا ہاتھ تھا۔ اس کی انگلی میں کس کی انگوٹھی تھی؟ یہ حضرت علیؑ کا ہی تو ہاتھ تھا اور انہی کی انگوٹھی اس کی ایک انگلی میں موجود تھی۔"

"یہ من گھڑت افسانہ قرآن کے بیان کردہ واقعہ معراج میں ہے نہ حضورؐ کی اپنی بیان کردہ روایات میں۔ آپ چونکہ علیؑ کو خدا سمجھتے ہیں، محمدؐ کو ان سے کمتر درجہ دیتے ہیں جبکہ حضرت علیؑ خود کو دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرح حضورؐ کی خاک پا کے برابر بھی نہیں سمجھتے اور اپنی تحریروں اور تقریروں میں یہ اعتراف کرتے ہیں کہ حضورؐ تشریف نہ لاتے تو یہ سب کفر و شرک کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے۔ ان سب کا ایمان اور مرتبہ حضورؐ کی نبوت کا صدقہ ہے آپ خدا اور رسولؐ دونوں کی اہانت کر رہے ہیں اس لئے براہ کرم میرے دفتر سے تشریف لیجائیے آپ سے اب کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی، آپ مہمان ہیں، میں آپ کو احترام سے رخصت کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کچھ مشتعل ہو کر، آپ اپنے پرچہ میں یہ سلسلہ بند کریں اور ہمارے علماء سے آکر مناظرہ کریں۔"

"علماء سے کہئے کہ ہمارے صفحات ان کی دلیلوں کیلئے حاضر ہیں، مناظرہ تکبیر میں کریں تاکہ ہزاروں لاکھوں افراد ان کی اور ہماری دلیلیں دیکھ کر کوئی فیصلہ کر سکیں، آپ کے علماء سے بند کمرے میں جو گفتگو ہو گی، اس سے عام لوگ محروم رہ جائیں گے، اپنے علماء تک میرا پیغام پہنچا دیجئے کہ تکبیر میں بحث و مناظرہ کر کے اپنے کفر و شرک کو "اسلام" ثابت کریں یا ہماری گزارشات پڑھ کر توبہ اور اصلاح کا راستہ اختیار کر کے توحید و سنت کے مطابق حقیقی اسلام قبول کریں اور اپنی دنیا و آخرت سنواریں۔ ہم آپ کے دشمن نہیں پوری دلسوزی، دردمندی اور خیر خواہی کے ساتھ آپ کی اصلاح چاہتے ہیں۔"

یہ گفتگو میرے دفتر کے متعدد ارکان کی موجودگی میں ہوئی جن میں سے کچھ جناب شوکت علی کا جارحانہ انداز اور حضورؐ کے لیے ان کے گستاخانہ لہجہ دیکھ کر سخت مشتعل بھی ہوئے لیکن میری ہدایت پر کوئی ان سے براہ راست نہیں الجھا اور انہیں عافیت و سلامتی کے ساتھ دفتر سے رخصت کر دیا گیا۔

اس براہ راست مذاکرہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسمٰعیلی حضرات کے عقائد سے متعلق عنوان کی اردو اور مستند کتابوں سے، جو کچھ تکبیر میں شائع کیا گیا ہے وہ کوئی منسوب کردہ یا محض الزامات پر مبنی مواد نہیں ہے بلکہ اصل اور حقیقی صورتحال کا آئینہ دار ہے، اس کی مزید تصدیق و توثیق کے لیے ہم آغا علی شاہ کے فرمان مورخہ ۱۹۸۵ء کا عکس شائع کر رہے ہیں جو اسمٰعیلی اسی فرقہ کے ایک سابق سخی اور اب اصلاح یافتہ مسلمان جناب اکبر علی مہر علی نے کینیڈا سے ارسال کیا ہے اور ڈاکٹر نظام پیرانی نے جو خود بھی دعوت اصلاح یافتہ مسلمان ہیں بلکہ اب دن رات اپنے سابق فرقہ میں اور غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کیلئے سرگرم عمل ہیں، انہیں ٹیکسا س سے ارسال کردہ ایک خط میں بطور حوالہ پیش کیا ہے۔ آغا خان کے اس فرمان اور جناب شوکت علی سے براہ راست گفتگو کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ اسمٰعیلی حضرات حضرت علیؓ کو نعوذ باللہ خدا سمجھتے ہیں جو مسیح کفر ہے اور محمدؐ کو وہ علیؓ کا مامور کردہ پیغامبر قرار دیتے ہیں اور ان کا متبع سمجھتے ہیں جو نبوت کا انکار ہی نہیں اس کی اہانت بھی ہے۔ موجودہ اور سابقہ آغا خان چونکہ علیؓ کے اور بالفاظ دیگر خدا کے بیٹے ہیں اس لئے وہ نبی سے برتر ہیں قرآن چونکہ علیؓ نے محمدؐ کو دیا تھا اس لئے وہ آغا خان کے گھر کی کتاب ہے وہ چاہیں اسے منسوخ کر دیں، چاہیں معطل یا مختصر کر دیں، وہ اس سے بالاتر ہیں، ان کا فرمان ہی "کلام الٰہی" ہے۔ قرآن ان کا تابع ہے، وہ اس کے تابع نہیں۔

ان عقائد کی روشنی میں دیکھا جائے تو اسمٰعیلی حضرات عیسائیوں سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ وہ تو حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں مگر یہ حضرت علیؓ کو براہ راست خدا مانتے ہیں، وہاں بیٹے کا درجہ بہر حال باپ سے کم ہے مگر یہاں ہر امام یعنی آغا خان اپنے باپ علی کی طرح خود بھی خدا ہے اور معبود و مسجود ہے۔

ہم اپنے آغا خانی بھائیوں کے لیے امن و سلامتی کے خواہاں ہیں، اس لئے ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ حقیقی اسلام کی روشنی میں اپنے عقائد کا جائزہ لیں، اپنی اصلاح کی فکر کریں یا پھر ترک اسلام کا واضح اعلان کر کے اپنا نام کچھ اور رکھ لیں تاکہ ان کے بنیادی عقائد مسلمانوں میں متنازعہ نہ رہیں۔

گلگت و چترال میں تکبیر کے خلاف انتظامیہ کی مہم

کراچی (اسٹاف رپورٹر) گلگت چترال میں مملکت پاکستان کی سالمیت کے خلاف آماجگاہ [illegible] نیشنل افیئرز اور منصوبوں کے انکشافات کے بعد، جو دو ماہ قبل تکبیر نے اپنی ایک خصوصی رپورٹ میں شائع کیے تھے۔ ان دو علاقوں کی انتظامیہ نے اسمٰعیلی فرقہ کے آغا خانی کارندے بن کر وہاں ہفت روزہ تکبیر کی ترسیل اور فروخت جبراً بند کرنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ اس بارے میں تکبیر کے ایجنٹ نے دفتر تکبیر کو مقامی انتظامیہ کی ان ناپسندیدہ سرگرمیوں سے مطلع کرتے ہوئے بتایا کہ مقامی پولیس اسے تنگ کر رہی ہے اور سرکاری انتظامیہ کے اہلکار تکبیر کی فروخت سے روکنے کے لیے اس پر مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:
حلال روزی حاصل کرو اور
حرام روزی سے قریب نہ جاؤ۔

السلام علیکم کہئے! دوستی کا راستہ ہموار ہونے پر دلوں کو جیت لیجئے۔

ننھے علی پر مسیحاؤں کی مشقِ ستم

کراچی کے اسپتالوں میں بین الاقوامی شہرت یافتہ معالجوں کے ہاتھوں ذہنی طور پر معذور اور سماعت و بصارت سے محروم ہو جانے والے معصوم بچے کی المناک داستان

ننھا علی ابھی ۸ ماہ کا ہوا تھا کہ اسے ایک شدید بیماری نے گھیر لیا۔ دو راتوں کو مسلسل رونا رہتا، لیکن والدین کی سمجھ میں اس کا مرض نہ آیا۔ ایک دن ماں نے غور کیا، تو پتہ چلا کہ بچہ ایک ہی کروٹ سوتا ہے اور دن بھر روتا رہتا ہے۔ ایک ایل پیتھ ڈاکٹر کے مشورے پر اسے صفری بائی اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ بچے کو ڈرپس کے چھلکے لگتے تھے۔ دو ہفتوں کے مسلسل علاج کے باوجود مرض میں کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ایک دن ڈاکٹروں نے بچے کو خون کی بوتل چڑھانے کا مشورہ دیا۔ بچے کے والدین یہ سن کر پریشان ہو گئے اور اسے دوسرے اسپتال لے جانے کے لیے ضد کرنے لگے۔ ڈیوٹی پر موجود ایک خاتون ڈاکٹر نے کہا کہ دوسرے اسپتالوں میں بھی اس کا ایسا ہی علاج ہوگا۔ بعد میں ایک ایمبولینس میں بچے کو آغا خان اسپتال لے گئے جس ایمبولینس میں بچے کو لے جایا گیا، اس میں آکسیجن کی سہولت تھی، نہ لائٹ کا معقول انتظام۔

بچے کے والد محمد اسلم کے مطابق، آغا خان اسپتال میں بچے کا نئے سرے سے معائنہ کیا گیا اور اسے ایمرجنسی وارڈ میں ایک طرف رکھ دیا گیا۔ میں بھی ڈرتے ڈرتے اندر گیا، تو ڈاکٹر نے میری طرف دیکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا: "ابھی آیا"۔ جب میرے بچے کی بریلف ہسٹری لی گئی، تو اس کے تفتیقی ایکسرے، جس میں سی آئی اسکیننگ بھی شامل ہے، لیے گئے۔ اس قسم کے ایک ایکسرے کا ڈھائی ہزار روپے چارج کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بچے کو پھر لیوس کے چھلکے لگنے لگے۔ یہاں تک کہ بچہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ایک موقع پر تو بچے کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اس اسپتال کے ایک ڈاکٹر سلیم نے کہا کہ بچہ گردن توڑ بخار کا شکار ہوا ہے اور صفری بائی والے بھی یہی علاج کرتے رہے، لیکن یہ بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی کہ اس مرض کا حملہ کیا ہوا کیونکہ اس مرض کے وائرس بہت تیزی سے دماغ میں سرایت کرتے ہیں۔ سی ٹی اسکین کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ دماغ کی جھلی ورم آ گئی ہے۔ ڈاکٹر سلیم نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ہم [illegible] ڈاکٹر [illegible] کے صاحبزادے، ڈاکٹر رشید حمد کو طلب کر لیا ہے۔ ڈاکٹر رشید حمد نے خدشہ ظاہر کیا کہ بچہ کی دائیں آنکھ ضائع ہو گئی ہے اور جب تک بخار کم نہیں ہو جاتا، اس وقت تک دماغ کا علاج ممکن نہیں ہے۔ بچہ وہاں پر امریکہ کی سندیافتہ ڈاکٹر شہلا نقوی، ڈاکٹر عارف اور ڈاکٹر ممتاز لاکھانی کے زیر علاج بھی رہا۔

ایک دن ڈاکٹر ممتاز لاکھانی نے کہا کہ بچہ دماغی طور پر مفلوج ہو گیا ہے، جبکہ ڈاکٹر حمد کے مطابق، اس کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی ہے۔ فیڈرس کے جھٹکوں نے اس بچے کے دماغ پر بہت برے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کو صحیح ہونے میں ایک عرصہ درکار ہوگا۔ ایک رات بچے کو پھر فیڈرس کے جھٹکے لگے۔ اس وقت اس کی حالت

رپورٹ: شاہد حسین

پاس موجود تھی، جسے اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ جھٹکے کس قسم کے ہیں۔ ڈیوٹی پر موجود ایک ہاؤس جاب پر امور ڈاکٹر بھی، ان جھٹکوں کو نہ سمجھ سکا اور نہ ہی اس نے کسی سینئر ڈاکٹر سے رابطہ کی اس نازک حالت کے سلسلے میں رابطہ قائم کیا۔ دوسری صبح جب ڈاکٹر ممتاز لاکھانی سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے بتایا کہ "ہمیں خود بھی تشویش ہے کہ جب بچے کا بخار نارمل ہو گیا تھا، تو دوبارہ اس پر حملہ کیوں ہوا"۔ ۲۵ دنوں تک بچہ اس اسپتال میں زیر علاج رہا، جس کا بل ۴۰ ہزار روپے ادا کیا گیا، لیکن اس کے باوجود مرض میں کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ مرض بخار کنٹرول ہوا۔

بچے کے دماغ پر جو اثرات مرتب ہوئے تھے، اس کے پیش نظر میں نے آغا خان اسپتال کے ڈاکٹروں سے کہا کہ کیوں نہ عالمی شہرت یافتہ ڈاکٹر بھٹی سے اس سلسلے میں مشورہ کر لیا جائے، تو انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر بھٹی جہاز پینل میں نہیں ہیں، لیکن ہم کاغذات آپ کے حوالے نہیں کر سکتے۔ ان کے اس جواب سے مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ آغا خان اسپتال میں بچے کا ایک بازو ضائع ہو گیا تھا اور مزید یہ کہ فزیو تھراپی کے لیے روزانہ جانا بھی پڑتا تھا۔ ڈاکٹر بھٹی سے رجوع کیا گیا، تو انہوں نے تمام رپورٹیں منگوائیں، جن میں اس اسپتال میں کیے گئے علاج کی تفصیل، سی ٹی اسکیننگ اور ڈسچارج کے وقت کی رپورٹ بھی شامل تھی۔ بھٹی صاحب نے ان رپورٹوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ بچے کے دماغ میں کیریٹی (AVATY) بڑھ گئی ہے۔ جب آپ نے بچے کو اسپتال میں داخل کیا تھا، اس وقت اتنا گیپ نہیں تھا۔ یہ گیپ اسپتال میں دورانِ علاج بڑھا ہے۔ اسپتال والوں نے سوائے بخار نارمل کرنے کے، دماغی علاج پر کوئی توجہ نہیں دی۔ بھٹی صاحب نے آپریشن کا مشورہ دیا، چنانچہ لیاقت میڈیکل اسپتال میں آپریشن طے پایا۔ انہوں نے آپریشن کی کامیابی کے بارے میں کوئی حتمی بات بتانے سے گریز کیا۔

ڈاکٹر صاحب سے جتنی بات کی جاتی، اتنا ہی جواب ملتا۔ لگتا تھا، ایک ایک لمحہ کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ جب آپریشن کا دن آیا، تو اسے ملتوی کر دیا گیا۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ بچے کے دماغ سے معدہ میں ایک ٹیوب اتارنی ہے اور آپریشن اس لیے ملتوی کرنا پڑا کہ دریافت یہ کرنا ہے کہ ٹیوب پاکستانی نگوانی ہے یا جاپانی! انہوں نے جاپانی ٹیوب کا مشورہ دیا، جس کی قیمت تقریباً دس ہزار روپے ہے۔ بہرحال دوسرے دن آپریشن ہوا۔ آپریشن کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بچے کا سرسری سا معائنہ کیا اور سسٹر کو جلدی جلدی ہدایت دے کر چلتے بنے۔ ڈاکٹر صاحب کے اس رویے

سے بھیں بڑی مایوسی ہوئی اور ہم بچے کو گھر لے آئے۔ بعد میں آغا خان اسپتال کے ڈاکٹر سلیم کو، ان باتوں سے آگاہ کیا۔ تو انہوں نے ساری باتوں کا اعتراف کیا اور کہا کہ دراصل ہم لوگ ڈاکٹر رشید محمد کی ہدایات پر عمل کر رہے تھے۔ اس لیے مجبور تھے، تاہم ڈاکٹر بھٹی کو یہ نہیں کرنا چاہیئے تھا، کیوں کہ ان کے پاس بڑے بڑے کیس جو ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ بچے کے مرض کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ نلکی لگانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، سوائے اس کے کہ دماغ میں پانی کا مزید پریشر نہیں بڑھے گا۔

۲۴ فروری ۱۹۸۸ء کو بچے کو دوبارہ لیاقت نیشنل اسپتال میں داخل کیا گیا۔ مہ دن پہلے ڈاکٹر بھٹی نے اس کے دماغ سے متعلق میں جو نلکی اُتاری تھی (جسے طبی اصطلاح میں شنٹ (SHUNT) لگانا کہتے ہیں) اس کی وجہ سے دماغ میں پانی کا دباؤ بڑھ جاتا تھا۔ آپریشن کے بعد اس کی طبیعت اور زیادہ خراب ہو گئی، ہاتھ ہلکا ہلکا بنا رہنے لگا، نظام ہاضمہ خراب ہو گیا اور جسم اکڑ گیا، جس کی وجہ سے ڈرپ لگاتے ہوئے دشواری پیش آ رہی تھی۔ بار بار ڈرپ بند ہو جاتی۔ ڈاکٹرز اور نرسیں بچے پر لمحے آزمائی کرتے رہے۔ بچے کا جسم بار بار سوئیاں چبھونے سے چھلنی ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر بھٹی کے اسی سلسلے میں بتایا گیا، تو انہوں نے حیرت کا اظہار [illegible] کہ یہ کیسے ہو گیا، میں نے تو نلکی بھی جاپان کی بنی ہوئی [illegible] ڈاکٹر صاحب نے دوبارہ سی ٹی اسکیننگ [illegible] اسپتال کے دو سینئر ڈاکٹرز احمد اور رام آر [illegible] ڈاکٹر فرید امین نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ڈاکٹر بھٹی نے آپریشن کے بعد درمیان میں بچے کا سکیچ مواد نکال کر دیکھا تھا۔ میں نے نفی میں جواب دیا، تو انہوں نے کہا کہ مریض کے دماغ سے مواد میں جو نلکی بذریعہ آپریشن اتاری گئی تھی، اس میں انفیکشن ہو گیا ہے۔

اگلے دن پھر بچے کا سی ٹی اسکیننگ کیا گیا، جس کی رپورٹ میں ڈاکٹر بھٹی صاحب کے پاس لے گیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ یہ بچے کی رپورٹ ہے، تو انہوں نے پوچھا کہ کون سا بچہ؟ اور جب یاد آیا، تو کہنے لگے کہ نلکی تو لگی کام نہیں کر رہی، اس کو نکالنا پڑے گا، بلکہ تبدیل کرنا پڑے گا۔ میں نے پوچھا کہ کیا وہی پروسس ہو گا، تو انہوں نے بتایا کہ نہ صرف وہی، بلکہ اس سے بھی پیچیدہ۔ یہ سن کر میں اندر ہی اندر جل اٹھا اور دل میں آیا کہ ان سے پوچھیں کہ اگر مرض میں کوئی افاقہ نہیں ہو رہا تھا، تو پھر آپریشن کا سوانگ کیوں رچایا گیا؟ بچے کو اتنی اذیت کیوں دی گئی اور اسے تختۂ مشق کیوں بنایا گیا؟ یہاں پر یہ بتاتا چلوں کہ بھٹی صاحب نے جو آپریشن کیا، اس پر ۱۷ ہزار روپے خرچ ہوئے تھے، جبکہ آغا خان اسپتال میں تقریباً ۵ ہزار روپے کے اخراجات اٹھ سکتے تھے۔

یکم مارچ ۱۹۸۸ء کو بچے کی والدہ سے اس کی تحریت دریافت کی گئی، تو اس نے مبہم زبان میں کہا کہ ٹھیک ہے۔ لیکن جب نے نلکی نکالی ہے سر سے پانی رس رہا ہے۔ بچے کا سر پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا اور پٹیاں گیلی ہو رہی تھیں۔ بچے کی والدہ نے شاکی انداز میں کہا کہ آج ڈاکٹر نے دوبارہ پٹی کرنے کے لیے کہا تھا، لیکن شام ہونے کو آئی، کوئی بھی نہیں آیا۔ یہ ہمارا وارڈ بوائے کے بس کا نہیں ہے ورنہ اب سے

پتی کر الیتی۔ علی کی والدہ کی یہ گفتگو اس کی لاعلمی کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیونکہ انفیکشن ہونے کے بعد سے وہ بچے کو تھیٹر میں لے جاتے اور پٹی کر کے دے جاتے اور مرض کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے تھے۔

علی کے والدین ڈاکٹروں سے اب بھی بہت سی امیدیں وابستہ کیے بیٹھے تھے۔ وہ اس حقیقت سے لاعلم ہیں کہ ان کا معصوم بچہ اب کبھی بھی دماغی طور پر صحت مند نہ ہو سکے گا اور ذہنی و دماغی معذوری کے ساتھ ساتھ وہ قوت سماعت و بصارت بھی کھو چکا ہے۔

صفحہ ۵۶ کا باقی حصہ

بنات النبیؐ کی مسلّمہ تعداد کو متنازعہ بنا کر کوئی فتنہ کھڑا نہ کیا جائے

عثمانؓ کو حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کے لیے چھوڑ گئے اور فرمایا کہ تمہیں ہر غازی کے برابر ثواب اور حصہ ملے گا، ہر بدر میں شریک ہو گا (بخاری شریف) ۱۷ رمضان المبارک کو غزوۂ بدر ہوا اور جس روز حضرت زیدؓ بن حارثہ فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ پہنچے، اسی روز حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا۔

حضرت ام کلثومؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کی ولادت سنہ قبل بعثت میں ہوئی۔ حضرت فاطمہؓ سے بڑی اور حضرت رقیہؓ سے چھوٹی تھیں۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا پہلا نکاح ابولہب اور ام جمیل کے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا، لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ سورۂ "لہب" کے نازل ہونے پر ابولہب کے کہنے پر عتیبہ نے آپ کو طلاق دے دی۔ آپؓ نے حضرت سودہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے ساتھ مکے سے مدینہ ہجرت کی۔ اپنی بڑی ہمشیر حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد ۳ھ میں آپ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا۔ اسی لیے آپ ذوالنورین کہلاتے ہیں۔ نکاح کے وقت آپ کی عمر انیس سال تھی۔ شادی کے ساڑھے چھ سال بعد وفات پائی۔ آنحضورؐ کو آپ کی وفات پر بے حد صدمہ ہوا۔ نماز جنازہ حضورؐ ہی نے پڑھائی۔ آپ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔

حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرتؐ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ آپؓ کو ان سے بے حد محبت تھی۔ ان کی پیدائش بقول ابن جوزی نبوت سے پانچ برس پہلے ہوئی اور نکاح پندرہ برس پانچ مہینے کی عمر میں حضرت علیؓ سے، غزوۂ احد کے بعد ہوا۔ فاطمہؓ انہیں اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو اور ان کی اولاد کو آتش دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔ بدارج النبوۃ میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ جب فاطمہؓ تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور ہاتھ پکڑ کر آپؓ کی جبیں کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ کے پاس آنحضرتؐ تشریف لے جاتے، تو وہ تعظیم کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور استقبال کر کے آنحضرتؐ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔ ذاکیہ، راضیہ اور بتول حضرت سیدہؓ کے القاب ہیں۔ آپؓ اپنی بہجت اور نورانیت و فیضہ کی وجہ سے زہراؓ کہلاتی تھیں۔ آپؓ کو بتول اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ آپؓ دنیا سے کلیتہً منقطع تھیں۔ نکاح کے لیے جب حضرت علیؓ نے درخواست کی تو آپ نے خوش آمدید کہا اور حضرت فاطمہؓ سے ذکر کیا تو آپ خاموش رہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں، گھوڑا اور زرہ ہے فرمایا گھوڑا جہاد کے لیے ضروری ہے زرہ کو بیچ دو۔ انہوں نے ۴۸۰ درہم کے عوض زرہ فروخت کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے خرید کر زرہ پھر حضرت علیؓ کو واپس کر دی۔ آنحضرتؐ نے درہم اپنے پاس رکھے اور کچھ درہم حضرت بلالؓ کو دیے۔ کہا اس کی خرشبو خرید لاؤ اور اہل بیت سے ارشاد فرمایا فاطمہؓ کا سامان تیار کرو۔ چنانچہ ایک چارپائی، بانی، ایک قوچ،

باقی صفحہ نمبر ۴۴ پر

حضورؐ کی صاحبزادیاں ایک یا چار

قرآن میں بنات کا لفظ اسی سوال کا محکم جواب ہے

روزنامہ جنگ میں یوم شہادت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ بمورخہ ۸ مئی ۱۹۸۸ء کو پروفیسر علی رضا شاہ نقوی کا ایک مضمون "عدیل مرتضوی کی مثال تاریخ عالم میں ملنا مشکل ہے" کے عنوان سے شائع ہوا جس میں موصوف نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "اکلوتی" صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو بتایا ہے۔ پروفیسر مذکور کی اسلامی تاریخ اور کتب سیرت سے اس قدر لاعلمی کی کیفیت پر شدید حیرت ہوئی۔ چند ہی روز بعد ۱۳ مئی ۱۹۸۸ء کے جسارت میں جناب مفتی محمد حسام اللہ شریفی "شیر دفاقی شریعہ عدالت حکومت پاکستان کا ایک مختصر وضاحتی مراسلہ "ایک بیٹی یا چار بیٹیاں" نظر سے گزرا۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ علمائے کرام میں سے اصحاب توفیق اس انتہائی اہم مسئلے پر اظہار خیال کر کے خاندان رسالتؐ کے بارے میں پھیلائے جانے والی اس بے بنیاد غلط فہمی کی تصحیح فرمائیں گے تاکہ عاشقانِ مسلمین کا ذہن اولاد رسول اکرمؐ کے مسئلے میں صاف رہے۔ چند ہی دن بعد ۱۷ مئی ۸۸ء کے روزنامہ جنگ میں علامہ رضی مجتہد کا ایک اور مراسلہ نظر سے گزرا جس میں موصوف نے پروفیسر علی رضا شاہ نقوی کی تائید فرماتے ہوئے بات کو سیرت نگاروں کا اختلافی مسئلہ باور کراتے ہوئے فرمایا کہ حضورؐ کی ایک ہی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ از سر اقتیں اور دوسری صاحبزادیوں کی آپ نے تربیت فرمائی تھی اور وہ حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ کے خاندان کے کسی اور فرد کی اولاد تھیں لیکن حضورؐ ان کو اپنی بیٹیوں کی طرح ہی سمجھتے تھے۔ مزید چند دن بعد لے کر فرمایا کہ چونکہ اکثر سیرت نگار حضرات میں اختلاف تھا، اس لئے اس مسئلے پر بحث کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ یہ دیگر صاحبزادیاں بھی تمام عالم کے لئے انتہائی محترم ہیں۔ پروفیسر علی رضا نقوی کی تحریر کو تو ہم عدم واقفیت کے کھاتے میں ڈال کر صبر بھی کر لیتے مگر علامہ رضی مجتہد صاحب جو ہمارے نزدیک ایک نہایت متوازن ذہن کے مالک اور اسلامی تاریخ و ادب کے مسلم استاد سمجھے جاتے ہیں، ان کی اس نئی اور لایعنی وضاحت پر سخت تعجب ہوا اور دل کو سخت تکلیف پہنچی۔ کیا علامہ رضی نے سورۂ احزاب کی آیت ۵۹ کا مطالعہ نہیں کیا۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے یا ایھا النبی قل لازواجک وبنٰتک — اے نبیؐ اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے کہہ دو۔ کیا یہ الفاظ صاف ظاہر نہیں کر رہے کہ حضورؐ کی ایک نہیں کئی بیٹیاں تھیں — یہ وضاحت تاریخ و سیرت کی تقریباً تمام کتب میں بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے علاوہ ازواج

محمد نعیم عارفی

مطہرات میں سے کسی سے بھی آپؐ کی کوئی صلبی اولاد نہ تھی۔ ظاہر ہے یہ بیٹیاں جن کی شہادت خود قرآن دے رہا ہے، حضرت خدیجہؓ کے علاوہ اور کسی کے بطن سے نہیں ہو سکتیں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ لوگ رسول اکرمؐ کے نسب تک سے انکار کر بیٹھتے ہیں

تمام مستند سیرت نگار اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضورؐ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ حضورؐ کے قدیم ترین سیرت نگار محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ "ابراہیم کے سوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے تھی اور ناسولہ کی ترتیب انہوں نے یہ گنوائی ہے۔ ۱۔ قاسمؓ ۲۔ طاہر رطیب (ابن القیم نے زاد المعاد میں، سہیلی نے روض الانف میں اور ابن قتیبہ نے المعارف میں لکھا ہے کہ طاہر و طیب دو الگ بچے نہ تھے، بلکہ یہ حضرت عبداللہ بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب تھے ماخوذ از سیرت سرور عالمؐ ج ۲ ص ۱۱۵) ۳۔ زینبؓ ۴۔ رقیہؓ ۵۔ ام کلثومؓ ۶۔ فاطمہؓ (سیرت ابن ہشام، جلد اول صد ۲۰۲)

مشہور ماہر علم الانساب ہشام بن محمد بن السائب کلبی نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ "مکہ میں قبل از نبوت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سب سے پہلے قاسمؓ پیدا ہوئے، پھر زینبؓ، پھر رقیہؓ، پھر فاطمہؓ، پھر ام کلثومؓ اور نبوت کے بعد عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ ان نبی کو طیب اور طاہر بھی کہا گیا۔ ان سب کی والدہ حضرت خدیجہؓ تھیں (طبقات ابن سعد جلد اول صد ۱۳۳) ابن حزم نے جوامع السیرۃ میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضورؐ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سب سے بڑی حضرت زینبؓ، ان سے چھوٹی رقیہؓ، ان سے چھوٹی فاطمہؓ اور ان سے چھوٹی ام کلثومؓ (صد ۳۸ تا صد ۴۰) طبری، ابن سعد، ابو جعفر محمد بن حبیب اور ابن عبدالبر وغیرہ اور ان کے علاوہ متعدد مؤلفین کتب السیرت و تاریخ نے مستند حوالوں سے رسول اکرمؐ کی صاحبزادیوں کی تعداد چار لکھی ہے۔ بعض کتب میں ان کی تقدیم و تاخیر ہے جو اتنی قابل ذکر نہیں مگر حضورؐ کی صاحبزادیاں چار تھیں۔ پھر سنی حضرات کے علاوہ اہل تشیع بھی حضورؐ کی چار ہی صاحبزادیاں مانتے ہیں۔

اہل تشیع کی حدیث اور تاریخی کتب کے چند مستند امہات الکتب کے حوالے بھی ہم دے رہے ہیں جن سے حضورؐ کی چار صاحبزادیاں ثابت ہیں، جو یہ ہیں۔ ۱۔ کافی ۲۔ تہذیب الاحکام ۳۔ من لایحضرہ الفقیہ ۴۔ استبصار ۵۔ فروع کافی جلد اول صد ۲۴۱ مطبوعہ ایران ۶۔ حیات القلوب جلد ۲ باب ۵ صد ۸۲ اور ۵۵۹۔ ۷۔ منتہی الامال از شیخ عباس تمی شیعہ مجتہد طبع جدید مطبع تبریز جلد اول صفحات ۱۰۸، ۱۰۹، ۸۔ ترجمہ زینب البلاغہ مطبوعہ لاہور جلد دوم ترجمہ مفتی جعفر حسین صد ۱۰۰۶ ۹۔ رجال کشی مطبوعہ مصطفوی بمبئی مصنفہ علامہ کشی صد ۲۴۱ ۱۰۔ تفسیر خلاصۃ المنہج تالیف ملا فتح

صفحہ نمبر ۴۳ پر

مطبوعہ تہران، ملا فتح اللہ کاشانی ص ۵۲۲ و تفسیر سورۂ احزاب ۱۱۔ مرآۃ العقول، شرح الاصول و الفروع جلد اوّل ص ۳۵۲ ۱۲۔ جلاء العیون، ملا باقر مجلسی ص ۱۱۲، ۱۳۔ منتخب التواریخ مصنفہ حاجی محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی مطبوعہ تہران ص ۲۳۔ ۱۴۔ مجالس المومنین مطبوعہ تہران از قاضی نور اللہ شوستری۔

ہم نے اہلِ سنت کے حوالوں کے ساتھ ہی مقابلے میں اہلِ تشیع کی کتب کے حوالے وضاحت کے ساتھ اس لیئے دیئے ہیں کہ پروفیسر علی رضا شاہ نقوی اور علامہ رضی مجتہد گلگتی اہلِ سنت کی کتب سے صرفِ نظر کریں اور حجت نہ بھی مانیں تو بہرحال اکابر اہلِ تشیع کی کتب ہی ان کی تشفی کے لئے کافی ہو سکتی ہیں۔ اب ہم مختصراً بناتِ رسولؐ کے کوائف بھی درج کئے دیتے ہیں جو تاریخ و سیرت کی مستند کتب سے ماخوذ ہیں۔

حضرت زینبؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

یہ حضورؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ بعثتِ نبوی سے دس سال قبل دنیا میں تشریف لائیں۔ شادی ابو العاص بن ربیع سے ہوئی تھی جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے۔ رسول اللہؐ کی مدینے ہجرت کے وقت ان کے شوہر مسلمان نہیں تھے اور وہ طائف میں مقیم تھیں۔ ابو العاص نے کفارِ قریش کی طرف سے غزوۂ بدر میں شرکت کی اور گرفتار ہوئے۔ اسیرانِ جنگ کے لئے فدیہ کی رقم چار چار ہزار درہم فی کس مقرر کی گئی تھی۔ ابو العاص کے پاس اس وقت دینے کو کچھ نہ تھا چنانچہ دخترِ رسولؐ سے (جو ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں مقیم تھیں) کہلا بھیجا گیا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں تو آزاد کر دیئے جائیں گے۔ جب حضرت زینبؓ کا نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں انہیں اپنا ایک بہت قیمتی ہار دیا تھا حضرت زینبؓ نے فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ہار دیکھا تو پچیس برس پہلے کے محبت انگیز واقعات یاد آ گئے، حضرت خدیجہؓ کی وفا اور ان کی رفاقت یاد آئی بے اختیار رو پڑے، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں، رقت انگیز آواز میں صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو۔ لوگ آبدیدہ ہو گئے، گردنیں جھک گئیں اور وہ ہار بصد احترام و حفاظت واپس مکہ بھیج دیا گیا۔ (تاریخ طبری صفحہ ۱۳۴۸)

ابو العاص جب رہا ہو کر مکہ واپس آئے تو حضرت زینبؓ کو کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ہمراہ مدینہ روانہ کر دیا۔ ذی طوی کے مقام پر پہنچے تو قریش نے تعاقب کیا اور حضرت زینبؓ کو نیزے سے زمین پر گرا دیا۔ ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ ابو سفیان نے کہا، تم علانیہ رسول اللہؐ کی بیٹی کو ہمارے قبضے سے نکال کر نہیں لے جا سکتے۔ جب شور و ہنگامہ کم ہو گیا تو خاموشی سے لے جانا۔ کنانہ حضرت زینبؓ کو لے کر واپس مکہ لوٹ آئے۔ پھر کچھ دن کے بعد رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو پہلے ہی بھیج دیا تھا۔ کنانہ نے زینبؓ کو انہی کے حوالے کیا اور وہ زینبؓ کو مدینہ لے گئے۔ (از زرقانی) ۸ھ میں ابو العاص سریہ عیص میں ۱۷۰ سرخ بار گرفتار ہوئے۔ حضرت زینبؓ کی سفارش پر پھر رہا کیے گئے۔ ابو العاص ۷ھ میں مسلمان ہوئے۔ ابو العاص کا شمار بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ شام سے سامانِ تجارت لے کر واپس آ رہے تھے کہ مسلمان دستوں نے ان کو مع مال اسباب گرفتار کر لیا۔ اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہو گیا۔ یہ چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے انہوں نے پناہ دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا "اگر مناسب سمجھو تو ابو العاص کا سامان واپس کر دو" پھر تسلیم کی گردنیں جھک گئیں اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگہ لا کر واپس کر دیا (سیرۃ النبی جلد اوّل ص ۴۶۷) یہ واحد ایسا نہ تھا جو خالی جاتا ابو العاص مکہ واپس آئے اور اپنے تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولتِ ایمانی سے مشرف ہوئے اور فرمایا کہ میں اس لئے یہاں آیا اور حساب سمجھا کر جا رہا ہوں تاکہ اہلِ مکہ یہ نہ کہیں کہ ابو العاص ہمارا روپیہ کھا کر نقاشے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا پھر مدینہ واپس آئے تو حضرت زینبؓ سے ان کی دوبارہ شادی ہوئی۔ حضرت زینبؓ کا انتقال ۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا حضرت ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام عطیہؓ نے غسل دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی ان کے دو بیٹے تھے علی اور امامہ علی کمسنی میں فوت ہو گئے تھے۔ امامہ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں۔ (بحوالہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا)

حضرت رقیہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرتؐ کی دوسری صاحبزادی اور تیسری اولاد تھیں۔ ہجرتِ مدینہ سے ۹ سال پہلے مکہ مکرمہ میں اپنی عظیم والدہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے مکان میں پیدا ہوئیں۔ رسالت کے پہلے دن ہی مسلمان ہو گئیں آنحضرتؐ کے چچا ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے نکاح ہوا جس کی ماں ام جمیل، ابو سفیان کی بہن تھی۔ اسلام سے بغض رکھنے میں ابو لہب اور ام جمیل پیش پیش تھے۔ ابو لہب حضورؐ کا بے حد قریبی پڑوسی بھی تھا۔ بعثت کے تین سال بعد جب اعلانِ دعوت کا حکم آیا تو آپؐ نے قریش کو جمع کر کے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر تبلیغ فرمائی۔ ابو لہب نے سخت مخالفت کی۔ اسی پر سورۂ "تبت" نازل ہوئی۔ اس سورت کے نزول پر ابو لہب اور حمالۃ الحطب (ام جمیل) نے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا تم محمدؐ کی بیٹی کو چھوڑ دو۔ آنحضرتؐ کی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ عتبہ ابن ابی لہب کی منکوحہ تھیں دونوں بہنوں کو طلاق دے دی گئی۔ ابن ہشام اور استیعاب دونوں نے لکھا ہے کہ طلاق اس وقت ہوئی جب جہاز اور بھتیجے (آنحضرتؐ) کے درمیان کشیدگی بے حد بڑھ گئی تھی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ صاحبزادیاں ازدواجی تعلقات سے پیشتر ہی علیحدہ ہو گئی تھیں حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے سن ۳ بعثت میں ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ کم سنی ہی میں، ہجرتِ حبشہ کا واقعہ پیش آیا۔ سنہ ۵ بعثت میں جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا، تو حضرت رقیہؓ حبشہ ہی میں تھیں۔ سنہ ۶ بعثت میں ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام آنحضرتؐ نے عبد اللہ رکھا۔ انہی کے نام پر حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے سنہ ۶ بعثت میں حضرت رقیہؓ حبشہ سے مکہ واپس آئیں۔ حضرت عثمانؓ تنہا ہجرتِ نبوی سے مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ حضرت رقیہؓ آنحضرتؐ کی ہجرت کے بعد مدینہ پہنچیں۔ (ابن سعد) آنحضرتؐ کی اولاد میں صرف حضرت رقیہؓ کو دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا تھا۔ مالدار ہونے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ بہترین زندگی گزارتے تھے۔ گیارہ سالہ رفاقت میں ایک مرتبہ بھی میاں بیوی میں کوئی ناگواری کی بات نہیں ہوئی، چنانچہ ایک مقولہ رائج ہو گیا تھا کہ (ترجمہ) میاں بیوی کے جوڑوں میں سب سے بہتر جوڑا جو کسی انسانی آنکھ نے دیکھا، وہ حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کا جوڑا ہے۔ رمضان المبارک دو ہجری میں حضرت رقیہؓ کو خسرہ کے دانے نکل آئے ۱۲ رمضان المبارک کو آنحضرتؐ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے۔ آپؐ حضرت

اہلِ تشیع کی دینی کتب سے بھی حضورؐ کی چار صاحبزادیاں ثابت ہیں

باقی صفحہ نمبر ۵۴ پر

آغا خان: دولت کاروبار اور مشاغل

امریکی جریدے وینٹی کی خاتون رپورٹر جارجینا ہاول کے انکشافات

ترجمہ: نعیم صادق

"سر" بھی کہا جاتا ہے مگر ان کے خاندان کے پرانے دوست اور ملنے والے انہیں صرف "کے" کہہ کر پکارتے ہیں۔

انہیں کچھ بھی کہا جائے وہ اپنے وقت کی ایک عظیم ترین قابلِ فہم شخصیت ہیں ان کا پورا نام پرنس کریم الحسینی ہے۔ وہ عظیم تر بہی شخصیت شیعہ اسماعیلی مسلمانوں کے انچاسویں امام اور چوتھے آغا خان ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت محمدؐ کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا شجرۂ نسب مصر کے فاطمی خلفاء سے ملتا ہے۔ اس سلسلے میں دو فرق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا بہرحال ان کی دولت طاقت حشمت اور ظاہری رکھ رکھاؤ بیحد مرعوب کن ہیں۔ وہ اسکاٹ لینڈ کے مشاقی کھلاڑی ہیں اور اولمپک گیمز میں اپنی جھنڈے

ان کی سرمایہ کاری اور جائیداد کی مالیت کمپنیوں والے سے متجاوز ہے

وہ عموماً سرمایہ کاروں کے ایک بڑے فلیٹ کے درمیان سفر کرتے ہیں یا پھر اپنے مملکت اسٹریم ۳ طیارے میں جاتے ہیں مگر بالعموم لوگوں کو ان کے بارے میں اطلاعات نہیں ہوتیں۔

تقریباً انیس سال پہلے انہوں نے ایک انگریز خاتون سے شادی کی تھی جس سے ان کے تین بچے ہیں۔ ۱۷ سالہ پرنس رحیم ۱۴ سالہ پرنس حسین جو دونوں امریکہ کے ایک ایسے اقامتی مدرسے میں زیرِ تعلیم ہیں اور ۱۰ سالہ پرنسیس زہرہ جو عموماً اپنی والدہ کے ساتھ رہتی ہیں۔ شہزادہ کریم آغا خان انگریزی، فرانسیسی کے ساتھ چھپیس رہ چکے ہیں۔ اکیاون سالہ آغا خان کی شخصیت بیحد کثیر الجہتی ہے۔ ان کی دولت اور حشمت آج کے بہت سے شاہی خاندانوں سے کہیں زیادہ ہے مگر انہوں نے جان بوجھ کر اپنی شخصیت کو ایک آڑ میں رکھا ہے غیر ضروری تشہیر اور شہرت انہیں پسند نہیں۔

انہیں مخاطب کرنا بھی کوئی آسان بات نہیں۔ سوچنا پڑتا ہے کہ انہیں کیا کہہ کر پکارا جائے۔ وہ ہز ہائی نس ہیں یا ہز ہائی نس آغا خان ہیں۔ یا ملکہ برطانیہ نے انہیں ۵۰ء میں دیا تھا، پیرس کے فراخ دل اُن کی عظیم الشان رہائش گاہ کے ڈیڑھ سو سے بھی زیادہ خادم انہیں "دی باس" کہہ کر پکارتے ہیں۔ ان کی سات رکنی کابینہ کے افراد انہیں ایچ ایچ، دی باس یا چیرمان کی موجودگی میں انہیں یور ہائی نس کہتے ہیں۔ وہ امام وقت ہیں۔ انہیں عالیجاہ، حضور والا اور صرف

پیرس کے ایگل مانٹ میں بیٹھی ہوئی ان کی کیبنٹ ہنزہ اور چترال میں ہونے والے واقعات اور افغان سرحدوں کی صورتِ حال پر گہری نظر رکھتی ہے۔

آغا خان اوّل نے سندھ پس برطانوی تسلط کے لیے ۱۸۴۳ء میں سر چارلس نیپئر کی بھرپور امداد کی تھی۔

ان کی کمیونٹی کے تقریباً پندرہ ملین افراد اُن کے لیے جس محبت، خلوص اور تندہی سے عطیات جمع کرتے ہیں اس کی اور کہیں مثال نہیں مل سکتی ان کا ایقان اور ایمان یہ ہے کہ آغا خان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ امین سے ہیں اور حقیقی اہلِ رسول ہیں اس طرح ان کی محبت میں تقدس اور معبودیت کا ایک خاص رنگ شامل ہو جاتا ہے وہ اپنی آمدنی میں سے مختلف ٹیکسوں اور اخراجات کے بعد دس فیصد آمدنی بخوشی آغا خان کی نذر کر دیتے ہیں۔ یہ رقم اسماعیلی مبارکہ میں جنہیں جماعت خانے کہا جاتا ہے جمع کی جاتی ہے۔ اور متعلقہ کونسلوں کے ذریعے ملک کی مرکزی کونسل کے صدر کو پیش کر دی جاتی ہے مثلاً فقط پاکستان کے اسماعیلی جماعت خانوں کو ایک اندازے کے مطابق بیس کروڑ روپیہ ماہانہ آمدنی ہوتی ہے۔ یہ ساری رقوم آغا خان کے حضور پیش کر دی جاتی ہیں اور پھر اس رقم کو کس مصرف میں لایا جاتا ہے، اس کے کیا کیا کیا جاتا ہے یہ صرف اور صرف آغا خان کی صوابدید پر منحصر رہتا ہے۔

موجودہ آغا خان کی تیس سالہ قیادت اور مدبرانہ تنظیم کی بدولت آج آغا خانی پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر حالت میں ہیں، اگرچہ آغا خان کسی بھی صوابدید اور احتساب سے بالاتر ہیں پھر بھی ایگل مانٹ میں بیٹھی ہوئی ان کی کیبنٹ اس بات پر گہری نظر رکھتی ہے کہ ہنزہ اور چترال میں کیا ہو رہا ہے، افغان سرحد پر دیہی ترقی اور سڑکیں بنانے کا کام کس رفتار سے جاری ہے۔ افریقہ میں ٹرکوں کے ذریعے کس طرح مال کی سپلائی جاری ہے وغیرہ۔

اس تمام تنظیم دولت اور طاقت کے باوجود ان سے قریبی تعلق رکھنے والوں کا خیال ہے کہ وہ دنیا کے تنہا ترین آدمی ہیں۔ جو لوگ ان سے ملتے ہیں انہیں بہت پسند کرتے ہیں مگر ان کے دوستوں کی تعداد غیر معمولی طور پر بہت کم ہے۔ ایک مرتبہ ان کے ریسنگ کے ایک دوست نے جو ان کا مہمان تھا بتایا کہ اُس دن ان کے گھوڑے نے فرانسیسی ڈربی جیتی تھی، جو ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ میں سمجھتا تھا ان کا ایگل مانٹ کا محل روشنیوں سے جگمگا رہا ہو گا بہت سے دوست مدعو ہوں گے مگر میرے سوا کوئی دوسرا مہمان تھا نہ روشنیاں نہ کسی اور طرح کی غیر معمولی خوشی کا اظہار۔

صرف چار دی ٹسلوں میں ان عظیم آغا خانوں کی تاریخ مستند و مرتب لکھی جا چکی ہے آج اگر وہ آغا خان اوّل موجود ہوتے جو ۱۸۴۱ء میں بمبئی کے پہاڑوں سے اتر کر سندھ میں وارد ہوئے تھے۔ جہاں انہوں نے سندھ کی ہم میں (جنوری ۱۸۴۳ء) آغا خان کے کئی جوڑ تیل ملان کرنے کے کارخانے۔ ان کی حقیقی وسیع و عریض جائیدادیں، ماربل کیکوری، ایشیاٹک بینک اور نہ جانے کیا کیا ہے۔

اس کے علاوہ گھڑ دوڑ کے اداروں ہیں۔ دنیا کے مقتدر ترین خون جمع کر کے اور ترسیل کے ادارے ہیں۔ ان کے اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی تعداد چھ سو سے متجاوز ہے جو آئرلینڈ اور نارمنڈی کے اعلیٰ اصطبلوں میں خصوصی نگہداشت کے تحت رکھے جاتے ہیں۔ ۱۹۸۱ء تک وہ انگلینڈ، آئرلینڈ اور فرانس کے گھوڑوں اور اصطبلوں کے مالکان میں سرِ فہرست ہو چکے تھے۔ ان کے گھوڑے عموماً ریس جیتتے ہی رہتے ہیں۔ ان ریسنگ گھوڑوں کی قیمتوں کا اندازہ اسطرح لگایا جا سکتا ہے کہ ایک پچھلی ریس میں ان کے اول آنے والے گھوڑے کی قیمت انیس ملین ڈالر تھی۔ ابنک آغا خان ایسی ریسوں میں سے چوتھ میں جیت کر سرِ فہرست رہے ہیں۔

آغا خان دوسرے کروڑ پتی حضرات سے اپنی اسماعیلی برادری کی سربراہی کی وجہ سے بالکل منفرد اور مختلف نظر آتے ہیں۔ دو مشہور محل DANIELI اور GRITTI بھی شامل ہیں اس کے علاوہ ہیں PIMPAR کمپنی جو ایک سو بیالیس ملین ڈالر سے قائم کی گئی ہے، اس کے ستر فیصد حصص کے مالک بھی کریم آغا خان ہیں اس کے علاوہ ایک خصوصی پرائیویٹ PORTFOLIO اور ہے جس کے آثاثوں کا تخمینہ مزید ایک بلین ڈالر لگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آغا خان فاؤنڈیشن ہے جو امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، پرتگال، بعض افریقی ممالک اور ہندوستان و پاکستان تک پھیلی ہوئی ہے جو صحت، تعلیم اور معاشرتی بہبود و ترقی پر ہر سال لاکھوں ڈالر خرچ کرتی ہے۔ اس سال بھی وہ افریقہ میں کئی ملین ڈالر خرچ کر رہی ہے۔ ایک آغا خان ایوارڈ فار آرکیٹیکچر ہے جو آرٹس اور سائنس کے شعبوں میں اسلامی دنیا سے تعلق رکھنے والے ماہرین کو پانچ ملین ڈالرز کے انعامات سالانہ دیتا ہے۔ ایشیا اور افریقہ میں بہت سے کمیونٹی اداروں ہیں جن میں پانچ سو مدارس آغا خان یونیورسٹی اور یونیورسٹی اسپتال کراچی، ہاؤسنگ کالونیز اور اسپورٹس کے میدان اور اسٹیڈیم وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کے علاوہ بھی

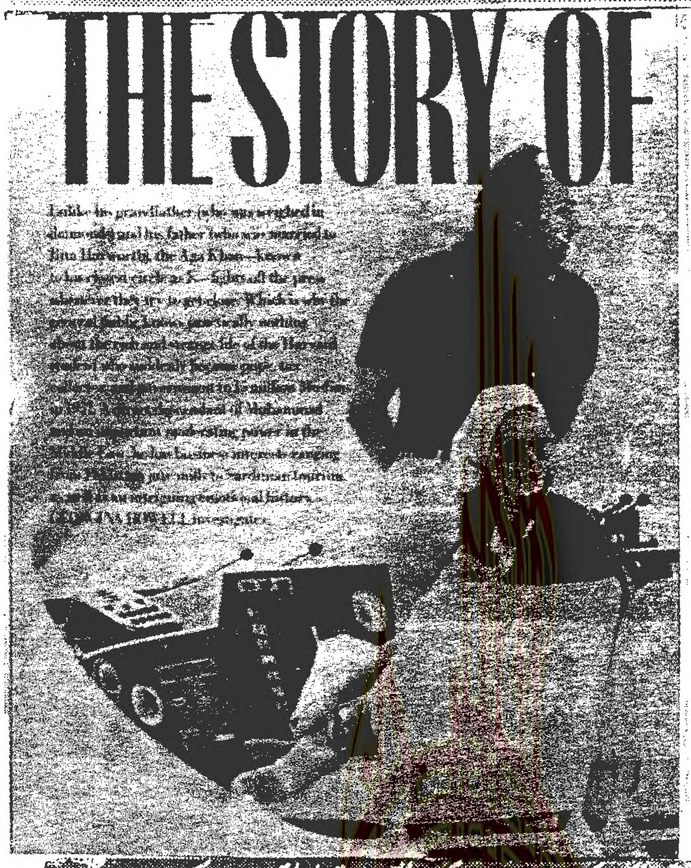

دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے ۱۵ ملین اسمٰعیلی اپنی آمدنی کا دس فی صد آغا خاں کی نذر کرنے کے پابند ہیں۔

اور اطالوی روانی سے بولتے ہیں جبکہ اردو اور عربی بھی اچھی طرح بول سکتے ہیں۔ ان کے ماننے والے دنیا کے ۲۵ ممالک میں موجود ہیں بالخصوص ایشیا، افریقہ اور مشرق الاوسط میں پاسپورٹ ان کا برطانوی ہے۔ یہ سب کچھ اور اس کے علاوہ وہ باتیں اور معلومات جو اسماعیلیہ فرقے کی مذہبی کتب اور بلیٹن وغیرہ چھاپتے ہیں عام طور پر لوگوں کو معلوم ہیں۔ دراصل ان کی شناسائی کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۷۰ء میں ایک مہمانی ولی فری ثانر نے آغا خان کے بارے میں ایک دلچسپ معلوماتی کتاب لکھی تھی جو گو کہ جارحانہ بھی نہیں تھی پھر بھی آغا خان بہت محتاط ہو گئے اور انہوں نے پبلک لائف سے اپنا ناطہ تقریباً توڑ لیا۔

اگرچہ پرنس کریم نے اپنی ذاتی اور شخصی تشہیر پر پابندی عاید کر دی ہے اور ان کی شاہانہ زندگی کے تمام گوشے عام لوگوں کے لیے بند کر دیے گئے ہیں۔ پھر بھی ان کے خاندان کے یا پھر ان کے ماننے والوں کے کوائف اخبارات میں چھپتے ہی رہتے ہیں مثلاً ۱۲ مئی کو ان کے چچا پرنس صدرالدین ان کے والد علیخان کے سوتیلے بھائی نے بیلیزی فاؤنڈیشن کو دینے کے لیے

"آغا خانیت" ایک دور دراز کی مملکت ہے، جس کی طاقت ناقابلِ یقین، جس کی دولت ناقابلِ تصور اور جس کے سیاسی و تجارتی اثرات کی لپیٹ میں آج ساری دُنیا ہے۔

اپنی والدہ کے جواہرات نیلام کے ذریعہ فروخت کیے تو دنیا بھر کے جواہرات کے شائقین انہیں خریدنے کے لیے بے چین ہو گئے۔ نیلام کے لیے نیویارک کے مشہور نیلامی ادارے "کرسٹی" کو چنا گیا تھا جس نے نمائش اور فروخت کے لیے جنیوا کے شہرہ آفاق ہوٹل رچمنڈ کو چنا تھا۔ دنیا بھر سے مشہور اور دولت مند شخصیات پرنس علی خاں کی والدہ اور آغا خان سوم کی تیسری بیگم شہزادی ایڈری کی اس بیش بہا دولت کو دیکھنے اور حسبِ استطاعت خریدنے کے لیے جمع ہوئی تھیں۔ اس واقعے کے صرف چار روز بعد ۱۶ مئی کو والڈ ارف نیویارک میں الزی میر ALZHEIMER کی بیماری کے مریضوں کے لیے سالانہ چیریٹی شو ہوا جس کی صدارت پرنس علی خان اور مشہور زمانہ ایکٹریس ریٹا ہیورتھ کی صاحبزادی شہزادی یاسمین خان نے کی جو پرنس کریم آغا خان کی سوتیلی بہن ہیں۔ اس طرح ان کی تشہیر کے بالواسطہ اسباب بہرحال پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

آغا خان کی دولت اور ان کی آمدنی کا صرف اندازہ اور تخمینہ ہی لگایا جا سکتا ہے۔ صحیح حقائق کسی کو معلوم نہیں۔ ان کے قریب تر لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی ذاتی جائیداد اور آمدنی اسماعیلی فرقے سے حاصل شدہ آمدنی سے بالکل علیحدہ ہے، قدرِ مشترک یہ ہے کہ دونوں پر آغا خان کا کنٹرول بلاشرکتِ غیرے اور مکمل و بھرپور ہے جس میں کسی کو دخل اندازی کا یارا نہیں۔ لندن کے جریدے اکانومسٹ کے محتاط تخمینے کے مطابق بینکوں، چھوٹی تجارتوں اور اسماعیلی فرقے کے سرمائے سے قائم کردہ ہوٹلوں سے ان کی سالانہ آمدنی کم از کم دو سو پچاس ملین ڈالر ہے۔ اس کے علاوہ اسماعیلی فرقے کی صحت، تعلیم اور دیہی ترقی کے لیے فراہم کردہ رقم اکیسو تیس ملین ڈالر اس کے علاوہ ہے۔

بنی انویسٹمنٹ اور انشورنس میں لگائے ہوئے سرمائے کی آمدنی کا اندازہ ایک بلین ڈالر امریکی ہے، اس کے علاوہ وہ سنڈیکیٹ جن میں ٹورازم کی ترویج و ترقی برائے سارڈینیا اور علی سارڈ انٹرلائن کے اثاثے شامل ہیں، اس کا تخمینہ ایک اشارۃً تین بلین ڈالر ہے۔ اطالوی پُرتعیش ہوٹلوں کا مشہور عالم سلسلہ جو CIGA گروپ کہلاتا ہے۔ جس میں وینس کے

بقیہ صفحہ نمبر ۳۵ اور ۳۶ پر

کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا!

دو اسمٰعیلی خواتین کے قبولِ اسلام کی روح پرور روداد

تحریر: اُمِ حارث

یہ آج سے دس سال پہلے ۱۹۷۸ء کے اواخر کا ذکر ہے۔ ان دنوں میں فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں فائنل ایئر کی طالبہ اور اسلامی جمعیت طالبات کی رکن تھی۔ مجھے اپنی بیماری کے سلسلے میں کراچی جانا پڑا۔ جہاں میں دو ماہ رہی۔ کراچی میں میرے اس قیام کی یادیں آج بھی دل میں روزِ اوّل کی طرح تازہ ہیں۔ ماہنامہ تکبیر میں آغا خان فرقے کے بارے میں معلومات نے مجھے میرے ان سوالوں کا جواب دے دیا جو دس سال پہلے میرے ذہن میں اٹھے تھے اس کے ساتھ ہی میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان واقعات کو تکبیر کے قارئین تک بھی پہنچا دوں جو میرے لئے حیران کن تھے۔

ان دنوں میری قریبی سہیلی مجھے ایک خاتون کے ہاں لے گئیں جن کا تعلق آغا خانی گروہ سے تھا۔ وہاں ایک صاحب نے پس پردہ درسِ قرآن دیا اور پھر مولانا مودودیؒ کے ساتھ اپنی نشستوں کے احوال بتانے نیز بتایا کہ میں کس طرح مسلمان ہوا۔ اس سلسلے میں انہوں نے "خطبات" اور "دینیات" کا حوالہ دیا اور کہنے لگے کہ چونکہ "دینیات" نے مجھے آغا خانی جہالت کی تاریکیوں سے نکالا ہے لہٰذا میں اس کتاب کو اس کی ظاہری ہیئت تبدیل کر کے اور ہزاروں کی تعداد میں شائع کروا کے مفت تقسیم کرتا ہوں تاکہ اس گروہ کے دوسرے افراد بھی اس طلسم سے آزاد ہو جائیں۔ جس خاتون کے ہاں یہ محفل تھی وہ ہمیں بے حد محبت سے ملیں اور دوبارہ آنے کو کہا۔ دوسری مرتبہ افطار پارٹی میں ہم ان کے گھر گئے۔ انہوں نے کھانے میں اتنا اہتمام کیا اور اتنے اصرار سے ہمیں کھلایا کہ ہم مزید دو دن تک کچھ اور کھانے کی گنجائش ختم کر کے ان کے ہاں سے نکلے۔ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ بہت دلچسپ انداز میں بتایا ان کا وہ والہانہ انداز اور اسلام سے محبت مجھے اب تک متاثر کئے ہوئے ہے۔ کہنے لگیں کہ میرے شوہر مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان کی شدید خواہش کے باوجود میں اپنا دین چھوڑنے پر تیار نہیں ہوئی۔ شوہر بہت کوشش کرتے لیکن میں سنی اَن سنی کر دیتی۔ انہوں نے مجھے غالباً خطبات پڑھنے کو دی تو میں نے بھی انہیں اپنی کوئی کتاب دے دی انہوں نے تو ساری پڑھ ڈالی اور میں نے نہیں پڑھی۔ میرے شوہر نے اس پر بھی نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "کوئی بات نہیں اگر تم نے یہ کتاب نہیں پڑھی ہم دونوں مل کر اس کو پڑھیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے وہ کتاب پڑھانی شروع کی اور اس کے ساتھ ہی میرے ذہن اور دل کی دنیا بدلتی چلی گئی حتیٰ کہ

> میرے شوہر نے جو مسلمان ہو گئے تھے
> مجھے خطبات نامی کتاب پڑھ کر سنانی
> شروع کی اور کب کتاب ختم ہوئی اور کب
> ساتھ میرے دل کی دنیا بدلتی چلی گئی۔

میں دل اور جان کی ساری گہرائیوں سے اسلام کی صداقتوں پر ایمان لے آئی۔ لیکن میں نے اپنے شوہر کو نہیں بتایا اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں خدا کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤں اور نماز پڑھوں تو میں شوہر کے دفتر جانے کا انتظار کرتی جیسے ہی وہ روانہ ہوتے میں اللہ جی کے حضور گریہ وزاری کرتی رہتی۔ ایک دن میں اسی انہماک سے نماز پڑھ رہی تھی دیر تک دعا مانگنے کے بعد میں نے جانماز تہ کی اور جو مڑ کے دیکھا تو شرم کے مارے میں وہیں بیٹھی رہ گئی میرے شوہر نہ جانے کب سے کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے وہ دفتر سے کسی کام کے سلسلے میں آئے اور یہ منظر دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ بے اختیار رونے لگے اور گویا ہوئے کہ خدایا تیرا شکر ہے میں تو سمجھتا تھا کہ میرے گھر میں ہنوز جہالت کے اندھیرے ہیں، میں نے جواب دیا "میکہ یہ اندھیرے کئی ماہ پہلے ہمارے گھر کی دہلیز پار کر چکے ہیں اور اب یہاں پر توحید کا اجالا ہے۔"

دبئی میں ایک نوجوان لڑکی سے بھی ملاقات ہوئی جس نے ہمیں اپنے گھر کا ایڈریس دیا اور باصرار آنے کو کہا۔ کچھ دنوں کے بعد ہم اور میری ایک تحریکی ساتھی اس کے گھر کی راہ پر چل پڑے۔ میرے لئے تو کراچی کے سب ہی راستے اجنبی تھے لیکن جب بس سے اترے تو مجھے یوں لگا میں کسی اجنبی دنیا میں چلی آئی ہوں۔ ایک طرف ایک بڑی سی عمارت اجماعت خانہ تھی اور دوسری طرف منزل در منزل فلیٹس کا سلسلہ اور بیرونی گیٹ پر پہرے۔ گیٹ پر کھڑے لوگوں نے ہمیں گو نا تعرض فراہم کیا لیکن جب ہم نے اس لڑکی کے گھر کا ایڈریس بتایا اور نام فیڈ کیا تو ہمیں جانے دیا گیا۔

شاہ بانو کا گھر دوسری منزل پر تھا۔ ہم پوچھتے پوچھتے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہ بہت خوش ہوئی گھر کے اندر داخل ہوتے ہی ایک تصویر پر ہماری نظر پڑی۔ ہم نے پوچھا کہ تمہارے ذہنی انقلاب کے بعد یہ تصویر کیوں یہاں لٹک رہی ہے؟ کہنے لگی، اگر یہ تصویر ہم یہاں سے ہٹا دیں تو ہمیں اس کمیونٹی سے نکلنا ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک ہماری مشکل یہ بھی ہے کہ اگر ہم پردہ کریں تو جب بھی ہمارا جلوس ادھر کو نکالا جائے گا۔ ہمارے گھروں میں باقاعدہ چیکنگ ہوتی ہے اور اگر آغا خان کی یہ تصویر گھر میں نمایاں جگہ پر نہ ہو تو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ہم ذہن میں ان گنت سوالات لئے وہاں بیٹھے اس کی باتیں سنتے رہے اور تھوڑی دیر بعد ہم دل سے اداس اداس واپس آ گئے۔ شاہ بانو نے مجھے کہا کہ "آپ مجھے بہت یاد آئیں گی اور آپ نے جو درسِ قرآن دیا ہے، وہ میں نے ٹیپ کر لیا ہے اور یہ کیسٹ ہم یہاں سے بہت دور ہنزہ بھجوائیں گے، جہاں ہمارے رشتہ دار رہتے ہیں۔" شاہ بانو

باقی صفحہ نمبر ۶۷ پر

حیراں ہوں دِل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

ایک اسماعیلی کے سفرِ آخرت کی رُوداد

بکھیں میں کچھ عرصہ سے آغا خانیت پر نہایت معلوماتی مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک، تہیں پڑھ کر اہلِ وطن اور مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں کہ کتنے بڑے فتنے کو ہم نے سر آنکھوں پر بٹھا رکھا ہے۔ یہ سب مضامین نہایت سیاری، محققانہ، مدلل اور حوالہ جات سے لیس ہیں۔ میں تو کوئی مذہبی اسکالر نہیں ہوں، لیکن میرا اُٹھنا بیٹھنا اس قوم کے لوگوں کے ساتھ کافی رہا ہے۔ اس نسبت سے چند باتیں قارئین تک پہنچانا مقصود ہیں۔

بکھ عرصہ قبل ہمارے دفتر کے ایک اسمٰعیلی ساتھی کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ہم لوگ تعزیت اور جنازے میں شرکت کے لیے اس کے گھر واقع پلاٹینم سوسائٹی گارڈن گئے۔ میں نے اور میرے ایک ساتھی نے میت کو غسل دینے کی پیش کش کی، لیکن بتایا گیا کہ ان کی جماعت کی میت کمیٹی کے علاوہ کوئی دوسرا غسل نہیں دے سکتا۔ خیر ہم باہر دری پر بیٹھ گئے اور کچھ انتظار کے بعد ہم نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا کہ بھئی کہاں ہیں؟ تو وہ کچھ سمجھے نہیں۔ ہم نے وضاحتاً کہا کہ قرآن مجید کے سیپارے لے کر وہ آئیں ہاتیں کر کے نہ جانے کہاں چلے گئے۔ اتنی دیر میں متوفی کا بڑا بیٹا باہر آیا۔ ہم نے اس سے کہا کہ سیپارے لاؤ اور سب بیٹھ کر پڑھیں، تو وہ بھی پریشان ہو گیا، کہنے لگا کہ کسی کو مسجد بھیج کر منگوا لیتے ہیں۔ بہت دیر اسی میں ہو گئی۔ اس دوران حاضرین مرحوم سے متعلق باتیں کرنے لگے کہ پچھلے مہینے ہی اسے بڑا ہارٹ اٹیک لگا تھا۔ پھر گفتگو ہارٹ اٹیک پر چل پڑی۔ آج کل بڑے بوڑھوں کے ہارٹ پر "اتنا ٹائم آن" (لائٹ) ملتا ہے وغیرہ۔ پھر کرکٹ، سیاست، امتیاز بھٹو، بھٹو وغیرہ پر سیر حاصل تبصرے ہوتے رہے۔ ہر ایک نے بقدرِ لیاقت اس میں حصہ لیا۔ ہم نے تنگ آ کر مرحوم کے بڑے بیٹے کو یاد دلایا کہ ابھی سیپارے نہیں آئے، تو وہ کہنے لگے کہ سیٹی مسجد والوں سے کوئی واقفیت ہے نہیں اور اگر کچھ گانٹھ دے کر لے بھی آئیں تو یہاں لوگ پڑھنا نہیں جانتے۔ ہم نے کہا، اچھا گھر میں قرآن مجید کے جتنے نسخے ہوں وہی لے آئیں۔ کہا کلام مجید۔ گھر پر تو ہے نہیں۔

ہمارے ایک ساتھی ۔۔۔ جو ہم سے زیادہ سیانے تھے، ہمیں اشارے سے دوسری طرف لے گئے اور کہنے لگے چلئے ناں یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے تو مسجد کیسے جائیں اور کیسے اہلِ نماز سے ان کی واقفیت ہو۔ ہم نے کہا، جمعہ تو پڑھتے ہوں گے۔ فرمایا نہیں، یہ لوگ صرف عیدین پڑھتے ہیں۔ وہ بھی اپنے جماعت خانے کے پاس ان کے اپنے امام کے پیچھے۔

خیر ہم دوبارہ دری پر آ گئے اور کلمہ اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب کیا۔ تھوڑی دیر میں اطلاع آئی کہ غسلِ میت دیا جا چکا ہے، جو آخری دیدار کرنا چاہے آ جائے۔ یہ اعلان گجراتی میں تھا۔ سب لوگ اُٹھ کر اندر جانے لگے۔ ہم بھی پہنچ گئے۔ دیکھا تو مرحوم کے پاس ایک صاحب بیٹھ کر پانی کے چھینٹے اُن کے منہ پر مار رہے ہیں، جیسے کسی سوتے کو جگا رہے ہوں اور بہت سی عورتیں سفید ساڑھی پہنے کچھ گا رہی تھیں۔ یہ سب کچھ ہماری سمجھ میں نہیں آیا، لیکن اتنا سمجھ گئے کہ افریقہ کے زولو اور بربر قبائل کی رسموں کی طرح سے کچھ ہے۔ ہم نے ٹی وی پر بہت عرصہ پہلے ایسی ایک دستاویزی فلم دیکھی تھی، جس میں قبیلے کا "ڈاکٹر" پانی کے چھینٹے میت کے

عبدالسلام

منہ پر ڈالتا ہے اور سب لوگ موت کا گیت گاتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس خاندان کی روحیں اس موقع پر آئیں اور اسے لے جائیں اور کسی اچھے جانور یا درخت میں اُسے حلول کروا دیں۔

تھوڑی دیر میں جنازہ روانہ ہوا اور کسی مسجد کے بجائے سیدھا قبرستان لے گئے، جس کی دیوار پر بورڈ لگا تھا "صرف شیعہ امامی اسمٰعیلیوں کے لیے"۔ اٹھارہ بیس سال کے جنٹلمین نے وہیں دیوار کے ساتھ اخراج کیا اور رومال سر پر باندھتے ہوئے عین جنازے کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ صفیں بننے لگیں اور اللہ اکبر۔ ہم حیرت کے عالم میں شریکِ نماز بھی نہ ہو سکے کہ الٰہی اس گبرو نے تو وضو بھی نہیں کیا، داڑھی بھی ندارد ہے اور امامت بھی کر لی۔

دفن کے بعد اسی امام نے غلط سلط مخارج اور مجہول قرأت کے ساتھ ایک مختصر فاتحہ پڑھا اور پھر آغا خان سے مغفرت کی دُعا کی۔ بار بار یہ الفاظ آتے تھے "یا نُور مولانا شاہ کریم حاضر امام مغفرت فرمائے"

بس میں بیٹھ کر واپس کالونی آئے۔ دیکھا تو گیٹ کے پاس نوٹس بورڈ پر مرحوم کی فوتگی کا اطلاع نامہ چسپاں تھا اور لکھا تھا کہ موصوف اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے ہیں، جنازے کا فلاں وقت ہے۔ یہ اطلاع انگریزی اور گجراتی میں تھی۔ ہمیں یہ نظام بہت پسند آیا اور اس چیز کو اپنے علاقے میں بھی رائج کرنے کو دل چاہا۔ اندر چوکیدار کے کیبن کے پاس بھی ایک نوٹس بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس کا جائزہ لیا تو اس پر بھی وہی اطلاع تھی۔ ہمارے میمن ساتھی نے گجراتی کی عبارت پڑھ کر بتایا کہ اس پر لکھا ہے "موصوف عاضر امام کی رحمت میں پہنچ گئے ہیں"۔ اتنی دیر میں سوئی کے بیٹے نے آ کر کہا کہ "بھواتی" کھا کر جایئے گا۔ ہم نے معذرت کر لی کہ پتہ نہیں کیا کھلا دیں۔ ہم نے اُن سے پوچھا کہ اب کیا رسم وغیرہ کرنی ہے تاکہ اگر ہماری ضرورت نہ ہو تو ہمیں اجازت دی جائے۔ کہنے لگے بس اب ہم والدہ کو جماعت خانے لے جائیں گے۔ وہاں تو آپ کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔ پھر برخواست۔ یوں ہم ان سے علیحدہ ہوئے۔ مغرب کی اذان ہونے والی تھی ہم سیدھے مسجد پہنچے۔ بعد نماز میں نے امام مسجد سے سلام دعا کی اور آج کے مشاہدات انہیں بتلائے۔ امام صاحب بہت مشہور عالم اور مصنف تصنیف بزرگ ہیں۔ انہوں نے آغا خانیت کے بارے میں حیرت انگیز باتیں بتائیں۔ اور کہا کہ یہ لوگ تو سنت کافر اور ملحد ہیں۔ آپ کو ان کے جنازے میں بھی شریک نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ البتہ ثواب اور دعائے مغفرت کافروں کے لیے کرنا قرآن کی رو سے سخت منع ہے۔ اور بھٹو وغیرہ آغا خانیوں کے نزدیک فعلِ عبث ہے۔ عدت کے بھی قائل نہیں۔ ہم نے پوچھا کہ اللہ کے سوا بھی کوئی مغفرت کر سکتا ہے تو ناراض ہو کر کہنے لگے کہ جب آپ پیدائشی مسلمانوں کو بھی نہیں معلوم تو ان آغا خانیوں کو کیسے معلوم ہو گا کہ اللہ کے سوا کوئی مغفرت نہیں کر سکتا۔ انہیں تو ان کے مشنری جو کچھ بتا دیتے ہیں یا آغا خان جو کچھ کہہ دیتا ہے اسی کو مان لیتے ہیں۔ مولانا صاحب نے ہمیں مشورہ دیا کہ آپ اس بارے میں ایک کتاب پڑھیں جس کا نام ہے۔ "آغا خانیت علمائے اُمت کی نظر میں"، ہم نے اگلے ہی روز سے اس کتاب کی تلاش میں بندر روڈ، اُردو بازار ہر جگہ چکر لگایا۔ لیکن ابھی تک کتاب ہاتھ نہیں آئی۔ اگر کسی قاری کو کچھ علم ہو کہ یہ کہاں سے مل سکتی ہے تو براہِ کرم اسی رسالے میں ناشر، دکان اور قیمت کے بارے میں اطلاع دیں۔ اگرچہ تجربہ کے اس سلسلے سے عامی واقفیت اس باطل مذہب سے ہو چکی ہے۔ تاہم اہلِ فتویٰ کی حتمی رائے سے واقف ہونا ضروری ہے۔

دوسرا ایک واقعہ جو اس قدر حیرت انگیز تو نہیں لیکن

باقی صفحہ نمبر ۲۹ پر

○ سیٹ کے چکر میں لوگوں نے مذہب تبدیل کر لیے۔

رپورٹ :۔ ناصر محمود

○ سندھ ہائی کورٹ کے جناب جسٹس سعید الزماں صدیقی نے حلقہ ۹۱ سے محمد اسلم ناتھا، شیراز ناتھا اور غلام علی الانہ کے کاغذات نامزدگی منظور کیے جانے کے خلاف دائر کردہ قاری محمد سبحان کی تین اپیلیں مسترد کر دیں۔ اپیل میں کہا گیا تھا کہ تینوں امیدوار اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جو غیر مسلموں کے زمرے میں آتا ہے لہٰذا ان کے کاغذات نامزدگی مسترد کر دیئے جائیں۔ گزشتہ ہفتہ کے روز فاضل عدالت ہیں تینوں نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، آنحضورؐ کو نبی آخر الزماں، قرآن اور ارکان اسلام پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں مسلم رائے دہندگان کی فہرست میں ان کے ناموں کا اندراج موجود ہے جس پر فاضل عدالت نے قاری سبحان کی تینوں اپیلیں مسترد کر دیں۔ باخبر ذرائع نے اس فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا چونکہ اسماعیلی مذہب کے بارے میں حکومت پاکستان کا کوئی قانون موجود نہیں ہے لہٰذا فاضل عدالت نے یہ فیصلہ دیا ہے۔

۳ نومبر ۱۹۸۸ء تکبیر ۲۰

(اس روداد کی مزید تفصیل صفحہ نمبر ۳۵ پر ملاحظہ ہو)

اسماعیلی ہندو مت کو ڈھال کے طور پر استعمال نہ کریں

اسماعیلی برادری سے متعلق تکبیر میں جو مواد شائع ہوا ہے اس میں یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ ہندو دھرم کے پیروکار ہیں جبکہ ہم انہیں ہندو مت کا پیروکار نہیں سمجھتے کیونکہ وہ خود کو شیعہ امامی کہتے ہیں۔ ہم کسی کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ ہندو دھرم کو ڈھال کے طور پر استعمال کرے۔ اگر اسماعیلی خالص ہندو دھرم اپناتے ہیں اور آئندہ زندگی اسی مذہب کے مطابق گزاریں گے تو پھر ہم انکو مکمل مذہبی تحفظ فراہم کریں گے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہمارا نقطۂ نظر اپنے پرچے میں شائع کر کے اس غلط فہمی کو دور کریں گے۔

(مہاراج دھن داس، مارواڑی ہندو پنچایت ٹرسٹ۔ کراچی)

۳ نومبر ۱۹۸۸ء تکبیر ۲۴

صفحہ نمبر ۲۳ کا باقی

بقیہ: در جواب آں غزل

(۱۱) ہماری برادری کے لوگ سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ اور سندھی ادب سنگت وغیرہ میں نہایت اہم اور کلیدی نشستوں پر فائز ہیں۔ جی الانہ جیسے مفکر اور شاعر، جی الانہ آف ٹیکسٹ بک بورڈ جیسے ماہر تعلیم، پیر علی الانہ جیسے نامور سیاستدان روز روز پیدا نہیں ہوتے اور یہ حضرات سندھ سے وابستہ ہیں اور انہیں ہماجر تحریک سے وابستہ کر کے ان کی ساکھ کو نقصان نہ پہنچائیں

(۱۲) ہماری برادری نے ماضی میں نیشنل عوامی پارٹی، حیدری، گارڈن، ملیر اور کھارادر میں پیپلز پارٹی کی حمایت کی ہے اور امید ہے کہ آئندہ الیکشن میں بھی ایسا ہوگا۔ اگرچہ اس بار سے میں ہمیں مرکز سے کوئی ہدایت نہیں ملی۔ لیکن اپنی ذاتی سمجھ بوجھ کی بنا پر اس بار بھی ہم کھارادر سے پیپلز پارٹی ہی کی حمایت کریں گے اور اگر مزید تین صاحب اس علاقے سے الیکشن لڑیں گے تو ہمارا تعاون انہیں حاصل ہوگا۔

(۱۳) لہٰذا آپ سے اپیل ہے کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ اپنے سیاسی نظریات کی خاطر ہمیں موضوع نہ بنائیں۔

پورا ملک جانتا ہے کہ شہر کراچی میں ہر گلی کوچہ فساد اور ہنگامے ہو سکتے ہیں لیکن پرانی کھارادر میں زندگی معمول کے مطابق رہتی ہے۔ یہاں کبھی وحشیانہ سیاست کو فروغ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ یہاں اسماعیلی برادری آباد ہے۔

(۱۴) جس طرح ایم کیو ایم اور جئے سندھ کے ساتھی کی ہنڈیا چوراہے کے بیچ پھوٹی ہے اسی طرح ہمارا آپ کا اتحاد غیر فطری اور ناممکن ہے۔

(۱۵) ہم سے ہماری شناخت نہ چھینیں۔ ہماری وضع نہ بدلیں، ہمارے ننھے ننھے بال و پر سیاست کی گرم آندھی میں جھلس کر رہ جائیں گے۔

(۱۶) یہ مضمون آپ کے رسالے جمہور کو بہت عرصہ ہوا روانہ کیا تھا لیکن مایوس ہو کر اب تکبیر سے رجوع کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہاں بھی چھپ جانا جمہور سے کم نہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ صورت حال کا جائزہ لیے کرنے میں اگر کوئی بے ادبی، گستاخی سرزد ہو گئی ہو تو سماعت فرمائیں۔ ایسا قصداً نہیں کیا گیا۔ ہمیں صاحبوں سے ہمدردی ہے۔ آپ کی عزت کرتے ہیں۔ آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔

والسلام

ایم علی اور صدر الدین کھارادر

۱۸ اگست ۱۹۸۸ء تکبیر ۲۳

صفحہ نمبر ۲۱ کا باقی

بقیہ: حریفانِ حرم

عام بھی نہیں، وہ ہمارے ایک واقف کار یعقوب علی خان صاحب نے ہمیں سنایا تھا۔ وہ لیزنگ کمپنی بک میں کام کرتے تھے۔ ایک بار ان کے آغا خانی ملیر نے کچھ سامان ان کے حوالے کیا کہ یہ میرے گھر دیتے ہوئے چلے جائیے گا۔ یہ عصر کی نماز پڑھ کر چلے اور ہمیں مغرب کے وقت صاحب کے گھر پہنچے، جو کچھ امانت تھی گھر والوں کے حوالے کی۔ صاحب کے بھائی جن کی عمر کوئی بیس سال کی تھی ان سے پوچھا کہ یہاں نزدیک میں مسجد کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلم نہیں۔ کہا اچھا جلدی سے مصلّے لے آئیے۔ میزبان کی آنکھوں میں حیرت کا تاثر دیکھ کر انہوں نے وضاحت کی کہ نماز پڑھنے کے لیے کوئی چادر دے دو۔ وہ لے آیا پوچھا قبلہ کس رُخ ہے؟ جواب ملا معلوم نہیں۔ کہا گھر میں جا کر کسی سے پوچھو۔ جواب آیا کسی کو معلوم نہیں۔ بہرحال انہوں نے تحقیق کر کے نماز ادا کی۔

یہ واقعہ بتاتے ہوئے یہ حضرت حیرت اور صدمے کی کیفیت میں ڈوبے رہے اور بار بار کہتے جا رہے تھے کیا یہ ممکن ہے؟ کیا ایسا بھی کوئی فرقہ اسلام کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ پتہ نہیں ہماری حکومت کیا کر رہی ہے؟

۱۸ اگست ۱۹۸۸ء تکبیر ۲۵

اللہ تعالیٰ مشکل کشا یا مخلوق؟

اللہ خالق باقی سب مخلوق

اللہ رازق باقی سب مرزوق

اللہ حاکم باقی سب محکوم

اللہ زندہ و جاوید باقی سب

انتقال کرنے والے۔

عقل رکھنے والو!

سوچ لو سب کا مشکل کشا صرف اللہ ہے

جناب الطاف حُسین!

ہمیں اپنی "اصطلاحات" سے مشرف نہ فرمایئے

قابل احترام قائد مہاجر جناب الطاف حسین صاحب آپ نے کھارادر کارنر میٹنگ میں ہمارے رُوحانی پیشوا سر آغا خان سوئم کو جو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اس کے لیے ہم آپ کے مشکور ہیں۔ البتہ چند باتیں نہایت ادب سے آپکی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) ہم اسمٰعیلی پاکستان کے ہر صوبے میں آباد ہیں اور وہاں کے مقامی لوگوں کے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہتے ہیں۔

(۲) صوبہ سرحد میں گلگت ہنزہ اور چترال میں ہماری برادری سینکڑوں سال سے آباد ہے اور ان کی اپنی زبان، تہذیب اور ثقافت ہے اور ان پر لفظ مہاجر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ان علاقوں کے والی ریاست اور میر اسمٰعیلی ہوتے ہیں۔

(۳) صوبہ پنجاب میں بھی ہماری برادری سلطان فتح حمید قرامطہ کے دور میں حاکم رہی ہے اور سینکڑوں سال سے آباد ہے۔ ان کی زبان اور کلچر پنجابی ہے اور یہ بھی کسی طرح مہاجر نہیں ہیں۔

(۴) صوبہ بلوچستان میں مکران گوادر اور لسبیلہ اڑماڑ میں ہماری برادری آباد ہے۔ یہ لوگ سینکڑوں سال پہلے سندھ سے ہجرت کر کے یہاں بس گئے ہیں اور یہاں کی مقامی زبان اور رہن سہن کو پوری طرح اپنائے ہوئے ہیں اور انہیں بھی مہاجر کہنا درست نہیں

(۵) صوبہ سندھ میں دو قسم کے اسمٰعیلی آباد ہیں۔ ایک وہ جو یہاں کے مقامی ہیں۔ خود سومرا خاندان کے حکمران ہماری برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ٹنڈو غلام علی، سلطان آباد نمبر ۱، ۲، ۳ اور بہت سے دیہاتوں اور حیدر آباد اور کراچی میں ان کی بڑی تعداد آباد ہے۔ یہ لوگ صدیوں سے یہیں آباد ہیں۔ لہٰذا یہ مہاجر نہیں ہیں۔

(۶) صوبہ سندھ میں دوسری قسم کے اسمٰعیلی وہ ہیں جو کاٹھیاواڑ اور گجرات سے تقسیم کے بعد ہجرت کر کے کراچی، حیدر آباد، سکھر اور نیڈو محمد خان میں آباد ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ ہجرت کر کے آئے ہیں لیکن آج کی لسانی اصطلاح "مہاجر" کا اطلاق اُن پر موزوں نہیں۔ کیوں کہ قریب چھ سو سال پہلے یہ لوگ سندھ سے تجارتی مقاصد کی خاطر کاٹھیاواڑ اور گجرات میں آباد ہو گئے تھے۔ اور ان کے خاندانی نام، لباس، تہذیب اور زبان آج تک ۸۰ فیصد سندھی ہی ہیں۔

(۷) جس مہاجر آب کی تحریک کی لغت میں مشرقی پنجاب سے آنے والے پنجابی بھائیوں کو مہاجر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یا افغان مہاجروں کو آپ کے یہاں مہاجر کی رعایات حاصل نہیں۔ کچھ اسی طرح ہم کاٹھیاواڑ اور گجرات سے آنے والے اسمٰعیلی بھی اپنے آپ کو لفظ مہاجر سے مشرف نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ ہمارا اپنا ایک تہذیبی ورثہ ہے، زبان ہے۔

(۸) درحقیقت ہماری برادری ایک مرکز اور محور سے وابستہ ہے اور اسی سے ہم رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور انہیں ہدایات کی روشنی میں ہم چترال گلگت، ہنزہ، پنجاب، بلوچستان، اندرونِ سندھ اور کراچی کے اسمٰعیلی متعدد ہیں اور ہمارے درمیان زبان اور کلچر کا فرق کبھی وجہِ نزاع نہیں بن سکتا۔ ہم اپنے پنجابی اسمٰعیلیوں یا صوبہ سرحد کے اسمٰعیلی بھائیوں کو غیر مہاجر کہہ کر لسانی تنظیموں کا تختۂ مشق نہیں بنا سکتے اور اسی طرح پورے ملک کے دیگر فرقوں کے مسلمان بھائیوں کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔ تفرقہ، نفرت، لسانی اور صوبائی نعرے لگانا یا ایسے نعرے لگانے والوں سے تعاون کرنا ہم مذہبی گناہ سمجھتے ہیں۔ اس سے جہاں اُمتِ مسلمہ اور پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچے گا خود ہماری برادری میں بھی پھوٹ پڑ جائے گی۔

(۹) شاید آپ کو آپ کے کارکنوں نے اس حقیقت سے بے خبر رکھا ہو کہ پچھلے بلدیاتی انتخابات کی مہم کے دوران نیڈو محمد خان میں ہمارے اور آپ کے کارکنوں کے درمیان جو تصادم ہوا تھا۔ اس کا مقدمہ آج بھی عدالت میں زیرِ سماعت ہے۔ اس مقدمے میں ہمارے کئی افراد کے نام نامزد ہیں۔ ان میں سے کئی افراد کو آپ کے کارکنوں نے شدید زخمی کیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ کے کارکنوں نے ان پر حملہ کیا تھا۔ ان کا شکوہ دیکھ کر ہم نے آپ سے ملاقات کا وقت مانگا تھا۔ آپ نے ملاقات کا وقت دینے کے بجائے ہمارے خلاف ایک پریس کانفرنس کر ڈالی۔ جس میں ہمارے خلاف بے بنیاد الزامات لگائے گئے۔ ہم نے آپ کے اس رویے پر بھی صبر کیا۔ اور خاموش رہے۔

(۱۰) ہم نے آپ کے ساتھ ہمیشہ اچھے تعلقات کی خواہش کی ہے۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی بیان نہیں دیا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی جلوس نہیں نکالا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی پوسٹر نہیں لگایا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی پمفلٹ نہیں بانٹا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی جلسہ نہیں کیا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی ہڑتال نہیں کی۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی ریلی نہیں نکالی۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی دھرنا نہیں دیا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی بھوک ہڑتال نہیں کی۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی مظاہرہ نہیں کیا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی جلوس نہیں نکالا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی پوسٹر نہیں لگایا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی پمفلٹ نہیں بانٹا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی جلسہ نہیں کیا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی ہڑتال نہیں کی۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی ریلی نہیں نکالی۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی دھرنا نہیں دیا۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی بھوک ہڑتال نہیں کی۔ ہم نے آپ کے خلاف کبھی کوئی مظاہرہ نہیں کیا۔

اس علاقے میں ہمارے اتنے ووٹرز ہیں کہ کوئی ایک کروڑ روپیہ بھی خرچ کرے، تو انتخابات میں ہمیں شکست نہیں ہو سکتی، لیکن چونکہ ہم دہشت گردی کی سیاست کے قائل نہیں اس لیے وہاں سے ہمارے بجائے آپ کا نمائندہ ایوانِ بلدیہ میں زینت افروز ہے۔

(۱۰) ان زیادتیوں کا بدلہ آپ نے اس طرح لیا کہ ہماری ایک خاتون کو خواتین کی مخصوص نشست پر کونسلر کی حیثیت سے ہٹا دیا۔

گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل

آپ کی اس نوازش سے ہماری برادری انتشار، خوف، بدامنی اور نت نئے مسائل سے دوچار ہو گئی ہے۔ جس کا یہاں بیان کرنا، نہ تو مفید ہے اور نہ مصلحت اس کی اجازت دیتی ہے۔

باقی صفحہ ۶۲ پر

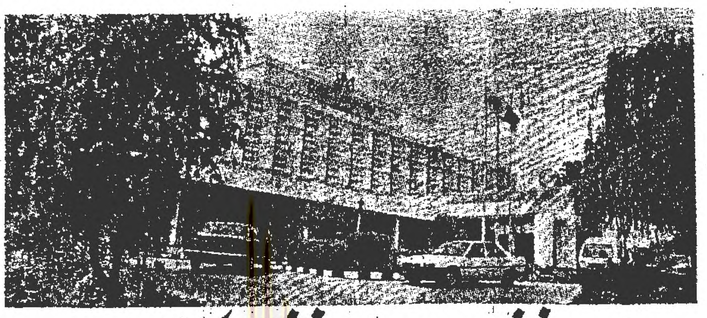

انٹرکانٹی نینٹل پرل کانٹی نینٹل کیسے بنے؟

اربوں روپے کے چار ہوٹل ساڑھے تیرہ کروڑ روپے میں ایک اسماعیلی کے ہاتھ فروخت کر دیے گئے۔

ظہیر احمد

انٹرکانٹی نینٹل ہوٹلوں کو کون سے پَر لگے کہ وہ "پرل کانٹی نینٹل" ہو گئے اور بظاہر کچھ نہ بدلا لیکن درحقیقت سب کچھ بدل گیا۔ جب حقیقتوں سے پردہ اٹھتا ہے تو "بڑے" لوگوں کے ان ہوٹلوں کی داستان میں بڑے بڑے لوگ بالکل اسی طرح عریاں نظر آتے ہیں جس طرح ان ہوٹلوں کے سوئمنگ پولوں، لاؤنجوں اور ریستورانوں میں گوری اور کالی چمڑی والے اور والیاں عریاں و نیم عریاں لباسوں میں اٹھکھیلیاں کرتے پھرتے ہیں۔

اب سے کچھ عرصہ پہلے کراچی، لاہور، راولپنڈی اور پشاور کے چار انٹرکانٹی نینٹل ہوٹلز پاکستان سروسز لمیٹڈ (پی ایس ایل) کی زیر نگرانی تھے یا یوں کہیے کہ ان ہوٹلوں کے کنٹرولنگ شیئرز حکومت کے تھے اور حکومت کی طرف سے ان کنٹرولنگ شیئرز کی مختار کمپنی پی ایس ایل تھی۔ جس زمانے میں پی آئی اے کے چیئرمین ایم ایم سلیم تھے تو پی ایل ایل کی ذمہ داری بھی انہیں سونپ دی گئی۔ ایم ایم سلیم کے ساتھ پی ایس ایل کے دوسرے کرتا دھرتا اعجاز احمد تھے۔ دونوں حضرات نے "نامعلوم وجوہ" کی بنا پر اس کے باوجود کہ چاروں ہوٹل منافع بخش تھے اور ان کی بیلنس شیٹ ہر سال منافع ظاہر کرتی تھی۔ حکومت کو انہیں فروخت کرنے کا مشورہ دیا۔ معاشیات کی دنیا میں کبھی شاید ہی کوئی منافع بخش ادارہ "ڈس انویسٹ" کیا گیا ہوگا۔

پاکستان بینکنگ کونسل نے ایم ایم سلیم اور اعجاز احمد کی کوششوں کے نتیجے میں ایک کمیٹی تشکیل دی اور پھر اس کمیٹی نے حکومت کے کنٹرولنگ شیئرز فروخت کرنے کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ بینکنگ کونسل کے چیئرمین اُس وقت ایم آر خان تھے۔ بینکنگ کونسل کی کمیٹی نے یہ شرط لگائی کہ شیئر صرف اس پارٹی کو فروخت ہوں جو پہلے سے ہوٹل بزنس اور مینجمنٹ کا تجربہ رکھتی ہو۔ یہ شرط بظاہر بہت معصوم تھی، لیکن اس کا مقصد کیا تھا یہ آگے چل کر واضح ہو گیا۔ اس شرط کے باوجود یہ احتیاط کی گئی کہ نہ اخبارات میں اس فیصلے کی خبر آنے دی گئی، نہ ٹینڈر دیے گئے۔ پھر ایک دن خبر ملی کہ ساڑھے تیرہ کروڑ روپے میں ممتاز اسماعیلی خوجہ صدرالدین ہاشوانی کو چاروں ہوٹلوں کے کنٹرولنگ شیئر فروخت کر دیے گئے ہیں، حالانکہ بولی دینے کے لئے سرحد کے میر افضل خان اور "ڈان" کے خواجہ رحمان بھی آئے تھے۔ جس کسی نے یہ سنا کہ چاروں ہوٹل ساڑھے ۱۳ کروڑ روپے میں فروخت ہو گئے ہیں تو اس نے دانتوں میں انگلی دبا لی کیونکہ جس زمانے میں یہ سودا ہوا اسی زمانے میں انٹرکانٹی نینٹل کے سامنے شیرٹن ہوٹل کی عمارت تیار ہوئی تھی اور اس پر ایک سو کروڑ یعنی ایک ارب روپے کی لاگت آئی تھی۔ اگر شیشا باٹلی اور رسّی کے بھاؤ کے حساب یا پرانی کتابوں کی خرید و فروخت کے معیار کو سامنے رکھ کر بھی انٹرکانٹی نینٹل کی ایک عمارت نصف قیمت یعنی پچاس کروڑ میں لگائی جائے تو چاروں ہوٹل دو ارب روپے کے تھے، یہ تو عمارتوں کی انتہائی کم سے کم قیمت کا تخمینہ ہوا مگر ان زمینوں کی قیمت کا تخمینہ کون لگائے گا جو لاہور، پنڈی اور پشاور کے ہوٹلوں کے ساتھ ابھی خالی پڑی ہے۔ لاہور کا انٹرکانٹی نینٹل شاہراہ قائداعظم پر واقع ہے اور اس ہوٹل کی عمارت کے ساتھ خالی زمین تین گنا ہے شاہراہ قائداعظم جہاں پر زمین کا ایک ایک انچ قیمتی ہے کروڑوں روپے کی بات ہے۔ یہ سودا ہوتے کے بعد ہر خریدنے والے کو "پَر" لگ سکتے ہیں اور صدرالدین ہاشوانی کو جو ہالی ڈے اِن کراچی اور ہالی ڈے اِن اسلام آباد کے مالک بھی ہیں پہلے ہی سے "پَر" لگے ہوئے تھے، چنانچہ انہوں نے انٹرکانٹی نینٹل کے بجائے نام "پرل کانٹی نینٹل" رکھا اور اس قسم سے بھی کئی فوائد سے مستفیض ہوئے۔ وہ یوں بھی آغا خان کونسل کے اہم ترین فرد ہیں اور اس طبقے کی انٹرنیشنل CHAIN میں شامل ہیں۔ مگر "ڈان" کے خواجہ رحمان نے سودے پر خاموشی اختیار نہ کی۔ انہوں نے اے کے بروہی مرحوم کے ذریعہ پاکستان بینکنگ کونسل کو نوٹس دیا کہ یہ سودا قانونی تقاضے پورے کئے بغیر ہوا ہے انہوں نے اپنا نوٹس روزنامہ "ڈان" کے صفحہ اوّل پر بھی شائع کرایا۔ مگر اس ریکٹ میں چونکہ بہت بڑے لوگ ملوث تھے لہٰذا خواجہ رحمان کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا گیا۔ پس پردہ اُن کی خاموشی کا راز کیا تھا یہ معلوم نہ ہو سکا۔

ملک کے تین دوسرے شہروں میں بھی انٹرکانٹی نینٹل کی عمارت انتہائی عمدہ اور قیمتی جگہوں پر تعمیر ہوئی تھیں، جبکہ انٹرکانٹی نینٹل کراچی کی جگہ کی قیمت کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ یہ جن اہم شاہراہوں کے سنگم پر واقع ہے وہاں زمین کی قیمت روز بروز اور لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہے ایک محتاط اندازے کے مطابق جس وقت ہاشوانی گروپ نے سودا کیا اس وقت صرف انٹرکانٹی نینٹل کراچی کی زمین ۲۵ کروڑ روپے مالیت کی تھی جبکہ اس زمین

کو تین سو کمروں پر مشتمل ہوٹل کی تعمیر شدہ شاندار عمارت کے ساتھ فروخت کیا گیا تھا۔ اس حساب سے لاہور، پنڈی اور پشاور کے ہوٹلوں کی عمارات کی مالیت اور ان کے ساتھ ملحقہ خالی قطعات کی مالیت کا اندازہ لگا کر سو چٹے کو گیارہ کروڑوں کا نہیں اربوں کہا ہے۔

ہاشوانی گروپ نے کنٹرولنگ شیئر خریدنے کے بعد تمام ہوٹلوں کا "ریونیو ڈیشن پلان" بنایا۔ اس منصوبے کے تحت نہ صرف نام تبدیل کیا گیا بلکہ اس بہانے انٹرنیشنل مینجمنٹ کنٹریکٹ ختم کر دیا گیا اور تمام اہم عہدوں سے اچھے لوگوں کو ہٹا کر اپنے لوگ جن میں زیادہ تر آغا خانی ہیں بھرتی کئے گئے۔ لوکل مینجمنٹ سسٹم سے مالکان بہت سی پابندیوں سے آزاد ہو گئے۔ ہاشوانی گروپ نے دوسرا منصوبہ یہ کیا کہ این ڈی ایف سی کے چیئرمین ظفر اقبال کی مہربانی سے جو صدر الدین ہاشوانی کے دوست تھے۔ "ریونیو ڈیشن پلان" کے لئے بڑا بھاری قرضہ حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قرضہ لگ بھگ اتنی ہی رقم کا ہے جتنے میں چاروں ہوٹلوں کا سودا کیا گیا۔ گویا جو تا بھی حکومت کا اور سر بھی حکومت کا۔ ہلدی لگی اور نہ پھٹکری، مگر رنگ دیکھئے کیا چوکھا آیا ہے۔

ہاشوانی گروپ کو قرضہ کیوں نہ ملتا۔ آخر ان کے اعلیٰ حکومتی سرکل میں وہ تعلقات کب کام آتے جو انہوں نے ہالی وڈ سے ان کے "سو بٹے نمبر ۹۰" کی دعوتوں کے ذریعہ اور اپنی محل نما رہائش گاہ پر ہونے والی "دیکھی پارٹیز" کے ذریعہ بنائے ہیں۔ ہر ہفتے ان کے گھر پر باتھ آئی لینڈ میں جو دعوت و شیبہ ہوتی ہے وہاں اعلیٰ اور چنیدہ سرکاری حکام کے لئے گانے بجانے، کھانے پینے کا شاندار اہتمام ہوتا ہے۔ موسیقی کی دھنوں پر پسندیدہ مشروبات کے ساتھ اعلیٰ حکام اور ان کی بیگمات جب داد دیتے ہیں تو صدر الدین ہاشوانی کی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ نمونے کے لئے اعلیٰ سرکاری حکام میں سے اسٹیل ملز کے سابق چیئرمین اور موجودہ سیکرٹری مواصلات ایچ این اختر کا نام کافی ہے جو پیش پیش ہوتے ہیں، وگرنہ نام اور بہت سے اور چونکا دینے والے ہیں۔

سرکاری خزانے میں اربوں روپے کے ہونے والے نقصان کے علاوہ جو انٹرکانٹی نینٹل ہوٹلوں کی فروخت سے ہوا، تشویش کی بات یہ ہے کہ ملک کے بڑے ہوٹلوں پر ہاشوانی گروپ کا تسلط ہو چکا ہے اور یہ گروپ

حکومت نے بڑے ہوٹل ایک اسماعیلی کے ہاتھ فروخت کر کے خود کو تمام سفارتی اور سیاسی ریشہ دوانیوں سے دانستہ بے خبر کر لیا ہے۔

صدر الدین ہاشوانی

پارلیمنٹ میں ہاشوانی گروپ کے متعلق متعدد بار سوالات اٹھائے گئے مگر ارکانِ پارلیمنٹ کو خاموش کرا دیا گیا۔

ان ہوٹلوں میں ہونے والی سفارتی، سیاسی اور سرکاری حرکات و سکنات کی جو تصویر چاہے حکومت کو دکھائے اور جو چاہے نہ دکھائے۔ ساری دنیا میں سفارتی اور سیاسی سازشیں عموماً بڑے ہوٹلوں میں جنم لیتی ہیں اور پروان چڑھتی ہیں مگر حکومت نے ملک کے چار بڑے ہوٹلوں سے اپنا عمل دخل ختم کر کے ان ہوٹلوں میں ہونے والی سرگرمیوں سے خود کو دانستہ بے خبر کر لیا ہے۔

ہاشوانی گروپ پر پیپلز پارٹی کو فنانس کرنے کے علاوہ اسی نوعیت کے کچھ دوسرے الزامات بھی تھے لہٰذا محمد خاں جونیجو نے صدر الدین ہاشوانی کے خلاف آتے ہی تحقیقات کرائی اور پھر ۱۹۸۶ء میں انہیں ٹیکس چوری کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ بوگس چالان کیس کو جعلی اندراجات کا ریکارڈ قبضے میں کر کے ایف آئی آر نے انہیں دو دن تک زیرِ حراست رکھا۔ یہ مقدمہ ابھی تک چل رہا ہے۔

سابقہ اسمبلی میں متعدد بار اسمبلی ممبران نے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹلوں کی فروخت پر سوالات اٹھائے مگر اسمبلی ممبران سے معروف راستوں کے ذریعہ "ایڈجسٹ" کر کے ان کو خاموش کرا دیا گیا۔

محمد خاں جونیجو کی حکومت ختم ہونے سے پہلے ہی ہاشوانی نے صدر ضیاء الحق تک رسائی حاصل کر لی تھی، جس کا ثبوت یہ ہے کہ نمری کے نزدیک یہی گروپ بھوربن میں "پرل کانٹی نینٹل ریسورٹ ہوٹل" تعمیر کر رہا ہے، جس کا سنگِ بنیاد صدر مملکت رکھنے والے ہیں۔

تصویر صفحہ نمبر ۷۳ پر

ملائشیا میں جماعت خانوں پر پابندی

مسلمان کے آغا خانیوں کو کافر قرار دیا

ملائیشیا میں اسماعیلی جماعت خانے بند

سعودی عرب، کویت، بحرین اور امارات میں غیر مسلم قرار دے دیا گیا

تاریخ اسلام کے مطالعے سے یہ افسوس ناک اور تکلیف دہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام کو جن فتنوں سے سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے وہ خارجی نہیں داخلی تھے ان داخلی فتنوں میں تحریف و تاویل، بدعتیں، شعوبیت و عجمیت اور منافقانہ تحریکیں سرفہرست رہی ہیں جنھوں نے اسلام کے سدا بہار شجر کو گھن لگا کر کھوکھلا کیا ہے۔ ان تحریکوں میں اسماعیلیت سرفہرست ہے جس نے سیدھے سادے اسلام کے بالمقابل اور متوازی ایک مستقل دین و مذہب کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جو کتاب و سنت پر مبنی اسلام پر بھرپور حملہ ہے۔ اسماعیلی آغاخانی حضرات جو حاضر امام کے معتقد ہیں شریعت کے تمام احکامات کو معطل سمجھتے ہیں، اسی لئے ان کے ہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی۔ اپنی تقریبات کے لئے جماعت خانوں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اسماعیلی حضرات بالعموم مالدار ہیں چنانچہ ان کی دولت کے زور پر کئی بڑے رفاہی ادارے قائم ہیں جن میں آغاخان ہاسپٹل، تعلیمی اور مدارس، کالجز وغیرہ شامل ہیں ملک کے اکثر کثیر الاشاعت روزنامے اسماعیلی حضرات اور پرنس آغاخان کے رفاہی و فلاحی کاموں کو بڑی آب و تاب سے شائع کرتے ہیں۔

اسماعیلیت پر معلومات اور کتب کی ہمیشہ کمی رہی ہے۔ اسماعیلی حضرات خود بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کے عقائد کی بافاعدہ نشر و اشاعت ہو۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسماعیلی دعوت میں جو باتیں بنیادی اصول کے طور پر پیش کی جاتی ہیں وہ ایک عام مسلمان کے لئے اتنی متوحش ہیں کہ ایک مسلمان انہیں ہضم کر ہی نہیں سکتا مثال کے طور پر یہ باطنی اصول کہ اللہ تعالیٰ کا نور علیؓ میں حلول کر گیا ہے اس لئے حضرت علیؓ خود اللہ ہیں اور پھر یہی منصب الوہیت دیگر بعد میں آنے والے ائمہ میں منتقل ہوتا رہا ہے یہ اور دیگر اسی قسم کے عقائد مثلاً نماز کے بجائے داعی کی دعوت میں داخل ہونا کیونکہ صلوٰۃ اور محمدؐ میں چار چار حروف ہیں۔ بجائے قبلے کی طرف متوجہ ہونے کے امام کی طرف متوجہ ہونا ظہر کی نماز کے بجائے رسول خدا صلعم کی دعوت میں داخل ہونا کیونکہ آپ کے نام محمدؐ میں چار حرف ہیں اور ظہر کی چار رکعتیں ہیں۔ عصر کی نماز کے بجائے حضرت علیؓ یا صاحب القیامہ کی دعوت میں داخل ہونا۔ مغرب کی نماز کے بجائے آدمؑ کی دعوت میں داخل ہونا کیونکہ لفظ آدم میں تین حرف ہیں اور مغرب کی بھی تین رکعتیں ہیں، عشاء کی نماز کے بجائے چار نقیبوں کی دعوت میں داخل ہونا جو بارہ نقیبوں میں بڑی فضیلت والے ہیں۔ فجر کی نماز کے بجائے مہدیؑ اور آں کی جنت میں داخل ہونا رکوع و سجود ضروری نہیں اس کے بجائے جنت اور امام کی معرفت اور اطاعت کافی ہیں۔

ہر حاضر امام کے بارے میں اسماعیلی حضرات کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اسے شریعت میں ترمیم و تنسیخ کا پورا پورا

محمد نعیم عارفی

اختیار ہے، باری تعالیٰ کی جو صفات قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہیں ان سے امام بھی متصف ہوتا ہے، امام کی معرفت کے بغیر نجات پانا ناممکن ہے، ہر مومن پر امام کی معرفت اور بھرپور اطاعت واجب ہے، امام معصوم ہوتا ہے اس سے خطا ہو ہی نہیں سکتی، امام ہی کو دنیا پر حکومت کا حق حاصل ہے، ہر زمانے میں ایک امام کا وجود ضروری ہے اس میں اور دوسرے بندگان خدا میں وہی فرق ہے جو حیوان ناطق اور غیر حیوان ناطق میں ہے اس کے نفس پر افلاک کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تعلق اس عالم سے ہے جو فارغ از افلاک ہے۔ اس کا جوہر سماوی اور اس کا علم علوی ہوتا ہے۔ امام علم خدا کا خازن اور علم نبوت کا وارث ہے اسماعیلی عقائد کی تعداد سو بتائی جاتی ہے جن میں سے بہت سی باتوں کا علم خصوصی مطالعے اور داعیانہ تعلیم و تدریس کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

اسماعیلی حضرات جماعت خانوں میں جمع ہو کر اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور تمام معاشرتی اور مذہبی تقریبات مناتے ہیں۔ چاند رات کے دن ایک خاص محفل منعقد کی جاتی ہے جس میں آغاخان کے دست مبارک سے مس شدہ پانی عامۃ الناس پر چھڑک کر ان کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔ ایسی ہی ایک تقریب میں ۱۹۸۶ء میں جدے میں سعودی حکومت نے ایک جماعت خانے میں لوگوں کو گناہ معاف کراتے ہوئے پکڑا جماعت خانہ سیل کر دیا گیا۔ لوگوں کو پکڑ کر جیل پہنچا دیا گیا مگر بعد میں صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کی مداخلت پر چھوڑ دیا گیا مگر سعودی حکومت نے اسماعیلی حضرات کو اسلام سے خارج قرار دیدیا ہے، انھیں حج یا عمرے کا ویزا دینا منع ہے۔ ساتھ ہی کویت اور بحرین سمیت خلیج کی تمام ریاستوں میں جماعت خانوں کا قیام قانوناً جرم قرار دیدیا گیا ہے۔ اب اطلاع آئی ہے کہ ملائشیا میں بھی حکومت نے جماعت خانوں کے قیام پر قانوناً پابندی لگا دی ہے۔ اس سلسلے میں تجہیز و تکفین ملائشیا سے جناب حامد خاں صاحب نے ایک خط تحریر کیا ہے۔ جسے عامۃ الناس کی معلومات کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔

محترمی۔ پچھلے چند ماہ سے ملائشیا میں تمام جماعت خانوں کو حکماً بند کر دیا گیا ہے کیونکہ یہاں جماعت خانوں کو رجسٹرار آف سوسائٹیز کے دفتر میں رجسٹر نہیں کرایا گیا تھا اور ایسا اس لئے نہیں ہو سکا کہ جماعت خانوں میں جانے والے حضرات اور اس کے اراکین کے عقائد اسلام کے بنیادی عقائد سے بالکل مختلف اور متضاد ہیں۔ ملائشیا میں کسی سوسائٹی یا انجمن کا اپنے آپ کو رجسٹر کرائے بغیر کسی بھی قسم کے اجتماع کرنا ممنوع ہے۔ اس قانون کی وجہ سے جماعت خانوں میں اسماعیلیوں کی نماز اور دیگر تمام رسومات مطلقاً بند ہیں۔ یہاں کے عام اسماعیلی حضرات میں جماعت خانوں کی بندش کی وجہ سے بڑی بے چینی پھیل گئی ہے اور وہ بنیادی

باقی صفحہ نمبر ۶۷ پر

بقیہ: سلائشیا صفحہ نمبر ۲۶ کا باقی

اسباب جاننا چاہتے ہیں۔ شاہے کراچی کا اسٹیٹ آفس بھی اس سلسلے میں تشویش میں مبتلا ہے کیونکہ اس طرح دنیا کے دوسرے حصوں میں رہنے والے اسماعیلی حضرات بھی شک و شبہ اور تشویش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ایک اچھے مسلمان کی حیثیت سے آپ سے درخواست ہے کہ اپنے جریدے میں یہ خبر شائع فرمائیں تاکہ عام اسمٰعیلی بھائی حقیقت حال کو سمجھ سکیں اور جان لیں کہ اسماعیلی بنیادی عقائد اسلام کے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی تعلیمات کے بالکل خلاف ہیں اس طرح انشاءاللہ وہ حضرات حقیقت کو پا جائیں گے اور اپنے عقائد و اعمال کو حقیقی اسلام کے مطابق بنا سکیں گے۔ حقیقتاً اسماعیلی حضرات کھلے شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں جو اسلام میں ناقابل معافی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے:

ترجمہ: "عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرین حق کے دلوں میں رعب بٹھا دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ان کو خدائی میں شریک ٹھہرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ آگ کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت ہی بری ہے وہ قیام گاہ جو ان ظالموں کو نصیب ہوگی"۔ حامد خان / سیلانگر۔ ملائشیا۔

بقیہ: آغا خانیات

صفحہ نمبر ۲۷ کا باقی حصہ

تھی۔ حسن بن صباح کی وفات ۵۱۸ھ/۱۱۲۴ء میں ہوئی تھی۔ مصر کے معاصر تاریخ نویس ابن میسّر (۱۲۷۸-۱۲۳۱) اپنی کتاب "اخبار المصر" (جسے ہنری ماسی نے قاہرہ سے ۱۹۱۹ء میں شائع کرایا تھا) کے صفحہ نمبر ۶۸ میں لکھتا ہے کہ حسن بن صباح نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اپنے جانشینوں کو ایک امام کا تعارف کروایا تھا MARSHALL HODGSON کے مطابق ابو محمد العراقی الموت کے خاتمہ (۱۲۵۶ء) کے بعد تحریر کرتا ہے کہ حسن بن صباح کے زمانہ میں الموت میں ایک امام موجود تھا۔ مزید ذکریا قزوینی نے "آثار البلاد" (جلد دوم صفحہ نمبر ۲۰۱) نے امام ہادیؑ کی الموت میں موجودگی کا بھی اقرار کیا ہے۔ (جاری)

آدھی دنیا

کے ساتھ جتنا وقت گذرا، یہ عجیب بات نوٹس میں آتی رہی کہ وہ جب بھی ہنستی یا مسکراتی تو یوں جیسے زبردستی ایسا کر رہی ہو اور اس کی آنکھوں میں نہ معلوم اداسیوں نے جیسے ڈیرے جما رکھے تھے۔

اتفاق کی بات ہے کہ پچھلے سال میں اپنے شوہر کے ہمراہ یہ سے کے لئے عنیزہ گئی۔ وہاں مجھے شاہ بانو بہت یاد آئی اور وہاں میں نے اسی نوعیت کی عمارت بہت تعداد میں دیکھیں اور عنیزہ سے خنجراب ٹاپ تک ہر ۵-۶ میل کے بعد "آغا خان رورل ڈیولپمنٹ پراجیکٹ" کے نام سے کہیں نو تعمیر شدہ اور کہیں زیر تعمیر کوئی منصوبہ بلند بالا پہاڑوں میں عجیب شان پیدا کرتا نظر آیا۔ عنیزہ میں علی آباد سے ۶ میل دور اور کافی بلندی پر ایک خوبصورت تربیتی مرکز "کریم آباد" (پرنس کریم کے نام سے) میں نے شاہ بانو کے دلدادہ لوگوں کو دعوت نظارہ دیتا ہے۔ ہم وہاں ایک رات رہے اور ہوٹل کے آغا خانی منیجر نے بتایا کہ یہاں کی ۹۵ فیصد آبادی آغا خانی ہے اور صرف ۵ فیصد مسلمان۔ اس کی باتیں سن کر یہ فکر میرے ذہن کے ساتھ چپک کر رہ گئی کہ ۹۵ فیصد آبادی جو کہ ہزاروں پر مشتمل ہے، کے لئے دس سال پہلے ایک مسجد اور سر قرآن کا ایک کیسٹ کیا کم ہے گا؟

آوازِ مخلوق

جماعت خانے سے مسجد تک

ناچیز کا آبائی مذہب آغا خانی (اسماعیلی) ہے۔ اللہ پاک کا خصوصی کرم تھا کہ آج سے ۲۴ سال پیشتر ایک اللہ والے کی توجہ سے میری زندگی کے دن بدل گئے اور آغا خان کی پرستش کی جگہ خالق حقیقی کی محبت کا آغاز ہوا۔ اس پر اپنے قیام سعودی عرب کے دوران میں نے ایک کتاب بھی لکھی ہے، جس کا عنوان ہے "جماعت خانے سے مسجد تک" کتاب کا ایک نسخہ ارسال کر رہا ہوں۔

حمید علی، مکان نمبر ۱۹، بلاک نمبر ۳۱، سرگودھا۔

ضروری وضاحت

چند حضرات یا اداروں نے تکبیر میں شائع شدہ آغا خانی شیعہ امامی اسمٰعیلیہ حضرات کے مذہبی مقامات و نظریات پر مبنی بعض رپورٹوں اور مضامین کو بھی کمپوز کر کے تکبیر کی نوح لگا کر شائع کر دیا ہے اور اپنی طرف سے بھی بعض مضامین کا اضافہ کر دیا ہے۔ اس قباحت کے سلسلے میں نہ تکبیر سے اجازت طلب کی گئی ہے، نہ ہمارے علم میں پہلے سے یہ بات لائی گئی ہے۔ تکبیر کا اس شائع شدہ مواد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عنقریب ادارہ تکبیر خود ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کر رہا ہے۔ (ادارہ)

امامت: بقیہ صفحہ نمبر ۷ کا حصہ

بقیہ:

سے ہیں جن کا سلسلہ نامی آئمہ سے ملتا ہے۔"(۱)

ابن خلکان (۱۲۸۲ء - ۱۲۱۱ء) نے "وفیات الاعیان" (جلد دوم، صفحہ نمبر ۴۵۰) میں بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ نزار وہی شخص تھا جس کی نسل سے الموت میں اسمٰعیلی آئمہ گزرے ہیں۔

خواجہ نصیر الدین طوسی (۱۲۷۴ - ۱۲۰۱) جو الموت کے حاکم امام علاؤالدین محمدؑ کے زمانے میں وزیر تھے، انہوں نے اپنی کتاب "تصورات" میں امام علی ذکرہ السلام کے مذکورہ تاریخی خطبہ کو نقل کیا ہے جس میں امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یہ جان لو کہ یہ امامت حقیقی ہے اور یہ کبھی گمراہ ہوگی اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہوگی اور نہ ہی ردّ و بدل ہوگا۔ یہ ہمیشہ مولا علی کی نسل میں محفوظ رہی اور کبھی بھی ان سے ظاہراً یا بقصداً یا حقیقتاً جدا نہ رہے گی۔"

(تصورات۔ ترجمہ ڈبلو آیوانو، لیڈن (۱۹۵۰ء) صفحہ نمبر ۱۳۰)

خواجہ نصیر الدین طوسی (۱۲۷۴-۱۲۰۱) جو علاء الملک جوینی (۱۲۸۳-۱۲۲۶) سے عمر کے لحاظ سے ۲۵ سال لیفٹیر تھے، اپنی مذکورہ کتاب "تصورات" (صفحہ نمبر ۱۳۱) میں مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اہل ظاہر کے لئے ایک ظاہر امام ضروری ہے جسے امام کا فرزند ہونا چاہیئے ورنہ اگر وہ امام کا فرزند ظاہری و جسمانی طور پر نہ ہوگا تو یہ دنیا اپنے ظاہری وجود کی شکل سے محروم ہو جائے گی لہٰذا یہ ضروری ہے کہ بقائے وجود باطن اور ظاہر روحانی کے لئے امام کا امام ہی کا فرزند ہونا چاہیئے۔"

(۱) "دعوت الزہاریہ اجداد آغا خان"، قاہرہ (۱۹۵۰ء)، صفحہ نمبر ۲۲۲۔

جب اسلام ہو گا تو امن ہو گا
جب امن ہو گا تو خوشحالی ہو گی
جب خوشحالی ہو گی تو حقوق ملیں گے

صفحہ نمبر ۶۰ کا باقی حصہ

آغا خان آلِ رسول ہیں

اسماعیلی جماعت اپنا موقف پیش کرتی ہے

تحریر:- مستاذ علی، تاج الدین صادق علی

ہفت روزہ تکبیر ۱۸ مئی ۱۹۸۸ء اور ۲۵ مئی ۱۹۸۸ء کے شماروں میں جناب صادقون خان کا ایک مضمون شائع کیا گیا تھا جس کا عنوان تھا "کیا آغا خان آلِ رسول ہیں" اس کے جواب میں اسمٰعیلی فرقے کے ایک ترجمان جناب مستاذ علی تاج الدین صادق علی نے ہمیں ایک مضمون چند ماہ قبل ارسال کیا اور "تکبیر" کی اس دعوت کا حوالہ دیتے ہوئے کہ وہ دوسرا نقطۂ نظر بھی شائع کرنے کے لیے تیار ہے، اس کی اشاعت پر اصرار کیا لیکن ملک کے حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ یہ مضمون تازہ ترین واقعات اور نوری نوعیت کے موضوعات کی ترجیحی فہرست میں جگہ نہ پاسکا۔ صورتحال اگرچہ اب بھی یہی ہے اور تازہ موضوعات کا ریلا اس کی اشاعت میں مانع ہے تاہم تکمیل وعدہ کی خاطر ہم اسے قسط وار شائع کر رہے ہیں، امید ہے یہ دو یا زیادہ سے زیادہ تین قسطوں میں مکمل ہو جائے گا۔ اسے بلا تبصرہ شائع کیا جا رہا ہے، جناب صادقون خان یا کسی اور نے اس پر کوئی تبصرہ کرنا چاہا تو انہیں بھی اس کا موقع دیا جائے گا۔

ہمارے نزدیک یہ پوری بحث کہ آغا خان آلِ رسول ہیں یا نہیں، سرے سے بے معنی ہے اور قرآن و سنت کی رو سے اس کی کوئی اہمیت نہیں، نسلی امامت کا پورا تصور شاہ پرست مفادوں سے ابھرا ہے اور اس نے مختلف فرقوں میں اپنے اپنے بت تراش کران کی پوجا پاٹ شروع کر دی ہے۔ کسی نبی سے نسلی نسبت اسلام میں کسی خاص شرف و فضلیت کی حامل نہیں ہے اس کی اولاد کا مقام بھی اس کے اپنے اعمال کی بنیاد پر ہے۔ یہاں سارا زور اعمال پر ہے اور ہمیشہ

کے لیے طے کر دیا گیا ہے کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو زیادہ پرہیزگار ہیں۔) خلافت کا اصول یہ طے کر دیا گیا کہ "خیرامت" تلاش کرو۔ اسی اصول کے تحت حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "اگر ابو حذیفہؓ کے غلام سالمؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلافت کے لیے نامزد کر دیتا۔ اگر پروردگار مجھ سے سوال کرتا کہ میں نے آپ کے رسولؐ سے سنا تھا کہ سالمؓ اللہ سے بہت محبت رکھنے والے اور اس سے بہت زیادہ محبت رکھنے والے ہیں"۔

قرآن حکیم میں بیان کردہ مختلف انبیاء کے حالات سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کی اولاد کو اس کے امتیوں میں کوئی خصوصی مقام یا استحقاق حاصل نہیں ہے ——— جب ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے خوشخبری سنائی کہ "میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں"۔ تو ابراہیمؑ نے عرض کیا "اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے" تو اللہ نے جواب دیا "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے"۔

کی فارسی کتاب "تاریخ جہاں گشا" کا مطالعہ نہیں کیا۔ وہ ہمارے موجودہ ۴۱ ویں حاضر امام "پرنس کریم آغا خان" کے شجرۂ مبارک کو حسن بن محمد بن کیا بزرگ امید سے ملانے کی ناکام کوشش اس طرح سے کرتے ہیں جس طرح سرولیم موئر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ مبارک کو حضرت ابراہیمؑ سے ملانے کی بجائے کرے کے ساتھ ملانے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا اس مضمون کے سلسلے میں اپنی دو صاحتوں کو پیش کرنے سے پیشتر ہم جناب صادقون صاحب سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے تاریخ کے اصل اور مستند مواد کی چھان بین کریں، ہمارے

(بقیہ ۱۲۴)

گویا نبی کی اولاد میں ظالم بھی ہو سکتے ہیں جن کے لیے پیشوائی کا کوئی وعدہ نہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے ظلم کا سورۂ یوسف میں تفصیل سے ذکر موجود ہے، حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو اس کی بداعمالیوں کے باعث کشتی میں بٹھانے سے انکار کر دیتے ہیں اور وہ ان کی نگاہوں کے سامنے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے، جہاں تک اہلیت کا تعلق ہے ان میں ہبولوں کی باری سب سے پہلے آتی ہے لیکن ان کا مرتبہ بھی یکساں نہیں۔ اس کا تعلق ان کے اعمال پر ہے۔ فرعون کی بیوی خدا کی نگاہ میں مومنہ قرار پائی اور بلند مقام پر فائز ہوئی ہے کیونکہ اس نے ایک نبی حضرت موسیٰؑ کی پرورش کی اور ان پر ایمان لائیں، حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان بیوی عذاب کا شکار ہوئی اور نبی کی بیوی ہونا ان کے کسی کام نہ آیا۔

"آل" کی اصطلاح قرآن حکیم میں قوم اور امت کے معنی میں استعمال ہوئی ہے، فرعون کو ماننے والوں کو قرآن نے آلِ فرعون قرار دیا اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے والے آلِ موسیٰؑ کہلائے اب اگر کسی زورِ تحقیق سے آغا خان حضرت حسینؓ کی اولاد ثابت بھی کر دیئے جائیں تو زیادہ سے زیادہ اولادِ علیؓ میں شامل ہوں گے، اولادِ نبی قرار نہیں پائیں گے اور ان کا مقام ان کے اعمال سے متعین ہوگا۔ محض نسب اور نسل سے نہیں، یہ بنیادی نکتہ ذہن میں رکھتے ہوئے صادق علی صاحب کی تحقیق ملاحظہ فرمایئے، یہ محض تاریخی مسئلہ ہے، دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں (مدیر)

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے اپنی تقریر میں تمام عالم اسلام کی برادری کو یہ پیغام دیا تھا کہ :

" دنیا میں امن و امان قائم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مسلک کو چھوڑ دو مت اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑ دو مت "

جناب صادقوں اسمٰعیلیوں کی تاریخی کتاب "نور المبین" کو ایک دستاویز اور ایک مستند کتاب قرار دیتے ہیں حالانکہ ہماری قوم نے آج تک کسی بھی کتاب کو ایسا درجہ نہیں دیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۳۶ء تک ہندوستان میں ہمارے آئمہ کی تاریخ کو بیان کرنے والی کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ چنانچہ اس کے مصنف نے ۱۹۲۸ء سے "نور المبین" لکھنا شروع کی اور ۱۹۳۶ء میں اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا اور اس کے بعد اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا اور ۱۹۴۹ء میں اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا کو نور المبین کے مزید ایڈیشن شائع کرنے کے حقوق مل گئے۔ اور اس طرح اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کیا گیا اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۱ء میں اور چوتھا ایڈیشن ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔

یہ ۱۹۳۶ء کا دور تھا۔ ہندوستان میں اس وقت ایک ایسی تاریخی کتاب کی سخت ضرورت تھی جو تاسیخ اکرا اسمٰعیلیہ سے متعلق ہو۔ اس وجہ سے یہ کتاب (نور المبین) اسمٰعیلیوں میں بیحد مقبول ہوئی اور ہمارے ۴۸ ویں امام نے بھی اس کے مطالعہ کی ہدایت فرمائی۔ جناب صادقوں کا بیرونی کے سامنے امام نے یہ فرمایا تھا کہ "ہر اسمٰعیلی کے پاس اس کا ہونا باعثِ خیر و برکت ہے" بالکل غلط ہے۔ اس قسم کا کوئی فرمان ہمیں نظر نہیں آتا۔ صادقوں صاحب کی بڑی نوازش ہوگی اگر وہ اس فرمان کی نقل ہمیں بہم پہنچا کریں۔ فی الوقت جناب صادقوں کی معلومات میں مزید اضافہ کے لیے ہم آغا خان صاحب کے دو فرامین تحریر کر رہے ہیں جو کہ انہوں نے نور المبین کے متعلق فرمائے ہیں :

(۱) "نور المبین، ہفت باب، پیر شہاب الدین کی کتاب اور فاطمی خلافت کی تصانیف بھی پڑھنی چاہیئے"

(بمبئی ۱۹۵۰-۱۲-۳۱)

(۲) نصاب میں نور المبین، مولانا رومی کی کتاب پڑھو، اماموں کی تواریخ جانو اور اس کا مطالعہ کرو"

(لاہور ۱۹۵۱-۱-۱۷)

جوں جوں وقت گزرتا گیا، عربی اور فارسی کی کتابیں منظرِ عام پر آتی گئیں اور اسمٰعیلی قوم میں نئے نئے اسکالروں کا اضافہ ہوتا گیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہمارے اسکالروں کو یہ معلوم ہوا کہ نور المبین میں کئی باتیں تاریخی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نور المبین کا پانچواں ایڈیشن آج تک شائع نہیں کیا گیا۔ یہ بالکل درست ہے کہ یہ ایک مفید کتاب ہے لیکن یہ کوئی تاریخی دستاویز نہیں۔ کئی جگہوں پر آئمہ اور پیروں کی تاریخوں میں فرق نظر آتا ہے۔ خود نور المبین کے مصنف علی محمد جان محمد چنارا (۱۹۲۶ - ۱۸۸۰) اپنی مذکورہ کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :

" ہماری یہ پہلی تاریخی تصنیف ہے۔ یہ آخری ہے ایسا نہ سمجھیں۔ ابھی اس میں بہت سی ترمیم اور اضافہ کرنے کی گنجائش ہے اور جس قدر زیادہ مواد ملتا جائے گا، زیادہ تحقیق ہوتی جائے گی۔"

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ اصل بحث امام حسن علی ذکرہ علیہ السلام اور امام نزار علیہ السلام کے درمیان جو تین اسمٰعیلی آئمہ گزرے ہیں، اس کی وضاحت کرنا ہے۔ اسمٰعیلی روایات کے مطابق امام حسن علی ذکرہ علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے "حسن بن ظاہر بن مہتدی بن ہادی بن نزار"

سب سے پہلے ہم ان آئمہ کا تاریخی شہادتوں کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔ فاطمی امام مستنصر باللہ علیہ السلام کی وفات کے بعد اسمٰعیلی دو گروہ میں بٹ گئے جنہوں نے امام مستنصر باللہ کے بڑے فرزند "نزار" کو بحیثیت امام تسلیم کیا، وہ نزاری اسمٰعیلی کہلائے اور ان کی ریاست ایران کے علاقے قزوین میں قلعہ الموت میں قائم ہوئی اور وہیں سے اسمٰعیلی آئمہ کا سلسلہ جاری رہا۔ امام نزار کی شہادت مصر میں اپنے بھائی مستعلی کے ہاتھوں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے ایک فرزند علی "لقب ہادی" الموت تشریف لے آئے۔ عبید اللہ مستوفی قزوینی اپنی کتاب "تاریخ گزیدہ" جو ۱۳۲۹ء میں لکھی گئی تھی، کے صفحہ ۵۱۸ پر رقمطراز ہے :

"نزار بن مستنصر باللہ نے اپنے فرزندوں میں سے ایک فرزند کو حسن بن صباح کے حوالے کر دیا۔ حسن بن صباح نے اس لڑکے کو ایران میں لاکر اس کی پرورش کی۔"

محمد بن تقی بن علی رضا (متوفی ۱۹۰۰ء) اپنی کتاب "آثار محمدی" جو ۱۸۹۳ء میں لکھی گئی تھی، کے صفحہ نمبر ۴۰ پر اسمٰعیلی روایت کی روشنی میں لکھتا ہے :

"سیدنا حسن بن صباح کے زمانے میں ابوالحسن سیدی نے جو نزاریوں کے اہلِ علم اور صاحبِ اقتدار لوگوں میں سے تھا، نزار کے فرزند ہادی کو مصر سے الموت لے آیا۔ سیدنا حسن بن صباح نے ہادی کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا اور ان کو الموت کے قریب ایک قصبے میں ٹھہرایا اور ان کی تعلیم تربیت اور کفالت "کیا بزرگ امید" کے سپرد کی۔"

علاء الملک جوینی نے بھی "تاریخ جہاں گشا" صفحہ نمبر ۶۹۲-۶۹۱ میں اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے :

"یہ سب سے زیادہ مقبول اور بالعموم اسماعیلیوں میں زیادہ صحیح اور مستند، زیادہ قبول کی ہوئی روایت ہے۔"

حسن بن صباح الموت کو ۴۸۳ھ میں اپنے قبضہ میں لے کر خود اس کے پہلے حاکم بنے۔ اس وقت المونت پر چاروں طرف سے دشمنوں کے حملے ہو رہے تھے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایران میں کوئی بھی اسمٰعیلی ریاست قائم ہو جائے چنانچہ امام ہادی اس صورتِ حال کے پیشِ نظر سلطنت کے امور سے کنارہ کش ہو گئے اور انہوں نے الموت کے قریب ایک گاؤں میں رہائش اختیار کر لی جس کی خبر صرف چند مقرب لوگوں کو

باقی صفحہ نمبر ۶۷ پر

آغا خان کی ہمشیرہ کی دوسری شادی آئندہ فروری میں ہوگی

لندن (نمائندہ رپورٹر) اسمٰعیلی قوم کے روحانی پیشوا پرنس کریم آغا خان کی بہن اور پرنس علی خان کی ۲۸ سالہ بیٹی شہزادی یاسمین علی خان اپنی دوسری شادی آئندہ سال فروری میں سے نیویارک کے ایک غیر مسلم شخص کرسٹوفر جیفرسن سے کریں گی جو جائیداد کے لین دین کا کام کرتا ہے۔ اس سے قبل شہزادی یاسمین نے یونان کے ایک اور غیر مسلم، شپنگ تاجر بابسل ایمبیکوس سے مختصر شادی کے بعد طلاق لے لی تھی۔ اس سے یاسمین کا ایک بچہ بھی ہے۔ شہزادی یاسمین کی ماں ریٹا ہیورتھ کا گزشتہ سال انتقال ہو گیا تھا۔ یاد رہے کہ ریٹا ہیورتھ ہالی وڈ کی ایک مشہور اداکارہ تھیں۔

(مزید صفحہ نمبر ۱۵ پر بھی)

امامت ہمیشہ مولانا علی کی نسل میں محفوظ رہی

اسماعیلی جماعت کا موقف ۲

تحریر:۔ مناذ علی "تاج الدین صادق علی"

امام ہادیؑ شروع میں الموت کے ایک قریبی گاؤں میں رہائش پذیر تھے اور وہ بعد میں لمسر کے قلعہ میں منتقل ہو گئے۔ امام ہادیؑ کی شادی ایک سیّد خاندان کے ساتھ ہوئی جن کے بطن سے ایک "محمدؑ" نامی فرزند پیدا ہوئے جن کا لقب "مہتدی" تھا۔ امام ہادیؑ کی وفات ۵۳۰ھ/۱۱۳۶ء میں لمسر کے قلعے میں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند "مہتدیؑ" جانشین مقرر ہوئے۔ حسن بن صباح کی وفات ۵۱۸ھ/۱۱۲۴ء میں ہو چکی تھی اور ان کے بعد "کیا بزرگ امید" الموت کے دوسرے حاکم مقرر ہو چکے تھے جو چودہ سال بعد ۵۳۲ھ/۱۱۳۸ء میں وفات پا گئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند "محمد بن کیا بزرگ امید" الموت کے بحیثیت تیسرے حاکم مقرر ہوئے۔ امام مہتدیؑ کی وفات ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء میں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند "قاہرؑ جانشین ہوئے جن کا لقب "القاہر بقوۃ اللہ بن المہتدی" تھا۔ انہوں نے کچھ عرصے کے بعد اسمٰعیلی ریاست کا نظم و نسق اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور عوام الناس میں ایک اعلامیہ جاری کروایا کہ اب محمد بن کیا بزرگ امید کی بجائے ہم الموت کے حاکم ہیں اور وہ (محمد بن کیا بزرگ امید) ہمارے وزیر ہیں۔

الموت میں حسن بن صباح، کیا بزرگ امید اور ان کے فرزند محمد بن کیا بزرگ امید تینوں الموت کے حاکموں کی حیثیت سے بالترتیب پہلے، دوسرے اور تیسرے سلطنت کا سورا انجام دیتے رہے، لیکن ان کے بعد امام قاہرؑ بذاتِ خود الموت کے چوتھے حاکم اور اسمٰعیلیوں کے ۲۲ ویں امام کی حیثیت سے عوام کے سامنے نمودار ہوئے۔ امام قاہرؑ نے اپنے نئے وزیر کے ساتھ الموت کے آس پاس کے علاقوں کا دورہ بھی کیا اور لوگوں سے بیعت لی۔ اسمٰعیلیوں کی یہ ایک قابلِ اعتماد روایت ہے جو "آثارِ محمدی" میں بھی درج ہے کہ امام قاہرؑ نے اپنا امامت کے آخری لمحات میں ریاست کی لگام الموت کے تیسرے حاکم محمد بن کیا بزرگ سے لے لی اور ان کی وفات کے بعد الموت کی لگام ان کے حقیقی فرزند اور جانشین امام حسن علیؑ ذکرہ السلام کے ہاتھ میں آئی۔ لیکن جوینی نے اس تاریخی حقیقت کو پسِ پردہ رکھتے ہوئے امام حسن علیؑ ذکرہ السلام کو محمد بن کیا بزرگ کا بیٹا بنا کر انہیں الموت کے چوتھے حاکم کی حیثیت سے لکھا ہے جو بالکل سن گھڑت بات ہے اور اسمٰعیلیوں کے خلاف لکھی جانے والی جعلی داستانوں کی یہ ابتدائی کڑی ہے۔

محمد بن کیا بزرگ امید کی وفات ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء میں ہوئی اور ان کے چند ہی مہینوں کے بعد اسی سال یعنی ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء میں امام قاہرؑ بھی وفات پا گئے۔ یہاں اس بات کا خلاصہ کرنا نہایت ہی ضروری ہے کہ اسمٰعیلی تاریخ میں امام اسمٰعیلؑ سے لے کر امام مہدیؑ تک یعنی ۱۴۸ھ سے ۲۹۶ھ تقریباً ۱۴۸ برسوں تک کے زمانے کو "دورِ ستر" کہا جاتا ہے۔ ان برسوں میں پانچ آئمہؑ کو زمانے کی مجبوری نے ستر پوشی کرنے پر مجبور کیا تھا۔ ۲۹۶ھ میں دورِ ستر اختتام کو پہنچا اور فاطمی امام مہدی علیہ السلام سے "دورِ ظہور" کا آغاز ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ ستر کے مستور آئمہؑ کی تاریخ ہمیں تفصیل سے نہیں ملتی۔ جس نے مخالفین کو یہ نادر موقع فراہم کیا ہے کہ وہ آئمہؑ کے نسب نامے کے متعلق من گھڑت پروپیگنڈہ کریں۔ اس نسب نامہ کو مستند تاریخی کتابوں کے ذریعے بے بنیاد ثابت کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد تقریباً ۲۰۰ سالوں کے بعد ایک دوسرا "دورِ ستر" الموت میں شروع ہوا جو ۴۹۰ھ سے ۵۵۹ھ تک تقریباً ۷۰ سال تک جاری رہا جس میں تین مستور آئمہ یعنی امام ہادیؑ، امام مہتدیؑ اور امام قاہرؑ ہوئے۔ یہاں وہی بات تاریخ میں ایک مرتبہ پھر دوہرائی گئی اور دورِ ظہور یا دورِ کشف میں امام حسن علیؑ ذکرہ علیہ السلام کے مبارک نسب نامہ کے متعلق من گھڑت پروپیگنڈہ کیا گیا جسے اس مضمون میں تاریخی ثبوت کے ساتھ بے بنیاد ثابت کیا جا رہا ہے۔

الموت کے اردگرد کے علاقے جن میں قزوین، رودبار، کائن، ہر جند وغیرہ شامل تھے، اسمٰعیلی آباد تھے جو دور دراز کے گاؤں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے اور کئی اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ غلط تاثر پیدا ہو گیا تھا کہ چونکہ کیا بزرگ امید کے بعد ان کے بیٹے محمد بن کیا بزرگ امید حاکم ہوئے تھے تو محمد بن کیا بزرگ امید کے بعد یقیناً ان کا بیٹا حسن حاکم ہوگا۔ چنانچہ جب امام قاہرؑ کے فرزند "امام حسن یا ابوالحسن" لقب "علی ذکرہ السلام" امام ہوئے تو دور دراز کے علاقوں کے لوگ ان کو وہی حسن سمجھنے لگے جو داعی محمد بن کیا بزرگ امید کا بیٹا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ امام حسن علی ذکرہ السلام کو "حسن بن قاہر" کی بجائے "حسن بن محمد" سمجھنے لگے اور دونوں حسن کے مابین فرق کو سمجھنے سے بھی قاصر رہے اور یہی فرق ایک روایت کی شکل اختیار کر گیا اور اسمٰعیلیوں کے دیرینہ دشمن علماء الملک جوینی نے اس روایت کو ایک داستان کی شکل دے کر اپنی "تاریخ جہاں گشا" میں ایک مستند مواد کی حیثیت سے تحریر کیا اور اسی نکتہ کو کئی اور لوگوں نے بھی طول دیا لیکن جن لوگوں نے غیر جانبداری سے تاریخ نویسی کی انہوں نے اسمٰعیلی روایات کو تسلیم کرتے ہوئے دونوں حسن کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا۔ علماء الملک جوینی کے مواد میں اگرچہ دونوں حسن کو ایک حسن بتایا گیا ہے لیکن پھر بھی اس مواد میں ان دونوں شخصیتوں کی اصلیت جداگانہ نظر آتی ہے لہٰذا یکسر اس کا تحقیقاتی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ امام حسن علیؑ ذکرہ السلام نے اپنے دورِ امامت میں ۵۵۹ھ/۱۱۶۴ء میں لوگوں کو تاریخی خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کی نسل نزار بن مستنصر باللہ سے ہے۔ مصر کے شہرۂ آفاق تاریخ نویس طراحمد شریف رقمطراز ہیں:

"حسن علیؑ ذکرہ السلام نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ امام نزار کی نسل سے ایک مستور امام ہیں اور انہوں نے اپنے پیروکاروں کو اپنا صحیح شجرۂ نسب بیان کیا جسے میں نے اپنی کتاب "آئمۃ النزاریہ احبادو آغاخان" میں درج کیا ہے۔ تمام نزاری اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ امام حسن علیؑ ذکرہ السلام امام نزار کی اولاد میں

باقی صفحہ نمبر ۶۷ پر

آغا خان آلِ رسولؐ ہیں (آخری قسط)

جوینی کا مقصد اسماعیلیوں کو بدنام کرنا تھا

تحریر: مستاذ علی تاج الدین صادق علی

جو لوگ غلطی سے اس زمانے میں امام حسن علی ذکرہ السلام کو محمد بن کیا بزرگ امید کا فرزند سمجھتے تھے ان کے لئے مذکورہ خطبہ ہی کافی تھا جس میں اس بات کی صاف طور سے وضاحت موجود تھی کہ امام ہی کی نسل سے ہوتا ہے اور یہ سلسلہ امام ہادیؑ سے فاطمی آئمہ سے ہوتا ہوا سیدھا راجہ راست حضرت مولا علیؑ تک جا پہنچتا ہے لیکن جوینی اور دیگر مصنفین نے جن کا اصل مقصد اسمٰعیلیوں کو بدنام کرنا تھا، دونوں حسن کو ملانے کی کوشش میں زمین و آسمان ایک کر دیا۔ امام حسن علی ذکرہ السلام نے ۵۵۸ھ/۱۱۶۳ء میں شام کے اسمٰعیلیوں کو ایک خط تحریر فرمایا تھا جس میں دو حسن کی روایت کے بارے میں مزید تصدیق ہوتی ہے۔ اس خط کا متن اس طرح سے ہے:

"حسن بن محمد بن کیا بزرگ امید ہمارا داعی اور حجت ہے۔ ہمارے تمام مریدوں کو چاہیئے کہ مذہبی اور دنیوی معاملات میں اس کی پیروی کریں اور اس کا حکم مانیں اور اس کی تقاریر کو ہماری تقاریر سمجھیں اور اس کے احکامات کی اس طرح تعمیل کریں کہ گویا وہ ہمارے احکامات ہیں۔" (۲)

اس خط کے متن سے نہ صرف دو حسن کی وضاحت ہوتی ہے بلکہ داعی حسن بن محمد بن کیا بزرگ امید کے مرتبے کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس مرتبے نے دور دراز کے علاقوں کے چند لوگوں کو ایک امام اور ایک داعی کے مابین جو حقیقی اور تاریخی فرق تھا، سمجھنے میں غلط فہمی پیدا کر دی ہو، جسے جوینی نے اس کا غلط فائدہ اٹھا کر جعلی پروپیگنڈہ کیا۔ جس کی وضاحت میں پروفیسر آدینو لکھتے ہیں: "جوینی صاف طور سے اسمٰعیلیوں کی مانی ہوئی حیثیتوں کا فرق جو سیدنا حسن بن صباح دان کے دو جانشین اور آئمہ کے مابین تھا، کو ارادہً نظر انداز کرتا ہے۔" (۳)

مزید یورپ کا مشہور تاریخ دان مارکو لیتھے لکھتا ہے:

"امام حسن علی ذکرہ السلام جنہیں الموت کے حاکم (حاکم سوم

محمد بن کیا بزرگ) کے فرزند سے منسوب کیا جاتا ہے درحقیقت وہ نزار بن مستنصر باللہ کے وارث ہیں۔" (۴)

اب ہم حسن علی ذکرہ السلام کے شجرہ مبارکہ یعنی حسن بن قاہر بن مھتدی بن ہادی بن نزار کو تاریخی دستاویزات کی مدد سے صحیح ثابت کرتے ہیں۔

(۱) جوینی (صفحہ نمبر ۶۹۵ - ۶۹۴) کا بیان ہے کہ امام حسن اور امام نزار کے درمیان آئمہ کی تعداد کے بارے میں اسمٰعیلیوں میں دو قسم کی روایات پائی جاتی تھی۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ حسن علی ذکرہ السلام القاہر بقوۃ اللہ کے فرزند تھے جو امام المھتدیؑ کے فرزند اور امام المھتدیؑ امام ہادیؑ بن نزارؑ کے فرزند تھے۔ جبکہ دوسرے گروہ میں یہ روایت پائی جاتی تھی کہ امام حسنؑ اور امام نزارؑ کے درمیان دو نسل گزری ہیں اور اس گروہ کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ القاہر بقوۃ اللہ امام حسن علی ذکرہ السلام کا لقب تھا۔ بہر حال ہم اس کی وضاحت میں کہیں گے کہ اسمٰعیلیوں کے علاوہ بہت سے لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ امام حسنؑ اور امام نزارؑ کے درمیان تین آئمہ گزرے ہیں۔ جوینی پہلا تاریخ نویس ہے جس نے امام حسن علی ذکرہ السلام کے مندرجہ بالا دو شجرے دیئے ہیں جو تاریخ کی پہلی دستاویز شمار کی جاتی ہے۔ ان دو مذکورہ روایات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ امام حسنؑ اور امام نزارؑ کے درمیان دو یا تین آئمہ گزرے ہیں۔ اب یہ دو یا تین آئمہ ہوئے یہ تو ایک الگ ہی بحث ہے۔ لیکن آخر کار جوینی کو بھی اس روایت کو لکھنا پڑا کہ امام حسنؑ امام نزارؑ کی اولاد سے ہیں، نہ کہ داعی محمد بن کیا بزرگ امید کی اولاد سے۔

پروفیسر ڈیلیو آوینو نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ امام القاہر بقوۃ اللہ اسمٰعیلیوں کے ۲۲ ویں امام کا اسم گرامی ہے۔ (۵)

۲۔ خندہ میر اپنی کتاب "حبیب السیار" جو ۱۵۲۸ء میں لکھی گئی تھی کی تیسری جلد کے صفحہ نمبر ۱۷ میں تحریر کرتا ہے کہ امام نزارؑ اور امام حسنؑ کے درمیان تین یہ آئمہ گزرے ہیں: ہادی، مہتدی اور قاہر۔ ارشاد الطالبین ج ۲۳ ۱۵۲۳ء میں محمد علی کنزوزی نے تحریر کیا تھا، اس میں بھی اس نے امام علی ذکرہ السلام کا شجرہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

۳۔ اگر مہم الموت کے خاتمہ (۱۲۵۶ء) کے بعد اسمٰعیلیوں کی تاریخی دستاویزات کا جائزہ لیں، تو میں سب سے پہلے سید محمد شاہ (۱۵۲۶ - ۱۴۷۰) کی "سے دینی کی ہوئی" آئمہ کی تعداد کے بارے میں ذکر ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "ایران میں آل برج کی بلندی پر الموت کے قلعہ میں امام ہادیؑ تشریف لائے تھے، وہ قلعہ اس قدر بلند تھا جیسے آسمان تک پھیلا ہوا ہو۔ حسن بن صباح نے، جو کہ ایک پکا ایمانی مرید تھا، امام ہادیؑ کی شہادت کی۔" (ہفت نمبر ۶۴ - مصرعہ نمبر ۱۲ - ۷) "امام ہادیؑ کی وفات ۱۱۳۶ء میں ہوئی۔" (ہفت نمبر ۷ - مصرعہ نمبر ۳) "امام ہادی کے ایک فرزند تھے، جن کا نام محمد تھا جو بعد میں امام ہوئے اور

مہتدی کا لقب اختیار کیا" (سند نمبر ۷، مصرعہ نمبر ۸-۵) "امام مہتدی کی وفات ۱۱۵۷ھ میں ہوئی" (سند نمبر ۷، مصرعہ نمبر ۱۹) "ان کے بعد شاہ قاہر امام ہوئے، جو پانچ سال امامت کرنے کے بعد ۱۱۶۲ھ میں وفات پا گئے" (سند نمبر ۱۰، مصرعہ نمبر ۲-۱) "ان کے بعد حسن علی ذکرہ السلام امام ہوئے، جو چار سال بعد ۱۱۶۶ھ میں وفات پا گئے" (سند نمبر ۱۰، مصرعہ نمبر ۹-۷) (۶)

۴۔ "کلام پیر" (صفحہ نمبر ۴۴) نامی کتاب جو ۱۹۵۲ء میں لکھی گئی تھی جسے پروفیسر آوینز نے ۱۹۳۳ء میں انگریزی میں ترجمہ کے ساتھ شائع کروائی تھی اور دوسری کتاب "ہفت باب" جو ابو اسحاق کرمانی نے تحریر کی اور یہ ۱۶ویں صدی کے آغاز میں لکھی گئی، جسے بھی پروفیسر آوینز نے ۱۹۵۹ء میں انگریزی ترجمہ میں شائع کروائی تھی۔ یہ دونوں کتابیں بالکل واضح الفاظ میں امام حسن علی ذکرہ السلام کے شجرہ مبارک کو یوں درج کرتی ہیں، مولانا حسن علی ذکرہ السلام بن مولانا قاہر بن مولانا مہتدی بن مولانا ہادی بن مولانا نزار بن مولانا مستنصر باللہ۔

۵۔ "دبستان المذاہب" کے مصنف شیخ محسن فانی کشمیری (۱۶۱۵-۱۶۷۰) نے اس فارسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۳۷ پر امام حسن علی ذکرہ السلام کا شجرہ مبارک اس طرح سے تحریر کیا ہے: حسن بن القاہر بقوۃ اللہ بن المہتدی بن الہادی بن نزار بن مستنصر باللہ۔

۶۔ شاعر خاکی ترشاہی کے فرزند علی قلی جس کا دور اسمٰعیلیوں کے امام سید علی (۱۶۶۱-۱۶۲۹) کے زمانے سے شروع ہوتا ہے، اپنے والد کی طرح ایران کا مشہور شاعر تھا۔ اس کا تخلص "رقمی" تھا۔ اس نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو "قصیدۂ ذریہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصیدہ کا اصل مسودہ روسی ترکستان کے شہر تاشقند کے پروفیسر الکساندر سیمیونوف نے ۱۹۲۶ء میں دریافت کیا تھا۔ اس قصیدہ کو جناب خاکی شاہ نے ۱۹۲۹ء میں لینن گراڈ سے رشین اورینٹل سوسائٹی کے مشہور رسالہ "ایران" (جلد ۲۔ صفحہ نمبر ۱۲-۸) میں شائع کروایا تھا۔ اس قصیدہ کے مطابق امام حسن علی ذکرہ السلام کا شجرۂ مبارکہ اس طرح سے ہے: "سر لانا من علی ذکر السلام بن مولانا قاہر بن مولانا مہتدی بن مولانا مستنصر باللہ"

اسمٰعیلیوں کے پاس تاریخ کے مزید اصل مواد نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ۱۲۵۶ء میں جب ہلاکو خان نے الموت پر تسلط کر کے اس پر قبضہ کیا، تو اس نے اس وقت موجود اسمٰعیلیوں کا ایک بہت بڑا بیش بہا کتب خانہ نذر آتش کر دیا، جس میں ایک اندازے کے مطابق چار لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ خود علاء الملک جوینی نے جو ہلاکو خان کا سیکرٹری تھا اور ہلاکو خان کا چہیتا بھی تھا، ذاتی طور پر اس بیش بہا کتب خانہ کا معائنہ کیا تھا۔ اس کتب خانہ کی آخر دگی اور اسمٰعیلیوں کی تاریخی دستاویزات کی عدم موجودگی نے جوینی کے لیے ایک نادر موقع فراہم کیا کہ وہ جو کچھ چاہے، جس طرح چاہے اسمٰعیلیوں کے خلاف من گھڑت داستانیں گھڑ ڈالے، چنانچہ اس نے امام ہادی علیہ السلام سے کر امام رکن الدین خرشاہ تک، جو آٹھ امام گزرے ہیں، ان کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی جس کی نفی کے لیے رفتہ رفتہ دوسرے تاریخی مواد منظر عام پر آنا شروع ہوئے۔

اب ہم جناب صادقین صاحب کے ایک اہم سوال کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام حسن علی ذکرہ السلام کی ولادت نور المبین کے مطابق ۵۰۶ھ میں ہوئی جبکہ دوسری اسمٰعیلی کتابوں میں یہ تاریخ ۵۲۰ھ دی گئی ہے ہم اس کی وضاحت حسب ذیل کرتے ہیں۔

(۱) نور المبین میں جو تاریخ ۵۰۶ھ امام حسن علی

صادقین خاں نے غلط حوالے دے کر بنیادی قائم کئے ہیں جو ہمارے نقطۂ نظر سے غلط ہیں

ذکرہ السلام کی ولادت کی تاریخ لکھی گئی ہے وہ جوینی کی "تاریخ جہاں گشا" کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔ جب ہم نے جوینی کی کتاب کے انگریزی ترجمے کو جسے ۱۹۵۸ء میں جون اینڈ ریلو بوئل نے لندن سے شائع کرایا تھا۔ (صفحہ نمبر ۶۸۶) کی چھان بین کی تو ہم پر یہ انکشاف ہوا کہ وہاں ۵۰۶ھ کی بجائے ۵۲۰ھ درج ہے۔ جب ہم نے مزید تصدیق کی غرض سے جوینی کی اصل فارسی کتاب جو لندن سے ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی تھی، کا معائنہ کیا تو وہاں تاریخ کے متعلق یہ عبارت درج کی ہوئی ملی:

"عشرین و خمسمائۃ" جس کا ترجمہ "پانچ سو بیس" ہے۔ (جلد سوم صفحہ نمبر ۲۲۲) گویا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "نور المبین میں غلطی پائی جاتی ہے۔

(۲) رشید الدین فضل اللہ طبیب ہمدانی (۱۲۴۷ء-۱۳۱۸) نے بھی اپنی کتاب "جامع التواریخ" (صفحہ نمبر ۸۸-۸۹) میں ۵۲۰ھ امام حسن علی ذکرہ السلام کی ولادت کی تاریخ لکھی ہے جو جوینی کی کتاب کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ اگر ہم جوینی کی کتاب کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جوینی نے جو تاریخ یعنی ۵۲۰ھ لکھی ہے وہ دراصل حسن بن محمد بن کیا بزرگ امید کے لئے ہے جسے جوینی امام سطہر الرق کی کوشش کرتا ہے جبکہ یہ تاریخ امام حسن علی ذکرہ السلام کے لئے غلط نہیں۔ اگر جوینی ان دو حسن کے مابین واضح فرق کو صحیح بیان کرتا تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی کہ ۵۲۰ھ امام حسن علی ذکرہ السلام کی ولادت کی تاریخ نہیں ہے۔ جوینی نے یہ ناکام کوشش تو کی کہ ان دونوں حسن کو ایک کر کے ان کے نسب نامے میں ردوبدل کر دے لیکن اللہ تعالیٰ کی شان تو دیکھئے کہ جوینی اپنی کتاب کی تیسری جلد کے صفحہ نمبر ۲۳۲ میں ایک روایت کے تقاضا میں یہ الفاظ خود لکھتا ہے جس کی فارسی عبارت یہ ہے:

"حسن خود امام بود و پسر امام" یعنی "حسن خود امام تھے اور امام کے بیٹے تھے" اب ذرا آپ غور کیجئے کہ امام حسن علی ذکرہ السلام کس کے فرزند تھے؟ اور داعی حسن بن محمد کس کے بیٹے تھے؟

جناب صادقین صاحب نے اپنے مضمون میں جن جن کتابوں کے حوالوں کو درج کیا ہے ان میں سے کئی حوالہ جات ہمارے نقطۂ نظر سے نہ صرف غلط ہیں بلکہ ان میں کافی حد تک غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ اس غلط بیانی کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

(i) ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ الموت کی لائبریری سے حاصل شدہ ایک کتاب "تاریخ جہاں گشا" ہے جو کہ سراسر غلط ہے۔ اس نام کی کوئی بھی کتاب الموت کی لائبریری میں نہ تھی بلکہ محترم یہ تو عطاء الملک جوینی کی خود تصنیف کردہ ہے۔

(ii) جناب صادقین صاحب کا کہنا ہے کہ نور المبین، فرقہ اتہاس، الموت اینڈ السر اور حشام کے اسمٰعیلی، یہ چار کتابیں اسمٰعیلیوں کی مستند الوقت اور معتبر ہیں۔ ان میں کوئی بھی کتاب اسمٰعیلیوں کے لئے ایسا درجہ نہیں رکھتی۔

(iii) جناب صادقین نور المبین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام مہتدی اپنا وصی ظاہر کرنے کے بعد روپوش ہو گئے یہ بالکل غلط ہے اور صادقین صاحب لکھتے ہیں کہ نور المبین میں اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی ہے کہ امام مہتدی کی بیوی گھر پر وضع حمل کرنے سے کیوں قاصر تھیں۔

اگر نور المبین صفحہ نمبر ۲۸۹ کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں درج ہے کہ "امام مہتدی اپنے وصی کو بظاہر کر دیں گے اور خود ایسی حالت میں اپنی زندگی کے ایام گزاریں گے اور حق کے راستے کو طے کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں گے۔" اس کے علاوہ نور المبین ہی صفحہ نمبر ۲۵۲ میں "آثار مہدی" کے حوالے سے یہ بات بھی درج ہے کہ ایک دن امام مہتدی سخت بیمار ہو گئے تب انہوں نے محمد بن کیا بزرگ کو بلا کر فرمایا کہ ہماری بیوی امید سے ہے اسے تم اپنے گھر لے جاؤ۔ اس سے اصل وجہ ظاہر ہوتی ہے کہ امام مہتدی کی زوجہ گھر پر وضع حمل سے کیوں قاصر تھیں۔

(۱۷) ایک اور جگہ جناب صادقون لکھتے ہیں کہ جب محمد بن کیا بزرگ امید نے امام قاہر کو الموت میں اسمٰعیلیوں کے سامنے تعارف کروایا تو بقول جناب صادقون کے نور المبین میں لکھا ہوا کہ حاضرین میں بہت سے حضرات نے شدید اعتراض بھی کیا تھا۔

نور المبین کے صفحہ نمبر ۳۹۱ میں صحیح عبارت اس طرح سے درج ہے: "محمد بن کیا بزرگ کی اس تقریر کے بعد مجلس کی رنگت کچھ بدلی ہوئی دکھائی دی۔" کیوں صادقون صاحب اس کا مطلب کیا "شدید اعتراض" ہوتا ہے؟ یا در کھئے کسی کو گمراہ کرنا اتنا آسان کام نہیں۔

(۱۸) اس کے بعد صادقون صاحب نور المبین کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ اس مخالفت اور سرکشی کو جو اس موقع پر پیدا ہوئی تھی، داعی محمد بن کیا بزرگ کو رفع کرنے میں پانچ سال لگے۔ تو ایسی کوئی بات ہمیں نور المبین میں کہیں نظر نہیں آتی۔

آخر میں یہ گزارش ہے کہ اگر جناب صادقون کے

جائزہ، صفحہ نمبر ۷۵ کا باقی

ہے جون و نہ ایج البلاغہ کی تعلیمات پر پورا اترنا چاہئے۔

اب نہج البلاغہ سے حضرت علیؑ کا ایک اور قول ملاحظہ فرمائیے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی حکمرانی تو درکنار، محدود پیمانے پر بھی ان کو مشیر بنانا بھی حضرت علیؑ کے نزدیک اشتباہی نہیں بدترین ہے۔

"لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا، جس میں دنی بدنگاہوں میں مرغوب ہوگا، لوگوں کے عیوب بیان کرنے والا ہوں اور دنی خوش مذاقی سمجھا جائے گا، فاسق وفاجر ہو۔ ضعف پسند کو کمزور و ناتواں سمجھا جائے گا۔ صدقہ کو لوگ خسارہ اور صلہ رحمی کو احسان سمجھیں گے اور عبادت لوگوں پر تفوق جتلانے کے لئے ہوگی۔ اس زمانے میں حکومت کا دارومدار عورتوں کے مشورے، نوخیز لڑکوں کی تدبر فرمائی پر ہوگا خواجہ سراؤں کی تدبیر پر ہوگا"۔ (خطبہ ۱۲، صفحہ ۱۸)

اس موضوع پر نہج البلاغہ سے حضرت علیؑ کے اور بھی کئی اقوال پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن مندرجہ بالا میں عورتوں کی سربراہی کے حضرت علیؑ کے نزدیک ناجائز ہونے کے معاملے میں یہ دو اقوال ہی بالکل واضح اور کافی ہیں۔

اہل تشیع علماء اور عوام سب سے گزارش ہے کہ انہیں پڑھنے کے بعد تھوڑے دل سے سوچیں کہ عورت کی سربراہی کی ملت میں ان کی ملت کا اجتماعی موقف کیا حضرت علیؑ کی تعلیمات کے مطابق ہے؟ اپنے امام معصوم کی رائے کو انہیں محض اس بنا پر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ پاکستان کی موجودہ حکمران جماعت کی سربراہ اور وزیر اعظم دونوں ان کی ہم مذہب ہیں۔

در جواب آں غزل

بقیہ: آغا خان — آلِ رسولؐ ہیں؟

ذہن میں ہمارے حاضر امام پرنس شاہ کریم الحسینی آغا خان صاحب کے شجرۂ مبارکہ کے متعلق کوئی شک و شبہ باقی رہ گیا ہے تو وہ "تکبیر" کے ان صفحات پر ہیں جیلتے کر دیں۔

مضمون کو ختم کرنے سے پہلے جناب صادقون خان صاحب ہماری جانب سے ایک اختتامی تحفہ قبول فرمائیے اور وہ ہے ڈاکٹر سید مجتبیٰ علی کی تحقیقی عبارت:

"انڈیا اور زنجبار میں رہنے والے
خوجہ حضرات، ایران اور شمگزن میں رہنے
والے اسمٰعیلیوں کے امام ہر ہائی نس آغا خان
کا شجرۂ نسب مولا علیؑ سے ساتویں امام
اسمٰعیل، فاطمی خلفاء سے امام نزار اور امام
حسن علی ذکرہ السلام سے براہ راست

جا ملتا ہے۔" (۷)

THE ISMAILIS OF SYRIA (۲)
بیروت (۱۹۷۰ء) صفحہ نمبر ۷۴-۷۳۔

INTRODUCTION OF (۳)
"TASSUWWURAT" از ڈیلمر آدینو، ہالینڈ (۱۹۵۰ء)

"ENCYCLOPAEDIA OF (۴)
RELIGIONS AND ETHICS"
ایڈنبرگ (۱۹۷۵ء) جلد دوم صفحہ نمبر ۱۳۱۔

"BRIEF SURVEY OF THE (۵)
EVOLUTION OF THE ISMAILISM"
ہالینڈ (۱۹۵۰ء) صفحہ نمبر ۸۸۔

(۶) "ست دینی کی ذیل" بمبئی سے ۱۹۰۶ء سے شائع ہوئی۔

"THE ORIGIN OF THE KHOJAS" (۷)
از قلم ڈاکٹر سید مجتبیٰ علی، لیوں (۱۹۳۶ء) صفحہ نمبر ۲۴۔

صفحہ نمبر ۶۵ (انگلش سیکشن) کا نصف صفحہ

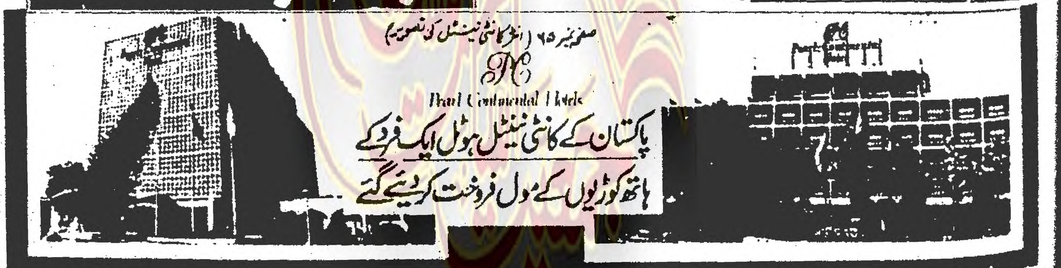

اسرائیل کے قیام میں آغا خان کا کردار

میں شروع ہی سے صیہونیت کے لیے ہمدردانہ رویّہ رکھتا ہوں

آغا خان کا اعتراف

پچھلے دنوں انگلینڈ میں شائع شدہ ایک انٹرویو میں مشہور عالم دین، موتمر عالم اسلامی کے ڈائریکٹر اور رابطہ عالم اسلامی کے تاسیسی رکن مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی صاحب نے انکشاف کیا تھا کہ آغا خان سوم نے برطانوی ایجنٹ کی حیثیت سے ایک بہت بڑا کردار ادا کیا تھا۔ اگرچہ تاج برطانیہ سے اظہار وفاداری میں یوں تو ان کے بہت سے کارنامے ہیں جن میں سے معروف ترین یہ ہیں (الف) یہودیوں کے رہنما وشیم ائیکزمے مل کر آغا خان سوم نے اسرائیلی مملکت کی منصوبہ بندی کی اور اس سلسلے میں خلیفہ سلطان عبدالحمید خاں کو تین بار یادداشتیں پیش کیں مگر وہ ان کی سازش کا شکار نہیں ہو سکے۔ (ب) آغا خان سوم نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ خلیفہ کو درپیش مسائل کا حل یہ ہے کہ وہ ریاستہائے بلقان سے از خود دست بردار ہو جائیں (ج) برصغیر کے مسلمانوں کی تحریک خلافت میں آغا خان نے پوری طرح مسلمانوں کے خلاف اپنے برطانوی آقاؤں کا ساتھ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود آغا خان اور ان کے مریدوں کو دونوں عالمی جنگوں میں اور پورے دور برطانیہ میں خالص وفاداری کے صلے میں انہیں اور اُن کے صاحب زادے علی خان کو بہت سے اعزازات اور خطابات سے نوازا گیا۔

اس انٹرویو اور خاص طور پر اس کے مندرجہ بالا حصے پر ہمارے بعض آغا خانی حضرات نے زبردست احتجاج کرتے ہوئے۔ اسرائیل اور معاملات اسرائیل سے آغا خان سوم کو بری الذمہ قرار دیا مگر ہمارے ایک معتمد ذریعے ہمیں انگلستان کی کیسل اینڈ کینی لمیٹڈ لندن کی (مطبوعہ ۱۹۵۴ء) خود آغا خان کی تحریر کردہ کتاب "آغا خان کی یادداشتیں" (THE MEMOIRS OF AGHA KHAN) بھجوا دی ہے جس کے صفحات ۱۵۰ تا ۱۵۲ ہم ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔

جنگ کی گرما گرمی میں بہت سے کیے گئے وعدے پس پشت ڈال دیئے گئے بالخصوص یورپ کے مرد بیمار ترکی کے سلسلے میں کچھ وعدے ۱۹۱۹ء کی ابتدا میں کیے گئے تھے مگر بعد میں طاقتور حریفوں نے ان کا ایفاء قطعی غیر مناسب خیال کیا۔ میکموہن کے وہ خطوط جو ۱۹۱۵ء میں مصر کے ایلچی ہائی کمشنر کو تحریر کیے گئے تھے اور جو شریف حسین مکہ کے سلسلے میں تھے ان میں کیے گئے وعدے بھی بالفور ڈیکلریشن ۱۹۱۷ء سے عدم مطابقت کی بنا پر غیر مناسب سمجھے گئے۔ برطانیہ اور فرانس دونوں نے یورپ کے مرد بیمار ترکی کے بڑے بڑے علاقوں کو اپنے اپنے اثرات کے مطابق اپنی اپنی تولیتوں اور حلقہ اثر میں لے لیا سب سے زیادہ شرارت آمیز اور بے ایمانی پر مبنی روس کا (اس وقت زار روس کی حکومت تھی جو برطانی و رومی شہنشاہیت کا دعویدار تھا) یہ دعویٰ تھا کہ قسطنطنیہ اُسے دیدیا جائے۔

محمد نعیم عارفی

اس دور کے تمام برطانوی سیاسی لیڈر جو مذاکرات اس میں اپنے کچھ نہ کچھ اثرات رکھتے تھے سب ترکوں کے خلاف تھے۔ لائیڈ جارج جو برطانوی وزیراعظم تھا یونانی لیڈر وینی زی لس کا دوست تھا اُسے یونان اور ولیدہ میں بہت سی تاریخی مماثلتیں نظر آتی تھیں۔ چنانچہ وہ جذباتی طور پر یونانی مطالبات کا مؤید تھا اور اگرچہ بظاہر ترکی کا مخالف نہ تھا مگر یونانی مطالبات کا حامی تھا۔ آرتھر بالفور جس نے لارڈ رتھ چائلڈ کو خط لکھا تھا کہ حکومت برطانیہ کا ارادہ ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک نیشنل ہوم قائم کر دیا جائے۔ ظاہری طور پر بڑی سرگرمی کے ساتھ یہود نواز تھا ساتھ ہی وہ نسلی اور تاریخی دونوں طرح ترکوں کے شدید مخالف تھا۔

اب آیئے صیہونیت کی طرف، میں صیہونیت کے لیے شروع سے ہمدردانہ رویہ رکھتا ہوں، یہی میرے ابتدائی ایام میں جو جذبات اور سرگرمی سے بھرپور تھے میرے ایک بڑے عزیز دوست پروفیسر ہاف کائن (HAFFKINE) صیہونی تھے۔ یہ بھی ان ذہین فاضل روسی یہودیوں میں سے تھے، جو زار روس کی طرف سے ظلم و جبر اور سخت گیری کے نتیجے میں مغربی یورپ کی طرف بھاگ آئے تھے۔ پروفیسر ہاف کائن بھی دیگر بہت سے صیہونی احباب کی طرح پُرامید تھے کہ سلطان ترکی سے براہ راست مذاکرات کے نتیجے میں ارض مقدس فلسطین کا کوئی مناسب حل نکل آئیگا۔ یہ حل یورپ کے گنجان علاقوں کے یہودیوں کے لیے اُن یہودیوں سے بھی زیادہ فائدہ مند ہوگا جو زار روس کی حکومت میں ظالمانہ گزیں تھے جہاں آبادی نسبتاً اتنی زیادہ نہیں تھی۔ سلطان ترکی سے تصفیہ ہو جانے کی صورت میں ارض مقدس میں بڑی تعداد میں زراعتی زمین خریدی جانی تھی جس کے لیے یورپ میں رہنے والے سرمایہ دار یہودی رقوم فراہم کرنے پر تیار تھے۔ یہ زرعی اراضی سب ان لوگوں سے خریدی جانی تھی جو اس وقت سلطان ترکی کی رعایا تھے۔ جیسا کہ پروفیسر ہاف کائن کی تجویز تھی میں بھی اس انداز کی صیہونیت کو علمی اور مفید خیال کرتا تھا اور اس کا حامی تھا۔ اس وقت تک اس تجویز میں یہودیوں کی کسی بڑی یہودی قومی حکومت کے قیام کا اشارہ نہیں تھا، چنانچہ میرے خیال میں اس تجویز کو مناسب انداز سے ترک ارباب حل وعقد کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے تھا۔ اس سلسلے میں تبادلۂ آبادی کا مسئلہ بھی درپیش تھا بالخصوص سرکاشین مسلمانوں کا جو عقیدے کے اعتبار سے مسلمان تھے مگر خالص یورپین تھے۔ یہ صفات ان علاقوں میں آباد تھے جو آجکل مملکت اردن میں شامل ہیں۔ یہ بہترین موقع تھا جس سے فائدہ اٹھا کر سلطان عبدالحمید خاں ساری دنیا کے یہودیوں سے اتحاد اور دوستی کے مضبوط رشتے قائم کر سکتا تھا۔ اور زیادہ وسیع تر جذبوں پر دیکھا جائے تو یہودیوں اور عربوں دونوں کے لیے نظری مواقع موجود تھے جو (SEMITIC PEOPLE) ہونے کے ناطے بہت سی باتوں میں مشترک ہیں ان دونوں کو قریبی دوست بن جانا چاہیے تھا۔ افسوس ایسا نہ ہو سکا اور اب تقریباً گزشتہ تیس سال سے دونوں قومیں ایک دوسرے کی کٹر دشمن ہیں۔ مزید صیہونیت سے قربت کے سلسلے میں ایک بات یہ ہوئی کہ عرب میں پہلی مرتبہ ۱۸۹۸ء

حاصلِ مطالعہ

میں پیرس گیا تو پروفیسر ہاف کامن نے مجھے کچھ تعارفی خطوط دئے جو اس نے اپنے صیہونی دوستوں کو لکھے تھے میں جن لوگوں سے ملا ان میں "سائنٹ" اور ربی ضادک کاہن خاص تھے۔ مسٹر کاہن کے ذریعے میری ملاقات مشہور شخصیت بارن ایڈمنڈ روتھچائلڈ سے ہوئی بارن روتھچائلڈ صیہونیت کے لیے کام کرتے تھے۔ ابتدائی طور پر فلسطین میں آباد ہونے والے لوگوں کو سرمایہ انہوں نے ہی فراہم کیا تھا۔ بیشتر یہودیوں کی فلسطین میں خوشحالی اور آبادکاری انہیں کی مرہونِ منت ہے جب میں اُن سے ملا تو انہوں نے اپنے دو سیٹوں سے بھی کچھ ملوایا۔ بڑے جیمز روتھچائلڈ جو اس وقت کیمبرج یونیورسٹی میں انڈر گریجویٹ تھے اور دوسرے موالیس روتھچائلڈ جو نیول کیڈٹ کی وردی میں ایک کم عمر طالب علم تھے۔ بارن روتھچائلڈ سے ملاقات میرے دوست رہے۔ یہ دوستی تقریباً پچاس سال قائم رہی اور اب ان کی وفات کے بعد ان کے دونوں صاحبزادے میرے بہترین اور قریبی دوست ہیں۔

ربی کاہن نے فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری پر ایک مفصل اور مدلل بیان مرتب کیا جو ان کے دوستوں اور خود ان کی طرف سے تھا۔ اس کی رو سے جہاں یہودیوں کو وطن فراہم ہو جاتا وہیں حکومتِ ترکی کو استحکام اور استقرار بھی ملتا۔ اس بیان کا ایک اہم نکتہ یہ تھا کہ حکومت ترکی کوئی ایک قومی حکومت نہیں ہے یہ مختلف اقوام اور مختلف نسلوں پر مشتمل ایک بڑی حکومت ہے۔ اپنے دوست ربی کاہن کی تجویز کے مطابق میں نے سلطان عبدالحمید خاں سے اپنے دوستوں میں سے ترکی کے سفیر مسیر پاشا اور سلطان کے ذاتی سیکرٹری عزت بے کے ذریعے سلسلہ جنبانی کی۔ یہ تجویز بہرحال جیسی بھی تھی اچھی یا بُری سلطان عبدالحمید خاں کی طرف سے مسترد کر دی گئی اور پھر میں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا مجھے کہنے دیجئے کہ اس تجویز کا ذکر کر دینا میرے نزدیک سلطان عبدالحمید خاں کی فاش غلطیوں میں سے ایک تھی۔

چند ہی سال بعد ۱۸ - ۱۹۱۷ء میں شکست خوردہ ترکی بالکل تبدیل ہو چکا تھا۔ ترکوں سے اپنا مفاد حاصل کرنے والے گروپوں میں سے صیہونی بھی ایک طاقتور گروپ تھا مغلوب نیشنلزم ازم کے حامی بھی کافی طاقتور تھے۔ بلکہ برطانوی حکومت میں عرب قومیت کے مداح اور ہمت افزائی کرنے والے لوگ موجود تھے مثلاً سر گلبرٹ کلیٹن، ٹی۔ ای لارنس اور ان جیسے بہت سے "نام نہاد" پولیٹیکل افسران تھے جو مشرقِ وسطیٰ میں خدمات انجام دے چکے تھے، مجھے کہتے دیجئے ان حضرات نے موقع بموقع عرب قومیت کے فتنے کو اعلانیہ اور باطنی طور پر ہر طرح ابھارنے کی کوشش کی۔ حکومتِ برطانیہ نے فلسطین میں اپنا عسکری نظام قائم کر لیا تھا۔ فرانسیسیوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یروشلم کے مقدس مقامات کی حفاظت اور دیکھ بھال ان کا حق ہے۔ یونانی جنہیں بعض انگریز موقع پرستوں نے چڑھا دیا تھا یونان کی توسیع مملکت کے لیے کوشاں تھے جو بیسویں صدی کے ساتھ جس کے پاس اس کانفرنس میں حقیقی طاقت تھی عربوں سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتا تھا۔ امریکہ نے ان ہی دنوں مجھ سے ایک انٹرویو میں بڑی صفائی سے یہ اعتراف کیا کہ فلسطینی مسئلہ کے بارے میں وہ بہت ہی کم واقفیت رکھتے ہیں۔

●●

افغانستان: صفحہ نمبر ۸ کا باقی حصہ

افغانستان میں آزاد اسماعیلی ریاست کے قیام کے لیے روسی اسماعیلی گڈ بوڑ

روسیوں نے اسماعیلی ڈیفنس فورس کے کمانڈر سید جعفر کو صوبہ بغلان کا گورنر مقرر کر دیا

منصور اس پر تیار ہیں۔ وہ انہیں رہا کروا کے آپ کے حوالے کر دیں گے۔

روسی افسر۔ اگر سید منصور اس معاملہ میں دلچسپی لیں تو ہمیں امید ہے کہ اس کے نتائج برآمد ہوں گے

سید منصور نے حال ہی میں آپ کو بغلان کا گورنر مقرر کرنے کے بارے میں ہم سے مذاکرات کیے تھے۔ کیا آپ ہماری واپسی کے دوران کسی بھی مسئلہ کو دبانے اور صوبہ کا دفاع کرنے کی خاطر خواہ قوت رکھتے ہیں؟

سید جعفر۔ جب آپ پائپ لائن (تیل و گیس) اور پل خمری کی حفاظت کے لیے قائم قلعہ گنی گریزن سے رخصت ہوں گے، تو گریزن کی کمان الگ بانی وے کی اور علاقہ کی تمام پوسٹوں کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر ہو گی۔ اور میں اپنی قوت کے زور پر یہاں قہقہہ برقرار رکھوں گا۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ ہم اس علاقہ کی حفاظت چوکس کو ۱۰۰ فیصد الیقین کے ساتھ قائم اور محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ آپ یہ بھی الیقین رکھیں کہ آپ کے گرفتار شدہ سپاہی اور ڈاکٹر اسماعیل کے پاس ہیں کو لوٹا دئے جائیں گے۔

یوں طرفین کی جانب سے مسکراہٹوں کے تبادلے اور ہاتھ ملانے کے بعد گفتگو کا اختتام ہوا۔ سید جعفر نے روسی زبان میں ان افسروں کا شکریہ ادا کیا۔

اس ملاقات کے بعد سید جعفر نے اعلان کیا کہ قلعہ گنی کی ساری پوسٹیں، خود روسیوں کی تھیں اب ہمارے اختیار میں ہیں، ان میں سب کچھ یہاں تک کہ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں بھی خود روسیوں نے ہمیں دے دیں۔ یہ سب ہمارے ہیں ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ روسیوں نے ہمیں آزادی کے بھارتی اظہار بھی دئے ہیں کیونکہ ہم ان کی بہتر دیکھ بھال کر سکتے ہیں۔ اس جنگ سے پہلے ہم خود کو غیر محفوظ سمجھتے تھے، لیکن یہ جنگ ہمارے لیے ۱۰۰ فیصد مفید ثابت ہوئی ہے ہم اپنا مستقبل محفوظ رکھنے کے لیے بہت بڑی تعداد میں ہتھیار حاصل کر چکے ہیں۔ آئندہ افغانستان میں کوئی بھی حکومت آئے قطع نظر اس کے کہ وہ کس کی ہو اسے اسماعیلیوں کی تائید و حمایت سے بات کرنی پڑے گی۔

●●

۲۷ جولائی ۱۹۸۹
جائزہ: صفحہ نمبر ۳۸ کا باقی حصہ

ملاحظہ فرمائیے۔

"اے لوگو، عورتیں انسان میں ناقص، حصوں میں ناقص اور عقل میں ناقص ہوتی ہیں۔ نقص انسان کا ثبوت یہ ہے کہ ایام کے دوران نماز اور روزہ انہیں چھوڑنا پڑتا ہے اور ناقص العقل ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے۔ اور حصہ اور نصیب میں کمی یوں ہے کہ میراث میں ان کا حصہ مردوں سے کم ہوتا ہے۔ بُری عورتوں سے ڈرو اور اچھی عورتوں سے بھی چوکنا رہا کرو، تم انکی اچھی باتیں بھی نہ مانو تاکہ آگے بڑھ کر وہ بُری باتوں کے منوانے پر نہ اتر آئیں۔ (نہج البلاغہ اردو ترجمہ، مفتی جعفر حسین صاحب۔ خطبہ ۷۸، صفحات ۲۷۰ - ۲۸۰۔ طبع کردہ اسلامیہ کتب خانہ علامہ اقبال روڈ، اندرون موچی گیٹ لاہور)

نہج البلاغہ میں حضرت علیؓ سے منسوب یہ جملات کہ عورتوں کی اچھی باتیں بھی نہ مانو تاکہ وہ بُری باتیں منوانے پر نہ اتر آئیں حشو و زوائد نظر آتی ہے۔ اہلِ سنت تو بآسانی اس کی نوعیت یہ کہہ کر بچ جائیں گے کہ نہج البلاغہ تحریف سے پاک نہیں ہے اور قرآن کے سوا کسی بھی کتاب کے بارے میں کامل صحت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اہلِ تشیع جو نہج البلاغہ کو قطعی غیر محرف قرار دیتے ہیں، اس کے اس میں درج حضرت علیؓ سے منسوب تمام اقوال، ان کے نزدیک نوبہر صورت واجب التسلیم و الاطاعت ہیں کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق یہ امام معصوم یعنی ایسی ہستی کے اقوال ہیں جس سے نہ سہو کی قطعی صدور ہو سکتی ہے نہ عمل کی لغزش۔ لہٰذا نہیں تو

باقی صفحہ نمبر ۳۸ پر

واخان

ایک نئے اسرائیل کے قیام کی تیاریاں

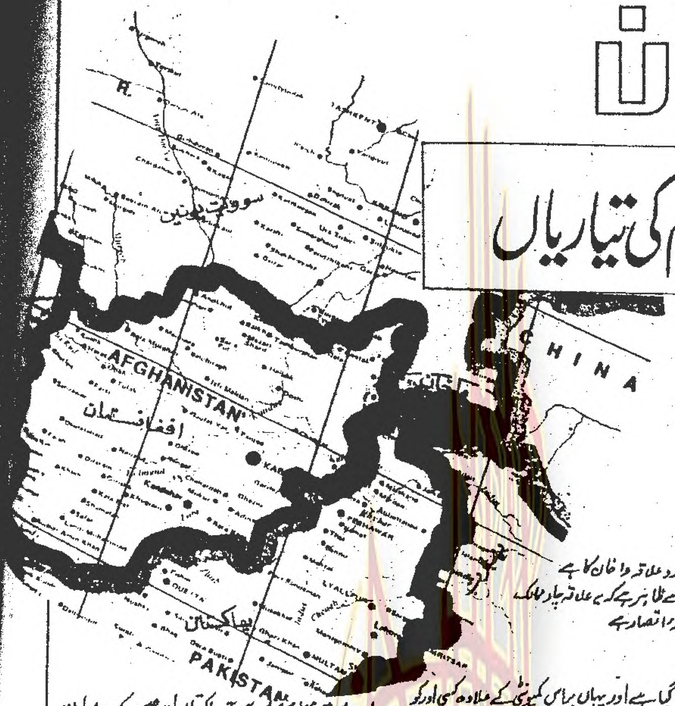

نشان زد علاقہ واخان کا ہے۔ نقشہ سے ظاہر ہے کہ یہ علاقہ چار ممالک کا نقطۂ اتصال ہے

افغانستان سے پسپا ہوتا ہوا روس نقطہ ہیں اپنا کردار قائم رکھنے کے لیے آخری جتن کر رہا ہے۔ اس نے پاکستان، چین اور بھارت پر نظر رکھنے کے لیے پہلے واخان کا علاقہ سرکار کی کٹھ پتلی افغان انتظامیہ سے پٹے پر حاصل کیا (یکم فروری ۸۹ء کے نوائے وقت کی اطلاع کے مطابق) اب اس علاقہ کو ایک مشکوک اقلیت کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔

واخان کے کیا کرائف ہیں؟ روس، چین، پاکستان اور بھارت کو ملانے والی اس پٹی میں سو فیصد آبادی اسماعیلی کمیونٹی کی ہے۔ اس علاقہ میں وافر سبزگلات پائے جاتے ہیں۔ جنگلات کی اہمیت اپنی جگہ، اس کی اصل اہمیت دنیا کے چار انتہائی اہم ممالک کا نقطۂ اتصال ہونا ہے۔ جہاں بڑی تیزی سے تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں، ان تبدیلیوں کے اثرات نہ صرف خود یہ ممالک، بلکہ پوری دنیا محسوس کر رہی ہے۔

واخان افغانستان کا وہ واحد علاقہ ہے جس کے باشندے دس سال تک جاری رہنے والے جہادِ آزادی سے لاتعلق رہے ہیں۔ نہ صرف لاتعلق رہے ہیں بلکہ روس کے حامی و مددگار بھی رہے ہیں۔ حامی و مددگار معنوں میں کہ روسیوں نے کٹھ پتلی افغان انتظامیہ سے یہ علاقہ پٹے پر حاصل کرنے کے بعد یہاں فضائی اڈے قائم کئے جہاں سے نہ صرف افغانستان میں مجاہدین کی سرگرمیوں کو سبوتاژ کیا گیا بلکہ پاکستان کے علاقہ پر بھی حملے کئے گئے۔ روسیوں کی ان کارروائیوں کو مقامی آبادی کا مکمل تعاون حاصل رہا ورنہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی آبادی کی رضامندی کے بغیر وہاں پر اڈے قائم کر کے کھلم کھلا جنگی اور تخریبی کارروائیاں کی جا سکیں۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب اس علاقے کے سلسلہ میں حالیہ انتظامی تبدیلی پر غور کیجئے۔ اطلاعات کے مطابق واخان کے پورے علاقہ کو اسماعیلی برادری کی تحویل میں دیدیا گیا ہے اور یہاں پر اس کمیونٹی کے علاوہ کسی اور کو مداخلت کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اس علاقے کو روسیوں کے سپرد کرنے کی پہلی کارروائی اس وقت ہوئی تھی جب روسی اس علاقے میں قدم جما رہے تھے اور اب اس علاقہ کو آغا خانیوں کے سپرد اس وقت کیا گیا ہے جب روسی یہاں سے بھاگ رہے ہیں انہیں اس علاقہ پر اس قسم کے حقوق دیئے جا رہے ہیں جو ایک مملکت کے اقتدارِ اعلیٰ سے کم نہیں۔ یہ کارروائی

فاروق عادل

کس سلسلے کی کڑی ہے؟

یہ جاننے کے لئے ہمیں ایک سال ماضی میں لوٹنا پڑے گا۔ ۱۰ر دسمبر ۱۹۸۸ء کو بعض قومی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ پاکستان نے اقوام متحدہ کے بعض سفارتکاروں کو ناپسندیدہ قرار دیکر ملک چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ یہ خبر ہمارے ۲۲ر دسمبر ۱۹۸۸ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔ اس کے مندرجات پر ایک نظر ڈالئے۔

"حکومت کو بعض غیر ملکی سفارت کاروں کے ایک گروہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے جو پاکستان اور چین کے درمیان ایک آزاد ریاست کے قیام کے لیے سرگرم عمل ہیں جس کے قیام سے پاکستان اور چین کے زمینی روابط منقطع ہو سکتے ہیں۔"

اس سازش میں ملوث سفارت کار پاکستان میں اقوام متحدہ کے مختلف اداروں میں متعین تھے جن میں سے چار سفارت کار یہودی اور چار ہندو تھے جنہیں سفارتی ضابطوں سے انحراف کرتے ہوئے پاکستان میں متعین کیا گیا تھا۔ حکومت پاکستان کو معلوم ہوا تھا کہ سفارت کاروں کے روپ میں جاسوسوں کے اس گروہ نے پاکستان کے شمالی علاقہ جات اور ایٹمی تنصیبات کے بارے میں بھی بھارت کو اطلاعات فراہم کی تھیں۔ اس کے علاوہ شمالی علاقہ جات میں آغا خانیوں اور سنی مسلمانوں کے درمیان فسادات بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھے۔ چین اور پاکستان کے درمیان زمینی روابط کو منقطع کرنے کیلئے ایک نئی ریاست کے قیام کے لیے سرگرم عمل ان نام نہاد سفارت کاروں کی سرگرمیوں کو پاکستان میں دہلی اور ہانگ کانگ کے سفارتی مشنوں کی مکمل اعانت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ

آغاخانی ریاست قائم ہورہی ہے۔ پیپلز پارٹی کے اخبار کی گواہی

پاکستان پیپلز پارٹی کے پرجوش ترجمان لاہور کے روزنامہ "شہاب" کی ۲۰ فروری کی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی ہے:

کوئٹہ (شہاب نیوز) افغانستان سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق افغان حکومت نے پاکستان اور چین کی سرحد کے قریب روسی علاقے سے ملحقہ افغان علاقہ واخان کو اسماعیلی فرقے کے حوالے کر دیا ہے۔ کابل حکومت نے اس سلسلے میں ایک نوٹیفکیشن جاری کیا، جس کے مطابق واخان کے علاقے میں کسی قبیلے کو آباد ہونے کی اجازت نہیں ہوگی اس کے علاوہ اس علاقے میں جنگلات کاٹنے کی بھی ممانعت ہوگی۔ افغانستان نے واخان کا علاقہ اس سے قبل روسی فوجوں کے حوالے کر دیا تھا اور اس طرح یہ علاقہ براہ راست روسیوں کی عملداری میں تھا لیکن اب روسیوں کی واپسی کے بعد اس علاقے کو اسماعیلی فرقے کے حوالے کر دیا گیا ہے یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ واخان سے ملحقہ پاکستانی علاقے گلگت ہنزہ اور چترال کے علاقے میں بھی بڑی تعداد میں اسماعیلی فرقے کے لوگ آباد ہیں اور اس امر کو روبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اسماعیلی فرقہ یہاں اپنی خود مختار ریاست قائم کرے گا۔ واضح رہے کہ پاکستان میں شاہراہ ریشم اور اس کے اردگرد تمام علاقوں پر پہلے ہی اسماعیلی فرقے کی اجارہ داری ہے۔ حکومت پاکستان ان علاقوں میں قائم سرکاری ہوٹل پہلے ہی اسماعیلی فرقے کے ہاتھوں فروخت کر چکی ہے۔

بعض دیگر سفارت خانے بھی ان سے تعاون کر رہے تھے۔

اس پس منظر میں واخان کا "اقتدار اعلیٰ" آغا خانیوں کے سپرد کر دینے کی وجہ سمجھ میں آتی ہے اس علاقے کو گزشتہ دس سال تک روس افغانستان میں مجاہدین کے خلاف جہاد کا زور توڑنے کے لیے اور پاکستان میں تخریبی عمل جاری رکھنے کے لیے استعمال کرتا رہا ہے اور اب اس علاقہ کو رفتہ رفتہ آزاد مملکت کی حیثیت دینے خطہ میں ایک ایسا خنجر بھونکنے کی تیاری کی جا رہی ہے جو اس علاقہ کے ممالک خاص طور پر چین اور پاکستان کے لیے دردِ سر بنا رہے۔

واخان کی سرحدیں کشمیر اور شمالی علاقہ جات، دونوں سے ملتی ہیں شمالی علاقوں میں اسماعیلی برادری پہلے سے ہی آباد ہے اور ان کے ذریعے پاکستان میں خونریز فسادات بھی کرائے جا چکے ہیں اس "ریاست" کے قیام سے شمالی علاقوں کو پاکستان سے کاٹنے کی کوشش کی جائے گی اس کے علاوہ روس اس ذریعے سے کشمیر میں بھی پاکستان کی سرگرمیوں پر نظر رکھ سکتا ہے۔ یہی معاملہ چین کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔

چین کے ساتھ جو معاملہ ہوگا وہ چین کا دردِ سر ہے پاکستان کے لیے یہ معاملہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ واخان سے ملحقہ پاکستانی علاقہ چترال ہے جہاں پر بھی اسماعیلی بڑی تعداد میں آباد ہیں اگر ایک اسماعیلی ریاست قائم کر لے کی سازش پروان چڑھتی ہے تو اسماعیلی آبادی رکھنے کے باوصف پاکستان سب سے پہلے اس سے متاثر ہوگا۔ (بلکہ فرقہ وارانہ فسادات کے باعث ہو بھی چکا ہے) اس سلسلہ میں ہمارے عوامی نمائندوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس مسئلہ کو فوری طور پر نہ صرف پارلیمنٹ میں اٹھائیں بلکہ اسے بین الاقوامی پلیٹ فارموں پر بھی پیش کرنا ضروری ہے اس لیے کہ اس صورت حال سے پاکستان کی سالمیت خاص طور پر متاثر ہو رہی ہے۔ واضح رہے کہ چترال سے پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بیگم نصرت بھٹو قومی اسمبلی کی رکن ہیں جنہوں نے تا حال اس مسئلہ کا نوٹس نہیں لیا۔ امید کی جانی چاہیئے کہ حکومت اس مسئلہ پر فوری توجہ دے گی۔

پیپلز پارٹی کی حکومت کا اس جانب متوجہ ہونا اس لیے اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ خود لاہور سے شائع ہونے والا پیپلز پارٹی کا ایک حامی اخبار "شہاب" بھی اسی نوع کی خبر شائع کر چکا ہے کہ روس واخان میں اسماعیلی ریاست کی تیاریاں مکمل کر چکا ہے۔ کیا یہ ایک نئے اسرائیل کی طرف پیش رفت ہے؟

اس سارے قضیہ میں افغان مہاجرین کی بحالی اور دوبارہ آباد کاری کے سلسلہ میں اقوام متحدہ کے کمیشن کے سربراہ پرنس صدرالدین آغاخان کے کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیئے، جو خود اسماعیلی فرقے کے انتہائی اہم فرد ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا جو کردار ہو سکتا ہے ظاہر ہے

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ کیا یہ نئی مملکت قائم رہ سکے گی۔ اس کے لیے افغانستان میں روس کے حشر کا نظارہ کر لینا کافی ہے۔ جب مجاہدین نے افغانستان میں روس جیسی سپر طاقت کو تیام نہیں کرنے دیا تو اس نوع کی کسی نام نہاد ریاست کے قائم رہنے کی کیا ضمانت ہے؟

جوابِ گنان

یا اللہ بس تُو ہی تُوں

رب تُوں ——— رحمٰن تُوں
حق تُوں ——— پاک تُوں

سب کا پالنہار تُوں اللہ

عادل تُوں ——— حاکم تُوں
اوّل تُوں ——— آخر تُوں

سجدے کے لائق تُوں اللہ

ظاہر تُوں ——— باطن تُوں
حَیّ تُوں ——— قیُّوم تُوں

سب کا مالک تُوں اللہ
تجھ سا نہ تیرے میں سے کوئی
کریم تُوں دیجے سب عبدالکریم
لافانی تُوں باقی سب فانی ہیں
یا اللہ بس تُو ہی تُوں

(۔۔۔ لفظ "کریم" اللہ جل شانہٗ کا مسافی نام ہے جو صرف اللہ جل شانہٗ کو زیب دیتا ہے۔ اس لئے آغاخان کو جب بھی نام لینا ہو تو صرف "کریم" کہنا چاہیئے اور "عبدالکریم" ہرگز نہیں چاہیئے اور نہ اس پر پرنس عبدالکریم آغاخان" کہا جائے کیونکہ اللہ اور بندہ کا فرق نمایاں ہے (قرآن کی رو سے مشرک میں ملوث ہونا کفر کی مترادف ہے)

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

پیشکش ایک مسلم آغاخانی کراچی

شیعہ امامیہ اسمٰعیلیہ پاکستان
مرکزی تنظیم
۱۰ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ
حیدری شیعہ ال مشیا، پاکستان
شیعہ ال مشیا، کی سرپرست اس کے ایک عہدے دار کا نام

جوئے اور سٹے کی دُنیا کا بادشاہ:

اسلم نورالدین ناتھا

ایک پولیس افسر کے قتل کے پسِ پردہ حقائق بے نقاب

رپورٹ: ابنِ عثمان

کراچی پولیس کرائم برانچ نے گزشتہ دنوں کراچی کے بدنام جواری اسلم ناتھا کے جوئے کے ایک اڈے واقع سرجانی بازار پر چھاپہ مارا، اس چھاپے کی اطلاع چونکہ پولیس میں شامل بعض بکے ہوئے افسران نے پہلے ہی اسلم ناتھا کو دیدی تھی، لہٰذا پولیس پارٹی پر فائرنگ کی گئی، جس سے پولیس کا ایک سب انسپکٹر جاں بحق ہوگیا، پولیس کی جوابی فائرنگ سے دو جواری بھی ہلاک ہوگئے۔ اس مقابلے میں ایک درجن سے زائد افراد زخمی ہوئے اور ۳۰ افراد پکڑے گئے، زخمی ہونے والوں میں جواری کم اور پولیس والوں کی تعداد زیادہ بتائی جاتی ہے۔ پولیس نے داؤ پر لگی ہوئی دس ہزار روپے کی رقم اور بھاری تعداد میں خود کار اسلحہ برآمد کرلیا، جب کہ اس اڈے کا مالک اسلم ناتھا جائے واردات سے بھاگ جانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس پورے واقعے میں پولیس کے دو سب انسپکٹر احمد علی اور محمد علیم سمیت پانچ سپاہی زخمی ہوئے۔ اس موقع پر گرفتار ہونے والوں میں جوئے کے اڈے کے مالک کا بھائی شہزاد ناتھا بھی شامل ہے۔

اسلم ناتھا کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ پورے کراچی میں مختلف مقامات پر جوئے کے اڈے چلاتا اور چلواتا ہے اور اور اس ضمن میں پولیس کے افسران کو خاصی بڑی رقم بطور بھتہ دیتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اسلم ناتھا کراچی میں چلنے والے ڈیڑھ سو جوئے کے اڈوں میں سے ۷۰ کا مالک ہے اور ۱۲ اڈوں سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے۔ ان جوئے کے اڈوں پر روزانہ کروڑوں روپے کا جوا کھیلا جاتا ہے اور بعض اعلیٰ سرکاری افسران بھی جوا کھیلنے ان اڈوں پر آتے ہیں۔ اسلم ناتھا کئی نوعیت کے متعدد مقدمات میں ملوث رہا ہے، لیکن دے دلا کر اپنی جان ہر بار چھڑا لیتا ہے۔ پولیس نے کراچی بھر میں اسلم ناتھا کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے ہیں، لیکن کامیاب نہیں ہوسکی، بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ کراچی میں ایک انتہائی اہم شخصیت کے بنگلے میں چھپا رہا اور اب اس کے ملک سے فرار ہونے کی افواہیں ہیں۔ اسلم نورالدین ناتھا، نورالدین اسماعیل ناتھا نامی شخص کا بیٹا ہے جو کسی زمانے میں کریم آباد کے علاقے میں ٹوٹی چپلیں جوڑا کرتا تھا، لیکن بعد میں اس نے معمولی بنیادوں پر جوس بیچنے کا کام شروع کردیا، نورالدین اسماعیل ناتھا کو کچھ مالی استحکام ہوا تو اس نے کریم آباد کی پرانی مارکیٹ میں ٹھیلے اور چھابڑی والوں سے بھتہ لینا شروع کردیا، جو اس وقت چار آنے روز تھا۔ اس بات پر اس علاقے کے بدخشانی نامی ایک شخص سے اسکی تکرار ہوگئی، جو بالآخر تصادم کا روپ اختیار کرگئی، اس تصادم کے بعد نورالدین اسماعیل ناتھا کریم آباد سے مکان چھوڑ کر لسبیلہ کے علاقے میں رہائش پذیر ہوا اور تمام اہلِ خانہ سمیت بڑے دھندوں کے ذریعے دولت جمع کی اور اپنے زیرِ زمین کالے دھندے کی حفاظت کے لئے کوچۂ سیاست کا بھی رُخ کیا، لیکن اس میدان میں وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اسلم ناتھا کا تعلق اسماعیلی آغاخانی برادری سے ہے، اس نے دلیپ کمار کی پاکستان آمد کے موقع پر بھی بڑے پیمانے پر اخراجات کئے تھے، ایک محتاط اندازے کے مطابق کراچی میں اسلم ناتھا کی سرپرستی میں چلنے والے تقریباً ستر جوئے کے اڈوں سے سات لاکھ روپے روزانہ کی آمدنی ہوتی ہے، وہ مختلف مقدمات میں ملوث مفرور افراد کو پناہ دے کر اپنے پاس چھپائے رکھتا ہے اور پھر بوقت ضرورت انہیں استعمال کرتا ہے۔ اسلم ناتھا کے ملک سے فرار ہونے کی اطلاعات مل رہی ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ جوئے اور سٹے کی دنیا کا اس قدر معروف شخص، اتنا بڑا جرم کرنے کے بعد ملک سے نکل کیسے گیا۔؟ اور اگر وہ ملک سے باہر نہیں گیا ہے تو وہ کراچی میں کہاں ہے، اس بات کا فوری سراغ لگایا جانا چاہیئے۔ تاہم اس سلسلے میں ہمیں کچھ نہیں ہوتا نظر آرہا ہے کیونکہ جس علاقے میں جوئے کا اڈہ ہے اس علاقے کے تھانے کے کم از کم ساٹھ فیصد اخراجات اسلم ناتھا کے جوئے کی کمائی سے دیئے جاتے ہیں۔

اسلم ناتھا نے اپنے والد سمیت بلدیاتی انتخابات میں حصہ لیا اور روپے پیسے کے بل بوتے پر کامیاب ہوا، پھر ایک برادری کی بدولت پیار علی الانہ کے مقابلے پر الیکشن ۸۸ء میں آزاد امیدوار تھا، جس میں ناکام ہوا۔ اس سلسلے میں معلوم ہوا ہے کہ الیکشن ۸۸ء میں اسلم ناتھا، ایم کیو ایم کے اشارے پر پیار علی الانہ کی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے الیکشن میں کھڑا ہوا تھا، اس طرح وہ اپنے آغاخانی بھائی پیار علی الانہ سے انتقام لینا چاہتا تھا۔

بعد کی اطلاعات کے مطابق معروف جواری اسلم ناتھا، اپنے بعض خصوصی کرم فرماؤں کی بدولت فرار ہوکر بنکاک چلا گیا تھا۔ لیکن وہاں اس کی طبیعت گھبرا گئی۔ کچھ دنوں بعد وہ واپس آگیا۔ آجکل وہ اسلام آباد میں ایک بااختیار آفیسر کے گھر مقیم ہے۔ آجکل اس کے کراچی آجانے کی اطلاعات ہیں اور ممکن ہے کہ جس وقت یہ سطور آپ کے زیرِ مطالعہ ہوں، اسلم ناتھا، بعض بااثر افراد سے بالا ہی بالا کچھ "مک مکا" کرواکے خود کو پیش کرچکا ہو۔ ویسے اس کے بقیہ ساتھیوں کی نشاندہی کی بازگشت سنائی دے رہی ہیں۔ ●●

زکوٰۃ کونسل میں شیعہ مجتہد؟

حکومت نے زکوٰۃ کونسل کی تشکیل نو کی ہے۔ لیکن اس میں ایک شیعہ مجتہد کا نام دیکھ کر حیرت ہوئی۔ کیونکہ شیعہ حضرات کو اسلام کا نام لینے والی حکومت نے زکوٰۃ سے مستثنیٰ کردیا ہے اور یہ لوگ سنی مسلمانوں کو "مرتد" کہہ کر ان سے زکوٰۃ وصول نہیں کرتے۔ اس طرح شیعہ حضرات زکوٰۃ دیتے ہی نہ لیتے ہیں۔ تو پھر اس کونسل میں شیعہ مجتہد کس کی [illegible] کررہے ہیں۔ ● (ایس پی۔ علی۔ کراچی)

افغانستان آغا خانی سازشوں کی زد میں

افغانستان میں اسماعیلی ریاست کے لیے سازشوں کی چند مزید کڑیاں

"ہم اسماعیلی ہیں، جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں" ---

اسماعیلیہ ڈیفنس فورس کے کمانڈر سید جعفر کا یہ جملہ روسی فوجی افسروں سے ان مذاکرات کا آغاز تھا، جو افغانستان سے روسی افواج کے انخلا سے چند یوم قبل شاہراہ سالانگ کی حفاظت کی یقین دہانی حاصل کرنے کی غرض سے روسیوں کی دعوت پر صوبہ بغلان کے مرکز تلقہ گئی میں ہوئے تھے۔

سید جعفر کون ہیں؟ ۔ افغانستان کے رہنے والے اسماعیلی افغان مجاہدین کی تاریخ ساز جدوجہد کو روسیوں کی حمایت، حوصلہ افزائی اور امداد سے کسی طرح سوتاڈکرنے میں مصروف ہیں؟ روسیوں کے انخلا کے بعد افغانستان میں وہ کیا کردار ادا کر رہے ہیں اور اس سے قبل روسیوں کے خلاف جہاد کے دس برسوں تک کیا کرتے رہے؟ ان چبھتے سوالات کے جوابات تلاش کئے جائیں، تو عجیب و غریب حقائق سامنے آتے ہیں۔

افغانستان میں طویل جنگ کے دوران پچھلے برسوں میں صوبہ بدخشاں اور لغمان میں آباد اسماعیلی، روسی کابل افواج اور مجاہدین، دونوں سے روابط رکھنے اور اپنے معاملات طے کرنے والے گروپ کی شہرت رکھتے ہیں۔ مجاہدین روسی جیسے طاقتور دشمن سے دست و گریبان ہونے کے سبب افغانستان کے عام اقلیتی گروہوں کے تعاون کی ضرورت رکھتے تھے، خواہ یہ تعاون مجاہدین کے شانہ بشانہ جنگ نہ لڑنے والوں کا کم از کم کٹھ پتلی کابل انتظامیہ کی حمایت نہ کرنے کی صورت میں ہوتا تو بھی قابل قبول تھا۔

شمال مشرقی افغانستان کے صوبہ لغمان میں ۲۵۰۰ نفوس پر مشتمل "کیان" اسماعیلیوں کے "دار الخلافہ" کی حیثیت رکھتا ہے، جو کابل کو روس سے ملانے والی واحد بڑی شاہراہ سالانگ کے کنارے واقع ہونے کی بدولت غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ یہیں سید منصور نادری اور اس کے بیٹے سید جعفر نادری نے ایک مسلح اسماعیلی فورس قائم کی ہے، جس نے روسیوں کی بحفاظت واپسی کی خاطر شاہراہ سالانگ کے ایک حصے اور اسی پر قائم چوکیوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے مجاہدین سے براہ راست محاذ آرائی کا آغاز کر دیا ہے۔

پینتالیس سالہ سید منصور افغانستان میں اسماعیلی اکثریت کے موجودہ سربراہ ہیں، جنہیں ان کے بھائی سلمی سید شاہ ناصر انسپا کے بعد اسماعیلیوں کا رہبر مقرر کیا گیا تھا۔ سید منصور سردار داؤد کے دور حکومت میں جیل میں ڈال دئے گئے تھے۔ پھر حفیظ اللہ امین کے دور میں بقول اسماعیلیوں کے انکے تین بھائیوں کو قتل کر دیا گیا۔ آٹھ برس قید میں گزارنے کے بعد روسیوں کی آمد پر سید منصور نادری رہا کر دئے گئے۔ رہائی کے بعد کیان پہنچ کر ایک جانب انہوں نے روسیوں کے خلاف جاری جہاد میں غیر جانبدار رہنے کا اعلان کیا اور دوسری جانب اسماعیلیوں

رفیق افغان

کی مسلح فورس تشکیل دے کر اسے مضبوط بناتے رہے۔ اس فورس کا کمانڈر انہوں نے اپنے ۲۴ سالہ امریکہ پلٹ بیٹے سید جعفر کو مقرر کیا، جو قبل ازیں اپنے والد کی گرفتاری کے فوراً بعد افغانستان سے فرار ہو کر انگلستان پہنچ گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر دس برس تھی۔ وہاں وہ ہر

سعید جعفر

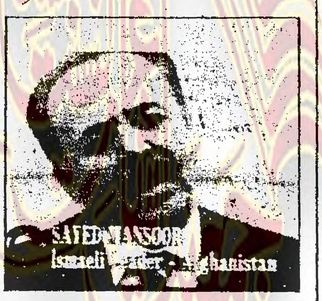

افغانستان میں آغاخانیوں کے سربراہ سید منصور

ایک اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ چودہ برس کی عمر میں وہ ہر منگھم سے امریکہ ریاست پنسلوانیہ منتقل ہو گیا۔ اوائل شباب کا زمانہ تھا چنانچہ سید جعفر پنسلوانیہ کے آوارہ لڑکوں پر مشتمل موٹر سائیکل گروہ میں شامل ہو گیا۔ خود اس کے بقول اس نے امریکہ میں قیام کے دوران بے شمار "نامعقول" حرکتیں کیں۔ اس کے مشاغل میں اور معاملات کے علاوہ ڈرم بجانا بھی شامل تھا بعد میں اسماعیلیہ فورس کا کمانڈر بننے کے بعد بی بی سی چینل فور (۴) کو "کیان" میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے اس نے کہا کہ "اگر میں یہاں ڈرم بجاؤں تو لوگ سمجھیں گے کہ میں پاگل ہو گیا ہوں، لیکن میں یہاں بھی سفر کے دوران انگریزی موسیقی اور نئے نغموں سے پوری طرح لطف اندوز ہوتا ہوں۔ میں نے پنسلوانیہ میں نہایت عمدہ وقت گزارا جسے میں ہمیشہ یاد کرتا ہوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کیان میں اپنے بہترین دوست پائیں گے، میں نہیں جانتا کہ اگر اب بھی میں امریکہ میں ہوتا تو کیا کرتا یا تو میں کروڑ پتی ہوتا اور یا پھر جیل میں۔ لیکن افغانستان میں جنگ کے آغاز کے بعد آغا خان، اپنے والد، خاندان اور لوگوں کے مفاد کو یاد رکھنا ضروری تھا، چنانچہ میں یہاں آگیا۔ افغانستان لوٹتے وقت میں ۱۷ برس کا تھا، (اس موقع پر سید جعفر کے قیام امریکہ کی ایک تصویر دکھائی گئی، جس میں موصوف شراب کی بوتل سامنے رکھے گلاس ہاتھ میں تھامے بیٹھے ہیں) میرے لیے دو مختلف تہذیبوں میں رہنا بڑا مشکل تھا۔ لیکن مجھے رہنا پڑا ہم اسماعیلی آغا خان کو اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں، جو ہمارے ۴۹ ویں زندہ امام ہیں اور اگر وہ یہ حکم دیں کہ سارے اسماعیلی مر جائیں، تو ہم مر جائیں گے۔ یقین جانیئے کہ ہم ایسا ہی کریں گے" ۔ سید جعفر کے بقول ان کی سرزمین کیان ستائیس ہزار مکعب میٹر رقبہ پر مشتمل اور پورے ملک میں پھیلے ہوئے ۲۰ لاکھ اسماعیلیوں کا طاقتور مرکز ہے۔

سید جعفر کی جانب سے افغانستان میں دو ملین اسماعیلیوں کی موجودگی کا یہ دعویٰ بجائے خود مشکوک ہے۔ یہ دو ملین کل افغان آبادی کا لگ بھگ پندرہ فیصد بنتے ہیں، ان میں اگر تیس فیصد افغان شیعہ آبادی کا ایرانی دعویٰ بھی شامل کر لیا جائے، تو بقیہ آبادی صرف پچپن (۵۵) فیصد رہ جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ دونوں دعوے

سید جعفر اور روسیوں کے درمیان مذاکرات کا ایک منظر

درست ہیں، تو سابقہ افغان حکومتوں، اقوام متحدہ اور دیگر بین الاقوامی اداروں کی جانب سے تیار کردہ افغان آبادی کے وہ مستند اعداد و شمار کہاں گئے۔۔ جو ہر سہ ماہ پر کسی نہ کسی سبب کے لیے درست اور قابل قبول تھے اور جن کے مطابق افغانستان کی آبادی کا لگ بھگ ۹۰ فیصد حصّہ مسلمانوں پر مشتمل ہے؟

سید جعفر کے مطابق کیان اگرچہ افغانستان کا ایک حصہ ہے لیکن کئی معنوں میں یہ ایک الگ ملک ہے۔ یہاں شیعہ اور سنی بھی رہتے ہیں لیکن ہر چیز بشمول بجلی، ٹیکس اور ہتھیار اسماعیلیوں کے کنٹرول میں ہے۔ افغان ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں، لیکن اس کے والد سید منصور کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دونوں طرف کے مسائل حل کرے۔ کیان کے عقب میں ہندوکش کا علاقہ بھی اسماعیلیوں کا ہے۔ کوئی بھی انہیں تنگ کرنا چاہے تو وہ وہ کوئی بھی ہو، تو وہ اسکے خلاف لڑیں گے اور اسے علاقے سے باہر نکال دیں گے۔ اسماعیلیوں کے مسلح گروپ سالانگ بانی دے کا کچھ حصہ کنٹرول کرتے ہیں۔ جہاں کابل حکومت کے دستے آزادانہ حرکت کر سکتے ہیں۔ جعفر کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس بارہ ہزار مسلح افراد ہیں اور ہم نے مجاہدین سے صلح کا معاہدہ کیا ہے، لیکن کبھی کبھار ان سے جنگ بھی ہو جاتی ہے، "تالہ برفاق" کیان کی سرحد ہے جس کی دوسری طرف مجاہدین کا علاقہ ہے، یہاں سے کابل اور پاکستان تک راستہ جاتا ہے، اگر ہم اسے کاٹ دیں تو مجاہدین کی سپلائی بند ہو جائے گی۔ یہاں بے شمار قبریں ہمارے ان آدمیوں کی ہیں، جو مجاہدین سے معاہدہ سے قبل ان سے جنگوں میں مارے گئے"۔

روسی انخلاء کے آخری مرحلہ میں سید جعفر کو صوبہ لغمان کا گورنر مقرر کر کے علاقے میں مجاہدین کی کارروائیوں کی روک تھام کی ہدایت کی گئی۔ لغمان کے علاوہ بدخشان کا گورنر بھی ایک اسماعیلی کو بنایا گیا اور اب ان دونوں مقامات پر اسماعیلی مسلح گروپ، ملیشیا کی حیثیت سے مجاہدین کی مخالف جماعتوں میں حصہ لیتے ہیں۔

سید جعفر صوبہ کا گورنر ہونے کے علاوہ اسماعیلی علاقوں میں ٹیکس جمع کرتا ہے، ان کے آپس کے جھگڑے نمٹاتا ہے اور شادیاں کرواتا ہے، اسے ان کاموں پر اس کے والد سید منصور نے مامور کیا ہے۔ سید جعفر کے والد سید منصور تھے، جو افغانستان کی اسماعیلی برادری کے سربراہ ہیں، بی۔ بی۔ سی۔ چینل فور کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ "حکومت اور اپوزیشن دس برس تک بے فائدہ جنگ لڑتے رہے۔ یہ جنگ ملک کے مفاد میں نہیں تھی، ہم اس جنگ میں کسی کے ساتھ نہیں تھے۔ اس لیے اب ہم دونوں کے ساتھ ہیں۔ میں نے اپنے بیٹے کو کمانڈر اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ میرا ہر کہا ٹھیک مانے گا، وہ سب سے تعلقات رکھتے ہوئے ایک طاقتور اور منظم فورس تشکیل دے رہا ہے"۔ کیان قصبہ اسماعیلی علاقے کا مرکز ہے۔ سید جعفر کے مطابق "ہم یہاں دھاتی کارخانے اور ایسے ساہر کاریگر رکھتے ہیں، جو ہوائی جہاز بھی بنا سکتے ہیں۔ گھوڑوں، کتوں اور پرندوں کو سدھانے اور تربیت دینے کی مخصوص جگہیں، قالین بافی کا کارخانہ، اسلحہ سازی اور مرمت کا کارخانہ جہاں ہر قسم کے ہتھیاروں کی مرمت ہو سکتی ہے اور ایکسپلوژن سے بھرے ہوئے گھروں کے کمرے بھی کیان میں موجود ہیں۔ ہم افغانستان کی جنگ میں کسی کی طرف نہیں، صرف اپنی طرف ہیں اور اپنی طرف کا مطلب افغانی کی طرف ہے"۔۔۔ کیان میں ایک جیل بھی ہے، جس میں ۴۰ قیدی ہیں، ان میں ایک تعداد حزب اسلامی افغانستان کے ان مجاہدین کی ہے، جنہیں اٹھا دکھا پا کر گرفتار کیا گیا ہے۔ سید جعفر اور دیگر اسماعیلی کمانڈر، حزب اسلامی، افغانستان کے سخت مخالف ہیں۔، دیگر تنظیموں کے فارسی زبان کمانڈروں سے زبان کی یکسانیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حزب دشمنی کی مشترکہ بنیادوں کی تعمیر اور ان پر اچھے تعلقات کی عمارت کی تعمیر سید جعفر کی اولین ترجیح ہے۔ جمعیت اسلامی افغانستان کے ایک کمانڈر سے ملاقات کے دوران اسے دورانِ گفتگو ہوئے جعفر کا یہ کہنا "اسماعیلیوں کے آئندہ عزائم کی ترجمانی کرتا ہے کہ" میرے بعض ساتھیوں کے خیال میں میں جب بھی کسی بڑی محفل میں ہوتا ہوں تو بلند آواز میں دھراتا ہوں کہ سید منصور اور حزب اسلامی کے درمیان تعلقات بہتر ہو گئے ہیں، حالانکہ ہمارے اور حزب کے درمیان تعلقات کا دیسا ہی پرتو کول قائم ہے، جیسا بیٹی اور چوہے کے درمیان ہوتا ہے۔ ہم جمعیت اسلامی افغانستان کے رکن نہ بھی ہوں، لیکن ہمارا مزاج، قومیت اور زبان ایک ہے، ہم کبھی جمعیت کے دشمن نہیں ہوں گے، خواہ استاد ربانی اس کے رہبر ہوں یا کوئی اور۔ اگرچہ آپ ہم سے ماضی میں لڑتے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم آپ کی ہر خواہش کا احترام کریں گے"۔

روسی انخلاء سے قبل سید منصور اور سید جعفر کی سرگرمیاں اچانک تیز ہو گئیں۔ انہوں نے کیے بعد دیگرے روسیوں سے ملاقاتیں کیں اور بالآخر اس شرط پر کہ روسی انخلاء کے دوران شاہراہِ سالانگ اور انخلاء کے بعد بغلان صوبہ کی حفاظت کی ذمہ داری اسماعیلی فورس انجام دے گی، سید جعفر کو بغلان کا گورنر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بغلان کے شہر قلعہ گنی میں روسی فوجی گیریژن میں ہونے والی، اس بات چیت کی مکمل ویڈیو فلم بطور ثبوت ہمارے پاس موجود ہے۔

ذیل میں دی جانے والی گفتگو اس فلم سے لی گئی ہے اس ملاقات میں پانچ روسی افسران مع ترجمان موجود تھے، جب کہ سید جعفر اسماعیلیوں کی جانب سے تنہا نمائندہ تھے۔ یہ گفتگو جو روسی اور فارسی زبانوں میں ہوئی کچھ یوں تھی۔

سید جعفر۔ ہم اسماعیلی ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔

روسی افسر۔ (ترجمان کی معرفت) سید جعفر آپ ہمارے ان سپاہیوں کو رہا کروانے میں کیا مدد دے سکتے ہیں۔ جو حزب اسلامی افغانستان کے پاس قید ہیں؟

(واضح رہے کہ چند ماہ پیشتر چار روسی سپاہی بغلان میں حزب اسلامی کے کمانڈر ڈاکٹر اسماعیل کے پاس قید تھے۔ اور جن کی رہائی کے سلسلے میں اسلام آباد میں مجاہدین اور روسیوں کے نمائندوں کے درمیان ہونے والے مذاکرات میں بھی گفتگو ہوئی تھی اور جس کی تفصیل ہم تکبیر کے ایک گزشتہ شمارے میں دے چکے ہیں)

سید جعفر۔ آپ اپنے ملک واپس جا رہے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے بہترین کوشش کریں گے کہ آپ کے قیدی ہر قیمت پر رہا ہو جائیں۔ خواہ اس کے لیے ہمیں رقم ہی کیوں نہ خرچ کرنی پڑے۔ ہم آپ کے سپاہی لوٹانے کا وعدہ کرتے ہیں تاکہ آپ مطمئن واپس لوٹیں اور اپنے اعلیٰ افسران کی تادیبی کارروائی کا شکار نہ ہوں، لیکن اس سلسلے میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔

روسی افسر۔ لیکن کیا یہ کام مشکل نہیں ہوگا؟ کیونکہ ہمارے آدمی حکمت یار کی تنظیم کے کمانڈر ڈاکٹر اسماعیل کی قید میں ہیں، شاید گلبدین انہیں آزاد کرنے پر تیار نہ ہوں

سید جعفر۔ اگر گلبدین تیار نہیں، تو کیا ہوا سید

باقی صفحہ نمبر ۷۵ پر

THE UNSOLVED MYSTERY OF THE CENTURY –

The world has been baffled by a mystical secrecy that surrounds the AGA KHANS, the inexplicable fervor of their followers and the mystifying legends associated with their religion – the ISMAILISM.

'UNDERSTANDING ISMAILISM'
(A Unique Tariqah of Islam)

examines, from within, the substance and practice of Ismailism. Uncovers the perplexing legends transcending into "historical facts". Probes the mystical teachings of the arrant Assassins and it's aftermath. Plus recounts many an unforgettable anecdotes and incredible hypothesises. This penetrating study (180 pages) also includes a comparative survey and analytical scrutiny of JUDAISM, CHRISTIANITY and ISLAM.

Review –

"... A lively and readable work of great value to all specialists whatever their own stands may be."

Peter Lamborn Wilson
Author of 'Scandal'

$7.00 plus $2.00 postage

Enquiries from bookstores, distributors and agents invited. Full trade discounts available.

A.M. TRUST, P.O. BOX 82584, BURNABY, B.C., CANADA V5C 5Z1
PHONE (604) 255-0317 or 298-8803

مرحوم بیٹے کے لئے آغا خان سے جنت کی خریداری

میں آپ کا پرچہ بلا ناغہ دلچسپی سے پڑھتا ہوں۔ اسمٰعیلی اعتقادات کے سلسلہ میں مجھے ایک واقعہ یاد آگیا جو قارئین کبیر کے لئے بھی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب پاکستان نیا نیا بنا تھا اور جناب میاں امین الدین صاحب آئی سی ایس مدراس پورٹ سے تبدیل ہو کر کراچی پورٹ ٹرسٹ کے پہلے مسلمان اور پہلے پاکستانی چیئرمین بن کر آئے تھے۔ میں ان دنوں پورٹ ٹرسٹ کے ٹریفک کے محکمہ میں اسٹنٹ اسٹیبلشمنٹ آفیسر تھا۔ میرے محکمہ کے ایک معمر آغاخانی بزرگ نے اپنے جواں سال صاحبزادے کی حادثاتی موت پر، جو کے پی ٹی بلڈنگ کے سامنے وقوع پذیر ہوا تھا، پراویڈنٹ فنڈ سے ایک بھاری قرض کی درخواست دی کہ مجھے خفیہ رسم (SECRET CEREMONY) ادا کرنی ہے۔ درخواست چیئرمین کو بھیجتے وقت میری نظر لفظ خفیہ پر پڑی تو اس کو ٹائپ کی غلطی سمجھتے ہوئے اس کی تصحیح کر کے اسے SACRED (متبرک) کر دیا۔ جناب چیئرمین نے یہ لکھ کر کہ "یہ فضول خرچی ہے" درخواست نامنظور کر کے واپس بھیج دی۔ دوسرے روز وہ آغاخانی بزرگ معلوم کرنے آئے تو فائل ان کے سامنے رکھ دی۔ وہ درخواست پر میری تصحیح دیکھ کر مجھ پر برس پڑے کہ لفظ کو کیوں بدلا گیا۔ میں ان سے بحث کرنے لگا کہ خفیہ کیا ہو سکتا ہے، متبرک ہو سکتا ہے، یہ ٹائپ کی غلطی تھی۔ مگر وہ نہ مانے اور میرے سر ہو گئے۔ میرے نائب بیٹھے ہوئے ایک ساتھی نے مجھے دلایا اور کہا کہ یہ صحیح کہہ رہے ہیں اور مجھے الگ لے جا کر سمجھایا کہ بھائی یہ اپنے لڑکے کے لئے آغاخان یا ان کے نائب سے جنت خریدیں گے، آپ کو ان کی یہ رسم معلوم نہیں ہے۔ میں خاموشی سے اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا اور ان سے معذرت کرنے کے بعد مشورہ دیا کہ آپ دوسری درخواست بلور لیبل کے لے آئیں، میں انشاء اللہ تعالیٰ کوشش کر کے آپ کو قرض دلا دوں گا۔ اس مرتبہ میں نے ان کی ہدایات کو اس سفارش کے ساتھ کہ یہ بزرگ اپنے کمیونٹی میں معزز مقام رکھتے ہیں اور یہ رقم ان کے لئے اشد ضروری ہے۔ مزید یہ کہ اس دوسری درخواست کو میں نے اس وقت کے لیبر ویلفیئر آفیسر کے ذریعہ بھیجا جو ان رسومات سے واقف ایک پرانے ہردلعزیز ہندو تھے اور سندھ کراچی میں بقیہ ہیں، وہ بذات خود اس درخواست کو چیئرمین کے پاس لے گئے اور سفارش کی، چنانچہ میاں امین الدین صاحب نے قرض کی منظوری دے دی اور اس طرح ان آغاخانی بزرگ نے اپنے لڑکے کے لیے جنت خریدی۔ (محمد ایوب حسن، ہالا، حال کراچی)

تکبیر (۵۰) ۱۴ مئی ۱۹۸۸ء

تکبیر (۴۸) ۱۷ نومبر ۱۹۸۸ء

ہمکہ یہ ہمکہ!

ملتان میں بیگم نادرہ خانوادی کی رہائش گاہ پر بے نظیر بھٹو کارکنوں کے جھرمٹ میں شطرنج کھیل رہی ہیں

تکبیر (۹) ۱۰ نومبر ۱۹۸۸ء

شیعہ امل لیشیا۔ پاکستان

تنظیم کا منشور

معتمد اعلیٰ
س۔ب۔ رقم ۱۳۳۴۶
سفارت خانہ جمہوریہ لبنان
شیعہ امل لیشیا کے منشور کا سرورق دمشق

تکبیر (۸) ۱۰ نومبر ۱۹۸۸ء

کیا عہدِ رسالت و خلافت عورتوں کے لیے دورِ جہالت تھا؟

دُختر خمینی کے فرمودات سے اُبھرنے والے چند سنگین سوالات

"محترمہ بے نظیر بھٹو کے وزیر اعظم بننے پر ایران کے عوام بہت خوش ہیں۔ اگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسوۂ حسنہ میں عورت کی سربراہی کا ثبوت نہیں ملتا، تو اس لیے کہ وہ دور، جہالت کا تھا اور اس وقت تک کوئی عورت اتنی تعلیم یافتہ اور تجربہ کار نہیں تھی کہ سربراہی کے عہدے پر فائز ہو سکتی"۔ (جنگ راولپنڈی، جمعرات ۱۸ جنوری)

یہ ارشادات ایران کے امام خمینی مرحوم کی بیٹی خانم زہرہ مصطفوی کے ہیں، جو حال ہی میں پاکستان کے دورے پر آئیں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے لاہور میں پنگ فورم میں خواتین کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کیا۔

اگر معاملہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے وزیر اعظم بننے پر ایران کے عوام کی مسرت تک محدود ہوتا تو ہمیں اس خبر کا نوٹس لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ ایران کے عوام اور حکمرانوں کو اس واقعے پر خوش ہونے کا حق کئی حوالوں سے حاصل ہے۔ نہ صرف یہ کہ پاکستان کے موجودہ حکمراں خاندان کا نسلی رشتہ ایران سے ہے اور پاکستان کی مادر وزیر اعظم جو حکمراں پارٹی کی سربراہ بھی ہیں، ایرانی النسل ہیں، بلکہ یہ دونوں خواتین اہل ایران کی حکمراں اکثریت کی ہم مذہب بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانی حکمرانوں اور عوام نے دوسرے مسلم ملکوں کے مقابلے میں پاکستان کی موجودہ زنانہ حکومت کا غیر معمولی انداز میں استقبال کیا اور اس حکومت نے بھی عرب دنیا کے مقابلے میں ایران سے اپنے تعلقات بہتر بنانے پر خصوصی توجہ دی۔ اس لیے اگر خانم زہرہ صاحبہ اپنے اظہار خیال میں یہیں تک محدود رہتیں تو ہمیں قلم اٹھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن اصل قابل توجہ انکشاف انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ "اگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسوۂ حسنہ میں عورت کی سربراہی کا ثبوت نہیں ملتا، تو اس لیے کہ وہ دور، جہالت کا دور تھا اور اس وقت تک کوئی عورت اتنی تعلیم یافتہ اور تجربہ کار نہیں تھی کہ سربراہی کے عہدے پر فائز ہو سکتی"۔

دخترِ ایران کے اس انکشاف سے کئی نہایت سنگین اور سنجیدہ سوالات جنم لیتے ہیں، مثلاً یہ کہ کیا عہدِ رسالتؐ صرف مردوں کے لئے علم و آگہی کا دور تھا اور عورتیں نبوت کی روشنی

جناب خمینی کی صاحبزادی۔ خانم زہرہ مصطفوی

پھیل جانے کے باوجود جہالت کے اندھیروں ہی میں غرق رہیں۔ کیا اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف مردوں کی تعلیم و تربیت کے لیے آئے تھے؟۔ کیا قرآن پاک کی تعلیمات صرف مردوں تک محدود ہیں؟۔ کیا جس نبیؐ نے طلبِ علم کو ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے فرض قرار دیا، وہ اپنے عہدِ رسالتؐ میں بھی اس پر عمل کرانے میں ناکام رہا یا کیا اللہ کے رسولؐ نے اپنا فرضِ منصبی انجام دینے میں کوتاہی برتی؟۔ کیا رسولِ خداؐ سے براہِ راست تعلیم و تربیت حاصل کرنے والی

ثروت جمال اصمعی

خواتین آپ کی ازواجِ مطہراتؓ اور بیٹیاںؓ اور پھر ان خواتین سے استفادہ کرنے والی اوّلین اسلامی معاشرے کی خواتین اور رسولِ خداؐ کی صحابیاتؓ، تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے دورِ جہالت ہی میں رہیں اور آج کی مغرب زدہ عورتیں یا ایران میں امام خمینی کے انقلاب سے فیضیاب ہونے والی خواتین ان کے مقابلے میں بہتر تعلیم و تربیت کی مالک اور زیادہ اہل اور قابل ہیں؟ اور کھل کر بات کی جائے تو خمینی کی بیٹی سے یوں بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا ۱۴ سو برس پہلے عہدِ رسالتؐ کی عائشہؓ اور فاطمہؓ کے مقابلے میں آج کی بے نظیر اور خانم زہرہ نعوذ باللہ زیادہ علم اور اہلیت رکھتی ہیں؟ یہ کیا عہدِ رسالت اور دورِ خلافتِ راشدہ سے جس میں حضرت علیؓ کی حکمرانی کے بھی کئی سال شامل ہیں، آج کا دورِ ظلم و ستم کی عورتوں کے حوالے سے زیادہ روشن اور بہتر ہے؟۔ پھر یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ انقلابِ ایران جس کے رہنماؤں میں خود دخترِ خمینی بھی شامل رہی ہیں اور جو ان کے نزدیک خالص اسلامی انقلاب ہے

کیا اس نے ایران کی سربراہی اور کلیدی مناصب پر عورتوں کے متمکن ہونے کی کوئی گنجائش رکھی ہے؟۔ کیا خانم زہرہ مصطفوی ایرانی دستور کی رو سے ایران کی صدر یا وزیر اعظم بن سکتی ہیں؟۔

ہمیں نہیں معلوم کہ دخترِ ایران کے پاس ان سوالوں کا کیا جواب ہے، لیکن ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ دنیا کے ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کے نزدیک پوری انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن، سب سے زیادہ تابناک اور علم و عمل کے حوالے سے سب سے زیادہ مثالی دور عہدِ رسالت اور عہدِ خلافتِ راشدہ ہی تھا۔ اس دور کو کسی بھی لحاظ سے خواتین کے لئے "دورِ جہالت" کہنے کا تصوّر بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا ہے اور جو کوئی مسلمان ہونے کا دعوے کرنے کے باوجود ایسا کہے اسے نرم سے نرم الفاظ میں بھی جاہلِ مطلق ہی کہا جا سکتا ہے۔ ○○

مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو اور اندرا گاندھی کی سمادھیوں پر آغا خان کا نذرانۂ عقیدت

فرقۂ نزاری اسمٰعیلیہ آف انڈیا کے مطابق اسمٰعیلی فرقے کے امام آغا خان اپنے دورۂ بھارت کے دوران راج گھاٹ، شانتی وان اور شکتی استھل کے دیدار کے لیے گئے، جہاں انہوں نے مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو اور اندرا گاندھی کی سمادھیوں پر پھولوں کی چادریں چڑھائیں۔ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مرحوم صدر فخر الدین علی احمد کے مزار پر بھی گئے اور پھولوں کا نذرانہ پیش کیا۔ واضح رہے کہ اسماعیلیوں کے روحانی پیشوا متعدد بار پاکستان کا دورہ کر چکے ہیں، لیکن انہوں نے قائدِ اعظم کے مزار پر جانے کی زحمت کبھی گوارا نہیں کی۔

عورت کی سربراہی اور حضرت علیؓ

اہلِ تشیع علماء اور عوام کے لیے لمحۂ فکریہ

ثروت جمال اصمعی

عورت کی حکمرانی اسلام میں جائز ہے یا نہیں، پاکستان میں موجودہ زنانہ حکومت کے آغاز سے اب تک اس موضوع پر بہت گفتگو ہو چکی ہے۔ قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ کے حوالوں سے دونوں طرف کے دلائل بتمام و کمال سامنے آ چکے ہیں۔ ہمارے نام مستشنیات کو چھوڑ کر مسلک اہلِ سنت سے وابستہ دنیا بھر کے معروف علماء اور اسکالرز اور عالم اسلام کی دینی درسگاہوں کے دارالافتاء، بالکل دو ٹوک انداز میں عورت کی حکمرانی کو قطعی خلافِ شریعت اور اسے خوشدلی کے ساتھ مان لینے کو اللہ و رسولؐ سے بغاوت قرار دے چکے ہیں۔ تاہم اس عرصہ میں علماءِ اہلِ تشیع نے عموماً پُرزور انداز میں عورت کی حکمرانی کو جائز قرار دیا ہے، ان کے بعض علماء نے اس مسائل میں خاموش رہنے کو ترجیح دی ہے اور علی الاعلان شریعت کی رُو سے عورت کی حکمرانی کو ناجائز ٹھہرانے والوں میں تو شاید کوئی بھی مرجع شیعہ عالم شامل نہیں ہے۔

اہلِ سنت کے مقابلے میں اہلِ تشیع کی یہ روش قابلِ غور ہے۔ آخر قرآن و سنت کے مدلل دلائل اہلِ سنت کے تمام مسلک کے علماء اور عوام کے لئے عورت کی حکمرانی کے ناجائز ہونے کے مسائل میں مکمل طور پر اطمینان بخش ہیں، وہی دلائل اہلِ تشیع کو قائل کرنے کا سبب کیوں نہیں بن سکے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے ہمیں قرآن و حدیث کے بارے میں اہلِ تشیع کے اصل عقائد کا جائزہ لینا ہوگا کیونکہ اسی کی روشنی میں یہ طے ہو سکے گا کہ زیرِ بحث مسائل میں قرآن و سنت کے دلائل ان کے لئے اس طرح مؤثر کیوں نہیں ثابت ہو سکے جس طرح اہلِ سنت عوام اور علماء کے لئے ثابت ہوئے ہیں۔

اہلِ تشیع اگرچہ بظاہر قرآن کو اسی شکل میں، جس میں وہ آج ہمارے پاس موجود ہے، مانتے کا اقرار کرتے ہیں اور ان کے ایک مجتہد پر برسرِ پبلک ہی برہمی جانے والی شاہِ غریباں کی ایک مجلس میں ہزاروں کے اسی قرآن پر ایمان رکھنے کا واشگاف اعلان کر چکے ہیں، اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے مذہب کی اُصولی کتاب (اور متعدد دوسری کتابوں میں) اُن آیاتِ قرآنی اور اعمالی کی طرح تحریف شدہ قرار دیا گیا ہے اور ان کی شروع سے کبھی اس کتاب اور اس طور پر صرف دو اقتباسات اُن کے مذہب کی بنیادی کتاب اصولِ کافی سے پیش کئے جا رہے ہیں۔

قرآن حکیم میں تحریف کے بارے میں اصولِ کافی میں درج ہے۔ "اصل قرآن میں سترہ ہزار آیات ہیں (حدیث ۶۲۸، صفحہ ۶۳۴) جبکہ موجودہ قرآن میں کل آیات صرف ۶۶۶۶ ہیں۔ اصل قرآن حضرت علی کے پاس تھا جو کہ بعد دیگرے ائمہ کے پاس سے ہوتا ہوا آلِ بارہویں امام حضرت مہدی کے پاس ہے جو غیبت کے ایک غار میں چھپے ہوئے ہیں اور جب وہ قیامت کے قریب کے زمانے میں ظاہر ہوں گے تو اصل قرآن ساتھ لائیں گے"۔ (حدیث ۶۳۳، صفحہ ۶۴۳، اصولِ کافی کا اردو ترجمہ، الشافی جلد ۲، مطبوعہ شمیم بکڈپو، نائم آباد، کراچی)

اسی طرح تقیہ کے بارے میں، جس کا مفہوم دل کی بات چھپا کر زبان سے کچھ اور ظاہر کرنا ہے، اصولِ کافی میں حضرت جعفر صادق سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ:

"دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے"۔ (اصولِ کافی، صفحہ ۴۸۲۔ مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ)

اب، وہ کہا جائے جو کہا جائے۔ مسئلہ تو اس میں بھی یہ ہے کہ ان کے راوی دنیا میں رہنے والے ہی کی قرآنی سند پائی جاتی ہے

واے وہ صحابہ کرام جن میں سے گنتی کے چند کو چھوڑ کر باقی سب اہلِ تشیع کے نزدیک نعوذ باللہ منافق اور کافر تھے اور جن پر تبرا بھیجنا اور سب و شتم کرنا شیعہ مذہب میں نہ صرف کارِ ثواب ہے بلکہ اس کے بنیادی اصولوں کی رُو سے ان مکروہ اعمال کے بغیر کوئی شخص شیعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ صحابہؓ سے ان کے بُغض کا معاملہ اتنا کھلا ہوا ہے کہ اس کے لئے ہم یہاں کسی حوالے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس مذہب کی تمام کتابیں صحابہؓ کے خلاف گالم گلوچ سے بھری ہوئی ہیں اور کوئی بھی پاکستانی انھیں دیکھ کر اس بارے میں شیعوں کے طرزِ عمل سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں عالمِ دنیا میں لوگر نگر کے عنوان سے شائع ہونے والے محمد اعظم طارق صاحب کے اہلِ تشیع کی کتابوں کے اقتباسات پر مشتمل پمفلٹ کا مطالعہ آنکھیں کھول دینے کے لئے بہت کافی ہے۔ یہ پمفلٹ خطیب جامع مسجد صدیقی اکبر ناگن چورنگی نارتھ کراچی سے بذریعہ ڈاک بھی منگوایا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے راویانِ حدیث سے اس درجہ بیزار ہو جانے اور انھیں (خاص کر کہنے کے بعد پورے ذخیرۂ حدیث کی اہلِ تشیع کے نزدیک سرے سے کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے یہ بالکل سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ نہ صرف عورت کی سربراہی بلکہ کسی بھی معاملے میں قرآن و سنت کے حوالے، اہلِ تشیع کو قائل کرنے میں مؤثر ثابت نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ان سے بات ان ہی حوالوں سے ہونی چاہیے، جنھیں وہ خود بھی معتبر مانتے ہیں۔ ان میں سے اہم ترین چیز حضرت علیؓ کے خطبات و ارشادات کا مجموعہ نہج البلاغہ ہے، جو ان کے ہاں نقلی غیر محرف تسلیم کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں نہج البلاغہ کی سند کو، ان کے ہاں اس قرآن کے مقابلے میں جو ان کے خیال میں بدل ڈالا گیا ہے اور ان احادیث کے مقابلے میں جن کے راوی ان کے نزدیک انتہائی غیر معتبر ہیں، بہرحال فائق کا درجہ حاصل ہونا چاہیے۔

اسی بنا پر ہم پاکستان اور دنیا بھر کی ملتِ جعفریہ کے غور و فکر کے لئے، عورت کی سربراہی کے مسئلے میں قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ کے بجائے نہج البلاغہ سے حضرت علیؓ کے چند ایسے اقوال پیش کر رہے ہیں، جن میں انہوں نے عورت کی خصوصیات اور صلاحیتوں کے بارے میں اپنی رائے پیش کی ہے

باقی صفحہ ۷۵ پر

مجھے لکھنا پڑا تھا۔

بحیرا کی روایت میں نے ان لکھنے والوں کے حوالہ سے نقل کی تھی جنہوں نے بحیرا (یا نسطورا) کا نام لیا ہے۔ ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن سعد وغیرہ ان میں سے کوئی بھی (جہاں تک میں نے دیکھا ہے) نہیں تھا۔ میں اس سلسلہ میں اپنے سابقہ مضمون میں لکھ چکا ہوں اس کو پھر پڑھ لیا جائے۔ میں اس بستان کا میں جواب دینا چاہتا ہوں جو بلیغ الدین صاحب نے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (مولانا علی میاں) کے نام پر لگایا ہے۔

میرے پاس مولانا موصوف کی کتاب سیرۃ نبویہ کا عربی نسخہ ہے، اس میں انہوں نے بحیرا (بحیرہ نہیں) کے موضوع پر مولانا شبلی کی عبارت نقل کر دی ہے، اس کے بعد ایک نئے عنوان کے تحت مستشرقین اور خاص طور پر فرنچ مستشرق "کارا دے دو" کے اس جھوٹ اور افترا پردازی پر دو صفحات میں تنقید کی ہے کہ حضور کو سارا قرآن بحیرا نے سکھایا تھا۔ اس کے آخر میں مولانا مدظلہ نے وہ الفاظ لکھے ہیں جو بلیغ الدین صاحب نے سیاق مضمون سے کاٹ کر نقل کئے ہیں۔ "یہ بات (یعنی قرآن کریم کی تعلیمات کو بحیرا کی تلقین کرنے کی بات) وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے تعصب نے اندھا کر دیا ہو یا خیال آرائی اور فرضی اور وہمی باتوں کی اس کو عادت پڑ چکی ہو" سو مولانا موصوف نے اصل روایت کی نہیں، دشمنان اسلام کے افترا کی تردید کی ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ (سورہ مائدہ ۵)۔ اب آنحضرت کے ابو طالب کے ساتھ سفر شام اور بحیرا سے ملاقات کے سلسلہ میں مشہور محدث حافظ ابو نعیم (مصنف حلیۃ الاولیاء) متوفی ۴۳۰ھ کی کتاب "دلائل النبوۃ" کا حوالہ پیش کر تا ہوں، موصوف نے اپنی اس مستند کتاب کے صفحات ۱۳۳ تا ۱۳۹ میں تفصیل سے اس موضوع کا ذکر کیا ہے اور بحیرا سے ملاقات کو صحیح تسلیم کیا ہے، مگر ان کی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ ابو طالب نے حضرت بلال کے ساتھ ان کو مکہ مکرمہ واپس بھیج دیا، بلکہ یہ ہے کہ "ابو طالب حضور اکرم کے ساتھ فوراً ہی واپس ہو گئے۔ اس امر سے کہ یہودی نہیں آنحضرت کو قتل نہ کر دیں" (ص ۱۳۹)

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد (ج ۱ ص ۷۶ نیا ایڈیشن) ترمذی کی اس روایت کی تنقید کرتے ہوئے جس میں آنحضرت کو حضرت بلال کے ساتھ واپس بھیجنے کا ذکر ہے، مسند البزار سے ایک دوسری روایت کا حوالہ دیا ہے، جس میں بلال کا نام نہیں، بس "رجلا" (ایک آدمی) لکھا ہے ——— حافظ ابن حجر نے "الاصابۃ" میں ترمذی کی مذکورہ روایت اور اس کے رواۃ کو ثقہ بتایا ہے، اس تصریح کے ساتھ کہ اس روایت میں ابوبکر اور بلال سے متعلق الفاظ ثابت نہیں اور انہوں نے بزار کی روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۱۷۷) اور وہ بحیرا کے ذکر میں اس سے آنحضرتؐ کی ملاقات کو صحیح مانتے ہیں (ص ۱۷۶)۔

امید ہے کہ اس روایت ترمذی کے سلسلہ میں محمود عباسی اور بلیغ الدین صاحب کے پیدا کردہ شکوک و شبہات قارئین کے ذہن سے نکل گئے ہوں گے۔ اصل میں دونوں صاحبان نے ابو طالب سے بلال و کیفہ کے تحت اس روایت پر ناقص بحث کر کے اس کو جھوٹ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ اپنے زعم میں بحیرا کے قصہ کی آڑ لے کر یہ ثابت کر سکیں کہ ابو طالب نے آنحضرت کی کفالت و نصرت کی ہی نہیں (جاری)

قرآن شریف کی آیت: یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ ---- سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲ آیت ۵۹ کی حرمت و عظمت سے بے حد متاثر ہو کر یہ طغرہ خالص دینی جذبہ و فکر کے تحت شائع کیا گیا:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

محمد رسول اللہ ﷺ

والد ماجد: حضرت عبداللہ
والدہ ماجدہ: حضرت آمنہ

اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ازواج مطہرات

1. سیدہ خدیجہ بنت خویلد
2. سیدہ عائشہ بنت حضرت ابوبکرؓ
3. سیدہ سودہ بنت زمعہ
4. سیدہ حفصہ بنت حضرت عمر فاروق اعظمؓ
5. سیدہ زینب بنت خزیمہ
6. سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ سہیل
7. سیدہ زینب بنت جحش
8. سیدہ جویریہ بنت حارث
9. سیدہ ام حبیبہ بنت حضرت ابوسفیانؓ
10. سیدہ میمونہ بنت حارث
11. سیدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب
12. سیدہ ماریہ قبطیہ

اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیٹے	بیٹیاں
1. قاسم	بچپن میں وفات پائی
2. عبداللہ	" " " "
3. طاہر (الطیب)	" " " "
4. ابراہیم	" " " "

بیٹیاں	
1. سیدہ زینب زوجہ حضرت ابوالعاص امیہ	
2. سیدہ رقیہ زوجہ حضرت عثمان غنی ذوالنورین امیہ	
3. سیدہ فاطمہ زوجہ حضرت علی مرتضیٰ ہاشمی	
4. سیدہ ام کلثوم زوجہ حضرت عثمان غنی ذوالنورین امیہ	

آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مردوں سے	خواتین
1. حضرت علی بن حضرت ابوالعاص امیہ	1. سیدہ امامہ بنت حضرت ابوالعاص امیہ (زوجہ حضرت علی مرتضیٰ ہاشمی)
2. حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت عثمان غنی ذوالنورین امیہ	2. سیدہ ام کلثوم بنت حضرت علی مرتضیٰ ہاشمی (زوجہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ)
3. حضرت مسور بن حضرت علی ہاشمی	3. سیدہ زینب بنت حضرت علی ہاشمی (زوجہ حضرت عبداللہ بن جعفر)
4. حضرت سعید " " "	4. سیدہ رقیہ " " " (بچپن میں وفات پائی)

مشرف بہ اسلام ہونے والے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1. حضرت عبدالمطلب (آنحضورؐ کے دادا) ۸ سال کی عمر تک پرورش کی۔
2. حضرت زبیر (آنحضورؐ کے سب سے بڑے چچا) ۴۰ سال کی عمر تک پرورش کی (انہی کی سرپرستی میں جنگ جمل میں فوجوں کی کمان کی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا

غیر مسلم

1. اسد اللہ (شیر خدا) سید الشہداء حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ)
2. حضرت عباس رضی اللہ عنہ

- عبد مناف (ابوطالب)
- عبدالعزیٰ (ابولہب)

خلفائے کرام جو خلیفہ بنے

1. حضرت ابوبکر صدیقؓ	(تقریباً) ۲ سال ۳ ماہ ۱۰ دن	7. حضرت علی مرتضیٰؓ	۴ سال ۹ ماہ
2. حضرت عمر فاروق اعظمؓ	" " ۱۰ " ۶ "	8. حضرت حسنؓ	" " ۶ "
3. حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ	" " ۱۱ " ۱۱ "	9. حضرت امیر معاویہؓ	" " ۱۹ " ۳ "

جو صحابہؓ کرام پر تنقید کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے

جاری کردہ: تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات ولٹریچر۔ پاکستان

عطیہ اشتہار: ایک نومسلم آغا صاحب، کراچی۔

براہ کرم فوٹو اسٹیٹ بنوا کر زیادہ سے زیادہ مسلمانوں میں تقسیم کریں شکریہ!

خانوادۂ نبوت سے متعلق ایک طغرے میں تاریخی اغلاط

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب کا یہ مضمون ہمیں تقریباً ایک ماہ قبل موصول ہوگیا تھا لیکن ہم فنی نوعیت کے مواد کی اشاعت اور صفحات کی محدود گنجائش کے باعث اسے بروقت شائع نہیں کرسکے۔ (ادارہ)

۲۸ ستمبر کے تجسس کے صفحہ ۴۶ پر ایک طغراء (چارٹ) شائع ہوا ہے جو خانوادۂ نبوت سے متعلق ہے۔ اس کو ایک اشتہار کی حیثیت سے چھاپا گیا ہے اور علیہ انتہا ایک نومسلم ناقافی کی طرف سے ہے۔

افسوس کہ اس چارٹ میں تاریخی اغلاط کی بھرمار ہے اس میں پیش کردہ بعض تفصیلات ان محدثین اور قدیم و جدید سیرت نگاروں کی تحقیقات و بیانات کے بالکل برخلاف ہیں جن پر جمہور مسلمین کا اعتماد ہے۔ ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے ان اغلاط کی نشاندہی اور ان کی تصحیح ضروری سمجھی گئی کیونکہ اس چارٹ سے عام مسلمانوں میں تشویش، انکار اور بے یقینی کا اندیشہ ہے۔

۱۔ "اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان کے تحت صرف ازواج مطہرات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس میں سے آپ کی اولاد و اسباط کو نکال دیا گیا، یہ خلاف حقیقت ہے۔

صحیح بخاری میں "اہل بیت" میں جن شخصیات کا ذکر ہے ان میں سیدہ فاطمہؓ سرفہرست ہیں۔ اس اشتہار یا چارٹ میں ان کو اس سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ بخاری کے "باب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنقبۃ فاطمۃ علیہا السلام" میں متعدد احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت میں سیدہ فاطمہؓ اور ان کی اولاد بھی شامل ہے۔ اس ذیل میں ایک حدیث حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے۔ "ارقبوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فی اہل بیتہ" (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے اہل بیت سے تعلق میں خیال رکھو) ایک دوسری حدیث خود سیدہ فاطمہؓ سے مروی ہے جس کا ترجمہ ہے، "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بہت آہستہ سے ایک بات کی اور بتایا کہ آپ کے مرض الموت میں آپ کو دنیا سے اٹھا لیا جائے گا۔ اس لئے میں رونے لگی۔ پھر آپ نے ایک اور بات انتہائی آہستگی سے یعنی کان میں کہی اور بتایا کہ میں ان کے "اہل بیت" (اہل بیتہ) میں پہلی فرد ہوں گی جو آپ کے بعد دنیا سے رخصت ہوں گی، اس لئے میں ہنسی۔" (ملاحظہ فتح الباری شرح صحیح البخاری، طبع دار الفکر ج ۷، ص ۷۸)

ان دونوں حدیثوں میں سیدہ فاطمہؓ کو آپ کے اہل بیت میں شمار کیا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں یہ آخری حدیث سیدہ عائشہؓ سے کافی تفصیل سے بیان کی گئی ہے (باب فضائل فاطمۃ علیہا السلام) اس کے فوراً بعد ایک دوسرا باب فضائل اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس میں سیدہ عائشہؓ سے مروی حدیث میں "اہل بیت" کی مزید تفصیل معلوم ہوتی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:

ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور آپ اون کی ایک کالی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد حسنؓ بن علیؓ آئے۔ آپ نے ان کو اس کے اندر داخل کر لیا۔ پھر حسینؓ آئے اور وہ بھی اس کے اندر داخل ہوگئے۔ پھر فاطمہؓ آئیں، ان کو بھی اس کے اندر داخل کر لیا۔ پھر علیؓ آئے، ان کو بھی اس کے اندر داخل کر لیا۔ پھر آنحضرتؐ نے یہ آیت پڑھی، انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیراً (بے شک اللہ چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ساری آلائشیں دور کر دے اور تم کو بالکل ہی پاک و صاف و منزہ کر دے)

ڈاکٹر سید رضوان علی

۱۰ اس کو "حدیث الکساء" کہتے ہیں جس کو مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ اس کو چاہیئے کہ سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ کے اس آخری ٹکڑے کی تفسیر مشہور مستند و موثوق تفسیر ابن کثیر میں دیکھے (ج ۳ ص ۴۸۳ - ۴۸۶ طبع دار المعرفۃ بیروت) جہاں ان مشہور محدث و مفسر نے کافی احادیث اس آیت کی تفسیر میں جمع کر دی ہیں، یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس آیت کے مفہوم میں جو ازواج مطہرات کے سلسلہ میں اتری تھی، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب بھی شامل ہیں، آنحضرتؐ نے خود یہ تفسیر فرمائی ہے۔

بلکہ اس معنی کی اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جس کو "حدیث العترۃ" یا حدیث غدیر خم کہتے ہیں اور جو زید بن ارقم سے صحیح مسلم میں اور جابر بن عبداللہ سے ترمذی میں روایت ہے اور جس میں آپ نے فرمایا تھا "وعترتی اہل بیتی" اور سنن نسائی میں ایک سائل کے جواب میں وارد ہے "ہم آل علی، آل عقیل، آل عباس اور آل جعفر ہیں جن پر صدقہ حرام ہے" (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر / صفحات سابقہ)

اس حدیث بلعترۃ پر دمشق کے مشہور محدث و محقق شیخ محمد ناصر الدین الألبانی نے، جو ۴۰ سال سے حدیث نبوی کی خدمت کر رہے ہیں، اپنی کتاب الاحادیث الصحیحۃ (ج ۴، ص ۳۵۵ - ۳۶۱) میں بحث کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، مگر ساتھ ہی بڑی معقول اور حقیقت پسندانہ بات لکھی ہے کہ "شیعہ سخت غلطی اور زیادتی کرتے ہیں کہ اہل بیت النبیؐ سے مراد صرف آپ کی اولاد و اہل قرابت لیتے ہیں، اس میں ازواج مطہرات تو بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں کیونکہ ان کے سلسلہ میں ہی یہ آیت نازل ہوئی تھی اور یہی میرے خیال میں ہر مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہیئے۔

۲۔ ان اشتہار یا طغراء لکھنے والے صاحب نے سیدہ ماریہؓ کو ازواج مطہرات میں داخل کیا ہے، جو غلط ہے۔ تمام کتب سیرت مثل سیرت ابن ہشام، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد وغیرہ میں وہ آپؐ کی "سریہ" تھیں اور حاکم مصر مقوقس کی طرف سے ہدیہ میں آئی تھیں۔

۳۔ ان صاحب اشتہار نے "اہل بیت النبی" اور "آل النبی" میں فرق کیا ہے اور آل النبی میں آپ کے صرف نواسوں اور نواسیوں کو شامل کیا ہے۔

اہل بیت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرق بڑا عجیب اور قرآن و حدیث کے مفہوم بلکہ عربی زبان کے مدلولات سے بھی دور ہے۔ اگر یہ طغراء تیار کرنے والے صاحب المفردات فی غریب القرآن (تالیف راغب الاصفہانی) اور ابن منظور کی لسان العرب (طبع) کو دیکھتے کہ "آل"، "اہل" کی لگوی ہوئی شکل ہے اور قرآن کریم میں آل کا استعمال بیشتر مفہوم میں ہوا ہے اس کے لئے آل ابراہیم، آل عمران اور آل فرعون کے معنی کو دیکھنا چاہیئے جہاں یہ امت اور متبعین کے معانی میں استعمال ہوا ہے، تو شاید وہ یہ تفریق کرنے کی غلطی نہیں کرتے۔

ان صاحب نے اس استعمال کو مخصوص کر کے جو نماز کے درود شریف میں "آل محمدؐ" کے لئے استعمال ہوتا ہے

اس کو بہت محدود کر دیا ہے۔ اس سے مراد امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ سب افراد ہیں، جو آپ کی شریعت پر قائم ہیں، جیسا کہ جعفر صادق بن محمد الباقر نے اس کی تشریح فرمائی ہیں۔

۴۔ افسوس کہ اس میں ہاشمی اور اموی لکھ کر خاندانی عصبیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔

۵۔ ام المؤمنین سودۃ بنت زمعۃ کا نام غلط طور پر "سودۃ بنت زمعہ" لکھا گیا ہے۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں اور نواسیوں کے بارے میں جو معلومات لکھی گئی ہیں، وہ غلط اور ناقص ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی بیوہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے جو ایک اولاد ہوئی تھی یعنی عبد اللہ وہ جیسا کہ ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب میں لکھا ہے، بچپن میں چھ سال کی عمر میں وفات پا گئے تھے۔

۷۔ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پہلے نمبر پر جن نواسے یعنی حضرت علی بن حضرت ابی العاص (یہی صحیح نام جمہرۃ انساب العرب لابن حزم میں لکھا ہے) بن الربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرت زینبؓ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، وہ ابتدائے جوانی (مراہقۃ) میں انتقال فرما گئے تھے۔

حضرت ابو العاصؓ بن الربیع اور حضرت زینبؓ کے بطن سے جو صاحبزادی اُمامہ تھیں، ان کی شادی سیدہ فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ سے ہوئی، مگر ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور حضرت علیؓ انتقال فرما گئے۔ پھر ان کی دوسری شادی حضرت عبد المطلب کے پڑپوتے المغیرہ بن نوفل بن الحارث سے ہوئی۔

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان داماد کو، جو پہلے کافر تھے اور پھر اسلام لے آئے تھے، یہ شجرہ یا طغرہ تیار کرنے والے صاحب نے اموی لکھا ہے، جو سراسر غلط ہے۔ یہ امیہ بن عبد شمس کے بھائی عبد العزیٰ بن عبد شمس کی اولاد میں سے تھے، جیسا کہ کتب الانساب میں مذکور ہے۔

۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں میں، جو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تھے، تیسرے نواسے حسن کا نام نہیں لکھا ہے جو بچپن میں وفات پا گئے تھے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مورخین انساب نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت صرف سیدہ فاطمہؓ کے بطن سے پھیلی، دوسری صاحبزادیوں کے بطن سے نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ کتب حدیث صحیح البخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں سیدہ فاطمہؓ کے مناقب میں بہت سی احادیث آئی ہیں، جن میں سے ایک صحیح اور مشہور حدیث "فاطمہ سیدہ النساء اہل الجنۃ" ہے جو ہر جمعہ کو خطبہ میں مسلمان سنتے ہیں۔

۱۰۔ اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں چار صاحبزادگان گنائے گئے ہیں حالانکہ صحیح تعداد صرف تین ہے۔ القاسم جو سیدہ خدیجہؓ کے بطن سے اسلام سے قبل پیدا ہوئے، دوسرے عبد اللہؓ جو آپ ہی کے بطن سے بعثتِ نبوی کے بعد پیدا ہوئے، ثقہ مورخین جیسے ابن سعد مؤلف الطبقات الکبریٰ، ابن القیم مؤلف زاد المعاد فی ہدی خیر العباد نے ان ہی عبد اللہ کے دو لقب الطاہر، الطیب بتائے ہیں:

تیسرے ابراہیم سیدہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

۱۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرپرستوں میں اس فقرہ کے مصنف حضرت عبد المطلب اور ان کے صاحبزادہ، زبیر بن عبد المطلب کا نام لکھا ہے، جو حضرت ابو طالب کے بجائے ہے، یہ سراسر غلط ہے۔ حضرت ابو طالب کی سرپرستی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر صحیح بخاری اور دوسری کتب احادیث اور تمام کتب سیرت، جیسے سیرت ابن ہشام، الطبقات ابن سعد، سیرت ابن سید الناس، زاد المعاد اور اردو کی سیرت النبی (شبلی نعمانی) اور رحمۃ للعالمین (قاضی سلیمان منصور پوری) وغیرہ میں ہے، جبکہ زبیر بن عبد المطلب کا کہیں ذکر نہیں۔

پاکستان میں ایک نیا گروہ ایسا پیدا ہوا ہے، جو اہلِ بیت کے بغض میں سیدنا علیؓ کے بغض میں حضرت ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی کے شرف سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ وہ صحیح البخاری میں باب قصۃ ابی طالب پڑھیں، جس میں حضرت عباس بن عبد المطلب سے یہ روایت مذکور ہے:

"قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ما أغنیت عن عمک فانہ کان یحوطک ویغضب لک، قال ہو فی ضحضاح من نار ولولا انا لکان فی الدرک الأسفل من النار"

(حضرت عباس نے فرمایا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنے چچا کے کچھ کام نہ آئے، اگر چہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے دوسروں پر غصہ کرتے تھے، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ آگ کے اوپری حصہ میں ہیں، جو صرف ٹخنوں تک آتی ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔)

۱۲۔ اور پھر افسوسناک بات یہ ہے کہ انہوں نے حدیث و سیرت کی موثق کتابوں کو چھوڑ کر بلاذری کی کتاب انساب الاشراف کا سہارا لیا ہے، بلاذری ایک عام مؤرخ ہے، جو تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی میں عباسی دور سے منسلک تھا۔ اس کی کتاب کی پہلی جلد سیرت نبوی پر ہے اور اس سے بھی افسوسناک تر بات یہ ہے کہ اس فقرہ کے مصنف نے ان کی بات کو بالکل الٹا کر کے پیش کیا ہے اور ان کا حوالہ غلط دیا ہے۔ انہوں نے تو یہ بیان کرنے کے بعد کہ حضورؐ کی کفالت کے لیے قرعہ ڈالا گیا، زبیر بن عبد المطلب و ابو طالب کے درمیان، اور قرعہ ابو طالب کے نام نکلا، جس کے بعد انہوں نے حضورؐ کو لے لیا۔ دو اور روایات بھی نقل کی ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زبیر پر ترجیح دی۔ دوسرے یہ کہ عبد المطلب نے وصیت کی کہ ابو طالب ان کی کفالت کریں (یہی روایت اکثر قدیم سیرت نگاروں نے بیان کی ہے) اس کے بعد بلاذری کہتا ہے۔

"وروی بعضہم ان الزبیر کفل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی مات ثم کفلہ ابو طالب وذلک غلط، لأن سید الزبیر حلف الفضول ولم رسول اللہ علیہ وسلم بیت وعشرون سنۃ، لا اختلاف بین العلماء فی ان خصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الشام مع ابی طالب بعد موت عبد المطلب تاقل من خمس سنین"

ترجمہ:۔ بعض لوگوں نے یہ روایت کی ہے کہ زبیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا، پھر ابو طالب نے آپؐ کی کفالت کی، لیکن یہ غلط ہے، اس لیے کہ زبیر نے حلف الفضول میں شرکت کی اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال سے کچھ اوپر تھی اور علماء کے مابین اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شام کا سفر ابو طالب کے ساتھ اس وقت پیش آیا، جبکہ عبد المطلب کی موت کو پانچ سال سے کم گزرے تھے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت صرف ۱۲ سال تھی۔

کیسی علمی بددیانتی ہے کہ بلاذری جس بات کو غلط کہہ رہا ہے، وہی اس سے منسوب کر دی جائے۔ (اس موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "میرا مضمون" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت و نصرت آپ کے چچا ابو طالب نے کی یا ایک دوسرے چچا زبیر بن عبد المطلب نے، ترجمان القرآن، جون ۱۹۸۹ء)

۱۳۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا" کے عنوان کے تحت آپ کے صرف چار چچا بتائے گئے ہیں، وہ مسلم اور وغیر مسلم۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کے گیارہ چچا تھے کیونکہ آنحضرت کے والد عبد اللہ سمیت عبد المطلب کے بارہ لڑکے تھے، جیسا کہ معتبر کتب طبقات ابن سعد، بلاذری کی انساب الاشراف اور ابن القیم کی زاد المعاد میں جملے گئے ہیں، آپ کے سب سے بڑے چچا الحارث تھے، جن کی اولاد و احفاد میں کثرت سے اسلام پھیلا۔ دیگر سات چچاؤں کے نام مذکورہ میں دیکھے جا سکتے ہیں، الطوالت کے خوف

سے یہاں نہیں لکھے جا رہے ہیں۔

۴۔ "صحابہ کرام جو خلفاء راشدین" کے عنوان کے تحت چاروں خلفائے راشدین کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا نام بھی دیا گیا اور ان سے قبل سیدنا حسنؓ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔

یہاں ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ "خلفائے راشدین" اور دوسرے خلفاء میں کوئی تمیز نہیں کی گئی ہے اور حضرت معاویہؓ کو جن کے نام کے ساتھ "امیر" بھی لکھا گیا ہے۔ ان کو خلفائے راشدین کے ساتھ ملا دیا گیا ہے، حالانکہ اُمتِ اسلامیہ میں کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اس موقع پر ایک صحیح حدیث کا ذکر بہت ضروری ہے جو یہ ہے:

"الخلافۃ ثلاثون سنۃ، ثم تکون بعد ذلک ملکا" (خلافت تیس رہے گی، پھر اس کے بعد ملک ہوگا) یہ حدیث معتبر کتب حدیث جیسے سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں آئی ہے۔ اس حدیث کو امام ابن تیمیہ نے بھی صحیح کہا ہے اور اس پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ "معاویہ اول الملوک" (معاویہ پہلے بادشاہ) تھے۔ (ملاحظہ ہو الاحادیث الصحیحۃ تالیف الشیخ محمد ناصر الدین البانی، ج ۱ ص ۴۴۷، المکتب الاسلامی دمشق) خلفاء راشدین اور خلافت سیدنا حسنؓ کا حساب لگایا جائے، تو پورے تیس سال ہو جاتے ہیں۔

مزید برآں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، جو اہل تشیع کے سب سے بڑے نقاد ہیں، وہ اپنے فتاویٰ (ج ۴) میں بھی یہی تحریر فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

"واتفق العلماء علی ان معاویۃ افضل ملوک ہذہ الامۃ، فان الادبعۃ قبلہ کانوا خلفاء نبوۃ، وہو اول الملوک، کان ملکہ ملکا ورحمۃ کما جاء فی الحدیث"

(علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاویہؓ اس امت کے سب سے بہتر بادشاہ ہیں، کیونکہ ان سے قبل جو چار تھے، وہ خلفاء نبوت تھے اور وہ سب سے پہلے بادشاہ (اسلام میں) ہیں۔ ان کی ملوکیت، ملوکیت اور رحمت تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ امیر معاویہؓ آنحضرتؐ کی وفات سے صرف دو سال قبل فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور وہ خلفاء میں سے تھے۔

آخر میں عرض ہے کہ اس فتاویٰ تصنیف کرنے والے کی کم عقلی اور عدم بصیرت کا اندازہ اس تقسیم سے ہوتا ہے جو اس نے "اہل بیت" "الرسول" "اولاد الرسول" اور "آل الرسول" صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقبین سے کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نمازیں پانچ وقت متعدد بار جو درود شریف پڑھتے ہیں، اس میں "آل محمدؐ" کے ضمن میں آپ کی اولاد و ازواج شامل نہیں، صرف لڑکے اور نواسیاں شامل ہیں، اس سے زیادہ حماقت کیا ہو سکتی ہے۔

آخر میں فتاویٰ نویس سے یہ درخواست کی ہے کہ اس کی کاپیاں کرا کر مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ تقسیم کریں۔

لیکن اس فتاویٰ میں جو افلاط اور اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے خلاف سیرتِ نبوی کے متعلق باتیں ہیں، جن کی نشاندہی کر دی گئی ہے، اس کے بعد فتاویٰ کو تقسیم کرنا ایک انتہائی مذموم اور فتنہ انگیز حرکت کی بات ہوگی اور امید ہے کہ مسلمان اس سے اجتناب کریں گے۔

درجوابِ آں غزل

شہادتِ حسینؓ کے چند اہم پہلو

شہادتِ حسینؓ اور امام حسنؓ

جب حضرت عثمانؓ اور حضرت حسنؓ ادارۂ خلافت کا تحفظ نہ کرنے کا گناہ کر رہے تھے تو صحابہ کبار نے اُن کی مخالفت کیوں نہ کی؟

شہادتِ حسینؓ کے متعلق مولانا وحید الدین خان کے ایک نہایت معتدل اور متوازن نقطۂ نظر کے خلاف، سیاست میں پُرجوش نقطۂ نظر رکھنے والے ایک محترم کا مضمون تکبیر کے شمارہ نمبر ۳ جلد ۱۱ میں نظر سے گزرا، جس میں حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت حسنؓ کے متعلق وہی اعتراضات دہرائے گئے ہیں جو عموماً شیعہ حضرات کی طرف سے کئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت حسنؓ کے اسی معاصلحانہ رویہ سے ناراض ہو کر اثنا عشری شیعوں نے حضرت حسنؓ کی اولاد کے لئے خلافت و امامت ناجائز قرار دے دی اور اسماعیلی شیعوں نے خود حضرت حسنؓ کا نام ہی اماموں کی فہرست سے خارج کر دیا۔ تفصیلات کے لئے جناب فضل ذکیہ و جناب جعفر صادق کی چپقلش "شیعہ حضرات کی نظر میں کافی" اور روضۃ الکافی اور اسماعیلی ائمہ کی فہرست ڈاکٹر زاہد علی کی "تاریخ فاطمیین مصر" ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

جناب ناقد حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت حسنؓ کے رویہ پر

کے متعلق تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت عثمانؓ کا دور بڑا پُرآشوب تھا، فتنوں نے فضا خلافت کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی۔ حضرت عثمانؓ کا یہ کارنامہ بلاشبہ عظیم ہے، لیکن حضرت عثمانؓ کی رفعت شان کے باوصف تاریخ کا ایک طالب علم پریشان ہو کر یہ سوال دریافت کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے سامنے اصل مسئلہ تو خلافت علی منہاج نبوت کے دفاع کا تھا، اگر ادارۂ خلافت کی حفاظت کی خاطر دو چار یا دس بیس ہزار انسان مارے بھی جاتے اور خلافت کا ادارہ اقتشار اور انارکی سے بچ جاتا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہ تھی۔ حضرت عثمانؓ پر اس ادارہ کے تحفظ کی ذمہ داری بھی تھی، انہیں دفاع کا حق بھی تھا، وہ دفاع پر قادر بھی تھے۔ اس کے علاوہ حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور بنو ہاشم کی ایک بڑی تعداد ان کی مددگار بھی تھی، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے خود شہید ہونا گوارا کر لیا، مگر خلافت علی منہاج نبوت بچانے کی کوئی موثر تدبیر اختیار نہ کر سکے، اپنی ذات کا دفاع اور ادارۂ خلافت کا دفاع دو مختلف امور تھے، حضرت عثمانؓ اپنی ذات کے دفاع کے حق سے تو دست بردار ہو گئے تھے، مگر خلافت کے ادارہ کا دفاع نہ کرنا اس کے انحکام، تسلسل اور استقرار کے لئے کوئی اہتمام نہ کرنا ناقابل تحریر انگیز ہے۔ اس معاملہ میں مورخین کی رائے خواہ کچھ ہو، مگر یہ واقعہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ادارۂ خلافت بے امان ہو گیا۔ انتشار، افراتفری اور انارکی نے اسے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا یا حضرت علیؓ نے خلافت علی منہاج نبوت کے اس ادارہ کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ اس راہ میں انہوں نے اپنی جان قربان کر دی، مگر منہ زور فتنوں نے غلبہ کامیاب نہ ہونے دیا۔"

باقی صفحہ ۱۰۶ پر

حضورؐ کے اہلبیت میں کون شامل ہیں، کون نہیں؟

شاہ بلیغ الدین اور ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کے درمیان ایک اہم موضوع پر عالمانہ بحث

تذکیر ایک نیوز میگزین ہے، جس میں ہر ہفتے ہفتہ بھر کے حالات و واقعات اور ان پر اداریے، تجزیے، عالم اور ہمارے ملکی و بیرونی نمائندوں کی ارسال کردہ ڈائریاں شائع ہوتی ہیں۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل، اس رسالے میں عمومی مواد ۶ صفحات کے ایک روزنامے کے مساوی ہوتا ہے، جس میں اشتہارات، مراسلات اور تبصرہ کتب وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ قابل شاعت مواد کی کثرت اور جگہ کی قلت ہے، اہم روزانہ ڈاک، مدیر، ان معاونین کی ڈائریوں اور مختلف الراد اور تنظیموں کی جانب سے وقتی طور پر موصول ہونے والے اطلاعیوں، بیانات اور مراسلات کی صورت میں جو مواد حاصل کرتے ہیں، اس سے ایک مکمل روزنامہ مرتب کیا جاسکتا ہے، لیکن تذکیر کے صفحات کی محدود تعداد اور اس کی ہفت روزہ اشاعت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی، ہماری اس مجبوری کے باعث اکثر ہمارے اپنی تحریریں، نمائندوں کی ڈائریاں، کالموں پر تبصرے اور قارئین کے مراسلات بھی شاملِ اشاعت نہیں ہو پاتے۔ اس صورت میں یہ کہاں ممکن ہے کہ ہم اپنے موضوعات کا دائرہ مزید وسیع کر سکیں۔

ہمارے قارئین کی کثیر تعداد ہندوستان کے داخلی مسائل سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب پر مشتمل ہے، وہ حالاتِ حاضرہ کے علاوہ مذہبی میدان کی بحثوں اور سرگرمیوں سے بھی گہری دلچسپی رکھتے ہیں، لیکن ہم تذکیر کو ان بحثوں اور علمی مناظروں میں الجھانا مناسب نہیں سمجھتے، جو صدیوں سے چلی آرہی ہیں، جن کے لئے مختلف مکتب ہائے فکر کے ہزاروں جرائد ہر صغیر پاک و ہند میں شائع ہو رہے ہیں۔ عقائد کے معاملات اگر ہماری سیاسی اور معاشرتی زندگی میں کوئی فوری نوعیت کا خلل پیدا کرتے یا ہمارے بعض کے چال چلن کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو ہم ان کا فوراً نوٹس لیتے، انہیں بے نقاب کرنے اور اہلِ دل و دماغ کو ان سے باخبر کرتے ہیں۔ اس میدان میں، جو بڑا اندوہ ناک اور پر خطر ہے، اگر کبھی اتہا پاکا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے اور سبھی کا رکتاب ہو جائے، تو ہماری انجمن شامتِ اعمال کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ایسا ہی ایک سہو ہم سے تذکیر کی اشاعت میں ایک اشتہار کی اشاعت سے ہوا، جس میں خانوادۂ نبوت کی تفصیل دی گئی تھی۔ اس اشتہار کی متنوع عبارت پر ردِ عمل کا سلسلہ شروع ہوا، ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کا ایک ناقدانہ مضمون جس شائع کرنا بڑا اہم علمی اضافہ حاصل تھا، ڈاکٹر صاحب ہمارے ملک میں ابھی زیادہ متعارف نہیں ہیں۔

اس لیے ان کا تعارف ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۲۸ء میں رامپور میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن اور گریجویشن کے بعد عربی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر دارالعلوم ندوہ سے عالمیہ کی سند لی۔ ۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے گئے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حدیث، تفسیر اور نحو کی تعلیم کے بعد مصر میں ڈیڑھ سال عربی ادب اور اسلامی تحریکوں کا مطالعہ کیا۔ پھر حکومتِ شام کے وظیفے پر چار سال دمشق میں تعلیم کے بعد ایم اے کے مساوی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۶۳ء تک کیمبرج یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم رہے اور تفسیر قرآن کی ایک نادر قلمی کتاب کو عربی میں ایڈٹ کر کے اور مؤلف کی زندگی پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ اسکے بعد ۱۳ سال جدہ، ۱۹۸۰ء تک ریاض، بن غازی (لیبیا) اور مکہ مکرمہ کی یونیورسٹیوں میں اسلامی تاریخ و تمدن کے استاد کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس مدت کے آخری دس برسوں میں قلی پروفیسر، ایم فل اور ڈاکٹریٹ کے طلباء کے نگران اور ممتحن رہے۔ چھ عربی اور ایک اردو اور انگریزی کتاب کے مصنف ہیں۔ عالمِ اسلام کے معروف جرائد میں ان کے متعدد علمی و تحقیقی مقالے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

تاریخ اسلام ان کا اصل موضوع ہے اور فی الواقع اس پر انہیں عربی ماخذوں تک رسائی کے باعث غیر معمولی دسترس حاصل ہے ان کی اسی علمی حیثیت کے پیشِ نظر ان کا مضمون شائع کر دیا گیا۔ اب اس پر دوسری جانب سے ردِ عمل ہوا، متعدد مضامین موصول ہوئے۔ ہمارے لئے اس سلسلہ کو روا کرنا ممکن نہ تھا، لیکن ایک ایسا مضمون سامنے آیا، جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ جناب شاہ بلیغ الدین کی تحریر تھی، وہ پاکستان کے دینی حلقوں کی ایک معروف شخصیت ہیں، کسی تعارف کے محتاج نہیں، متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور بحیثیت مؤرخ تو انہیں خاص شہرت حاصل ہے۔ دونوں فریق کا دو اہم مگر نازک موضوع کے لئے ہی مناسب سمجھا کر ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی (ڈاکٹر صاحب خود ندوی کم ہی لکھتے ہیں مگر اس کمی کے باعث انہیں جلی ناواقف لوگ شدید سمجھتے ہیں، اس لئے ہم نے اس لاحقہ کے ازالہ کے لئے ان کے نام کے ساتھ یہ لاحقہ بھی لگا دیا ہے) اور جناب شاہ بلیغ الدین کے مضامین ایک ساتھ شائع کر کے اس سلسلہ کو بند کیا جائے اور تذکیر کو اس بحث کی گرفت سے نکالا جائے۔ ڈاکٹر رضوان علی صاحب کو شاہ بلیغ الدین کا مضمون تبصرہ کے لئے بھیج دیا گیا، انہوں نے تبصرہ کو بڑے تحقیقی مقالے کی صورت دے دی اور ہماری جانِ ناتواں پر مزید منوں بوجھ لاد دیا۔ جناب شاہ بلیغ الدین صاحب مصر ہیں کہ مجھے اس پر تنقید کا موقع دیا جائے، ڈاکٹر رضوان علی ان کے تنقیدی مضمون کی اشاعت پر اپنے موقف کی وضاحت کا حق کیوں طلب نہیں کریں گے؟ کوئی ملک نہیں کہ موضوع بہت اہم ہے اور بحث کی سطح بڑی عالمانہ اور فاضلانہ ہے، لیکن ان سے باندھ علمی ذوق رکھنے والے محمد و محترمات ہی، استفادہ کر سکیں گے، تذکیر کے عام قارئین کو اس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہوگی اور پھر تذکیر اپنے اصل دائرۂ کار سے ہٹ کر اس بحث کے لامتناہی سلسلہ کا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکے گا۔

ہم نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے زیرِ نظر شمارے کے ۶ صفحات میں ۱۹ مضامین کا انتخاب کیا، لیکن نہایت ہی کوئی انتخاب نہیں کیا، انتخابی اخراجات کا بوجھ علم دوستی کی خاطر ہم نے اپنے ہی ذمہ رکھا ہے۔ اس بحث میں ہم کسی تیسرے فرد کو شریک ہونے کی اجازت نہ دے سکیں گے، اور شاہ بلیغ الدین صاحب اور ڈاکٹر رضوان علی صاحب کو ایک موقع اور دیں گے تاکہ وہ نہایت اختصار کے ساتھ اپنا موقف قارئین تذکیر کے سامنے پیش کر دیں۔ ان کے مضامین موصول ہونے کے بعد انہیں پھر چھاپا جائے گا اور یہ بحث بند کر دی جائے گی۔ دونوں صاحبان اگر فرصتِ استغراء سے گریز فرما کر [illegible] بحث کو محمد و دو سکیں گے اور قارئین تذکیر ان کی علمی شان و مرتبہ کے معترف۔

(محمد صلاح الدین - مدیر اعلیٰ تذکیر)

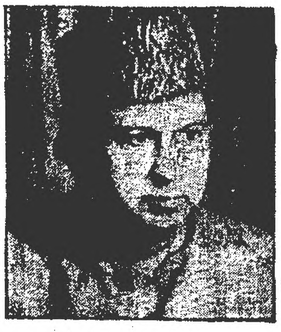

شاہ بلیغ الدین کا تنقیدی مضمون

میرے چند احباب نے تکبیر مورخہ ۹ر نومبر ۸۹ء کے ایک مضمون کی طرف میری توجہ مبذول کرائی ہے جس کا عنوان ہے..... خاندان نبوی سے تعلق ایک طغرے میں تاریخی اغلاط۔

پورا مضمون پڑھ کر مجھے یہ احساس ہوا کہ اس میں تاریخی اغلاط تو کوئی خاص نہیں لیکن نقاط نظر کا زبردست فرق ہے۔ رضوان علی صاحب اپنے مضمون کے آئینے میں ایک خاص مکتب فکر کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس چارٹ اور چارٹ کے بنانے والے کے لئے نامناسب الفاظ استعمال کئے ہیں جو خود ان کے بارے میں استعمال کئے جائیں تو کیک اور پست الفاظ قرار دیئے جائیں گے۔ ان کی تحریر میں جگہ جگہ اور شدت بہت ہے وہ اپنے قاری کو دھمکا کر اپنی بات منوانا چاہتے ہیں۔

میں یہ ذرا درست رکھنے کے لئے بعض باتوں کی وضاحت کر دی جائے۔ میں نہ مضمون نگار صاحب کو جانتا ہوں نہ چارٹ بنانے والے نو مسلم آغا خانی صاحب کو جانتا ہوں۔

۱۔ عنوان میں طغرے کا لفظ غلط استعمال ہوا ہے۔ طغرا خط رقیعہ میں ہوتا ہے۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے کا چارٹ یا شجرہ کا ایک حصہ ہے جو حضرت عبداللہ سے شروع ہو کر خلفائے راشدین پر ختم ہوتا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ چارٹ مرتب کرنے والے کی نظر میں یہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کا نسخہ (چارٹ) ہے۔ یہ نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے اس میں طغرے والی کوئی بات نہیں۔ لفظ طغرا..... شجرے یا نسب نامے کے چارٹ کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔

۲۔ رضوان علی صاحب کو سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس چارٹ میں اہل بیت کے دائرے سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اسباط کو نکالا یا گیا ہے۔ چارٹ ۸ر ستمبر ۸۹ء کے تکبیر میں چھپا ہے۔ درمیان میں چار شمارے نکل چکے ہیں۔ ناظرین کو کیا معلوم کہ چارٹ میں کیا بات تھی کیا نہیں تھی۔ یہ اعتراض غلط اور قطعی غلط ہے۔ چارٹ سامنے رکھئے تو معلوم ہو گا کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عنوان دے کر اسے مختلف ذیلی سرخیوں میں بانٹ دیا گیا ہے جو یہ ہیں..... ازواج مطہرات، اولاد و اسباط رسول اکرمؐ (دو سرخیوں میں) سرپرستانِ نبی اکرمؐ دو ذیلی سرخیوں میں تقسیم ہے (دادا کا اسم گرامی الگ اور چچا صاحبان کے اسمائے گرامی الگ ہیں) اور آخری ذیلی سرخی ہے صحابہ کرامؓ جو ظاہر ہے۔ ان سرخیوں کے تحت جتنے نام لکھے گئے ہیں چارٹ کے مرتب انہیں اہل بیت ہی قرار دیتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی کا، الہ رضوان علی صاحب کے مضمون میں موجود ہے۔ امام صاحب صرف بنی ہاشم ہی کو نہیں صحابہ کرامؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو بھی آپ کی نسبت کی وجہ سے ان کے اہل بیت میں شامل کرتے ہیں۔

عنوان اور ذیلی سرخیوں کی تقسیم کو سمجھنے میں رضوان علی صاحب سے غلطی ہوئی ہے۔ اس لئے ان کے اعتراضات کی بنیاد ہی باطل ہو جاتی ہے سورۂ ھود اور سورۂ احزاب میں اہل بیت کی اصطلاح بیویوں کے لئے ہے۔ سورۂ قصص میں ماں کے لئے، بیٹیوں کے لئے کہیں نہیں۔

۳۔ ان کے فقہ کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اہل بیت میں سرفہرست سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی کیوں نہیں؟ ان کی فکر کے مطابق جو اصل میں سبائی فکر ہے یہ اہم گرامی ازواج مطہرات کے اسمائے گرامی سے پہلے آنا چاہئے۔ وہ اسے اہل سنت کا نقطۂ نظر بتانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم بدلے سورۂ احزاب کی آیت نمبر (۵۹) میں اس کا فیصلہ خود فرما دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ یاایھا النبی قل لازواجک وبنک ونساء المومنین (اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحب زادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے بھی کہہ دیجئے کہ.....) یہ فیصلہ حکم کی آیت ہے اور قیامت تک مسلمان عورتوں کی درجہ بندی کو ظاہر کرتی ہے۔

چارٹ پر سب سے پہلے یہ آیت مبارکہ لکھی ہوئی ہے جو چارٹ بنانے والے کی فکر کو ظاہر کرتی ہے۔ اس نے اسی ترتیب پر عمل کیا ہے۔ حیرت ہے کہ [illegible] رضوان علی صاحب نے چشم بصیرت سے اس آیت کو دیکھا کیوں نہیں؟ اہل بیت کا لفظ قرآن حکیم ہی کی درجہ بندی پر قائم ہے جس پر تمام صحابہ کرامؓ تابعین کا اجماع ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرفہرست نام لکھنے کے لئے رضوان علی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ صحیح بخاری میں اہل بیت کی روایت میں بی زادنی ستہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے اور رضوان علی صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ بخاری کے باب مناقب (رشتہ دار ان نبی اکرمؐ اور حضرت فاطمہؓ کی منقبت کی روایات) میں متعدد احادیث ہیں۔

صحیح بخاری میں رشتہ داروں کے مناقب میں کل تین حدیثیں ہیں۔ ۹۰۸، ۹۰۹ اور حدیث نمبر ۹۱۰ اور فضیلت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں کل دو حدیثیں ہیں جن کا نمبر شمار ہے ۹۵۳ اور ۹۵۴ یعنی "متعدد" حدیثیں ہیں۔ ان میں اہل بیت کی کوئی فہرست نہیں ان میں سوائے حضرت فاطمہؓ کے جن کا نام ایک خاص واقعے کی وجہ سے یہاں آیا ہے کہ کسی اور اہل بیت کا نام نہیں دیا گیا ہے۔ اس لئے سرفہرست والی بات غلط ہے۔

حدیث نمبر ۹۰۸ میں حضرت فاطمہ کے ترکہ مانگنے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ مطلب بھی آیا ہے کہ اہل بیت کا پاس رکھنا چاہئے اور صدیق اکبرؓ کا یہ جواب بھی کہ وہ متولی ہیں تقسیم اسی طرح کریں گے کہ جس طرح حضور اکرمؐ کیا کرتے تھے کیونکہ نبی کی وارث امت ہوتی ہے۔ اہل سنت اور سبائی نقطۂ نظر میں یہ بنیادی اختلاف ہے اور یہ بات آج کی نہیں۔ احادیث نمبر ۹۰۹، ۹۱۰ اور ۹۵۴ حضرت فاطمہؓ کی وفات کی پیش گوئیاں ہیں کہ سب سے پہلے آنحضرتؐ سے وہی ملیں گی۔ ایسی ہی ایک روایت صحیح مسلم کے باب مناقب میں حضرت زینب بنت محمدؐ کے بارے میں بھی ہے۔ ان سب روایتوں میں سرفہرست والی کوئی بات نہیں اور بیٹیوں میں اس وقت صرف آپ ہی اکیلی زندہ تھیں۔ باقی بیٹیاں پہلے ہی سے جنت میں اپنے والد محترم کے استقبال کو موجود تھیں۔ حدیث نمبر ۹۰۳ میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ آپؐ کا ٹکڑا ہیں۔ ترجیح یہاں بھی کوئی نہیں۔ یہ امام بخاری کے بارے میں صریح غلط بیانی ہے کہ انہوں نے اہل بیت کی فہرست مرتب کی اور حضرت فاطمہ کو سرفہرست رکھا ہے۔ البتہ حضرت عائشہؓ کی فضیلت میں جو احادیث ساتھ ہی مرقوم ہیں ان میں حضرت عائشہؓ نبی اہل بیت اور تمام عورتوں میں فضیلت کے واضح الفاظ موجود ہیں ارشاد نبوی کا ظاہر ہے کہ..... جس طرح کھانوں میں ثرید کو فوقیت حاصل ہے اسی طرح حضرت عائشہؓ کو تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی باب میں تیمم کی فضیلت اور حضرت عائشہؓ کی چادر میں وحی اترنے کی فضیلت کا بیان بھی ہے۔ امام بخاری کے پاس فضیلت کی احادیث ترتیب سے نہیں آئی ہیں، لیکن امام مسلم نے ازواج، بنات اور نساء المومنین کی ترتیب برقرار رکھی ہے۔ لہٰذا بخاری تو حضرت عائشہؓ کو اپنی تاریخ صغیر میں ازل سے ابد تک کی تمام عورتوں پر فضیلت دیتے ہیں۔

۴۔ سرخیِ سہو نام لکھنے کے لئے سیاقی نقطۂ نظر کے مطابق رضوان علی صاحب مزید استدلال روایت "کساء" یہ "منی چادر سے کرتے ہیں لفظ یہ کہ خود اس کی مزید تحقیق ضروری سمجھتے ہیں۔ جب یہ معتبر ہی نہیں تو استدلال کیسا؟ چادر اڑا کر تطہیر کی روایتوں کو اہل سنت والجماعت معتبر نہیں سمجھتے۔ ابن کثیر کی تفسیر کا جو حوالہ رضوان علی صاحب نے دیا ہے ان میں بھی یہ نکلا ضرور ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ یا حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں جہاں یہ واقعہ ہوا یہ ارشاد فرمایا..... تم خیر پر ہو۔ تم تو ہو ہی اہل بیت! حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت واثلہؓ کے بارے میں بھی سوال کرنے اور اہل بیت میں شمار کیے جانے کی روایتیں ملتی ہیں۔ ان سب روایتوں میں اولیت ازواج مطہرات کی ثابت ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کا اجماع اس امر پر ہے کہ آیہ تطہیر ازواج مطہرات ہی کے بارے میں اتری یہ بات معلم کتاب وحکمت کے ارشاد کے مطابق ہے اور قرآن حکیم نے خطاب ہی نبی کی بیبیوں سے کیا ہے۔ زید بن ارقمؓ کی روایت ہو یا کوئی اور ان روایات میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اہل میں صرف ایک بیٹی اور ایک داماد اور ان کے دو صاحب زادے کیوں شامل ہیں؟ آخر حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب بھی تو شامل تھیں۔ ان کی تطہیر کیوں نہیں کی گئی چادر والی ان روایتوں میں کچھ ایسے نام بھی ہیں جن کی پیدائش کے بارے میں یہ روایتیں ملتی ہیں کہ خیبر کی لڑائی کے بعد ہوئیں ۵ھ ہجری جب یہ واقعہ گزرا وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ۵ھ میں حضرت زینب اپنے بیٹے علی اور اپنی بیٹی امامہ کے ساتھ والد محترم ہی کے گھر میں رہتی تھیں۔ ام کلثوم زندہ تھیں۔ حضرت عثمان زندہ تھے حضرت رقیہ کی اولاد زندہ تھی۔ کیا یہ بات اللہ کے رسولؐ کے انصاف کے خلاف نہیں معلوم ہوتی؟ اگر یہ روایتیں سیاسیوں کی گھڑی ہوئی نہیں ہے تو اس تمیز کی وجہ کیا ہے؟ اس خصوصیت کی وجہ سے ام کا ایک پہلو بھی نکلتا ہے جس کا ذکر اس لئے مناسب نہیں کہ ہم چادر کی روایت کی تمام شخصیتوں کو محترم رکھتے ہیں اور ان کی عظمت اور جلالت کے قائل ہیں۔ یہاں بات صرف تاریخی حقائق اور موضوعات سے اجتناب کی ہے کیونکہ اللہ کے رسولؐ سے کسی ایسی بات کی نسبت دینا جو آپ نہیں فرمائی جہنمی ہونے کے علامت ہے اس تعلق سے رضوان علی صاحب کی تمام بحث سیاسی گرد وہ کے خیالات کی مظہر ہے اور چارٹ سے غیر متعلق ہے۔ موضوعِ روایات پر علم اسماء الرجال کی روشنی میں مزید گفتگو طوالت کے پیش نظر چھوڑ دی جاتی ہے۔

۵۔ حضرت ماریہ قبطیہ کے بارے میں رضوان صاحب جس تفصیل کو ضروری سمجھتے ہیں... کسی مضمون کے لئے تو درست ہے چارٹ میں یہ تمیز روا نہیں رکھی جا سکتی۔ اس طرح تو حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ پر بھی اعتراض ہو سکتا ہے۔ وہ بھی جنگ میں اسیر ہوئی تھیں۔ اگر وہ آزاد ہو گئیں تو حضرت ماریہ بھی راستے میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھوں پر مسلمان ہو گئی تھیں جس سے بدافرق پڑ جاتا ہے۔

۶۔ حضرت سودہ بنت زمعہ یا زمعہ کا نام چارٹ میں بھی غلط ہے اور رضوان علی صاحب نے بھی غلط لکھا۔ اعتراض برائے اعتراض تو یہی ہے ورنہ اصل میں کتابت کی غلطی ہے۔ اس سے نفس مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ غیر ضروری نکتہ چینی واضح ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ کاتب پھر غلطی کر جائے۔ احتیاطاً میں نے نام کے حروف الگ الگ لکھ دیئے ہیں۔

۷۔ اپنے اعتراض نمبر ۱۰ میں رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ طاہرہ طیب عبداللہ کے لقب ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس بارے میں مورخین کے پاس خامہ اختلاف ہے۔ چونکہ رضوان علی صاحب نے ابن حزم کی جوامع السیرۃ کا بعض جگہ حوالہ دیا ہے اس لئے وہ اسی سے رجوع کریں گے دیکھیں گے کہ طیب وطاہر اس میں تیسرے صاحب زادے کا نام ہے۔

۸۔ نواسوں اور نواسیوں کے بارے میں چارٹ میں جو اسمائے گرامی لکھے ہیں وہ درست ہیں۔ حضرت محسن کا نام بھی ضرور شامل ہونا چاہئے تھا۔ رضوان علی صاحب کے اس اعتراض سے یہ استدلال سامنے آیا کہ اگر چھوٹی سے چھوٹی عمر میں بھی کسی کا انتقال ہو جائے تو ہر عالم نسب نامے میں اس کا نام آنا چاہئے۔ اسی پیمانہ حضرت رقیہ کے صاحب زادوں کے نام بھی اس چارٹ میں آنے ضروری تھے بلاالتباس اس امر کے کہ ان کی عمریں کیا تھیں؟ حضرت محسن کے علاوہ حضرت رقیہ کے ایک صاحب زادے عبداللہ الاکبر کا بھی چارٹ میں تذکرہ نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں زیادہ مشہور نہیں ہیں اس لئے شاید چارٹ کے مرتب سے سہو ہوا۔ اصل مسئلہ اعتراض کا یہ نہیں بلکہ رضوان علی صاحب چارٹ میں حضرت رقیہ کے صاحب زادوں کے نام نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس بارے میں وہ مسعودی کی مروج الذہب دیکھ لیں۔ باب ۴۳ ذکر خلافت حضرت عثمان میں جہاں ان کے نسب کا تذکرہ۔ یہ شروع اس طرح ہے.....

عبداللہ الاکبر و عبداللہ الاصغر امہما رقیۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان عبداللہ الاکبر یلقب بالطرف بجمالہ وحسنہ وکان کثیر التزوج .... وبلغ عبداللہ الاصغر سن الستا وسبعین.....

عبداللہ اکبر اور عبداللہ اصغر رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے تھے..... عبداللہ الاکبر کا لقب العنقا تھا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انہوں نے بہت شادیاں کیں..... اور عبداللہ اصغر جو ۷۶ برس کی عمر میں وفات پائے۔

منہاج السنہ مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ جلد دوم ص ۱۲۲ پر لکھا ہے کہ عبداللہ بن عثمان حضرت زین العابدین کے استاد تھے۔ امام ذہبی کی جلالت و تحقیقی نظر کا اعتراف رضوان علی صاحب نے اسی مضمون میں کیا ہے۔ امام مالک 'امام اوزاعی' ابن مبارک' لیث بن سعد' امام شافعی' امام محمد شیبانی کے پاس ان کے چھ سال میں وفات پانے کا ذکر ہے کہ سنہ وفات کی وجہ ہے حضرت عبداللہ اصغر کی نسل آج بھی حبشہ' آزاد کشمیر' ملتان اور دیگر علاقوں میں موجود ہے۔

۹۔ اموی اور ہاشمی لکھنے اگر عصبیت ہے تو رضوان علی صاحب اپنے نام کے ساتھ ندوی کس طرح لکھتے ہیں۔ چارٹ مرتب کرنے والے کا مقصد تو غالباً یہ ہو گا کہ اموی' ہاشمی' بنو تمیم / قریشی' بنو ندی / ندوی غرض کہ جسے بھی سرکارِ دو عالمؐ سے ایسی نسبت ہو کہ اسے اہل بیت میں شامل کیا جا سکے اسے چارٹ میں واضح کرنا چاہئے۔ یہ تنگ نظری نہیں وسعتِ نظر کی علامت سمجھ میں آتی ہے۔

علی بن حضرت ابوالعاص بے شک عبدالعزیٰ کی اولاد میں سے ہیں لیکن اس سے نفسِ مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ وہ اہل بیت میں شامل ہیں۔ اور ان کا نام چارٹ میں آنا چاہئے تھا۔ رہ گیا ان کی وفات کا مسئلہ کہ وہ کس عمر میں مرے اس کی تشریح اوپر ہو چکی ہے۔ مزید برآں یہ روایت موجود ہے کہ وہ جوان اور شادی شدہ تھے اور جنگِ یرموک ۱۳ھ میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ حوالے کے لئے دیکھئے (ابن عساکر) یہ مشہور روایت ہے۔ اقبال نے بانگ درا میں جنگ یرموک کا جو واقعہ لکھا ہے وہ اسی کے بارے میں ہے۔ علامہ کی نظم کے ابتدائی اشعار ہیں۔

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند
تھی خنجر خا کی مردِ زمینِ شام
اک نوجوان صورتِ سیماب مضطرب
آ کر ہوا امیرِ عساکر سے ہم کلام
اے بو عبیدہ! رخصتِ پیکار دے مجھے
لبریز ہو گیا مرے صبر و سکون کا جام

یہی علی بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے موقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف کی حیثیت سے سفر کرتے رہے اور تطہیر کعبہ میں اپنے نانا کے کندھوں پر کھڑے رہ کر انہوں نے بت شکنی کی تھی۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ یہی علی بن ابوالعاص اور ان کی بہن امامہ حضور اکرم ﷺ کے کندھوں پر سوار رہتے تھے جب حضور اکرم ﷺ نماز پڑھتے تھے۔ سنن نسائی اور ابو داؤد میں بھی یہ روایت 'واؤ' ہے۔

۱۰۔ یہ بات رضوان علی صاحب نے درست نہیں لکھی کہ حضرت امامہ سے حضرت علی کی اولاد نہیں ہوئی۔ محمد اوسط انہی کے صاحب زادے تھے دیکھئے جلد سوم دائرۃ المعارف طبع اول ۱۹۶۸ء دانش گاہ پنجاب اور خلفائے راشدین مولفہ معین الدین ندوی اعظم گڑھ۔

۱۱۔ حضرت ابوالعاص کے بارے میں رضوان علی صاحب طاہرین کا متاثر کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ وہ پہلے کافر تھے بعد میں اسلام لے آئے۔ رسول اکرمؐ کے بڑے داماد سے حیثیت اسے لکھتے ہیں۔ یہ بتائیے کہ حضور اکرمؐ کے کون سے داماد پہلے کافر نہیں تھے۔ یہ ابوالعاص تو وہ داماد ہیں۔ جن کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے منبر پر بیان کی ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی منقبت کی روایتوں میں مقابل کے ساتھ ان کی توصیف آئی ہے۔ ان کی شادی حضرت زینب سے بعثت سے پہلے ہوئی۔ علماوی نے انہی صاحب زادی کے بارے میں "افضل بناتی" کی حدیث درج ہے۔ شعیب بن ہشام میں اسیری کے دنوں میں سالی کے بیٹے اور داماد ابوالعاص نے جس طرح بنو ہاشم کی بالعموم اور خاندانِ نبوتؐ کی بالخصوص اجاج' پانی' کپڑے اور استعمال کی بہت سی اشیاء سے مدد کی۔ اس کا تذکرہ مستند مورخین کے پاس ہے۔ رسول اکرمؐ نے شیر کا خطاب دو بزرگ ہستیوں کو دیا ایک اسد اللہ اور اسدِ رسول کا خطاب سیدنا امیر حمزہؓ کو دوسرے شیر مکہ کا خطاب اپنے بڑے داماد ابوالعاص کو!

۱۲۔ سیرت میں جو نام آئے ہیں ان میں حضرت زبیر کے بارے میں یہ بات رضوان علی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ حلف الفضول میں زبیر بنی ہاشم کے نمائندے تھے۔ اس وقت وہی بنو ہاشم کے سربراہ تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال تھی اور ہجرت کے وقت ۵۳ (ترپن) سال۔ درمیان میں ۴۵ سال کا عرصہ ہے۔ اس عرصے میں تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو ہاشم کے تین سربراہ ہوئے۔ پہلے زبیر بن عبدالمطلب، دوسرے ابو طالب اور تیسرے ابولہب۔

طبقات ابن سعد جلد اول میں اولاد عبدالمطلب کی تفصیل میں واضح طور پر لکھا ہے (حارث اور عبداللہ کے ناموں کے بعد) کہ زبیر خود ایک شریف شاعر تھے اپنی کو عبدالمطلب نے وصیت کی تھی یعنی اپنا وصی انہی کو بنایا تھا۔ رضوان علی صاحب کا کمال یہ ہے کہ ان کے اعتراض نمبر ۱۲ میں بلاذری کو عام مورخ اور اس کی کتاب "انساب الاشراف" کو مستند کتابوں کے مقابلے میں کمتر اور بلاذری کو عباسی حکومت کا دست گرفتہ ٹھہراتے ہیں اور اعتراض نمبر ۱۳ میں اسی مصنف بلاذری اور اسی کتاب انساب الاشراف کو حوالے کی مستند کتاب بتاتے ہیں۔ کیا ابن السقو ابو جعفر منصور عباسی کا دست گرفتہ نہیں تھا؟ واقدی جس کی روایتوں کو رضوان علی صاحب زیادہ اہمیت دیتے ہیں کیا وہ مامون الرشید کا زلہ بردار نہیں تھا؟ کیا امام احمد بن حنبل نے اسے کذاب، امام بخاری نے متروک الحدیث اور امام نسائی نے جھوٹا نہیں کہا؟

شام کے سفر کے بارے میں یہ خیال کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں بہتی خیر ہے۔ مستشرقین نے بحیرا راہب کے واقعہ سے جو فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے وہی بعض منافقین کا شیوہ بھی رہا ہے۔ امام ترمذی اس روایت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس روایت کے ایک راوی عبدالرحمن بن غرواں کو منکر احادیث بیان کرنے والا لکھا ہے اور سب سے بڑھ کر منکر اس حدیث کو قرار دیا ہے، جس میں بحیرا راہب کا واقعہ مذکور ہے۔ شام کے اس سفر میں بلال اور سیدنا ابو بکر کو بھی شریک بتایا گیا ہے۔ حضرت بلال کا نام تو ایمان لانے کے بعد سنا گیا۔ علامہ ابن قیم کا خیال ہے کہ وہ اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ "یا اپنی ماں کی گود میں ہوں گے اور حضرت ابو بکر بمشکل تمام نو دس سال کے ہوں گے۔ یہ روایت بھی ایک مخصوص گروہ کی تصنیف آرائی کا نتیجہ ہے۔ اس کے راویوں میں ابو موسیٰ اشعری بھی بتائے جاتے ہیں۔ جبکہ وہ شریک سفر نہیں تھے۔ سیرت النبی جلد اول کے ص ۱۶۷ پر علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ.....

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں سب مرسل ہیں۔

حرب فجار کے سلسلے میں یعقوبی نے لکھا ہے کہ..... قریش کی جماعتوں کے جدا جدا سردار تھے۔ بنو ہاشم سرگروہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ رضوان علی صاحب نے لکھا ہے کہ سیرت النبی (شبلی نعمانی) اور رحمۃ للعلمین (قاضی سلمان منصور پوری) میں زبیر بن عبدالمطلب کا کہیں ذکر نہیں۔ ۱۴۔ شبلی نے حرب فجار میں واضح طور پر آل ہاشم کا علمبردار حضرت زبیر کو لکھا ہے۔ رحمۃ للعلمین جلد دوم ص ۸۱ پر "زبیر عم النبی" کے عنوان سے ایک چھوٹا باب ہے اس میں لکھا ہے کہ..... زبیر شاعر فصیح اللسان تھے۔ یہ اپنے والد کے وصی تھے۔ حلف الفضول کے قیام کا ان کے مساعی کا تذکرہ کیا ہے۔ سیرت النبی جلد اول ص ۱۷۰ پر مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ..... زبیر بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے۔

تمام حقائق کو سامنے رکھیں تو یہی بات سامنے آتی ہے جو میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ۔ بنو ہاشم کے سربراہ (حضرت عبدالمطلب کے بعد) تین ہوئے ۱۔ زبیر ۲۔ ابو طالب ۳۔ ابو لہب۔ الاصابہ میں زبیر اور ان کی بیوی کے شفقانہ سلوک کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔

۱۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں کی پوری تفصیل چارٹ میں نہ ہونے پر بھی رضوان علی صاحب کو اعتراض ہے۔ اس میں پھوپیوں کی تفصیل بھی نہیں۔ معلوم نہیں کیوں ان کا خیال جناب معترض کو نہیں آیا۔ اپنے مضمون میں وہ لکھتے ہیں کہ گیارہ چچا تھے لیکن خوالت کے خوف سے انہوں نے نام نہیں دیئے پھر بھلا ایک صفحہ کے چارٹ میں اس کی کیا گنجائش نکلتی۔ دو مسلمان چچاؤں کے ساتھ دو کافر چچاؤں کے نام صرف اس لئے دیئے گئے ہیں کہ وہ بنو ہاشم کے سرپرست رہے۔

۱۴۔ خلفائے راشدین کے ناموں میں امیر المومنین معاویہ کا نام دے کر چارٹ بنانے والے نے بڑی جرات اور تحقیق کا ثبوت دیا۔ اس میں چراغ پا ہونے کی کیا بات ہے۔ سرخی تو یہ ہے کہ..... صحابہ کرام کو خلیفہ بنے۔ حضرت سفیان ثوری محدث عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں۔ محدث عبدالعزیز تو صحابی، امیر المومنین معاویہ تو صحابی، کاتب وحی، فاتح قبرص کی حیثیت سے اللہ کے رسول کی پیشین گوئی کو پورا کرنے والے اور ایک لرخ ستور اکرم کے وزیر خارجہ تھے، کیونکہ سلاطین عالم کے نام خطوط لکھنے کا شرف انہی کو حاصل ہوا۔ وہ اللہ کے رسول کے برادر نسبتی اور جاتح تمدی کے باب مناقب کے طالبی بادی اور مہدی تھے۔

صحابہ کرام کو قرآن حکیم "راشدون" کہتا ہے۔ تمام صحابہ جو بیعت رضوان سے مسلمانوں کے سربراہ منتخب ہوئے سب خلفائے راشدین تھے۔ حضرت معاویہ نے حضرت عمر، حضرت عثمان کے دور کی فتوحات کے بعد دور حضرت علی میں چھنے ہوئے مسلمانوں سے تین لاکھ گئے تھے وہ سب دوبارہ فتح کئے اور جہاد کی روایت کو تازہ کیا۔ انہی کے بیٹے سلاطین عبدالملک بن مروان نے بقول اقبال ؎

دشت تو دشت تھا دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

کا مظاہرہ کیا۔ حضرت معاویہ کو بادشاہ کہنے کی روایت ایک مخصوص گروہ نے شروع کی۔ قرآن حکیم میں داؤد اور سلیمان جیسے جلیل القدر پیغمبروں کے نام آئے ہیں "تو بادشاہ تھے۔ معین الدین کاشانی نامی ایک ایرانی شاعر (حضرت خواجہ معین الدین چشتی نہیں) کی ایک رباعی بہت مشہور ہے جس کا ایک مصرعہ ہے۔

شاہ است حسین و بادشاہ است حسین

یہ مصرعہ البتہ کہا جاتا اور بار بار دہرایا جاتا ہے۔ امیر معاویہ کے لئے بادشاہ کا لفظ ان کے مخالفین نے استعمال کیا ہے۔ اگر یہ لفظ ایک جلیل القدر شخصیت کے لئے اچھا ہے تو دوسرے کے لئے کیوں برا ہے؟ امام ابن حبیہ ان کی حکومت کو رحمت قرار دیتے ہیں۔ رضوان علی صاحب اس کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور اس میں ذم کا پہلو نکالنا چاہتے ہیں۔ واہ رے علمی دیانت!

خلفاء والی بات بھی عصبیت اور مخصوص سیاسی رجحان کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اپنی زندگی کے آخری دور میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے عہدے طلقاء کو عنایت فرمائے اور امیر المومنین معاویہؓ کے والد محترم حضرت ابو سفیان کو نجران کا گورنر بنایا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کی آزمودہ کار نظریں مسند سلطنت کے لئے یزید بن ابو سفیان اور امیر معاویہ ہی پر پڑتی تھیں۔ اسلام کے پہلے امیر المحرسیدنا معاویہ ہی تھے۔ قبرص فتح کے حضرت معاویہ جنتی ہونے کی بشارت کے مظہر بنے۔

حضرت سفینہ کے نام سے منسوب روایت میں ہے کہ خلافت تیس سال رہے گی پھر ملوکیت ہوگی۔ ایک جگہ ابو داؤد میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول کے ارشاد کا مطلب تھا کہ..... آپ کے بعد خلافت نبوت تیس سال رہے گی پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا ملک عطا کرے گا"۔ تیس سال کے بعد "ملوکیت رہے گی" کا نکڑا مستند اور مستند نہیں۔ ورنہ اس میں بھی اسے دہرایا جاتا۔ اب اس تیس سالہ روایت کا جائزہ! حضرت سفینہ کی روایت کو رضوان علی صاحب "صحیح" قرار دیتے ہیں۔ امام ترمذی نے تو اسے "صحیح" نہیں لکھا۔ حسن کہا ہے۔ اور ساتھ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم نے اسے صرف ابن سعید سے۔ سفینہ نام سے جانا۔ یعنی کسی اور صحابی سے یہ روایت ملتی ہی نہیں۔ یہ بات علمی اور تحقیقی مرتبے سے گری ہوئی ہے۔ اسی طرح رضوان علی صاحب کا یہ کہنا کہ امام ابن حبیہ اسے "صحیح" قرار دیتے ہیں۔ یہ بات قارئین کو مزید دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ جس غیر معروف اور ایک مخصوص گروہ کے نقطۂ نظر کی کتاب سے انہوں نے حوالہ دیا ہے وہ صرف عام قاری کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے ہے۔ وہ کتاب کسی گنتی اور شمار میں نہیں۔ ابن حبیہ کا سعید بن جمہان کی حیثیت سے خوب واقف ہیں۔ یہ شخص قابل اعتبار ہی نہیں۔ امیر المومنین معاویہ اور ان کے بعد کے خلفاء کو بدنام کرنے کے لئے یہ روایت بعد میں گھڑی گئی اس میں "ابن زوقا" کے الفاظ تحقیر کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ اور دشمنی کی جھلک کو صاف نمایاں کرتے ہیں۔ ابن حبیہ نے نہ صرف اسے رد کیا ہے بلکہ ان کا تو کہنا ہے کہ اسلام جیسا عظیم مذہب بس صرف تیس سال میں ختم ہو جائے گا یہ ناممکن ہے دشمنان اسلام نے اس کی تبلیغی حیثیت کو متاثر کرانے کے لئے ایسی باتیں بنالی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ تاریخ کو مسخ کرنے والوں نے ایسی روایتوں کا خوب فائدہ اٹھایا اور مستشرقین کو خوب وار فراہم کیا۔ اگر تیس سالہ بات پر زور ہی دینا ہے تو پھر شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ بات یاد رکھیئے، انہوں نے ازالۃ الخفا میں فرمائی کہ "خلافت نبوت" کا عہد تو حضرت عثمان پر ختم ہو گیا کیونکہ ان کی بیعت پر اجماع صحابہ تھا۔ حضرت علی کے ہاتھ پر تو صحابہ کرام کی عظیم اکثریت نے بیعت نہیں کی۔ اسی لئے شرپسندوں نے انہیں دوار الخلافہ کوفہ منتقل کرنے پر مجبور کیا۔ اس لئے حضرت علی سے خلافت راشدہ کا دور شروع ہوتا ہے یا وہ مراد دور شروع ہوتا ہے۔

اور رضوان علی صاحب کی یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ تیس سالہ دور سیدنا حسنؓ پر ختم ہو گیا تھا تو یہ سمجھ نہیں آتا کہ سیدنا حسن نے اپنی خوشی سے شاہی کو دعوت دی اور حضور کی پیشین گوئی کے خلاف اصل کو کے بیت المال سے تنخواہیں اپنے اور اپنے بھائی کے لئے خفیہ لیتے رہے۔ کیسی جلیل القدر شخصیت کو بدنام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کیا اس میں کوئی خیر کا پہلو ہے پھر الطف یہ کہ ان کے نزدیک یعنی خلافت کی زمام سیدنا معاویہ کو ۴۱ھ میں سپرد کرنے کے بعد ۵۰ھ تک جب ان کا انتقال ہوا نو برسوں میں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی اس سے رجوع نہیں کیا۔ اگر لفظ "شاہی" کے غلط استعمال کو روا رکھا جائے اور شاہی کو مذموم قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے برگزیدہ نانا کے حکم کے خلاف عمل کر کے امت پر شاہی کو مسلط کرنے والے سیدنا حسن تھے۔ اب یہاں ایک لمحہ رک کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور کیجئے کہ میرا بیٹا (حسن) سردار ہے۔ یہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے اسی لئے حضرت حسن کے احترام کو پسند کیا اور امیر المومنین معاویہ کی بیعت کرلی۔ اسے اچھا سمجھا یا اس پر اجماع ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی العواصم من القواصم میں ایک الگ استدلال دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر حدیث سفینہ صحیح ہوتی تو صحابہ کی عظیم اکثریت جس نے حضرت علی کی بیعت نہیں کی گناہ گار ہو جاتی اور اس پر برابر کوئی نہ کوئی اختلاف خیال کرتا۔ مسند احمد بن حنبل میں محمد بن سیرین کا اندازہ ہے کہ اس وقت صحابہ کرام تیس ہزار سے کم اور نوے ہزار سے زیادہ نہ تھے۔

جنگ جمل اور جنگ صفین میں کتنے صحابہ کرام نے شرکت کی؟ زیادہ سے زیادہ تیس ۳۰ کی تعداد بتائی جاتی ہے۔ سب سے اہم بات جو یہاں نوٹ کرنے کی ہے وہ یہ کہ حضرت سفینہ کا سیاست سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا لیکن روایت ان کے نام سے گھڑ دی گئی۔ ان کا نام جمل اور صفین کی لڑائیوں میں شریک ہونے والوں میں نہیں ملتا۔ کہاں تو صحابہ کا یہ عالم کہ تبرض کی خو تک پیش گوئی ہوئی تو اس موقعے پر بڑھاپے کے باوجود حضرت ام حرام شریک ہوتی ہیں اور مدینے پر قیصر پر حملے کے وقت اپنا نوے برس کی عمر میں سیدنا ابو ایوب انصاری جہاد پر نکلتے ہیں اور کہاں یہ عالم کہ خود راوی حضرت سفینہ خلافت نبوت کے برقرار رکھنے کے لئے صف جنگ میں نہیں آتے نہ ہی اور طرح اس میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ بات صحابہ کے مقام سے گری ہوئی اور ان کی عظمت پر حملہ لانے والی ہے۔

محدثین اور سنن نہیں بالعموم پہلے اس روایت کا ذکر کرتے ہیں جس پر ان کو زیادہ یقین ہوتا ہے چنانچہ امام ترمذی نے "حدیث سفینہ" سے پہلے "بارہ خلفاء" والی روایت دی ہے۔ اللہ کے رسول آخریں کے ارشاد کا مطلب ہے کہ..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے پھر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ عقیدۃً اہل سنت والجماعت کے مطابق انہیں دین کا خدمت گزار اور متقی قرار دیتے ہیں۔ اس حدیث کا مرتبہ حسن صحیح کا ہے۔ امام ترمذی نے خود یہ تفریق کی ہے اس لئے تیس سالہ والی روایت سفینہ کو انہوں نے ترجیح نہیں دی۔ ابو حاتم رازی تو [illegible] روایت کو رد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کا راوی [illegible] نہیں جبکہ بارہ والی روایت کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں۔ مسند احمد میں جو روایت ہے اسے ابن حجر عسقلانی کمزور قرار دیتے ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے خلافت نبوت کے بارے میں سیرۃ النبی کی تیسری جلد میں بحث کی ہے تو پہلے بارہ خلفاء والی روایت کو لیا ہے اور اسے قبول کیا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں اس کی ۹ سندیں ہیں صحیح مسلم کے الفاظ کو علامہ سلیمان نے دہرایا ہے کہ اس وقت تک اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک اس پر بارہ خلفاء حکمران نہ ہوئیں..... بارہ خلفاء تک اسلام معزز اور محفوظ رہے گا پھر انہوں نے ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے ان بارہ خلفاء کے نام دیئے ہیں حافظ عینی نے بھی یہی بارہ نام دیئے ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے ابو داؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفاء راشدین اور بنی امیہ سے ان بارہ خلفاء کے یہ نام بتائے ہیں ۱۔ حضرت ابوبکر ۲ حضرت عمر ۳ حضرت عثمان ۴ حضرت علی ۵ حضرت معاویہ۔ ان میں حضرت حسن کا نام نہیں دیا گیا ہے یہ ابتدائی پانچ ناموں کے علاوہ چارٹ کے مرتب نے حضرت حسن کا نام بھی خلفاء کی فہرست میں دیا ہے۔ سیرۃ النبی جلد سوم کے صفحہ ۶۳۱ پر باقی نام علامہ سلیمان نے اس طرح لکھے ہیں ۶۔ یزید بن معاویہ۔ ۷ عبدالملک ۸۔ ولید ۹۔ سلیمان ۱۰۔ یزید ثانی اور ۱۱۔ ہشام حافظ عینی نے نام اس طرح دیئے ہیں ۱۔ حضرت۔ ابوبکر ۲۔ حضرت عمر ۳۔ حضرت عثمان ۴۔ حضرت علی ۵ حضرت حسن ۶۔ حضرت معاویہ بن ابو سفیان ۷۔ یزید بن معاویہ ۸۔ عبداللہ بن زبیر ۹۔ عبدالملک بن مروان ۱۰۔ ولید بن الملک ۱۱۔ سلیمان بن عبدالملک اور ۱۲۔ عمر بن عبدالعزیز۔

علامہ سلیمان ندوی نے خلفاء کی بشارت کے عنوان سے سب سے پہلے حضرت ابو ہریرہ کی روایت دی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سرداری اور تمہاری انبیاء کرتے تھے جب کوئی نبی مرتا تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں لیکن خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے یہ بھی صحیح مسلم کی روایت ہے جو کتاب الامارۃ میں ہے۔

اللہ کے رسولؐ کے صحابہ کرام اور اہل بیت کا اپنا مقام ہے اکثر صورتوں میں ان کی منزلت اللہ اور رسول کی طرف سے متعین ہے۔ کوئی کیوں اپنی عصبیت کے پیمانے پر ان جلیل القدر ہستیوں کو جانچے۔ چارٹ کے بارے میں رضوان علی صاحب کا رویہ گمراہ کن ہے۔ وہ اسے مذموم اور شر انگیز قرار دیتے ہیں۔ یہ بات ان کی عصبیت کی آئینہ دار ہے ان کا مسلک رکھنے والوں نے جو چارٹ چھاپے ہیں ان پر وہ توجہ کریں تو شاید چارٹ مرتب کرنے والوں کا مقصد پورا ہو جو اس کی تحریک ہے..... اندو غیر اسلامی مطبوعات و لٹریچر..... وما علینا الا البلاغ المبین۔

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کا جواب

گزشتہ اشاعت ۹ر نومبر ۱۹۸۹ء میں میرا ایک مضمون بعنوان "خلافت و ملوکیت سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ" شائع ہوا تھا۔ اس میں بعض ان اغلاط کی نشان دہی کی گئی تھی جو اس غلط فہمی یا چارٹ میں تھیں اور جو "تحریک اسلامی اور غیر اسلامی مطبوعات و لٹریچر" پاکستان کی طرف سے بطور اشتہار شائع ہوا تھا۔

اس مختصر مضمون کی اشاعت پر محترم شاہ بلیغ الدین صاحب کا ایک کافی طویل مختر نامہ مضمون میرے اس مضمون کے رد میں "بارہ آپ" بیتی، وہ دو اشاعت میں پڑھیں گے، کچھ اور صاحبان کے انتہائی طویل اور مختصر مضامین بھی آئے ان سب میں تقریباً ایک سے ہی افکار اور ایک ہی نقطہ نظر ہے، بعض میں انداز بیان بھی ایک ہے، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب مضامین اسی تحریک اندو غیر اسلامی مطبوعات و لٹریچر کے سرنس کی طرف سے ہیں جنہوں نے اس چارٹ کو ترتیب دیا، اسی لئے وہ سب کافی بار اس ہیں اور بعض نے کافی تلخ بیانی سے کام لیا

ہے "اور مجھے انتہائی اذیت رساں الفاظ سے نوازا ہے "یعنی" سبائی فکر" کا علمبردار قرار دیا ہے۔

سب سے پہلے میں یہ عرض کر دوں کہ دشنام طرازی اور زور خطابت کوئی علمی طریقہ نہیں' علمی طریقہ دلائل و براہین سے استدلال کرتے ہوئے کسی بات کو ثابت کرنا یا اس کا رد کرنا ہے۔ میں نے اپنے سابقہ مضمون میں یہی کیا تھا اور بجائے سورمحین کے محدثین اور بعض ان فقہاء کے حوالوں سے ضروری تصحیحات کی تھیں جو اہل سنت کی نظر میں انتہائی موثق ہیں مگر پھر بھی شاہ بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر سبئیت کا الزام لگایا ہے۔

سبائی ایک غالی شیعہ فرقہ ہے جسے اسلامی فرقوں پر لکھنے والے قدیم عرب مصنفین جیسے امام ابوالحسن الاشعری' عبدالقاہر بغدادی' امام ابن حزم اور شہرستانی وغیرہ نے اپنی مشہور و متداول کتابوں میں کافر کہا ہے' اور میں بھی اس قدیم فرقہ کو ایسا ہی سمجھتا ہوں بلکہ اس فرقہ سے براءت کا اظہار بعض اثنا عشری فرقہ کے افراد نے بھی کیا ہے' یہ فرقہ ایک یمنی یہودی عبداللہ بن سبا کی طرف منسوب ہے' یہ منافقت کے ساتھ اسلام لایا اور اس نے عربی زبان جاننے کے سبب اپنی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے سیدنا عثمانؓ کے خلاف عراق و مصر میں فتنہ کے بیج بوئے اور اسلام میں رخنہ ڈالنے کیلئے انتہائی ہوشیاری سے پس پردہ ان کے قتل کی راہ ہموار کی' پھر اسی نے اور اس کے ہمنوا نے سیدنا علیؓ کو جب وہ بصرہ میں تھے نعوذ باللہ' اپنا خدا کہنا شروع کر دیا' جس پر حضرت علیؓ نے ایسے بہت سے افراد کو گڑھے کھدوا کر آگ میں جلایا' وہ عبداللہ ابن سبا کی بھی یہی سزا دینا چاہتے تھے۔ لیکن مختلف روایات کے مطابق وہ بھاگ نکلا یا پھر خود حضرت علیؓ نے اپنے رفقاء کے کہنے سے اس کی جلاوطنی پر اکتفا کیا۔ (البغدادی۔ الفرق بین الفرق ص ۲۳۲ الشہرستانی۔ الملل والنحل ج ۱ ص ۱۱)۔

یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن کو تمام اہل علم جانتے ہیں لیکن "تکبیر" کے پڑھنے والے سب کے سب علماء اور مورخین نہیں ہیں' بلکہ عام لوگ بھی ہیں' اسی لئے اس توضیح کو ضروری سمجھا گیا' تاکہ اپنے لوگ اس اتہام کی سنگینی کا اندازہ لگا سکیں' جو جناب شاہ بلیغ الدین صاحب اور ان کے ہمنوا دوسرے مضمون نگاروں کی طرف سے مجھ پر لگایا گیا ہے' اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے اور ان کو قرآن کریم کی ہدایت "ولا تنابزوا بالالقاب" پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے' میں بھی اگر چاہتا تو اس چارٹ کے مصنف کو خارجی اور ناصبی کہہ سکتا تھا' لیکن قارئین میرے مضمون کو دوبارہ پڑھ لیں اس میں کہیں ایسا اتہام نظر نہیں آئے گا' نہ میں نے اپنے قارئین سے دھمکی کے ذریعہ کوئی بات منوانے کی کوشش کی ہے اور نہ کوئی نازیبا الفاظ استعمال کیئے ہیں جسکا بے جا الزام شاہ بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر لگایا ہے نہ صرف یہ بلکہ موصوف نے مجھے "قارئین کو دھوکہ دینے" کا ملزم بھی ٹھہرایا ہے' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے جوابات بھی اسی مضمون میں کہی تھی اس کیلئے انتہائی معتبر حوالے دیئے تھے۔ تکبیر ایک اخباری نوعیت کا ہفت روزہ رسالہ ہے وہ کوئی علمی یا دینی ماہنامہ یا سالنامہ نہیں ورنہ میں مزید تفصیل سے لکھتا اور کافی حوالے دیتا' کیونکہ میری تو زندگی ہی علمی اور تاریخی تحقیق و تنقید اور ایم فل و ڈاکٹریٹ کے علمی مقالوں کی نگرانی اور ان کے امتحانات میں گزری ہے' مضمون نگاری اور عوامی تقریروں میں نہیں۔

جہاں تک اس چارٹ کی تصنیف کا تعلق ہے تو وہ اس نومسلم آغا خانی کا کارنامہ نہیں بلکہ یہ "تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات" کے کسی ذمہ دار یا ذمہ داران کا کام ہے' اس اللہ کے بندے نے تو صرف اشتہار کے حسب معمول پیسے دیئے تھے' بہت ممکن ہے کہ اس تحریک کو جناب بلیغ الدین صاحب کی سرپرستی حاصل ہو جب ہی وہ میرے سابقہ تنقیدی مضمون پر اس قدر برہم ہیں اور مجھے سبائی (یعنی غالی شیعہ) قرار دیتے ہیں جس کے لئے انہوں نے کوئی دلیل فراہم نہیں کی ہے۔

جہاں تک جاننے اور نہ جاننے کا سوال ہے وہ یقیناً علمی طور پر مجھے نہیں جانتے ہیں کیونکہ میری زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں شائع ہوئی ہیں' صرف ایک کتاب "تحریک اخوان المسلمین" ۱۹۵۶ء دار الحسنات رامپور سے شائع ہوئی تھی' میں بھی انہیں علمی طور پر نہیں جانتا ہوں مگر صورت شناس ہوں غائبانہ بھول گئے کہ ۱۹۸۶ء میں قومی اسمبلی' اسلام آباد کے کنونشن میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے میرا تعارف ان سے کرایا تھا اور پھر ایک بار میں ان کے گھر پر بھی حاضری دے چکا ہوں' بہرحال پاکستان میں جو لوگ بھی عربی تحریریں پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں وہ میرے کام اور عقائد سے واقف ہیں' جن میں ہندوستان اور پاکستان کے اہل علم بھی ہیں اور انتہائی ممتاز اہل مناصب بھی مگر یہ ایک ضمنی بات ہوگی اس لئے میں ان کی نشاندہی سے صرف نظر کرتا ہوں مگر ایک بزرگ اور مشہور زمانہ ہستی کا نام لینا ضروری سمجھتا ہوں جن سے چالیس سال سے میرا تعلق رہا ہے اور اب تک قائم ہے' وہ ہیں اہل سنت کے ایک انتہائی برگزیدہ عالم' مصنف و محقق' مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ' جن سے بہت پہلے کبھی مجھے شاگردی کا شرف حاصل رہا ہے اور جنہوں نے میری مذکورہ اردو کی پہلی اور صرف ایک کتاب پر چمکا دار کر ابھی میں نے کیا کافی مفصل پیش لفظ لکھا تھا' میں انہی کے نقش قدم پر ہوں' مرحوم مفتی محمد شفیع صاحب بھی مجھ سے بخوبی واقف تھے اور شفقت فرماتے تھے۔

بدیر تکبیر برادرم محمد صلاح الدین صاحب سے میرا تعلق کسی قدر نیا ہے اور یہ سب کچھ میں نے اس لئے لکھا ہے کہ جن حضرات کے میں نے نام لئے ہیں وہ اہل سنت کے نمائندہ ہیں اور ان میں سے کوئی بھی سبائی فکر کا حامل نہیں۔

اب میں جناب شاہ بلیغ الدین صاحب کے اعتراضات اور تنقید کے جوابات دینے کی کوشش کروں گا' اور مجھے امید ہے کہ ان سے بہت سے ایسے امور کی وضاحت ہو جائے گی جن کے بارے میں پاکستان میں کچھ حلقوں کی طرف سے بڑے غلط اور بے بنیاد افکار پھیلائے گئے ہیں' اور جو اہل سنت والجماعت کے مسلمہ عقائد و افکار سے کافی دور ہیں' یہ اعتراضات اور سوالات اس قدر طویل اور متنوع ہیں کہ مجھ کو ان پر کافی تفصیل سے لکھنا پڑ رہا ہے یہ مدیر تکبیر کی علم دوستی اور ان کا جذبہ حق پسندی ہے کہ وہ اسکو شائع کرنے کیلئے تیار ہو گئے ہیں' اب ان اعتراضات اور دعاوی کے جوابات نمبروار حاضر ہیں۔

۱۔ اس چارٹ کیلئے طغراء کا لفظ میں نے اختیار نہیں کیا اسکو اگر وہ دوبارہ دیکھیں گے تو ان کو قرآنی آیت کی بعد "طغرہ" کا لفظ نظر آئے گا' میں نے اپنے مضمون میں اس کا صرف املاء درست کر دیا تھا' بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے درست لکھا ہے مگر اس کا مخاطب چارٹ نویس ہونا چاہیے میں نہیں' البتہ میں یہ اضافہ یا تصحیح ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کا املاء "طغراء" ہے طغرا نہیں اسی لئے ایک مشہور فارسی النسل عربی اللسان شاعر کا لقب طغرائی تھا' جسکا قصیدہ "لامیۃ العجم" بہت مشہور ہے۔

۲۔ خانوادۂ نبوت کے اس چارٹ یا خاکہ کو سمجھنے میں مجھ سے کوئی فاش غلطی سرزد نہیں ہوئی ہے' موصوف خود اس کو دوبارہ دیکھیں تو ان کو نظر آئے گا کہ سب سے اوپر جلی حرفوں میں "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہے (یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کا عنوان اہل بیت رسول اللہ ہے) اور اس کے نیچے پانچ سیاہ پٹیوں کے اندر جلی حرفوں میں سرخیاں ہیں' اور ان سرخیوں کے نیچے پھر ذیلی سرخیاں ہیں۔ سب سے پہلی جلی سرخی "اہل بیت" کی ہے اور اس کے نیچے ذیلی سرخی "ازواج مطہرات" ہے' پھر دوسری جلی سرخی "اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ہے' جس کے نیچے دو ذیلی سرخیاں۔ "بیٹے بیٹیاں" ہیں' تیسری جلی سرخی "آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کی ہے جس کے نیچے پھر دو ذیلی سرخیاں۔ لواسیاں "لواسیاں" ہیں۔ پھر وہ دو بڑی سرخیاں ہیں جن کا ذکر ناقد محترم نے کیا ہے۔

اب بتایا جائے کہ جب اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلی سرخی کے تحت اس کو ازواج مطہرات کے عنوان سے محدود کر دیا جائے تو اس سے قاری کیا سمجھے گا یہی کہ اولاد و اسباط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شامل نہیں ہیں' ایک ناقد نے تو اپنے طویل مضمون میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اہل بیت رسول' میں آنحضرت کے اولاد و اسباط ہرگز شامل نہیں ہیں' اور پھر وہ کون کور چشم ہوگا جو اولاد رسولؐ کی علیحدہ سے دو بڑی سرخیوں یا عنوانات کے بعد ان کو اہل بیت النبی میں سے سمجھے گا جن صاحب نے اہل بیت سے صرف ازواج مطہرات کے معنی لئے ہیں انہوں نے دیدہ دلیری اور علمی بددیانتی کے ساتھ مولانا ہبودودی مرحوم کی تفہیم القرآن کا حوالہ دیا ہے' حالانکہ مرحوم نے ہرگز ایسا نہیں لکھا بلکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ اور تفصیل بحث کے بعد اہل بیت الرسول' میں ازواج مطہرات اور اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کیا ہے (ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۹۳) اور یہی سلف صالحین کا مسلک ہے۔

میں نے راغب اصفہانی کو امام کے لقب سے یاد نہیں کیا تھا بلکہ صرف لفظ "آل" و لفظ "اہل" کے معنی میں جو توافق ہے اس کے لئے اس کا حوالہ دیا تھا' راغب اصفہانی ایک ادیب تھا اور شیعہ مصنف' اس کی کتاب محاضرات الابرار" مطبوع و مشہور ہے اور الذریعہ الی تصانیف الشیعہ کے شیعی مصنف آغا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب میں راغب اصفہانی کو بھی شامل کیا ہے بہرحال اس کی کتاب "المفردات فی غریب القرآن" ایک مختصر لغت قرآنی ہے' میں نے عربی زبان کی سب سے بڑی لغت یعنی ابن منظور کی لسان العرب کا بھی حوالہ دیا تھا۔ جس میں قرآنی الفاظ کے معانی زیادہ مفصل اور معتبر ہیں مگر بلیغ الدین صاحب نے کمال ہوشیاری سے اس کو بھلا دیا اور دوسری باتوں کا ذکر چھیڑ دیا' علاوہ ازیں مصر کی اکاڈیمی "مجمع اللغۃ" نے "معجم الفاظ القرآن الکریم" کے نام سے ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل دو ضخیم جلدوں میں لغت چھاپی ہے وہ المفردات سے کہیں زیادہ جامع ہے۔

شاہ بلیغ الدین صاحب نے "سورۂ حود" "وسورۂ احزاب" میں واقع اہل بیت کی اصطلاح کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہاں یہ صرف بیویوں کیلئے اور "سورۂ قصص" میں ماں کیلئے استعمال ہوئی ہے بیٹیوں کیلئے کہیں نہیں' یہی وہ بات ہے جو میرے دوسرے ناقد نے جیسا کہ میں نے پہلے کہا اپنے مضمون میں کہی ہے' تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کا سب سے پہلا حق کس کو ہے' آج کے مفسرین و مضمون نگاروں کو یا اس ذات بابرکات کو' جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا' اور جس کو یہ حق خود اللہ نے دیا تھا۔ "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (اور ہم نے تم پر یہ ذکر (یعنی قرآن) نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو وہ سب کچھ سمجھاؤ جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے) اسی لئے بیشتر قدیم و جدید تمام مفسرین نے احزاب کی آیت تطہیر (۳۳) کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آیت کی تفسیر کی روشنی میں کرتے ہیں' اور ان میں ازواج مطہرات کے ساتھ اولاد اور رسول کو بھی شامل کرتے ہیں' اسی لئے میں نے تفسیر ابن کثیر کا حوالہ دیا تھا جس کا ترجمہ اردو میں موجود ہے اور جو اہل سنت کے نزدیک ایک استنائی معتبر تفسیر ہے اوپر میں نے تفہیم القرآن کا بھی اضافہ کر دیا ہے' ان دونوں تفسیروں میں جملہ صحابہ سے بہت سی احادیث رسول اللہ منقول ہیں' جن میں اس آیت کی وہ صحیح تفسیر موجود ہے جو اہل سنت کا مسلک ہے' نعوذ باللہ کیا نبی عربی' دو مکی فداہ کو سورۂ ھود و قصص میں اہل سنت کی اصطلاح کا علم نہیں تھا جواب شاہ بلیغ الدین صاحب یا اسی مسلک کے دوسرے افراد کو ہوا ہے' یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ حدیث نبوی کے بغیر صرف راغب اصفہانی کی "المفردات" کے سارے قرآن کریم کی تفسیر نہیں ہو سکتی' اسی کو عربی اصطلاح میں "تفسیر بالموثر" کہا جاتا ہے اور حضور کی تفسیر کے بعد صحابہ کرام کے وہ اقوال ہیں جو قرآن کی تفسیر میں کتب حدیث یا تفاسیر میں منقول ہیں اور ان میں بھی اکثریت صحابہ کا لحاظ کیا جاتا ہے' اور ان کے بعد تابعین اور سلف صالحین کی تفاسیر کا درجہ ہے۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مشہور ملحد زمخشری متوفی ۵۳۸ھ سے قبل بعض علماء اہل بیت کے لفظ سے صرف آپ کی اولاد مراد لیتے تھے' اسی لئے زمخشری کو اپنی تفسیر "الکشاف" (ج ۳ ص ۲' طبع ادارۃ المعرفۃ' بیروت) میں یہ وضاحت کرنا پڑی۔ "وفی ھذا دلیل بین ان نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اھل بیتہ" یعنی اس آیت تطہیر میں اس کی واضح دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہیں۔

۳۔ بلیغ الدین صاحب میری فکر کو "سبائی" (موصوف نے سبائی لکھا ہے جو درست نہیں کیونکہ جس آدمی کی طرف یہ نسبت ہے اس کا نام "سبا" تھا "سبا" نہیں تھا) فکر کا الزام دیتے ہوئے کہتے ہیں "ان کے غصے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اہل بیت میں سرفہرست سیدۃ فاطمہ کا اسم گرامی کیوں نہیں' ان کی فکر کے مطابق جو اصل میں سبائی فکر ہے یہ اسم گرامی ازواج مطہرات کے اسماء سے پہلے آنا چاہئے۔"

"علیم بذات الصدور" تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے نہ معلوم شاہ بلیغ الدین صاحب کو دلوں کا حال اور نیت کا علم کیسے ہو گیا بہرحال یہ مرحلہ بہتان ہے میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا میں تو سیدہ خدیجہ کے اسم گرامی کو سرفہرست دیکھنا چاہتا ہوں اور دوسرے ازواج مطہرات کے ناموں کو بھی میں نے صرف یہ لکھا تھا کہ "سورۃ احزاب" کی آیت تطہیر کی' نبوی تفسیر کے مطابق اہل بیت کی اصلاح میں سیدہ فاطمہ' علی' حسن و حسین رضوان اللہ علیہم بھی شامل ہیں' میرے الفاظ تھے۔

"شیعہ حضرات سخت غلطی اور زیادتی کرتے ہیں کہ اہل بیت والتبی سے صرف آپ کی اولاد و اہل قرابت مراد لیتے ہیں' اس میں ازواج مطہرات تو بدرجہ اولیٰ شامل ہیں کیونکہ انہی کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اور یہی میرے خیال میں ہر مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہئے۔"

مجھے سبائی فکر کا طعنہ دینے والے محترم مضمون نگار کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرے زیر نگرانی ریاض کی امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی کے ایک ریسرچ طالب علم سلیمان العودہ نے عبداللہ ابن سبا رایم فل (M-PHIL) کا مبسوط تنقیدی مقالہ ۱۹۸۱ء میں لکھا تھا اور اس میں اس نے بعض ان عراقی شیعہ محققین اور بعض مستشرقین کی دھجیاں اڑائی ہیں جو عبداللہ ابن سبا کے وجود ہی کے قائل نہیں' یہ مقالہ میرے پاس موجود ہے شاہ بلیغ الدین صاحب میرے یہاں تشریف لا کر اس کو دیکھ سکتے ہیں' اور بہت کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

میں نے صحیح بخاری سے سیدہ فاطمہ کی منقبت میں جو احادیث نقل کی تھیں وہ اس لئے نہیں کہ میں ان کے نام کو اہل بیت میں سرفہرست دیکھنا چاہتا تھا بلکہ صرف اسلئے کہ میں تمام سلف صالحین اور معاصر اہل سنت علماء کی طرح ان کے نام کو اس لمبی چوڑی چارٹ میں "اہل بیت" کی جلی سرخی کے نیچے دیکھنا چاہتا تھا' حقیقت یہ ہے کہ شاہ بلیغ الدین صاحب یہاں تضاد یا تذبذب کا شکار ہیں وہ اوپر کہہ چکے ہیں کہ سورۂ ہود اور سورۂ قصص کے مطابق اہل بیت سے مراد صرف بیوی اور ماں مراد ہے اب وہ سیدہ فاطمہ کو اہل بیت میں تو سمجھتے ہیں لیکن ان کو سرفہرست نہیں سمجھتے' میں بھی یہی کہتا ہوں' نیز حدیث بخاری نقل کرتے ہوئے میں نے ان کو حضور کے اہل قرابت میں سرفہرست بتایا تھا' میں نے امام بخاری کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا کہ انہوں نے اہل بیت کی کوئی فہرست مرتب کی ہے' یہ ایک بہتان ہے' بخاری کی جو حدیثیں میں نے ذکر کی تھیں وہ صرف اس استدلال کیلئے کہ اہل بیت کی اصطلاح میں سیدہ فاطمہ اور ان کی اولاد شامل ہیں' ان حدیثوں کی جو توجیہات شاہ بلیغ الدین صاحب نے کی ہیں وہ اصل موضوع سے خارج ہے' حدیث نمبر ۹۵۳ کا جو اہم ٹکڑا ہے اس کو موصوف نے کمال ہوشیاری سے حذف کر دیا ہے اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ "ترجیح یہاں بھی کوئی نہیں" پوری حدیث یہ ہے۔ "فاطمہ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی" (سیدہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہیں جس نے ان کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا) اب بتایا جائے کہ کیا اس میں کوئی ترجیح نہیں۔

سلف صالحین کی طرح سیدہ عائشہ اور سیدہ فاطمہ کے درمیان افضلیت میں میں تقابل کا قائل نہیں' مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف احادیث میں متعدد سیدات کی فضلیت کا بیان ہے' اسلئے حافظ ابن حجر نے سیدہ عائشہ اور سیدہ فاطمہ کی احادیث فضلیت پر فتح الباری کی جلد (۷) صفحات ۱۳۸' ۱۳۹ (طبع دار الفکر) میں "باب تزویج النبی خدیجہ" کے ذیل میں حدیث "جنت کی سب سے بہتر خواتین مریم اور خدیجہ ہیں" سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ "اس سے مراد اپنے اپنے زمانہ کی دو قولوں سیدات عالمین کے مگر باب "فضائل الانبیاء" میں سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ ازوجہ فرعون کا ذکر ہے' اس سے کیا ہے' "فضل من الرجال کثیرون ولم یکمل من النساء الا مریم واسیۃ" اب اس حدیث کی بنا پر سیدہ خدیجہ کی فضلیت کی جو حدیث ہے اس سے ان کا مطلق افضل ثابت نہیں ہوتا" پھر وہ اس خیال کی تائید میں مسند البزار اور معجم طبرانی سے ایک اور حدیث ذکر کرتے ہیں' جو اس موضوع پر قول فیصل ہے' اس کے بعد وہ نسائی اور حاکم کی ایک صحیح حدیث جو حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت ہے۔ کہ۔ "الفضل نساء اھل الجنۃ خدیجہ وفاطمہ ومریم واسیۃ" (یعنی جنت میں سب سے زیادہ فضلیت والی خواتین خدیجہ' فاطمہ' مریم اور آسیہ ہیں) اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ۔ "ھذا نص صریح لا یحتمل التاویل" جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ نص صریح ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔

اس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی کی بحث اور اس آخری حدیث سے اس مشہور حدیث کی تائید ہوتی ہے جو اہل سنت والجماعت بر منبر میں اپنے خطبوں میں جمعہ کے روز بیان کرتے ہیں' یعنی "فاطمہ سیدہ نساء اھل الجنۃ" اس سے سیدہ عائشہ کی تنقیص ہرگز مقصود نہیں ان کی فضلیت اپنی جگہ پر ہے' جہاں تک اس "حدیث ثرید" کا مسئلہ ہے جس سے شاہ بلیغ الدین صاحب نے سیدۃ عائشہ کی مطلق فضلیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس سے بحث کرتے ہوئے ابن حجر لکھتے ہیں کہ۔ "اس قول سے ہو افضلیت ثابت ہوتی ہے وہ تمام ازواج مطہرات پر ہے آگر اس حدیث کی مطابقت اس دوسری حدیث سے ہو سکے جو حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جنت کی سب سے افضل خواتین خدیجہ اور فاطمہ ہیں فتح الباری ج ۷' ص ۱۰' کتاب المناقب صحابہ)

۴۔ ایک بار پھر شاہ بلیغ الدین صاحب اس اچیز بہتان کا تمام بوجھ ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ "سبائی نقطہ نظر کے مطابق رضوان علی صاحب مزید استدلال روایت کساء (صحیح الملاء روایت ہے) بہ معنی چادر سے کرتے ہیں لفظ سے یہ کہ خود مزید اس کی تحقیق ضروری سمجھتے ہیں' یہ معتبر نہیں تو استدلال کیسا"؟ معلوم نہیں انہوں نے قصداً یہ مغالطہ پیدا کیا ہے یا وہ میری بات سمجھنے سے قاصر رہے ہیں' میں نے اس حدیث کے بارے میں مزید تحقیق کیلئے ابن کثیر کی تفسیر کے مطالعہ کیلئے نہیں کہا تھا' بلکہ یہ کہا تھا کہ سورۃ احزاب کی آیت تطہیر یعنی آیت نمبر ۳۳ میں سیدہ فاطمہ' سیدنا علی اور حضرات حسنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سلسلہ میں مزید احادیث کیلئے ابن کثیر کی تفسیر سے رجوع کیا جائے' اب میں اس میں مرحوم مولانا مودودی کی تفسیر کا بھی اضافہ کرتا ہوں' مسجد نبوی میں برسوں درس تفسیر دینے والے عالم' مرحوم شیخ امین شنقیطی بھی اپنی تفسیر "اضواء البیان (۱۰ جلدیں) میں حدیث الکساء کو صحیح مانتے ہیں' موصوف کا یہ کہنا کہ یہ حدیث اہل سنت والجماعت کے نزدیک معتبر نہیں کسی طرح درست نہیں' کیونکہ ابن کثیر' شیخ امین الشنقیطی اور مولانا مودودی اہل سنت میں سے ہیں' وہ سب اس کو معتبر سمجھتے ہیں' بلکہ یہ حدیث صحیح مسلم میں

ہے' وہ کون ہے جو امام مسلم کو معتبر نہیں سمجھتا؟ مجھ کو تو موصوف نے "سبائی" قرار دے دیا مگر کیا امام مسلم بھی سبائی تھے! ع " دلم بسوخت زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست "۔ اس مضمون کی بکثرت احادیث دوسرے صحابہ سے جن میں سیدہ عائشہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ بھی شامل ہیں' ترمذی' مسند امام احمد' سنن بیہقی وغیرہ میں موجود ہیں۔

یہاں بلیغ الدین صاحب نے جو اور اعتراضات اس حدیث پر اٹھائے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا زمانہ ۵ھ نہیں بلکہ ۹ھ ہے (فتح الباری ج ۸' ص ۵۳۲) اس وقت سیدۃ زینبؓ اور سیدہ ام کلثومؓ وفات پا چکی تھیں اور اس کے علاوہ وہ اس موقع پر حضرات حسنؓ و حسینؓ کا نام لئے بغیر (نہ معلوم ڈرکس کا ہے؟) یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "اس روایت میں مذکور بعض لوگوں اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے" یہ قطعاً غلط ہے' تمام کتب طبقات و تاریخ میں درج ہے کہ سیدنا حسن ۳ھ اور سیدنا حسین ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ بھی موصوف نے صحیح نہیں کہا کہ "حضرت رقیہؓ کی اولاد زندہ تھی" حقیقت یہ ہے کہ ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ چھ سال کی عمر میں وفات پا چکے تھے' (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۸' جمہرۃ الانساب تالیف ابن حزم القاہرۃ ص ۸۳' کتاب المعمر تالیف محمد ابن حبیب متوفی ۲۴۵ھ ص ۵۲) موصوف نے اس موقع پر اپنے دعووں کی تائید میں کوئی تاریخ حوالہ پیش نہیں کیا ہے یہ علمی طریقہ نہیں ہے بغیر کسی دلیل اور مستند تاریخی حوالہ کے اپنے دعووں کو تاریخی حقائق کہنا بلیغ الدین صاحب کا طرہ امتیاز ہے وہ میری تمام بحث کو "سبائی گروہ کے خیالات کا مظہر قرار دیتے ہیں" اس دشنام طرازی کی زد ان مجدثین کرام اور مفسرین عظام پر بھی پڑتی ہے جن کا حوالہ میں نے دیا ہے۔

۵۔ سیدہ ماریہ بعد کے اسلام کا مسئلہ میں نے نہیں اٹھایا تھا' مسئلہ یہ تھا کہ تمام علمائے امت ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سریہ یا ام الولد کہتے ہیں' ازواج مطہرات میں شامل نہیں کرتے جن سے آپ کا باقاعدہ نکاح ہوا تھا' قدیم کتب سیرت یعنی ابن ہشام طبقات ابن سعد' ابن حزم کی جوامع السیرہ ابن القیم کی زاد المعاد وغیرہ میں یہی درجہ ہے' یہاں بلیغ الدین صاحب کا سیدہ جویریہ اور سیدہ صفیہ بنت حیی ابن اخطب سے سیدہ ماریہ کا تقابل بے محل ہے کیونکہ ان دونوں کا آنحضرتؐ سے عقد ہوا تھا' پہلی کا مہر "مکاتبت" کی رقم تھی اور دوسری کا "عتق" یعنی آزادی (زاد المعاد تالیف ابن القیم ج ۱ ص ۱۰۹ طبع بیروت ۱۹۸۰ء)

۶۔ حضرت سودۃ بنت زمعہ کے نام کی غلطی پر میری گرفت کا مسئلہ اس سے قبل ۷ر دسمبر کے تجزیہ میں آچکا ہے کہ یہ طباعت کی غلطی تھی مگر موصوف نے "ابن تیمیہ" کے بجائے "تیمیہ" لکھا ہے اور ایک جگہ عبدالمطلب کو صرف "المطلب" لکھا ہے کیا میں اس پر ان کی گرفت کروں' انھیں میں اس کو سو کتابت سمجھتا ہوں' مگر موصوف نے "المُغْنِیہ" غلط لکھا ہے صحیح نام "مُغَنِیہ" ہے دیکھئے القاموس المحیط تالیف فیروز آبادی' مادۃ (س ل ن) اور اسماء الصحابۃ الرواۃ تالیف ابن حزم ص ۲۸۴۔

۷۔ میں نے ابن حزم کی جوامع السیرۃ کا حوالہ نہیں دیا تھا بلکہ ان کی کتاب جمہرۃ الانساب کا حوالہ دیا تھا' یہ دونوں کتابیں میری ذاتی لائبریری میں موجود ہیں' "جوامع السیرۃ" ایک بہت مختصر کتاب ہے جس میں ابن حزم نے سیرت کا خلاصہ پیش کیا ہے' ان کی اہم کتاب جمہرۃ الانساب ہے' جوامع السیرۃ میں انہوں نے ضرور وہ لکھا ہے جس کا بلیغ الدین صاحب نے ذکر کیا ہے مگر اس باب میں مورخین کی کثرت اسی طرف مائل ہے کہ المطلب اور الطاہر دونوں حضرت عبداللہ ابن رسول اللہؐ کے لقب تھے (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد' سیرۃ ابن ہشام' عیون الاثر الی فنون المغازی والسیر تالیف ابن سید الناس الاندلسی' کتاب السیر تالیف محمد ابن الحبیب' انساب الاشراف تالیف البلاذری ج ۱' ص ۱۰۵۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۹۳ زاد المعاد تالیف ابن القیم ج ۱ میں رسول اللہؐ کی اولاد کا ذکر) یہ سب کتابیں تمام لوگوں کے نزدیک مستند و معتبر ہیں' اور پھر حافظ ابن القیم نے تو زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں (جو سیرت نبوی پر کافی مفصل اور انتخابی معتبر کتاب ہے) آنحضرتؐ کے صاحب زادگان پر تفصیل بحث کرتے ہوئے اسی قول کو معتبر قرار دیا ہے' کہ یہ دونوں لقب حضرت عبداللہؓ کے تھے اور آپؐ کے صرف تین ہی صاحب زادگان تھے لیکن اگر بلیغ الدین صاحب کو ابن حزم کے قول ہی پر اصرار ہے اور وہ ان ہی کو معتبر سمجھتے ہیں تو وہ ابن حزم کی اسی کتاب میں وارد ان باتوں کو بھی تسلیم کریں کہ۔

۱۔ حضرت رقیہؓ کے صرف ایک صاحب زادہ عبداللہ تھے جو چار سال کی عمر میں وفات پا گئے (ص ۳۹) جبکہ آپ ان کے بارے میں مورخ مسعودی کی غلط روایت کو مانتے ہیں کہ وہ بڑے ہوئے اور انھوں نے بہت سی شادیاں کیں۔

۲۔ اور ابن حزم کی یہ بات بھی تسلیم کریں کہ ابو طالب نے رسول اکرمؐ کی سرپرستی کی' جبکہ آپ زبیر بن عبدالمطلب کو زبردستی میں آنحضرت کا سرپرست مانتے ہیں۔

۳۔ یہ بھی تسلیم کریں کہ علی بن زینب بنت رسول اللہؐ ابتدائے جوانی میں انتقال فرما گئے' جبکہ آپ اس کے منکر ہیں اور ان کو جنگ یرموک کا ایک ہیرو قرار دیتے ہیں۔

۴۔ یہ بھی تسلیم کریں کہ سیدہ امامہؓ بنت زینبؓ کی حضرت علیؓ سے کوئی اولاد نہیں تھی بلکہ ان کے دوسرے شوہر المغیرہ ابن نوفل سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی (جوامع السیرۃ ص ۳۹ طبع القاہرۃ)' جبکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ محمد الاوسط ان کے صاحب زادہ تھے۔

اپنے اس اعتراض نمبر (۷) میں بلیغ الدین صاحب خانوادہ نبوت کے اس چارٹ میں حضرت محسن ابن سیدہ فاطمہؓ کے نام کی عدم موجودگی کی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اس میں حضرت عبداللہ الاکبر ابن سیدہ رقیہؓ کا بھی ذکر نہیں" وہ چارٹ کو غور سے پڑھیں تو ان کو آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی سرخی کے نیچے نواسوں کی ذیلی سرخی میں نمبر (۲) پر حضرت عبداللہؓ بن عثمانؓ کا نام نظر آئے گا" تحریک انصار غیر اسلامی مطبوعات" کے ذمہ داروں سے اس بارے میں کوئی سہو نہیں ہوا ہے الا یہ کہ آپ کی مراد یہاں 'عبداللہ الاکبر' بجائے عبداللہ الاصغر ہو جو صرف آپ کا دعویٰ ہے۔

اور اس کے بعد کسی دلیل کے بغیر دوسری بار مجھ پر بدنیتی کا الزام لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ "رضوان علی صاحب چارٹ میں حضرت رقیہؓ کے صاحب زادوں کے نام دیکھنا نہیں چاہتے ہیں" اور پھر وہ پہلی مرتبہ مسعودی کی مروج الذہب سے ایک جملہ عربی میں نقل کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت رقیہ کے دو صاحب زادے تھے "عبداللہ الاکبر وعبداللہ الاصغر وکان عبداللہ الاکبر یلقب بالمطرف لجمالہ وحسنہ وکان کثیر التزوج۔۔۔ ولم یبلغ عبداللہ الاصغر من السن ستا وسبعین" یہاں بلیغ الدین صاحب نے "کثیر الطلاق" اور کچھ دوسری عبارت کو چھوڑ کر نقطے لگا دیئے ہیں' اس جگہ پر "کثیر الطلاق" کے بعد جو عبارت ہے اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ وہ مجھے مسعودی سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

جی ہاں مجھے یہ معلوم ہے' اور تمام عرب مورخین کی طرح مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ المسعودی شیعہ تھا جن کو بلیغ الدین صاحب سبائی کہتے ہیں' یہ چوتھی صدی ہجری کا مورخ ہے' (وفات ۳۴۷ھ) کوئی شک نہیں کہ وہ بہت بڑا مورخ تھا مگر اس کی کتاب میں قصص وحکایات کی بھرمار ہے' اور مطبوعہ نسخوں میں کافی اغلاط ہیں' پھر وہ علم الانساب کا بھی ماہر نہیں' اور اس کا وہ مقام نہیں جو طبری' بلاذری' ابن الاثیر' ابن کثیر وغیرہ مورخین کا ہے' اس کی یہ روایت قطعاً غلط ہے جس کو میں ابھی ثابت کروں گا' لیکن اس سے قبل میں شاہ بلیغ الدین صاحب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ "مروج الذہب" کے اس صفحہ پر چند سطروں کے بعد مسعودی کا حضرت عثمانؓ کے دوسرے صاحب زادہ الولید کے بارے میں یہ بیان پسند کرتے ہیں۔ "وکان الولید صاحب شراب ولہو وسُجون وقتل ابوہ وھو بخلق الوجہ سکران علیہ مصبغات واسعۃ" (ج ۲ ص ۳۳۱) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "ولید ابن عثمانؓ شراب' شہواری' اور عیاشی وبدفعلی کے دلدادہ تھے اور جس وقت ان کے والد کا انتقال ہوا اس وقت وہ اپنے چہرہ پر خوشبو لئے ہوئے شراب کے نشے میں دھت تھے اور ڈھیلے ڈھالے رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے" (عرب اپنی مجالس عیش وطرب میں خاص رنگین کپڑے پہن کر شریک ہوتے تھے) یہ ہے جناب بلیغ الدین صاحب کا مسعودی' بلکہ مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موصوف نے نقطے لگا کر جو خالی جگہ چھوڑی ہے اس میں بہت کچھ چھپانے کی کوشش کی گئی ہے' مسعودی عبداللہ الاکبر کو کثیر التزوج' کثیر الطلاق" (یعنی بہت زیادہ شادیاں کرنے والے اور بہت زیادہ طلاق دینے والے) کہنے کے فوراً بعد حضرت عثمانؓ کے دوسرے صاحب زادہ ابان بن عثمانؓ کے بارے میں' جو سیرت نبوی کے قدیم ترین مصنف اور محدث اور مجاہد رہے ہیں لکھتا ہے" وکان ابان ابرص احول [قد حمل عنہ اصحاب الحدیث عدۃ من السنن وولی لبنی مروان مکۃ وغیرھا]" اور ساتھ ہی ایک دوسرے صاحب زادہ سعید بن عثمان کے بارے میں لکھتا ہے" وکان سعید اھول بخیلا وقتل فی زمن معاویۃ (اس کا مطلب ہے' ابان ابن عثمان برص میں مبتلا اور بھینگے تھے' احادیث نے ان سے کچھ سنن (یعنی احادیث) پڑھیں اور وہ بنی مروان کے عہد میں مکہ وغیرہ کے والی رہے' اور سعید بھی بھینگے تھے اور کنجوس' معاویہؓ کے زمانے میں قتل کیے گئے) حضرت عثمانؓ کے تین صاحب زادوں کے مسعودی نے یہ اوصاف بیان کیے ہیں جس میں شیعیت کی جھلک پوری طرح نظر آتی ہے اور بلیغ الدین صاحب اسی سے ایک غلط روایت پر استدلال کرنا چاہتے ہیں' مدینہ منورہ کے علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز نے بجا طور پر فتح الباری فی

شرح البخاری کے ایک حاشیہ میں اسکو "شیعی محترق کذاب" (جل کر اور جھوٹا شیعی) لکھا ہے یعنی جہاں تک ان واقعات کا معاملہ ہے جن کا تعلق خلفاء راشدین اور ان کے خاندان والی قرابت سے ہے۔

اب میں مسعودی کے اس بیان کی کہ حضرت رقیہؓ کے دو صاحب زادے تھے عبداللہ الاکبر الاطرف اور عبداللہ الاصغر کی طرف آتا ہوں' یہ سب الخلط ملط ہے' حضرت عثمانؓ کے سیدہ رقیہؓ کے بطن سے صرف ایک صاحب زادے تھے یعنی عبداللہ جن کا چھ سال کی عمر میں انتقال ہوا' اور آنحضرتؐ نے خود ان کے دفن میں حصہ لیا' ان کی وفات کے تفصیلی طبقات ابن سعد میں ہے کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ کو کچھ اس طرح زخمی کیا کہ وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے' یہ ۴ھ کا واقعہ ہے (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۴' محمد ابن حبیب کی کتاب المحبر ص ۵۳' ابن حزم کی جمہرۃ الانساب ص ۸۳' ابن کثیر کی البدایۃ النہایۃ ج ۵ ص ۳۰۸' بلاذری کی انساب الاشراف ۵ ص ۱۰۵ طبع القدس ۱۹۳۶ء) یہ واقعہ اس قدر مشہور تھا کہ مشہور ادیب و مفکر اور عالم جاحظ نے اپنی کتاب "الحیوان" میں مرغ کے جرائم (جنایات الدیک) میں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے' یعنی مرغوں کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ ان میں سے ایک نے عبداللہ ابن عثمان کی آنکھ کو زخمی کر کے انہیں شہید کر دیا' (کتاب الحیوان ج ۱ ص ۳۷۵ طبع مصر ۱۹۶۵ء)

اور پھر العطرف ان عبداللہ ابن عثمان کا لقب نہیں تھا بلکہ وہ سیدنا عثمانؓ کے پوتے عبداللہ ابن عمرو بن عثمانؓ کا لقب تھا (ملاحظہ ہو' علم انساب کے قدیم ترین ماہر اور ثقہ مورخ و محدث مصعب الزبیری متوفی ۲۳۶ھ کی کتاب "نسب قریش" طبع مصر ص ۱۱۲' البیان والتبیین ج ۱ ص ۳۵۷' جمہرۃ الانساب تالیف البلاذری ج ۵ ص ۱۰۷' ۱۰۸' الاخبار الموفقیات تالیف زبیر ابن بکار متوفی ۲۵۶ھ الشریف المرتضیٰ کی امالی المرتضیٰ ج ۱ ص ۳۹۷) ان سب کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دوست تھے۔

جہاں تک عبداللہ الاصغر کا تعلق ہے تو ان کی ماں سیدہ رقیہؓ نہیں بلکہ فاختہ بنت فروان تھیں' (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۴' انساب الاشراف تالیف البلاذری ج ۵ ص ۱۵۰) سیدنا عثمانؓ کی اولاد اور ان کے پوتوں کا ذکر بلاذری نے انساب الاشراف کی پانچویں جلد (طبع القدس' ۱۹۳۶ء) میں بہت تفصیل سے کیا ہے اور سب کی ماؤں کا نام بھی لکھا ہے' وہ لکھتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے سب سے بڑے بیٹے کا نام عمرو بن عثمانؓ تھا اور ان کے دو بیٹوں کا نام بھی عبداللہ الاکبر اور عبداللہ الاصغر تھا اور ان عبداللہ الاکبر بن عمرو بن عثمان کی ماں حفصہ بنت عبداللہ بن عمر بن خطاب تھیں اور انہیں کا لقب العطرف تھا۔ اور یہی عبداللہ العطرف ابن عمرو بن عثمان تھے جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے بہت مشہور و مرغوب تھے' مسعودی نے سیدنا عثمانؓ کو بدنام کرنے کیلئے ان عبداللہ الاکبر کو حضرت عثمان کا بیٹا بنا دیا' اور ان سے وہ باتیں منسوب کر دیں کہ جو کسی اور قدیم عربی تاریخ میں نظر نہیں آتیں اور یہ صرف اس لئے کہ سیدنا حسنؓ کے مقابلہ میں جو بہت زیادہ شادیاں کرنے اور طلاق دینے میں مشہور تھے وہ سیدنا عثمان کے ایک صاحب زادے کو دروغ گوئی کے ساتھ پیش کرے' اور جہاں تک عبداللہ الاصغر اور ان کی طویل عمر کا تعلق ہے تو یہ ثابت کر دیا کہ ان کی ماں رقیہؓ نہیں بلکہ فاختہ بنت فروان تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود مسعودی نے اپنی دوسری کتاب التنبیہ والاشراف میں (جو مروج الذہب کے بعد لکھی ہے) عبداللہ الاصغر کو حضرت رقیہؓ کی اولاد نہیں گنایا ہے (ص ۲۵۵)۔

جہاں تک امام ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ (اس کی طباعت ۱۳۲۳ھ سے صحیح نہیں بلکہ ۱۳۲۱ھ ہے اور یہ قاہرہ کے مشہور قدیم مطبع بولاق میں چھپی تھی) اس میں ضرور عبداللہ بن عثمان اور ان سے حضرت علی ذین العابدین کے روایت سننے کا ذکر ہے' مگر یا تو یہ طباعت کی غلطی ہے یا اس میں امام ابن تیمیہ سے سہو ہوا ہے' جس طرح خود بلیغ الدین صاحب نے ابن تیمیہ کا نام ایک مرتبہ صرف "تیمیہ" اور ایک مرتبہ عبدالمطلب کا نام صرف "المطلب" لکھا ہے' (یہ دونوں شخصیات علیحدہ تھیں) اس طرح کے سہو یا اغلاط طبع کی قدیم و جدید کتب میں کثیر مثالیں نظر آتی ہیں' بہرحال اس کتاب سے استدلال درست نہیں کیونکہ یہ علم الانساب اور تاریخ سے متعلق نہیں بلکہ شیعہ مصنف ابن المطہر کی کتاب کا رد ہے اور عقائد سے متعلق ہے اس کے مقابلہ میں وہ متعدد حوالے زیادہ معتبر ہیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔

یہاں امام مالک "امام اوزاعی" امام شافعی' وغیرہ چھ قدیم فقہاء کا ذکر یہ کہہ کر کہ "ان کے پاس (عبداللہ ابن رقیہؓ) کے چھ سال میں وفات پانے کا ذکر ہے نہ وفات کی وجہ ہے" تعجب کل و بے فائدہ ہے کیونکہ ان میں سے کسی نے انساب و تاریخ پر کوئی کتاب نہیں لکھی بہتر تھا کہ بلیغ الدین صاحب ان کی کسی ایسی کتاب کا' اگر واقعی انہوں نے لکھی ہے حوالہ دیکر یہ بات لکھتے تو اس کی کوئی قیمت ہوتی' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان ائمہ کے ناموں کا ذکر کر کے اپنے قاری پر رعب ڈالنا چاہتے ہیں۔

اور پھر موصوف نے یہ انتہائی حیرت انگیز انکشاف کیا ہے ان حضرت عبداللہ الاصغر ابن سیدنا عثمانؓ کی نسل آج بھی حبشہ' ملتان' آزاد کشمیر اور دیگر علاقوں میں موجود ہے' مگر اس سلسلے میں کوئی استدلال اور الزام لگانے کا نام پیش نہیں کیئے گئے ہیں' یہ تو ایک ایسا انکشاف ہے کہ اس کے بارے میں عرب ممالک کی اکابرین کو مطلع کرنا چاہئے کیونکہ سیدنا عثمانؓ آخر کار ایک عرب تھے اور حیرت ہے کہ خود عرب پاکستان میں موجود ان کی نسل سے بے خبر ہیں' یہاں تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ ساری عرب دنیا چھوڑ کر آخر ان عجمی ملکوں ہی کیوں آباد ہوئے' اور پھر طویل اموی عہد تو ان کے قریبی اقارب کا تھا کوئی ان کی بیخ کنی نہیں کر رہا تھا' اس کے بعد عباسی عہد میں بھی کافی اموی خاص طور پر شام اور مغرب عربی اور اندلس میں آباد رہے' اندلس میں تو ان کی حکومت تقریباً تین سو سال تک رہی' پھر آخر وہ ان سب علاقوں کو چھوڑ کر ان عجمی ممالک اور خاص طور پر آزاد کشمیر جیسے علاقہ میں کیسے اور کب آباد ہوئے؟ کشمیر کے علاقہ کو تو محمود غزنوی بھی فتح کرنے میں ناکام رہا تھا' عباسیوں نے سیدنا حسنؓ و سیدنا حسینؓ کی اولاد کو تو ان کی متواتر انقلابی تحریکوں کی وجہ سے کچلنے کی کوشش کی مگر تاریخ نے سیدنا عثمانؓ کی اولاد کی کسی بغاوت کا ذکر نہیں کیا۔ اور خود مسعودی نے لکھا ہے کہ عبداللہ الاصغر کی جو حضرت رقیہؓ کے صاحب زادہ تھے' کوئی اولاد نہ ہوئی۔

ایک ایسے از خود کسی مستند حوالہ کے کہی گئی ہے ایک قصہ گوئی اور افسانہ طرازی معلوم ہوتی ہے۔

اس موقعہ پر مجھے قادیانیوں کی یہ عجیب و غریب "تحقیق" یاد آ رہی ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کشمیر میں مدفون ہیں' سر ظفر اللہ خان نے ایک بار کیمبرج اور لندن کے مابین ریل کے سفر میں مجھ سے یہ بات کہی' میں عید کی نماز کیلئے ۱۹۶۱ء میں کیمبرج سے لندن جا رہا تھا اور وہ بھی وہیں سے جا رہے تھے' کیونکہ ان کی فلسطینی نژاد بیوی وہیں' قیم تھی' اتفاق سے جس ڈبہ میں میں داخل ہوا وہ وہاں موجود تھے' میں اسلامک سمائل (ریڈنگ پارک) جا رہا تھا اور وہ ۱۰ ڈاؤننگ کی مسجد (PUTNEY) جا رہے تھے' قریب بیٹھے ہوئے کچھ باتیں چھڑ گئیں اور انہوں نے 'سب' سول اپنے عقائد کی خاص باتیں کیں' جن میں سے یہ بھی ایک بات تھی میں حیران تھا کہ اتنا قابل انسان کس طرح یہ "بے پر" کی بات کر رہا ہے' جس طرح میرے اعلیٰ پڑھے لکھے' عمر کے وافسر زمانہ قیام مصر (۱۹۵۳ء-۱۹۵۴ء) میں حیران ہو کر مجھ سے کہتے تھے کہ ایک ایسا مالی شہرت کا آدمی اور تمہارا وزیر خارجہ خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک اور عام انسان کو کس طرح نبی مانتا ہے' میں ان کو قرآن کریم کی یہ آیت یاد دلاتا تھا۔ واضلھم اللہ علی علم۔ (علم کے باوجود وہ لوگ گمراہ رہے)

۹۔ اموی اور ہاشمی نسبتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد وں کے سلسلے میں بطور خاص نمایاں کرنے کو شاہ صاحب عصبیت نہیں سمجھتے ہیں اور اس کو "ندوی" کی طرح ایک نسبت سمجھتے ہوئے مجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ ندوی تو ایک علمی نسبت ہے جیسے ازہری یا دیوبندی' یا علیگ' جبکہ اموی و ہاشمی قبائلی نسبتیں ہیں۔ موصوف شاید اس حقیقت سے واقف نہیں کہ مستشرقین نے جگہ جگہ ہمارے کو ہاشمی و اموی عصبیت کا رنگ دیا ہے اور پھر اسی عصبیت کو مشرق و مغرب میں بنی امیہ اور بنی عباس کے اختلاف اور جنگوں کا سبب بتایا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اموی حکومت کا خاتمہ ہوا اور بنی عباس یا بالفاظ دیگر بنی ہاشم کی حکومت قائم ہوئی' اور اسی امداد میں بہت سے معاصر عرب مورخ جو عرب قومیت سے متاثر ہیں اس اختلاف کو دیکھتے ہیں' اس کا وسعت نظر سے کیا تعلق' وسعت نظر تو یہ ہے کہ قدیم عربی اسلامی شاعر کی طرح کہا جائے۔

ابی الاسلام لا اب لی سواہ　　اذا افتخروا بقیس او تمیم

(اسلام ہی میرا باپ ہے اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں جبکہ لوگ (اپنے باپوں) قیس اور تمیم پر فخر کرتے ہیں)

یہاں مضمون نگار صاحب کی یہ منطق عجیب ہے کہ ایک چارٹ یا بقول ان کے شجرہ جو خانوادہ نبوت کے انساب پر مبنی ہے اس میں حضرت علی ابن ابی العاص بن ربیع کا نام نسب لکھنے سے اور ان کو اموی بتانے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور ان ہی علی بن ابو العاص کے بارے میں جو سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادہ تھے موصوف کا یہ کہنا کہ۔ "یہ روایت موجود ہے کہ وہ ان اور شادی شدہ تھے" ایک بلا دلیل و غیر ثابت ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں' اور موصوف نے اس انتہائی اہم روایت کے لئے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے' جبکہ متعدد ثقہ مؤرخین و مورخین کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ وہ ابتدائے جوانی میں انتقال فرما گئے (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰' جمہرۃ الانساب تالیف

ابن حزم ص ۴۰۰' جوامع السیرۃ' تالیف ابن حزم ص ۳۹' فتح الباری ج ۷ ص ۸۵)

یہی نہیں بلکہ میرے ناقد بلیغ الدین صاحب 'ایک عجیب انکشاف فرماتے ہیں اور وہ بھی بغیر کسی تاریخی حوالہ کے کہ " یہ علی بن ابی العاص جنگ یرموک ۱۳ھ میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے' والے سے لئے انہوں نے صرف اتنا لکھا ہے کہ " دیکھئے ابن عساکر یہ مشہور روایت ہے " سبحان اللہ کیسا عجیب حوالہ ہے اور کیسی مشہور روایت۔ ابن عساکر (علی ابن الحسن بن ہبۃ اللہ بن عساکر) کی تاریخ دمشق اسی (۸۰) جلدوں میں ہے' جن میں سے صرف دو جلدیں اسی (۸۰) سال قبل چھپی تھیں اور پھر دوبارہ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد اللہ مشقی کی تحقیق سے ۱۹۵۴ء میں چھپی ہیں۔ شیخ عبدالقادر بدران اللہ مشقی نے اس تاریخ دمشق کا تیرہ جلدوں میں اختصار کیا ہے جس کی اب تک سات جلدیں چھپی ہیں اور باقی محفوظ ہیں' اب سو صوف بتائیں کہ یہ مشہور روایت کس جلد میں ہے' یا پھر انہوں نے کسی اردو کی کتاب سے ابن عساکر کا نام یونہی ذکر کر دیا ہے' اگر یہ مشہور روایت ہے تو طبری' یعقوبی' مسعودی' ابن الاثیر' ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ مشہور مورخین کی تواریخ میں کیوں نہیں' ان میں سے تو کوئی " سبائی " نہیں تھا۔

جنگ یرموک کا تفصیلی ذکر طبری میں ہے اور اس سے زیادہ مفصل ذکر " فتوح الشام " میں ہے' جو واقدی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ (یہ حقیقت میں واقدی کی کتاب نہیں بعد کے کسی مصنف کی ہے) اس میں ان سینکڑوں مشہور صحابہ کے نام مذکور ہیں جنہوں نے اس جنگ میں حصہ لیا' اس میں اولاد صحابہ میں سے عبدالرحمن بن ابی بکر' عبداللہ بن عمر' کا ذکر ہے اور حضرت عثمان غنیؓ کے صاحب زادہ ابان بن عثمان کا ذکر ہے' جو سیدنا عثمان کی ایک دوسری بیوی کی اولاد تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت علی بن العاص بن الربیع سے اس کے مصنف کو کیا کد تھی کہ ان کا ذکر اس نے نہیں کیا؟

اس موقعہ پر جناب بلیغ الدین صاحب نے خطابت کے انداز میں علامہ اقبال کے تین شعر بھی بانگ درا سے ذکر کئے ہیں' اور فرماتے ہیں کہ جنگ یرموک کا جو واقعہ علامہ اقبال نے لکھا ہے وہ انہیں کے بارے میں لکھا ہے' اس کی بھی تحسین و ظن سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں کیونکہ علامہ اقبال نے کہیں ان کا نام نہیں لکھا ہے' اگر ان کو اس کا شبہ بھی ہوتا تو وہ ضرور ذکر کرتے' کیونکہ وہ عربی اچھی خاصی جانتے تھے انہوں نے " فتوح الشام " ضرور پڑھی ہوگی' اقبال کے جس شعر سے شاہ صاحب نے استدلال کیا ہے ان میں صرف ایک نامعلوم " " نوجوان صورت سیماب مضطرب " کا ذکر ہے۔ اس کا ذکر " فتوح الشام " میں بھی اس مجہول صیغہ سے ہے اور اسی لئے اقبال نے کوئی نام نہیں لیا ہے۔ جنگ یرموک کے سلسلہ میں کتاب " فتوح الشام " میں اس نوجوان کے سلسلہ میں جو کچھ مذکور ہے' اس کا ترجمہ یہ ہے۔ " اور جس نے سب سے پہلے جنگ یرموک میں معرکہ کا آغاز کیا' وہ قبیلہ ازد کا ایک ہوشیار اور کم عمر نوجوان تھا' اس نے حضرت ابوعبیدہ سے کہا کہ اے امیر' میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے دل کو تسکین پہنچاؤں' اور میں اپنے اور اسلام کے دشمن سے جہاد کروں' اور اللہ کے راستہ میں اپنی جان پیش کروں' شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے' کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں' حضرت ابوعبیدہ نے اجازت دی پھر یہ نوجوان آگے بڑھا اور اس نے چار شہسواروں کو قتل کیا' اور اس کے بعد خود شہید ہو گیا" (فتوح الشام طبع' دارالجیل' بیروت' ج ۱ ص ۳۰۵)

فتح مکہ کے موقع پر ان علیؓ بن ابی العاص کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف ہونا اور آپ کے کندھوں پر سوار ہو کر کعبہ کے بت توڑنا کسی بھی مشہور مستند سیرت میں مذکور نہیں' شاہ بلیغ الدین صاحب نے اپنے اہم موضوع پر ایک بھی حوالہ نہیں دیا ہے۔ جن بعض کتب سیرت میں علیؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں کعبہ کی چھت سے ایک بت گرانے کا ذکر ہے' وہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے' اور اس میں سیدنا علی بن ابی طالب کا نام صراحت سے مذکور ہے۔

شاہ صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ یہ علیؓ ابن ابی العاص اور ان کی بہن امامہ بنت زینبؓ نماز کے وقت حضور اکرمؐ کے کندھوں پر سوار رہتے تھے' یہ درست نہیں' صحیح مسلم میں صرف امامہ بنت زینبؓ کا ذکر ہے کہ وہ اس وقت چھوٹی تھیں' اس کو پھر پڑھیں۔

۱۰۔ سیدہ امامہؓ بنت ابی العاص نے بطن سے حضرت علیؓ کی کوئی اولاد نرینہ کا نام' ہونا کا نام' ہونا اور ہونا تھا اس کے لئے شاہ بلیغ الدین صاحب نے اردو کی دائرۃ المعارف 'یونیورسٹی آف پنجاب کا حوالہ دیا ہے' پہلی بات تو یہ کہ علمی طریقہ کے مطابق مقالہ نگار کا نام دینا چاہئے تھا' اور وہ قدیم فاضل ہیں پر ان مقالہ نگار صاحب نے اعتماد کیا ہے' دوسری بات یہ ہے کہ ان کو اس اہم موضوع پر کسی قدیم عرب مورخ کا حوالہ دینا چاہئے تھا۔ شاہ معین الدین ندوی صاحب کی کتاب " خلفائے راشدین " کے متعلق بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے' پھر وہ ایک عام کتاب ہے' مصعب الزبیری کی "نسب قریش" اور ابن حزم کی "جوامع السیرۃ" ان کے سامنے نہ تھی ورنہ وہ غالباً یہ بات نہ لکھتے۔ علامہ ابن حزم نے جن پر شاہ بلیغ الدین صاحب کو اعتبار ہے " (جوامع السیرۃ " (ص ۳۹) میں تصریح کی ہے' کہ " تزوجہ علی بن ابی طالب بعد فاطمۃ فلم تلد لہ و مات عنہا فتزوجہا المغیرۃ بن نوفل بن نوفل بن الحارث..... فماتت عندہ ولم تلدلہ (یعنی حضرت علیؓ نے ان سے شادی کی' اور ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی' اور ان کی وفات ہو گئی' پھر مغیرہ بن نوفل بن الحارث نے ان سے شادی کی' اور ان کی زوجیت میں ان کا (امامہؓ) کا انتقال ہو گیا' اور امامہ سے ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی)

صرف بلاذری نے انساب الاشراف (ج ۱ ص ۴۰۰) میں ان محمد الاوسط کا ذکر کیا ہے' مگر بروایت الواقدی جس کو شاہ بلیغ الدین بڑے زور و شور سے کذاب کہتے ہیں' ابن حزم نے جمہرۃ الانساب میں تفصیل سے سیدنا علیؓ کی اولاد کا ذکر کیا ہے' اور اس میں کسی محمد الاوسط کا ذکر نہیں' محمد بن الحنفیہ کے علاوہ ایک محمد الاصغر کا ذکر ہے' محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ کی مشہور اور مستند کتاب " المحبر " میں جو ان خانہ انی امور سے بطور خاص متعلق ہے کہیں سیدہ امامہؓ کے ان صاحب زادہ کا ذکر نہیں۔ پھر واقدی ہی اپنی اس روایت میں یہ کہتا ہے کہ علیؓ بن ابی العاص (یعنی حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادہ) چھوٹی عمر میں انتقال کر گئے' جس کو شاہ صاحب تسلیم نہیں کرتے اور آپ کو جنگ میں ایک بیرو کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں' نہ معلوم انہوں نے یہ انساب الاشراف پڑھی بھی ہے کہ نہیں' غالباً اردو میں تو اس کا ترجمہ ہوا نہیں ہے۔

اپنی تازہ کتاب المرتضیٰ (عربی' اردو) میں علامہ جلیل القدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے' اگر یہ حقیقت ہوتی تو حضور اکرم کے نواسہ اور حضرت علیؓ کی اولاد کی حیثیت سے وہ ان کا ذکر ضرور کرتے۔

۱۱۔ شاہ بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر رسول اکرمؐ کے بڑے داماد کے خلاف عصبیت کا الزام لگایا ہے' اور یہ کہ میں نے ان کو قارئین کو متاثر کرنے کے لئے حضرت زینبؓ کی شادی کے وقت کافر لکھا ہے' یہ ایک بے بنیاد الزام ہے' میں نے کوئی بات قارئین کو متاثر کرنے کے لئے نہیں لکھی تھی اور نہ کسی عصبیت کے جذبہ سے' میں عصبیتوں کے پاکستانی ماحول سے پاک تیس سال تک بہت دور ایسے عرب ممالک میں رہا ہوں جہاں اس طرح کی عصبیتیں وجود نہیں رکھتیں۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا تاریخی حقیقت کے طور پر لکھا تھا' اور جناب معترض آنحضرت کے "بڑے داماد" کا اس طرح ذکر کر کے قارئین کو میرے خلاف بھڑکانا چاہتے ہیں' مسلمان جانتے ہیں کہ نبی اسلام روحی فداہ کے یہاں بڑے داماد اور چھوٹے داماد یا سالی و سسر بلکہ بچا بھتیجے کے رشتوں پر فضیلت درجات کا فیصلہ نہیں ہوتا تھا بلکہ اسلام میں سبقت' اس کے لئے جان و مال کی قربانی' حبیب خدا کے لئے جذبہ جان نثاری میزان تھے' غلامان اسلام' بلال و صہیب و خباب اسی لئے ان رشتوں سے افضل تھے اور یہی اللہ رب العزت کا فیصلہ ہے وفضل اللہ المجاہدین باموالہم وانفسہم علی القاعدین درجۃ (اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے جہاد سے بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت دی ہے) اور اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک جانثار ابوجانہ سے معرکہ احد کے سخت لمحات میں وہ الفاظ محبت و احسان شناسی کے کہے تھے جو کسی بھی غلام رسول کے لئے معراج فضیلت ہیں۔ ارم فداک ابی وامی (یعنی چلائے جا تیر' میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں)۔

اور اب موصوف کے اعتراضات کے جواب میں کہ " بتایئے حضور اکرم کے کون سے داماد پہلے کافر نہیں تھے " عرض ہے' کہ میرا مقصد دامادی کے وقت کفر سے تھا' جہاں تک کہ اور داماد دونوں یعنی سیدنا علیؓ و سیدنا عثمانؓ ذی النورین" کا تعلق ہے تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضور اکرمؐ کی صاحب زادیوں فاطمہ' رقیہ' ام کلثومؓ سے شادی کے وقت یہ دونوں مسلمان تھے' بلکہ " السابقون الاولون میں سے تھے' [illegible] کی شادی ان سے ہوئی تھی' [illegible] کی شادی ان سے ہوئی تھی' [illegible] کی شادی ان سے ہوئی تھی

کی حرمت نہیں اتری تھی' کیونکہ یہ حرمت مدینہ منورہ میں سورہ بقرہ میں نازل ہوئی۔ پھر یہ بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہی ابوالعاص بن الربیع جنگ بدر میں کفار قریش کے ساتھ آنحضرتؐ سے لڑنے کے لئے آئے تھے' اور جنگ میں قیدی بنے تھے' سیدہ زینبؓ نے ان کی رہائی کے فدیہ میں اپنا ایک سونے کا ہار بھیجا تھا' صحابہ کرامؓ کی مرضی سے حضور صلعم نے یہ ہار واپس فرما دیا تھا' اور ابوالعاص کو اس وعدہ پر رہا کر دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی اور صاحبزادی رسول اکرم سیدہ زینبؓ کو مدینہ منورہ بھیج دیں گے' یہی ان کا فدیہ رہائی تھا۔ انہوں نے وعدہ کیا اور پھر اس وعدہ کی پاسداری کی اور حضرت زینبؓ کو حضور کے نمائندہ زید بن حارثہ کے ساتھ واپس بھیج دیا' جس کی تفصیل ابن ہشام اور دوسری کتب سیرت میں مذکور ہے۔ اس ایفائے عہد کی آنحضرتؐ نے تعریف کرتے ہوئے صرف دو لفظ فرمائے تھے "وحدثنی و صدقنی" (صحیح مسلم باب فضائل فاطمہؓ) بعض دوسری روایات میں "وعدنی فوفی لی" (فتح الباری ج ۷ ص ۸۵) کے الفاظ آتے ہیں' یعنی مجھ سے ابوالعاص نے جو بات کی اس کو پورا کیا' یا جو وعدہ کیا اس کا ایفاء کیا' تفصیل کے لئے (ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۵۲' ۱۵۴' طبع مصر ۱۹۵۵ء)۔ اور یہ اس موقعہ پر سیدنا علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کا ارادہ کیا تھا' تو آنحضرتؐ نے اس پر اعتراض فرمایا تھا۔

یہی وہ دو لفظ ہیں جن کو بلیغ الدین صاحب جوش خطابت میں ابوالعاص کی "حضور اکرمؐ کی زبانی برسر منبر فضیلت کا نام دیتے ہیں' اس کا سیاق و سباق اب قارئین کے لئے واضح ہو گیا' اور مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موصوف نے شعوری یا لاشعوری طور پر یہ غلط لکھا ہے کہ "حضرت فاطمہؓ کی منقبت کی روایتوں (روایتوں صحیح نہیں) میں تقابل کے ساتھ ان (یعنی ابو العاص) کی توصیف آتی ہے" ہرگز نہیں' یہ بالکل نادرست بات ہے' کہاں سیدہ فاطمہؓ جگر گوشہ رسول جن سے آپ کو بہت محبت تھی سیدہ فاطمہؓ کی منقبت میں تو بخاری' مسلم' ترمذی وغیرہ تمام کتب احادیث میں کتنی ہی صحیح روایات بلکہ ابواب ہیں' اور ابوالعاص بن الربیع کے بارے میں سوائے ان دو لفظوں کے کوئی روایت نہیں۔

۱۱۔ بغیر کسی دلیل و برہان کے صرف دعوے کرنا کوئی علمی طریقہ نہیں محض عوامی خطابت ہے' سیدہ فاطمہؓ کے ساتھ ان داماد نبیؐ کا کیا تقابل ہو سکتا ہے جو جنگ بدر میں معافی اور رہائی کے بعد بھی چھ سال تک کافر رہے' اور اواخر ۶ھ میں جب شام سے تجارتی قافلے میں واپسی کے وقت مدینہ کے قریب دوبارہ اسیر ہوئے تو سیدہ زینبؓ کی پناہ لی (جو مدینہ منورہ میں آ چکی تھیں) اور حضور اکرمؐ اور صحابہ نے یہ پناہ قبول فرمائی۔ تو وہ مکہ مکرمہ تجارتی امانتیں واپس کرنے گئے اور واپس آ کر اسلام لائے' اور صحیح روایت کے مطابق عقد ثانی کے بعد) ۷ھ کے شروع میں سیدہ زینبؓ ان کی زوجیت میں آئیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۳' سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۷) اور پھر تقریباً ایک سال بعد ہی سیدہ زینبؓ اوائل ۸ھ میں وفات پا گئیں (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۳۰) اس طرح اسلام کے بعد وہ صرف ایک سال رسول اکرمؐ کی داماد ہی میں رہے' پھر یہ رشتہ سیدنا زینبؓ کی وفات سے ختم ہو گیا اور ان کا اس کے بعد کہیں ذکر نہیں ملتا' صرف یہ کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں ۱۲ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۵۴) اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ بحالت مجبوری اسلام لائے تھے اور اسلام کی خدمات اور جہاد میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔

جہاں تک دوسرے دو داماروں کا تعلق ہے یعنی سیدنا علیؓ و سیدنا عثمانؓ ان کی شادیاں آنحضرت کی صاحبزادیوں سے بحالت اسلام ہوئیں' ان میں سے کوئی بھی شادی کے وقت حالت کفر میں نہیں تھا۔ سیدہ رقیہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی نسبت عتبہ ابن ابی لہب سے ہوئی تھی لیکن رخصتی سے قبل "سورۃ تبت یدا ابی لہب" کے اترتے ہی ابولہب اور ام جمیل کے اصرار پر یہ نکاح ٹوٹ گیا (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶)

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کون سا داماد کب کافر تھا بلکہ یہ ہے کہ داماری کے وقت صرف ابوالعاص ابن الربیع کافر تھے باقی دونوں داماد اس وقت قدیم مسلمانوں اور "السابقون الاولون" میں سے تھے۔ شادیوں سے قبل اسلام کے لئے ان کی انتہائی زبردست خدمات تھیں' اور وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں جن کے بارے میں ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین۔ الحدیث' یعنی (مسلمانوں) تم پر واجب ہے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شاہ بلیغ الدین صاحب کو سیدہ فاطمہؓ اور ان کے خاندان سے اس قدر بغض کیوں ہے' وہ ان کے فضائل کے ذکر سے کیوں چڑھتے ہیں' یہ وہ انداز فکر ہے' جو میں نے محمود عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" میں پایا ہے' اور ان خطوط و مضامین بھی جو اس کتاب سے ستاثر بعض لوگوں نے میرے سابقہ مضمون کے رد میں لکھے ہیں' اور جو دلائل و براہین سے خالی ہیں' یا خاص تاویلات رکھتے ہیں۔

شیعہ حضرات جن کو بلیغ الدین صاحب سبائی گروہ کا نام دیتے ہیں' اگر ان اہل بیت کی تعظیم و تقدیس میں غلو کرتے اور ان سے وہ باتیں منسوب کرتے ہیں جو صحیح روایات اور موثق کتب تاریخ میں مذکور نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے مقابل ابوالعاص بن الربیع کو اعلیٰ مقام دیا جائے' جن کے تفصیلی حالات اوپر بیان ہوئے' اور جن کا جہاد اسلام میں کوئی حصہ نہیں' اور جو صرف ایک سال بحیثیت مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داماری میں رہے' اور سیدہ زینبؓ کی وفات کے بعد انہوں نے دوسری شادی کر لی تھی۔

علاوہ ازیں بلیغ الدین صاحب تمام کتب حدیث میں مذکور سیدہ فاطمہؓ کی منقبت کی احادیث سے صرف نظر کر کے یہ ناکام کوشش کرتے ہیں کہ کسی دوسری صاحبزادی رسول اکرم کو ان سے افضل ثابت کر دیں۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے سیدہ زینبؓ کے بارے میں طحاوی کی کتاب سے ایک حدیث "افضلہن بناتی" (میری سب سے افضل لڑکی) پیش کی ہے' لیکن اول تو امام طحاوی کی کتاب "معانی الآثار" بخاری و مسلم اور دوسری صحاح ستہ و لیرہ سے دور ہے' دوسرے ان کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ ان کی اس حدیث کے حوالہ سے جس میں سیدنا علیؓ کے لئے "رد الشمس" کی حدیث (یعنی ان کے لئے سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ لوٹا دیا گیا) کا ذکر ہے' کہتے ہیں۔

واهل العلم و المعرفة بالحديث يعلمون ان هذا الحديث كذب موضوع ..... ولم يكن عنده فقل جيد للاسانيد كعلمه بذة حفاظ الحديث (البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۸۷۰) یعنی حدیث کا علم و معرفت رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی اور من گھڑت ہے..... اور وہ (یعنی طحاوی) حدیث کی اسناد کی نقل میں نقاد ان حدیث اور حفاظ حدیث کی طرح ماہر نہیں تھے۔

اس ضمن میں وہ اپنے مخصوص انداز فکر کی وجہ سے "شعب ابی طالب" کو شعب بنو ہاشم لکھتے ہیں جب کہ تمام قدیم و جدید سیرت نگار جن کا ذکر اس مقالہ میں آیا ہے اس کو شعب ابی طالب ہی لکھتے ہیں' کوئی حرج نہیں' لیکن اس مناسبت سے یہ کہنا کہ "ابوالعاص نے بنی ہاشم کی بالعموم اور خاندان نبوی کی بالخصوص' اناج' پانی' کپڑے اور استعمال کی بہت سی اشیاء سے مدد کی" اور پھر رعب ڈالنے کے لئے یہ کہنا کہ "اس کا تذکرہ مستند مورخین کے پاس ہے" قطعاً غلط ہے' جہاں تک میرے علم میں ہے کسی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا' مستند مورخین نہ سہی کسی ایک مستند مورخ کا ہی حوالہ دیتے' اس بنا پر اس کو ایک بلا دلیل دعویٰ ہی سمجھا جائے گا' یہ ظاہر ہے' علمی انداز بیان نہیں' بلکہ حقائق اس کے برخلاف ہے' تاریخ نے اس' وضاحت ضرور اور کافی روشنی ڈالی ہے۔

شعب ابی طالب میں محصور بنو ہاشم اور خاندان نبوت کو کھانا وغیرہ پہنچانے کے سلسلے میں تاریخ نے صرف دو ناموں کا ذکر کیا ہے' ایک ہاشم بن عمرو بن الحارث کا اور دوسرے حکیم بن حزام بن خویلد حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے کا' سیرت ابن ہشام (ج ۱ ص ۳۸۳) میں ہے' کہ اس مصیبت اور اس کے دور کرنے میں سب سے اہم کردار اسی ہاشم بن عمرو بن الحارث۔ نے ادا کیا جس کا بنی ہاشم سے ننھیالی رشتہ تھا اور وہ اپنے قبیلہ کا ایک ممتاز فرد تھا' یہ اونٹ پر ایک مرتبہ کھانا لاد کر شعب ابی طالب (گھاٹی) کے قریب لا کر اس اونٹ کی نکیل اتار لیتا تھا اور زور سے اس کے دونوں پہلوؤں پر ہاتھ مار کر اس کو اندر داخل کر دیتا تھا' اور پھر واپس آ جاتا تھا' اور اسی طرح اونٹ پر کپڑا لاد کر اس گھاٹی کے اندر پہنچا دیتا تھا' بلاذری نے انساب الاشراف (ج ۱ ص ۳۴۵) میں بالکل اس طرح کی روایت لکھی ہے' اور کہا ہے کہ یہ کام رات میں ہوتا تھا۔

دوسرے معنی حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مختلف اوقات میں اونٹ پر آٹا لاد کر اس گھاٹی کے اندر بھیجا دیتے تھے' طبری نے بھی اپنی تاریخ کتاب الامم والملوک (ج ۲ ص ۳۳۶) میں ایک ایسا ہی واقعہ لکھا ہے' مزید یہ کہ کس طرح ابوجہل نے ایک مرتبہ اس کھانے کو روکنے کی کوشش کی تو ایک غیر مسلم شریف سردار قریش نے اس کو مار کر زخمی کر دیا' یہ کہتے ہوئے کہ "وہ اپنی پھوپی کو آٹا بھیج رہا ہے' تو روکنے والا کون ہے؟" اور اس کے بعد جب کافی عرصہ گزر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف بہت بڑھ گئیں تو ہشام بن عمرو بن الحارث نے مختلف قریشی سرداروں سے مل کر (طبری نے پانچ نام گنائے ہیں اور اس میں ابوالعاص بن الربیع داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں) ان کو اس پر آمادہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کو اس قید اور بائیکاٹ سے رہائی دلائیں اور اس میں وہ کامیاب

ہونے "اس عرصہ میں بائیکاٹ کے عہد نامہ کو بھی جو کعبہ میں لٹکا ہوا تھا' دیمک کھا چکی تھی بالکل اس طرح جیسا کہ حضور اکرمؐ نے خبر دی تھی' طبری میں یہ واقعہ بڑی تفصیل اور دلدوزی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے' جس میں کفر کے باوجود بعض سرداران قریش کو شرافت اور شہامت و جوانمردی کی جھلک نظر آتی تھی۔

اس موقع پر مزید لکھتے ہوئے شاہ بلیغ الدین صاحب کہتے ہیں کہ "رسول اکرمؐ نے شیر کا خطاب دو بزرگ ہستیوں کو دیا' ایک خطاب "اسد اللہ واسد رسول" سیدنا حمزہؓ کو اور دوسرے "شیر بطحاء" کا خطاب اپنے پیارے دادا ابو العاص کو"۔ ماشاء اللہ کیا انداز تحقیق ہے' کسی کتاب سے حوالہ کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ مشہور تو یہ ہے کہ اسد اللہ کا خطاب حضور اکرمؐ نے معرکہ نبیہ میں کامیابی کے بعد سیدنا علیؓ کو دیا' اور اسی لئے علامہ اقبال نے ان کے لئے کہا تھا۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

اور دور حاضر میں اسلام کے عظیم ترین ترجمان اور مرد حق مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی الندوی نے آج کو اپنی تازہ کتاب "المرتضیٰ" میں شیر خدا کے لقب سے یاد کیا ہے۔ سیدنا حمزہؓ کو "اسد اللہ واسد رسولہ" (اللہ کا شیر اور اللہ کے رسول کا شیر) کے خطاب کی خبر جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی تھی (سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۹۰)۔ کسی کتاب میں ابو العاص بن الربیع کے لئے "شیر بطحاء" کا خطاب نہیں نظر آیا' معلوم نہیں ان کا کون سا کارنامہ جماد تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو 'بقول بلیغ الدین صاحب' یہ خطاب مرحمت فرمایا' جبکہ ان کی زندگی کی ساری تفاصیل اوپر بیان ہو چکی ہیں' جن میں کوئی ایسی بات نہیں جو ان کو ایسے خطاب کا مستحق بنائے' یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے سیدہ زینبؓ کے انتقال کے بعد ایک دوسری عورت فاختہ بنت کریز سے (جو انہیں کے قبیلہ کی تھی) شادی کر لی تھی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا رشتہ صرف ایک سال کے بعد ختم ہو گیا تھا۔ (سیرۃ ابن اسحاق' تالیف ابن حزم ص ۷۸)۔ لہٰذا ابو العاص بن الربیع کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "شیر بطحاء" کا خطاب محض ایک افسانہ طرازی ہے۔

۱۲۔ زبیر بن عبد المطلب کے بارے میں تفصیل سے ضیاء الدین کرمانی صاحب کے خیالات و دعاوی کی تنقید میں ترجمان القرآن' لاہور اشاعت جون ۱۹۸۹ء میں کافی لکھا چکا ہوں) اس کو پڑھ لیا جائے' میرے سامنے وہ عدد نہیں کہ اپنے دلائل کو دوبارہ ذکر کروں' لیکن اتنا یاد ہے کہ میں نے ان کے پیش کردہ بعض اقتباسات کو جو تاریخ یعقوبی و بلاذری سے منقول تھے۔ پوری عبارات دے کر غلط ثابت کر دیا تھا' اور یہ کہ انہوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ زبیر عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی ان کتابوں سے جو اقتباسات دیئے تھے وہ توڑ مروڑ کر پیش کئے تھے' اور تعمیر کے سابقہ مضمون میں صحیح بخاری سے ایک حدیث پیش کر کے مزید ثبوت فراہم کر دیا تھا۔

اب صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ تمام کتب حدیث و سیرت و تاریخ میں یہی مذکور ہے کہ ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی و نصرت کی' انہیں شعب ابی طالب میں باقی بنی المطلب و بنی ہاشم اور رسول اکرمؐ کے ساتھ محصور ہو کر مصائب جھیلے اور وہ واقعہ تو سب کو معلوم ہے کہ جب اس بائیکاٹ سے قبل سرداران قریش بشمول ابو جہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت لے کر ابو طالب کے پاس آئے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعوت توحید اور مذمت اصنام قریش سے منع کریں۔ جس پر ابو طالب کی آنحضرت کو نصیحت سے آپ نے آبدیدہ ہو کر کہا تھا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں گے جب بھی جب تک میری جان میں جان ہے میں اس دعوت توحید کو نہ چھوڑوں گا"۔ تو ابو طالب نے کہا تھا کہ ہاں اے عم زاد' تم اپنے پیغام توحید کو جاری رکھو' "فوالله لا اسلمك لشيء ابدا" کچھ نہیں بگاڑ سکتا' اور انہوں نے ان سرداران قریش کو ناکام و نامراد پلٹا دیا تھا' اس لئے بعد ہی کفار قریش نے بنی ہاشم و بنی المطلب کے بائیکاٹ کا وہ عمل شروع کیا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے' اور جس میں ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' یہ بھی تمام کتب سیرت میں مذکور ہے کہ اس بائیکاٹ کے خاتمہ کے بعد ہی جب ابو طالب اور سیدہ خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت اور آپ کے صحابہ پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا' اور پھر آخر کار اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا راستہ پیدا کیا۔

بلیغ الدین صاحب کے پاس زبیر بن عبد المطلب کے بارے میں کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے' وہ صلف الفضول میں ان کی شمولیت اور ان کے عبد المطلب کے بعد خاندان کا سربراہ ہونے کی بات کرتے ہیں' یہ سب دور کفر کی باتیں ہیں' اس ضمن میں ان زبیر اور ابو طالب کا مالی اور ادبی حیثیت سے تقابل بھی ایک مسلمان کے لئے کوئی قیمت نہیں رکھتا' اور نہ آج تک کسی بھی مسلمان مورخ نے اس کو اپنا موضوع بنایا سوائے محمود عباسی کے' جس کے خیالات کی بازگشت بلیغ الدین صاحب کے فکر میں نظر آتی ہے' میں نے اپنے گزشتہ مضمون میں بخاری کی حدیث نقل کی تھی۔ جس میں مذکور ہے کہ ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرماتے تھے اور آپ کے مخالفین کے خلاف ان کی حمیت جوش میں آتی تھی اور اس لئے وہ جہنم کے سب سے نیچے کے انتہائی المناک حصہ کے بجائے اوپر کے حصہ میں ہوں گے' کہ مخنوں تک ہی جہنم کی آگ کفر کی وجہ سے ان کو ستائے گی۔

میں نے بلاذری کی انساب الاشراف کا حوالہ خود نہیں دیا تھا اور نہ اس لئے کہ وہ "معتبر ہے یا غیر معتبر' بلکہ صرف اس لئے کہ صرف ایک کتاب جس کا سیاہ ایلینہ کے لئے "چارٹ" تیار کرنے والے صاحب یا صاحبان (تحریک اسلامی اور غیر اسلامی مطبوعات و لٹریچر) نے حوالہ دیا تھا اس کی سرسری عبارت کو بھی وہ نہ سمجھ سکے' کیونکہ اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ "بعض لوگوں نے (سب نے نہیں) جو یہ روایت کی ہے کہ زبیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی کی اور اس کے بعد ابو طالب نے" یہ غلط ہے' کیونکہ جب حلف الفضول میں آنحضرت صلعم نے شرکت فرمائی' اس وقت آپ کی عمر بیس سال سے کچھ اوپر تھی' اور کسی کا اس بات سے اختلاف نہیں کہ عبد المطلب کی وفات کے صرف پانچ سال بعد ابو طالب کی معیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام تشریف لے گئے۔ "بالفاظ دیگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کی سرپرستی عبد المطلب کی وفات کے بعد" سے حاصل تھی کہ آپ بارہ سال کی عمر میں ابو طالب کے ساتھ شام گئے' ورنہ زبیر بن عبد المطلب کے ساتھ جاتے جو اس وقت تک زندہ تھے جب آنحضرت کی عمر بیس سال سے اوپر تھی' عجیب دھاندلی ہے کہ بلاذری نے پہلے تو بعض لوگوں کے اس قول کا غلط کہا کہ "پہلے زبیر نے رسول اکرمؐ کی کفالت کی اور اس کے بعد ابو طالب نے"۔ پھر اس تردید سے ثبوت کے لئے ایک تاریخی دلیل پیش کی' مگر ضیاء الدین کرمانی اور اس کے بعد بلیغ الدین صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ زبیر نے ہی آنحضرت کی سرپرستی کی' قرآن کریم نے سچ کہا ہے فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور۔ (حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ سینوں میں (مستور) دل بھی اندھے ہو جاتے ہیں۔

بلیغ الدین صاحب اور اس کتب فلر کے معدودے چند حضرات اپنے دعویٰ کی مانند میں زبیر بن عبد المطلب کی فتح المسلمین اور امتیازی شاعر ہونے کا بھی ذکر کرتے ہیں' پہلی بات تو یہ کہ اس کا اصل موضوع شعر سے کوئی تعلق نہیں' اور پھر قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ "والشعراء يتبعهم الغاوون الم تر انهم في كل واد يهيمون وانهم يقولون مالا يفعلون الا الذين امنوا وعملوا الصالحات (یعنی شعراء کا اتباع گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر وادی میں مارے مارے پھرتے ہیں' اور وہ کہتے رہتے ہیں جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ سوائے ان (شعراء) کے جو اہل ایمان ہیں اور عمل صالح سے متصف ہیں۔" پھر دوسری بات یہ کہ علامہ آلوسی نے اپنی کتاب بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب میں لکھا ہے کہ یہ زبیر بن عبد المطلب شاعر تو بہت اچھے تھے' مگر سخت جبو' یہاں تک کہ لوگ ان کی فحش جبو گوئی سے ڈرتے تھے' ان کا قاعدہ ہے "فدفع الهجاء" پھر کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بچپن اور ابتدائے جوانی میں تربیت ایک فحش گو شاعر پر چھوڑ دیتا۔ اس نبی آخر الزماں کی تربیت کو جس کو انسانیت کے لئے نمونہ اخلاق بنانا تھا۔ یہ ایک انتہائی لغویات ہے' اور اس کے پیچھے صرف یہ جذبہ کار فرما ہے کہ چونکہ مسلمانوں کا ایک مخصوص فرقہ ابو طالب کی تعریف میں غلو کرتا ہے' اور ان کو صاحب ایمان قرار دیتا ہے' تو ہم ان کے مقابلہ میں زبیر بن عبد المطلب کو کھڑا کر دیں۔ جن کا کسی ایک مورخ نے بھی اس حیثیت سے ذکر نہیں کیا۔ جمہور اہل سنت کی طرح میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ابو طالب کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا' مگر وہ زبیر بن عبد المطلب سے ہزار درجہ قابل تعریف ہیں کہ انہوں نے باخلاق امت اسلامیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا اور انتہائی محبت و تکریم کا برتاؤ کیا' ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں کہتے تھے۔ سفیان بن عیینہ روایت کرتے ہیں کہ ابو طالب کی وفات پر حضور اکرمؐ نے دعا کی کہ اللہ تم پر رحمت فرمائے اور مغفرت کرے' اور جب تک اللہ تعالیٰ منع نہ کر دے میں تمہارے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا' یہ بھی روایت ہے کہ آپ ان کی وفات پر روئے اور چند روز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے حتیٰ کہ یہ آیت اتری۔ ما كان للنبي والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولي قربى (ملاحظہ ہو' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۳'

۱۲۴ اور الواحدی نیشاپوری کی کتاب 'اسباب النزول' ص ۱۵)

اور پھر اس ساری بحث سے قطع نظر زبیر بن عبدالمطلب کوئی بہت مشہور شاعر بھی نہ تھے' امرؤ القیس' نابغہ الذبیانی' زہیر بن ابی سلمیٰ' کعب بن زہیر' ابوذؤیب الھذلی' حسان بن ثابت اور دیگر سینکڑوں جاہلی اور اسلامی شعراء عرب ان سے ہزار گنا بہتر تھے' اس لئے ان کا کوئی بھی شعر نہ ابو تمام کے مشہور شعری مجموعہ دیوان الحماسہ میں ہے' اور نہ علامہ محمود شکری آلوسی بغدادی نے اپنی مذکورہ کتاب میں ممتاز شعراء کے ضمن میں انکا ذکر کیا ہے' صرف ان کے تین شعر اس موقعہ پر نقل کئے ہیں جس کا میں نے حوالہ دیا ہے۔ بلکہ میرے ناقد نے "شریف شاعر" کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ شریف کے جو معنی اردو میں ہیں وہ عربی میں نہیں' جس میں حسن اخلاق و عمل پنہاں ہے' عربی میں اس کے معنی 'ممتاز اور معزز' کے ہیں۔

بلکہ مقفل الفضول ہی کو لے لیجئے جس میں زبیر بن عبدالمطلب کے اشتراک کو بلیغ الدین صاحب اور ان کے بعض ہمنوا بہت اہمیت دیتے ہیں' تمام سیرت کی تمام و جدید کتابوں میں اس کا ذکر ہے' اور اس کے ذکر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جدعان ہی کی تعریف کی ہے اپنے ان چچا کا کہیں ذکر نہیں کیا' بلیغ الدین صاحب کو کہیں حوالہ ملتا تو ضرور نقل کرتے۔

بعض لوگوں نے عجیب احمقانہ بات لکھی ہے کہ چونکہ وہ صاحب ثروت تھے' اس لئے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا بار اٹھا سکتے تھے' ایک صاحب نے تو انتہائی گستاخانہ انداز میں "تکبیر" کے نام ایک مضمون میں لکھا ہے کہ "ابو طالب مفلس' قلاش اور نکٹوا تھا وہ کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و کفالت کر سکتا تھا' معاذ اللہ! کیسا جہل' کینہ اور بدزبانی ہے۔ کیا دنیا کے سارے غریب لوگ اپنے ہونے والے یتیم بچوں اور پوتوں کی تربیت صاحب ثروت اعزہ کے سپرد کر دیتے ہیں' یا ان کے سپرد جن کا دل شفقت و محبت سے معمور ہو؟ چاہے وہ خاندان میں سب سے بڑے نہ ہوں' مال دار نہ ہوں۔

اس سب کے بعد جس طبقات ابن سعد کا حوالہ بلیغ الدین صاحب نے دیا ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ عبدالمطلب نے خاندان کے لئے اپنا وصی زبیر بن عبدالمطلب کو بنایا تھا' اس میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ ابو طالب نے عبدالمطلب کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی و کفالت کی' اور یہ ایک علیحدہ عنوان کے تحت لکھا ہے' پھر وہ اس بات کو کیوں تسلیم نہیں کرتے' بلکہ خود عبدالمطلب نے ابو طالب کو اس کی وصیت کی تھی' ابن سعد کے الفاظ ہیں فلما حضرت عبدالمطلب الوفاۃ اوصی اباطالب بحفظ رسول اللہ بصلی اللہ علیہ وسلم وحیاطتہ (طبقات ج ۱ ص ۱۱۸) (یعنی جب عبدالمطلب کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے ابو طالب کو وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و سرپرستی کریں) یہ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اولاد سے زائد محبت ہے' جو بڑھتی ہی گئی' اور اس کا حال قارئین اس طبقات ابن سعد جلد (۱) کے صفحہ (۱۱۹) اور صفحہ (۱۲۰) پر پڑھیں۔ یہاں ان لوگوں کی تسکین بھی ہو جائے گی جو ابو طالب کی غربت کا رونا روتے ہیں۔ الغرض طبقات ابن سعد کے ان صفحات میں نظر ڈالنے کا حکم اللہ تعالیٰ ہو راق مطلق ہے اس نے کس طرح ابو طالب کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل برکت دی۔

"ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت فرماتے تھے' اپنی اولاد سے بھی زائد' وہ آپ کو اپنے پہلو میں سلاتے تھے' اور جب آپ باہر جاتے تو ابو طالب بھی ساتھ ساتھ جاتے تھے' ابو طالب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عشق تھا (صب بہ صبابۃ) کہ ان کو دنیا کی کسی چیز سے اتنا عشق نہ تھا" (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۱۹)

اس موقعہ پر بلاذری کا سیرت نبوی کی قدیم ترین بڑے مصنف اور ثقہ حافظ حدیث محمد ابن اسحاق المدنی متوفی ۱۵۱ھ سے تقابل کرتے ہوئے' بلیغ الدین صاحب نے ابن اسحاق کے لئے بڑے نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں' وہ کہتے ہیں۔ "بلاذری کی طرح کیا ابن اسحاق ابو جعفر منصور عباسی کا درست گرفتہ فیض تھا"۔

اس سے نہ صرف ان کی عربی اسلامی تاریخ سے بے خبری کا پتہ چلتا ہے' بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن اسحاق کے مرتبہ اور امت اسلامیہ پر ان کے احسان سے ناواقف ہیں' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے لئے سارے علمائے امت نے ان پر اعتماد و انحصار کیا ہے' ورنہ ہمارے پاس سیرت نبوی سے متعلق تفصیلی معلومات کہاں سے آتیں' کتب حدیث میں اس موضوع پر مغازی وغیرہ کے بعض ابواب جو کچھ مواد ہے وہ مختصر ہے اور غیر مرتب۔

ابن اسحاق تبع تابعی تھے (مولانا شبلی نے تو اپنی سیرت نبوی کے مقدمہ میں ان کو تابعی لکھا ہے) وہ امام زہری کے شاگرد رشید اور امام ثوری و سلیمان بن عیینہ کے ہم عصر تھے' اور بغداد میں اپنی وفات کے بعد امام ابو حنیفہ کی قبر کے برابر مدفون ہوئے' یہاں گنجائش نہیں کہ میں ان کے حالات پر تفصیلی روشنی ڈالوں' مگر تمام کتب طبقات و اسماء الرجال میں ان کا ذکر بڑے احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر بلیغ الدین صاحب کو عربی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے' اور حافظ ابن سید الناس اندلسی متوفی ۷۳۴ھ کی سیرت پر ممتاز کتاب "عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر" تک ان کی دسترس ہے تو اس کا مقدمہ پڑھیں جس میں اس جلیل القدر' اور منصف و راست گو عالم نے تفصیل سے بحث کی ہے' اور دیگر علماء کی طرح ان کو لائق اعتماد ٹھہرایا ہے۔

اور جہاں تک ان کے ابن اسحاق پر طنز کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی شہر عمر مدینہ منورہ میں گزری' ابو جعفر منصور عباسی کی خلافت ۱۳۶ھ میں قائم ہوئی' وہ چند سال سابقہ عباسی دارالخلافہ الانبار میں رہنے کے بعد کوفہ منتقل ہوا' جہاں اس کو ابن اسحاق نے اپنی سیرت نبوی پر کتاب پیش کی' جس کے بعد وہ کچھ عرصہ شمالی عراق اور اہواز میں رہے' جہاں ان کی بڑی قدر ہوئی' پھر ۱۴۹ھ میں بغداد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد (یہ تعمیر ۱۴۵ھ میں شروع ہوئی لیکن محمد النفس الزکیہ کی مشہور علوی بغاوت مدینہ منورہ اور بصرہ میں اسی سال ہونے کی وجہ سے رک گئی) وہ بغداد آئے اور یہاں صرف تقریباً دو سال رہ کر وفات پا گئے۔ اور جہاں تک بلاذری کا تعلق ہے' تو وہ باقاعدہ عباسی دربار کے ساتھ وابستہ تھا' اپنی جوانی میں اس نے خلیفہ المامون کی مدح سرائی کی پھر وہ مستقل کی مجالس طرب میں اس کا مصاحب رہا' اس کے بعد المعتصم (عباسی خلیفہ) کا تنخواہ دار رہا۔ اس کے بعد وہ دربار کی نظر سے گر گیا اور مختلف عباسی وزراء کی مدح سرائی کرتا اور ان کے سامنے دست طلب دراز کرتا رہا' لیکن آخر عمر میں تنگ دستی کا رونا رہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا' (مزید تفاصیل کے لئے ملاحظہ ہو' فتوح البلدان پر ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کا فاضلانہ مقدمہ)۔

جہاں تک اس کے علم و معلومات کا تعلق ہے میں اس کا قدر دان ہوں' اور اس کی کتاب "فتوح البلدان" اپنے موضوع پر ایک بے نظیر کتاب سمجھی جاتی ہے' اور میں نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے' لیکن سیرت نبوی پر میں یا کوئی بھی اس کو ابن اسحاق کے ہم پلہ نہیں سمجھتا۔ اور پھر اس کا ذکر تو میں نے اپنے تکبیر کے سابقہ مضمون میں صرف اتنا وہ اس لئے کیا تھا کہ خاتونہ نبوت پر "چارٹ" مرتب کرنے والے صاحب کو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ زبیر بن عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و کفالت کی بلاذری کی انساب الاشراف کے سوا پورے ذخیرہ سیرت و تاریخ میں کوئی حوالہ نہیں ملا' اور اس کو بھی قصداً یا عربی زبان سے سرسری واقفیت کے سبب غلط معنی دیئے گئے ہیں' وہ محدثین اور قدیم سیرت نگاروں کی طرح ثقہ نہیں اور اس لئے میں نے ابو طالب کی سرپرستی رسول صلعم سے متعلق صحیح بخاری کی حدیث بھی لکھ دی تھی لیکن بلیغ الدین صاحب نے ابن اسحاق پر یہ ناپاک حملہ شروع کر دیا۔ بہرحال اب یہ ثابت کر دیا گیا کہ وہ ابو جعفر منصور عباسی کے دست نگر نہ تھے' کیونکہ ان کا تعلق صرف چند سال منصور سے رہا۔

اسی موقعہ پر بلیغ الدین صاحب نے محمد بن عمر الواقدی کا ذکر چھیڑتے ہوئے اس کے خلاف اور بھی بہت الفاظ استعمال کئے ہیں' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ الفاظ کی نزاکت سے واقف نہیں اور جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ واقدی "مامون الرشید کا زلہ بردار تھا" میں نے واقدی کا اپنے مضمون میں کہیں ذکر نہیں کیا تھا' نہ معلوم ان کو واقدی پر برسنے کا خیال کیوں آ گیا وہ میرا مضمون دوبارہ پڑھ لیں' اس میں جن گیارہ کتابوں کا حوالہ میں نے دیا تھا وہ بیشتر کتب حدیث و تفسیر و فتاوی تھیں' میں نے احتیاطاً اس میں کتب تاریخ کا نام نہیں لیا تھا' مگر جس کتب فکر کی تر جمانی بلیغ الدین صاحب کرتے ہیں اس میں واقدی پر زبان درازی کی جاتی ہے' اس لئے انہوں نے اس موقعہ کو بھلا جانا اور اپنی "علمیت" کا اظہار کر دیا۔ اب بہتر ہے کہ جب موصوف نے ان کے خلاف یہ جارحانہ جملہ لکھا ہے' اور ان کو بعض دوسرے نام نہاد محققین کی طرح چند محدثین کے اقوال مختصراً درج کر کے "کذاب اور متروک الحدیث" لکھا ہے تو اس کی بھی تھوڑی سی توضیح ہو جائے تفصیل کی الجھن نہیں' ورنہ بہت کچھ لکھا جا سکتا تھا۔

واقدی بھی ابن اسحاق کی طرح مدنی ہیں۔ وہ انتہائی وسیع العلم عالم تھے' جن کا سب نے اعتراف کیا ہے' حدیث کے ساتھ تاریخ و سیرت نبوی اور خاص طور سے غزوات پر ان کی انتہائی گہری نظر تھی اور یہی ان کا مسلمی مقام تھا جس کی بناء پر وہ مغازی کے امام مانے جاتے ہیں۔ اگر کچھ محدثین نے "متروک الحدیث اور کذاب" کہا ہے تو دوسرے محدثین اور ناقدین حدیث نے ان کو ثقہ بھی قرار دیا ہے' جن میں حافظ ورا دی' یزید بن ہارون' ابو عبید القاسم بن سلام اور خاص طور پر اسماء الرجال کے قدیم ماہر ابراہیم الحربی شامل ہیں' ان کو "کذاب" کہنے کی روایات سے

بہت سے لوگ بے خبر ہیں اور جو باخبر ہیں وہ غالباً تجاہل سے کام لیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل سے صراحت ہے کہ وہ ان کو اس لئے کذاب (جھوٹا) کہتے تھے کہ ایک متن حدیث (TEXT) کے بیان میں جو مختلف رواۃ کی اسانید پائی جاتی ہیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیتے تھے' جس کو محدثین صحیح تسلیم نہیں کرتے اس لئے ان کو کذاب کہا گیا۔ مگر یہی وہ طریقہ ہے جو بعد کی تمام کتب تاریخ میں پایا جاتا ہے' اور جن پر واقدی کو کذاب کہنے والوں کا اعتماد ہے' آج بھی یہی طریقہ رائج و مقبول ہے۔ ابراہیم بن الحربی اس کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور کہتے ہیں کہ امام ابن شہاب الزہری بھی ایسا کرتے تھے۔

اور پھر امام احمد بن حنبل تو واقدی کی کتابوں کے بڑے قدردان تھے' اور ان کے صاحب زادہ عبداللہ کے بقول ہر ہفتہ واقدی کے شاگرد رشید محمد بن سعد (۔ مولف الطبقات الکبیر) سے منگوا کر پڑھتے تھے اور انہیں واپس کر کے دوسری کتابیں منگواتے تھے۔ غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں اور ان کی تفاصیل کے بارے میں وہ جس انتہائی اعلیٰ تحقیقی طریقہ پر عمل پیرا تھے وہ آج بھی بہترین اور مطلوب و مقبول ترین طریقہ سمجھا جاتا ہے' یعنی وہ بذات خود ان جنگوں کا جا کر معائنہ کرتے تھے جہاں یہ غزوات پیش آئے۔ اس سلسلہ میں ایک چشم دید شاہد نے ان کو مکہ مکرمہ میں' آج کل کے علم الآثار کے ماہرین کی طرح' حنین جاتے ہوئے دیکھا جہاں مشہور غزوہ حنین پیش آیا تھا (یہ مدینہ منورہ سے کافی دور مکہ مکرمہ کے شمال مشرق میں کافی فاصلہ پر واقع ہے)

یہاں بھی میں بلیغ الدین صاحب اور ان کے ہمنواؤں سے عرض کروں گا کہ اگر واقعی تحقیق کا شوق ہے تو اس مذکورہ کتاب سیرت "عیون الاثر" کا مطالعہ اور فاضلانہ مقدمہ پڑھیں' اور ساتھ واقدی کی کتاب المغازی کے فاضل مستشرق مارسدن جونز کا مقدمہ اس کتاب کے نئے ایڈیشن ۱۹۶۶ھ القاہرۃ) میں پڑھیں۔ شاید ان کے شکوک و شبہات دور ہو جائیں۔ مولانا شبلی کے سامنے یہ کتاب "عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر" نہیں تھی (اس وقت یہ طبع نہیں ہوئی تھی اور انہوں نے کلکتہ کے قلمی نسخہ کا ہی ذکر کیا ہے) ورنہ وہ غالباً یک طرفہ طور پر واقدی کو سہم نہیں کرتے۔

اور جہاں تک اس ناپاک اتہام "زلہ بردار مامون الرشید" کا تعلق ہے تو عرض ہے کہ بغداد علم و ثقافت کا مرکز بن چکا تھا' تمام دنیا سے اہل علم وہ پہنچتے تھے' واقدی بھی پچاس سال کی عمر میں وہاں ہارون الرشید کے عہد میں پہنچے کہ وہ ان کی قدر و منزلت سیرت نبوی کے موضوع پر جان چکا تھا' برامکہ اور ہارون الرشید نے ان کی قدر دانی کی' اور ان کو مشرقی بغداد کا قاضی مقرر کر دیا' امین ابن الرشید کا زمانہ عیش و عشرت اور مصاحبین و مغنیات کا زمانہ تھا' وہ غالباً اس منصب سے علیحدہ ہو گئے' اور جب مشہور "فتنہ امین و مامون" کے بعد مامون الرشید خراسان سے ۲۰۴ھ میں بغداد واپس ہوا' اور جو اہل علم کا بہت قدردان تھا تو اس نے دوبارہ واقدی کو مشرقی بغداد کا قاضی مقرر کر دیا' اور اس دفعہ المامون کے عہد میں وہ صرف تین سال بغداد شرقی کے قاضی رہے' کیونکہ ۲۰۷ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اور اب بلیغ الدین صاحب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ اس کو واقدی کی مامون بن ہارون الرشید کی زلہ برداری کہتے ہیں؟ اگر منصب قضا پر مامور ہونا "زلہ برداری" ہے تو مشہور حنفی قاضی اور امام ابو عنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف بھی "زلہ بردار" تھے' کیونکہ وہ ہارون الرشید کے عہد میں بغداد کے قاضی اور پھر قاضی القضاۃ تھے' اور پھر پاکستان میں ہائی کورٹس کے تمام جج بھی "زلہ بردار" ہیں' مگر نہ معلوم کس وزیر اعظم یا صدر کے!؟ جن لوگوں کو اسلامی تاریخ کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ اس اولین عہد عباسی میں بغداد کا منصب قضا ایک بہت اہم اور لائق احترام عہدہ تھا خواہ مغربی بغداد کا ہو یا مشرقی بغداد کا اس کے حامل کو "زلہ بردار" آج تک کسی نے نہیں کہا سوائے بلیغ الدین صاحب کے' اور جو ایک انتہائی تحقیر کا لفظ ہے یعنی حاشیہ بردار۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اسی واقدی کے شاگرد رشید محمد بن سعد کی الطبقات الکبیر سے وہ اپنی بعض آراء پر استدلال بھی کرتے ہیں' جب کہ اسی "طبقات" میں زیادہ تر روایات واقدی ہی کی مروایت ہیں' ابن سعد کو "کاتب الواقدی" کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر شام کے بارے میں "عدم اختلاف" پر تنقید کرتے ہوئے اور اس رائے کو میری طرف منسوب کرتے ہوئے (یہ میری رائے نہ تھی بلکہ بلاذری کی ہے جس کا قول بعینہ میں نے نقل کیا تھا) اس کو "معنی خیز" قرار دیتے ہوئے مجھے گول مول الفاظ میں مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہاں مولانا شبلی کے تتبع میں یہ بھی کہا ہے کہ مستشرقین بحیری راہب کے واقعہ سے جو فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے' ویسی منافقین کا شیوہ بھی رہا ہے۔ یہ آخر میں منافقین کے شیوہ کا اضافہ بلیغ الدین صاحب کا ہے' شبلی نے ان کا نام یہاں نہیں لیا ہے۔

انہوں نے رواۃ وغیرہ کے بارے میں جو باتیں نقل کی ہیں وہ تمام کی تمام مولانا شبلی سے نقل کی ہیں ان کا اضافہ یہ ہے کہ یہ روایت (صحیح لفظ روایت ہے) ایک مخصوص گروہ کی محنت آرائی کا نتیجہ ہے "مخصوص گروہ" سے ان کا مطلب شیعہ حضرات ہیں (نہ معلوم موصوف تقیہ کیوں کرتے ہیں صاف بات کیوں نہیں کہتے! یہ تو ایک علمی بحث ہے)

سب سے پہلے تو میں بلیغ الدین صاحب سے یہ عرض کروں گا کہ وہی بلاذری جس کو وہ ابن اسحاق اور واقدی پر ترجیح دے چکے ہیں' کیا وہ اس موضوع پر قابل اعتماد نہیں رہا؟ چلئے وہ اس کو یہاں قابل اعتماد نہیں سمجھتے ہیں' کوئی بات نہیں۔ اگر وہ مولانا شبلی ہی کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں تو انہوں نے تو سیرۃ النبی کی اسی جلد میں ابو طالب کو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا ضامن دار کہا ہے' زبیر بن عبدالمطلب کو نہیں' پھر ان کی اس بات کو وہ کیوں تسلیم نہیں کرتے ہیں' انہوں نے شعب ابی طالب لکھا ہے' بلیغ الدین صاحب شعب بنی ہاشم کہنے پر مصر ہیں' ابو طالب کے نام سے انہیں چڑ ہے؟

بلیغ الدین صاحب کو یاد آنا چاہئے کہ جس زمانہ میں شبلی نے سیرۃ النبی لکھی تھی انگریزوں اور انگریز مستشرقین کی کتابوں کا غلغلہ تھا' اس لئے اس موقع پر ان کا انداز فکر معذرانہ (APOLOGETIC) ہے۔ بیچارے سے بعض اسلامی تعلیمات اخذ کرنے کا افسانہ مستشرقین نے تراشا ہے' اسلامی روایت میں یہ کہیں نہیں' بجائے اس کے وہ اس افسانے پر ضرب کاری لگاتے' انہوں نے سفر شام کی روایت ہی کو رد کر دیا۔ ہو درست نہیں' ان کے سامنے حافظ ابن کثیر کی عظیم کتاب البدایہ والنہایہ (۱۴ جلدیں) نہیں تھی' اور نہ یہ مرحوم سید سلیمان ندوی کے سامنے تھی' ورنہ وہ اس روایت کو یہ تمام و کمال رد نہیں کرتے۔ وہ اس موقعہ پر ساری بحث ترمذی کی روایت سے کرتے ہیں' جس میں حضرت ابو بکرؓ و بلالؓ کا ذکر ہے' اس وجہ سے اور عبدالرحمٰن بن غزوان (اس حدیث کے ایک راوی) کے ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کو رد کرتے ہیں۔ مگر ان کے بارے میں حافظ ابن کثیر (البدایہ و النہایہ ج ۲ ص ۲۸۵) کہتے ہیں' کہ بخاری نے ان سے روایت کی ہے' اور حفاظ حدیث دائمہ کے ایک گروہ نے ان کی توثیق کی ہے اور کسی نے ان کو مجروح قرار نہیں دیا ہے۔

مگر افسوس کہ مولانا شبلی نے اس موقعہ پر ابن اسحاق کی سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کتاب التاریخ والمبتدء والمغازی کو نہیں دیکھا جو سینہ تھی اور جو حافظ ابن کثیر کے سامنے تھی' البدایہ والنہایہ میں انہوں نے سب سے پہلے سفر شام اور بحیری سے ملاقات کے بارے میں ابن اسحاق کی طویل روایت نقل کی ہے' وہی ابن اسحاق جن کو مولانا شبلی نے "ناسبی اور اساطیں علم حدیث" میں شمار کیا ہے۔ (مقدمہ سیرۃ النبی) ۔ ابن اسحاق کی روایت آنحضرت کے ابو طالب کے ساتھ سفر شام کے قصہ میں حضرت ابو بکرؓ و حضرت بلالؓ کا کوئی ذکر نہیں (ملاحظہ ہو' البدایہ والنہایۃ جلد ۲ ص ۲۸۳' ۲۸۴)

ابن اسحاق نے کوئی سلسلہ اسناد بھی پیش نہیں کیا ہے (وہ ترمذی سے ایک صدی قبل گزرے ہیں) کہ وہ عہد صحابہ سے بہت قریب اور مدینہ منورہ کے باشندہ تھے بخلاف ترمذی کے' جن کا سلسلہ اسناد طویل ہے۔

یہاں ابن اسحاق کی روایت ہی قابل اعتماد ہے' جس پر سارے قدیم سیرت نگاروں نے اسی لئے اعتماد کیا ہے اور اس لئے بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت کے ابو طالب کے ساتھ اس سفر شام کے سفر میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا۔ یہ مستشرقین کی حماقت و عداوت اور افتراء پردازی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بارہ سال کے بچہ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو بحیری نے اسلام کی بنیادی تعلیمات یعنی توحید معرفت خداوندی وغیرہ ایک نشست میں ازبر کرا دیں۔

اپنی بیان کردہ روایت پر تفصیل سے گفتگو کرنے سے قبل ان کا ایک مختصر بیان بڑا معنی خیز اور حقیقت پسندانہ ہے اور جس پر بلیغ الدین صاحب نے غور نہیں کیا' وہ یہ ہے۔

"یہ سائی مصنفین اگر روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس طرح ماننا چاہئے' جس طرح روایت میں مذکور ہے' اس میں بحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں' قیاس میں بھی نہیں آتا کہ دس براہ برس کے بچہ کو مذہب کے تمام دقائق سکھا دیئے جائیں اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا تو بحیرا کے تکلیف کرنے کیا ضرورت تھی۔"

کاش کہ مولانا شبلی اس پر اکتفا کرتے یا ان کے سامنے سیرت ابن اسحاق ہوتی؟

حرب فجار کے موقعہ پر زبیر بن عبدالمطلب کے سر کردہ ہونے' ہاشم ہونے کا میں نے انکار نہیں

کیا' لیکن اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت بھی کی تھی' یہ عہد جاہلیت کی باتیں ہیں' اس سے خانوادۂ نبوت کے چارٹ یا شجرہ کا کیا تعلق ہے؟

جی ہاں! شبلی نعمانی اور قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی ان زبیر کے حرب فجار میں قتل ہاشم کے علم بردار ہونے کا ذکر کیا ہے' مگر ان دونوں حضرات نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی کی' میں نے اسی ذیل میں ان کا نام لیا تھا' اس کے برخلاف دونوں علماء کرام نے یہی لکھا ہے کہ ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی' بلیغ الدین صاحب نے اس طرح ان کا حوالہ دے کر مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۳۔ اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ یہ "چارٹ" بنو ہاشم کا نہیں ہے بلکہ خانوادۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ چارٹ کے تیار کرنے والے صاحب یا صاحبان نے ان میں ابولہب کا نام لے کر کوئی اچھا کام نہیں کیا ہے۔ اور پھر انہوں نے "سرپرست سرکار دو جہاں" کی جلی سرخی کے تحت پہلے نمبر (۱) اور (۲) کے آگے عبدالمطلب اور زبیر بن عبدالمطلب کا نام لکھا ہے اور یہاں پر یہ تحریر کیا ہے کہ "آنحضور" کے سب سے بڑے چچا نے ۲۰ سال کی عمر تک پرورش کی"۔ اور اس موقعہ پر پورے شجرہ میں صرف ایک حوالہ اور وہ بھی بلاذری کی انساب الاشراف کا دیا گیا ہے' جس کے بارے میں اپنے سابقہ "مضمون میں لکھ چکا ہوں' عربی کی عبارت دے کر "لعدیا عربی سے کما فقہ باد اقلیت کی بنا پر غلط" منی لئے گئے ہیں اور یہی ایک ان صاحب نے کیا ہے جنہوں نے سیرت نبوی پر ایک ہیجان انگیز اور اہل سنت کے نقطہ نظر سے ہٹ کر ایک کتاب لکھی ہے' یعنی ضیاء الدین کرمانی صاحب۔

پھر اہم بات یہ ہے کہ ابو طالب کو تو آنحضرت کا سرپرست نہیں مانا گیا ہے' مگر ان کا اور ابولہب کا نام "غیر مسلم" کی ذیلی سرخی کے تحت لکھا گیا ہے' کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آیا عبدالمطلب اور زبیر مسلم تھے؟ ان کے نام کے ساتھ غیر مسلم کیوں نہیں لکھا گیا؟ یا پھر ابو طالب سے کینہ و عداوت کے لئے ایسا کیا گیا ہے' یہ غالباً اس لئے لکھا گیا ہو کہ ایک خاص فرقہ (یعنی شیعہ) ان کو مسلمان کہتا ہے' ان کا ذکر غیر مسلم کی تصریح کے ساتھ زبیر بن عبدالمطلب کی جگہ ہونا چاہئے' جس پر ساری امت اسلامیہ کا اتفاق ہے۔

پھر جہاں تک رسول اکرم کی تربیت و کفالت کا تعلق ہے وہ صرف دادا عبدالمطلب اور سگے چچا ابو طالب نے کی۔ دو مسلمان چچاؤں کا سرپرستی کار سرکار دو جہاں سے کوئی تعلق نہیں' حمزہؓ تو عمر میں تقریباً آنحضرتؐ کے برابر ہی تھے کہ عبدالمطلب کے بڑھاپے کی اولاد تھے' اور عباسؓ بھی تھوڑے بڑے تھے' ان کا ذکر یہاں غلط ہے۔ اور دشمن رسول و دشمن اسلام عبدالعزیٰ یعنی ابو لہب کے ساتھ ابو طالب کا ذکر ایک خاص نوع کی کینہ پروری ہے۔

پھر یہ بات بھی صحیح نہیں کہ ابو طالب کے بعد بنو ہاشم کا سربراہ ابولہب تھا۔ طبقات ابن سعد جلد اول میں عبدالمطلب کے ذکر میں تصریح ہے کہ عبدالمطلب نے اس سربراہی کی وصیت ابو طالب کو' اور اس کے بعد عباس کو کی' ابولہب کا ذکر یہاں نہیں ہے۔

۱۴۔ اس اعتراض و تنقید میں بلیغ الدین صاحب نے امیر معاویہؓ کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے یہ ایک مستقل و موضوع کا طالب ہے' موصوف کا بیان یہاں کافی ذخیرہ ہے اور یہاں انہوں نے "امیر معاویہ کے عہد میں اسلامی فتوحات کا ذکر بھی کیا ہے۔

میں نے حدیث اور امام ابن تیمیہ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا تھا اس کو انہوں نے "سبائی رجحان" قرار دیا ہے' اس کے جواب میں پھر عرض ہے کہ الزامات اور طنز و تشنیع علمی طریقہ نہیں تاریخی حقائق و براہین ہی اہل علم کے نزدیک مقبول اور صحیح طریقہ ہے۔

خود موصوف کی بات میں یہ اقتدار ہے' وہ خود ہی کہتے ہیں کہ "حضرت سفیان ثوری عمر بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں" تو پھر سوال یہ ہے کہ انہوں نے امیر معاویہؓ کو پانچواں خلیفہ راشد کیوں نہیں قرار دیا؟ کیا وہ بھی "سبائی" تھے؟

ان کی یہ الوکھی منطق ہے کہ تمام صحابہ جو کے بعد دیگرے مسلمانوں کے سربراہ بنے منتخب ہوئے۔ سب خلفائے راشدین تھے" تمام امت اسلامیہ تو صرف چار "خلفاء" ہی کو "خلفاء راشدین" مانتی ہے۔

حضرت معاویہ کو بادشاہ کسی "مخصوص فرقہ" نے کہنا شروع نہیں کیا ہے' میں نے تو فقہ حنفی ابن تیمیہ سے مخصوص فرقہ کے ان سب سے مخالف و دشمن منہاج السنۃ کے مصنف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول نقل کیا تھا' اور میں نے پورے انصاف کے ساتھ امام ابن تیمیہ کی پوری عبارت نقل کر دی تھی' جس میں یہ بھی ہے کہ ان کی بادشاہت رحمت تھی' جبر و استداد نہیں' جو ان کے فوراً بعد امام ابن تیمیہ کے مطابق شروع ہوا۔

امیر معاویہ کے عہد میں فتوحات تو ضرور ہوئیں' لیکن وہ اگر سیدنا علیؓ کے خلاف نبرد آزما نہ ہوتے تو یہ فتوحات ان کے عہد میں بھی ہوتیں' اور پھر یہ کوئی معیار حق نہیں' ولید بن عبدالملک کے عہد میں مشرق و مغرب میں کہیں زیادہ فتوحات ہوئیں پھر خرقونیوں اور ان کے بعد عثمانی اتراک نے اپنے اپنے عہود میں بڑی فتوحات کیں' اور بہت وسیع علاقے مشرق و مغرب میں اسلامی حکومت میں داخل کئے' مگر یہ سب کچھ معیار فضیلت نہیں' فتوحات تو دوسری غیر مسلم اقوام نے بھی کیں اور دنیا کے بہت وسیع رقبہ پر حکومتیں کیں' مگر یہ سب موضوع زیر بحث سے متعلق نہیں۔

بحر ظلمات میں عقبہ بن نافع کے گھوڑے دوڑا دینے کے متعلق بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر جن لوگوں نے شمالی افریقہ میں اسلامی فتوحات کی تاریخ پڑھی اور پڑھائی ہے' وہ اچھی طرح جانتے ہیں' کہ مسیلیانوں کو یہاں اسی طرح طوفانی حملوں کے سبب کتنے مصائب کا سامان کرنا پڑا' اور کیسی اندوہناک شکستیں ان کو بعض مراحل میں ہوئیں' کیونکہ بربرس اور علماء حق کے ذریعہ اشاعت اسلام کا کام منظم طریقہ پر نہیں کیا گیا' یہ کام سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں ہوا' اور جبھی وہاں اسلام نے پوری طرح جڑ پکڑی' عقبہ بن نافع کے بہت بعد ولید بن عبدالملک کے عہد میں موسیٰ بن نصیر کے ہاتھوں مغرب عربی کی فتوحات مکمل ہوئیں' مگر بربر جب ہی چین سے بیٹھے جب ان کو عمر بن عبدالعزیز کے شمالی افریقہ کے گورنروں نے اور ان کے ساتھ مسلمان اسلام نے اسلامی مساوات اور عدل و احسان کا پیغام سنایا اور اور اس پر عمل کیا۔

جہاں تک بادشاہ کے لفظ کا تعلق ہے' میں ذاتی طور پر اس کو "معیوب نہیں سمجھتا' کو ہمارے اس دور جمہوریت میں غالباً اس کو انتہائی "معیوب بلکہ ایک گالی سمجھا جاتا ہے' اصل میں اسلام کے اصول سیاست پر عمل' صالح کردار اور دولت و ثروت کی صحیح تقسیم ہے جو عہد خلفائے راشدین میں تھی' پھر حضرت معاویہ کی حکومت انتخابات و شوریٰ کے نتیجہ میں قائم ہوئی اور اس کے بعد انہوں نے افسوس کہ اس کو وراثتی بنا دیا' جو ٹھیک نہیں ہوا' کیونکہ اس کے بعد پھر اچھے برے سب ہی قسم کے بادشاہ یا خلیفہ بنے۔

"شاہ است و بادشاہ ہست حسین" سے استدلال بے محل ہے۔ محققین اہل سنت اس کو صحیح نہیں سمجھتے' میں نے کبھی اس کو شیخ معین الدین اجمیری کا شعر نہیں سمجھا' بلیغ الدین صاحب صحیح کہتے ہیں کہ وہ ایک ایرانی معین الدین کاشانی کا شعر ہے' اور پھر اس کا آخری مصرعہ جس کو عام طور پر لوگ دہراتے ہیں' بتحقیق تاریخ کے بالکل ہی برخلاف اور مہمل ہے' کیونکہ سیدنا حسینؓ اور یزید کے درمیان جنگ' کفر و ایمان کی لڑائی نہ تھی۔

"طلقاء اسلام" کو جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور جن کو صرف دو سال رسول اکرمؐ کی صحبت حاصل رہی' مناصب اور عہدوں کی وجہ سے افضل قرار نہیں دیا جا سکتا' یہ عہدے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتہائی قریبی رفقاء اور جاں نثاروں کو جن کا شمار "السابقون الاولون" میں ہے ان کو بھی نہیں دیئے تو کیا ان مناصب کی وجہ سے یہ اموی اصحاب مناصب "عشرہ مبشرہ بالجنہ" سے افضل قرار دیئے جا سکتے ہیں' جن میں غلفائے اربعہ کے علاوہ حضرات زبیر بن العوامؓ سعد بن ابی وقاصؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ طلحہؓ وغیرہ جلیل الشان صحابہ آتے ہیں لہٰذا یہ ساری گفتگو بیکار ہے۔

حضرت معاویہؓ کے جنتی ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ بھی میں نے نہیں اٹھایا تھا' یقیناً وہ جنتی ہیں' نہ "اول الملوک الاسلام" کی عبارت سے ذم کا پہلو نکالنا مقصود تھا' ورنہ میں وہ ٹکڑا نہیں لکھتا جس میں ہے کہ "ان کا ملک رحمت ہوگا" 'صرف خلافت' راشدہ اور ملوکیت کا فرق دکھانا تھا۔

حدیث سفینہ (خلافت تیس سال رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت ہوگی) کو صرف میں ہی صحیح قرار نہیں دیتا ہوں' بلکہ وہ محدث عظیم صحیح قرار دیتے ہیں جن کی ساری عمر حدیث کی خدمت میں گزر گئی ہے' اور اس موقعہ پر امام ابن تیمیہ کا حوالہ ایک دوسرے ثقہ معاصر محدث کی کتاب سے دے کر میں نے "قارئین کو دھوکہ دینے" کی کوشش نہیں کی تھی' اتہامات دینے کی موصوف کی عادت ہے' "کبیر" کے اس مختصر مضمون میں زیادہ علمی حوالوں کی کہاں گنجائش تھی' لیجئے اب اصل فتاویٰ ابن تیمیہ سے بھی حوالہ دیئے دیتا ہوں۔ جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ بلیغ الدین صاحب نے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ اصل عربی عبارت ملاحظہ ہو۔ یہ کہنے کے بعد کہ امیر معاویہ "اول الملوک تھے وہ لکھتے ہیں۔

"فانہ قد ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال۔ تکون خلافۃ النبوۃ

ثلاثی سنده ہو غیر ملکا۔ و کان ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ھم الخلفاء الراشدون و الائمہ المھدیون الذین قال فیھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۷۸) نشر الرئاسۃ العامۃ لشئون الحرمین الشریفین بامر الملک فھد بن عبدالعزیز (طبع مصر ۱۴۰۴ھ، ۳۷ مجلدات)

شیخ محمد ناصرالدین الالبانی کے بارے میں جو گھٹیا الفاظ بلیغ الدین صاحب نے استعمال کئے ہیں یہ خود لوٹ کر انہیں کی طرف آتے ہیں' جی حضرت وہ غیر معروف نہیں اور نہ کسی "مخصوص گروہ" کے ترجمان ہیں' یعنی شیعہ نہیں جو آپ کا مقصد ہے۔ وہ مراکش سے لے کر کویت تک بلکہ ہندو پاکستان کے بھی ان حلقوں میں جن کو حدیث نبوی اور اس کی صحت سے شغف ہے' بخوبی معروف ہیں اور ان کی کتابیں ہزاروں کی تعداد میں چھپتی ہیں' میں نے ایک مختصر جملہ میں ان کا تعارف کرا دیا تھا کہ وہ چالیس سال سے حدیث نبوی کی خدمت کر رہے ہیں' اب کہتا ہوں کہ وہ اس دور کے حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں' تمام عرب محققین ان کو ایسا مانتے ہیں۔ ان کی جس کتاب کا حوالہ میں نے دیا تھا' وہ چار بڑی جلدوں میں (۳۰۵۷) صفحات پر مشتمل ہے اور مشہور و غیر مشہور احادیث کی متون اور اسماء الرجال کی تحقیق پر ایک شاہ کار ہے' پھر ان کو دو کتابیں الاحادیث الضعیفۃ کے نام سے (۱۰۸۲) صفحات پر مشتمل ہیں' اور یہ سلسلہ جاری ہے' اور اس کے علاوہ ان کی تیس کتابیں اور ہیں' جو مختلف اسلامی موضوعات پر ہیں' ان میں حافظ جلال الدین السیوطی کی کتاب کی تنقید و تصحیح بھی شامل ہے جو "صحیح الجامع الصغیر و زیادتہ" اور ضعیف الجامع الصغیر و زیادتہ کے نام سے دو جلدوں میں چھپی ہے' اور اسی طرح الحافظ المنذری کی مشہور کتاب "الترغیب والترہیب" پر تحقیق و تنقیدی نظر کے بعد اس کو اسی طرح دو جلدوں میں "صحیح الترغیب والترہیب" اور ضعیف الترغیب والترہیب" کے نام سے شائع کیا ہے' ان کی بیشتر کتابیں دمشق کے المکتب الاسلامی" کی طرف سے شائع ہوئی ہیں' بعض اردن اور ریاض میں بھی چھپی ہیں' یہ مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی میں حدیث کے پروفیسر بھی رہے ہیں۔

اصلاً البانی ہیں' اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اس نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث و سنت کی خدمت کے لئے ایک غیر اسلامی یورپ کے ملک کے باشندے کو چنا۔ البانی مسلمان مہاجروں کے ساتھ جب وہاں مسلمانوں کے خلاف تحریک چلی اپنے والدین کے ساتھ شام آ گئے تھے' میں نے ان کو ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۰ء تک دمشق میں اپنی تعلیم کے دوران دیکھا ہے' انتہائی لاغر اور نحیف جسم' گھڑیاں سلیمانی کر اس زمانہ میں اپنی روزی کماتے تھے' اور عصر کے بعد سے تمام وقت روزانہ کئی گھنٹے دمشق کے مشہور مکتبہ ظاہریہ (یعنی قدیم الملک ظاہر کی لائبریری میں کتب حدیث کے مابین گزارتے تھے' اور اس علمی جلالت شان کے ساتھ انتہائی متواضع اور خلیق ہیں۔ یہ ہیں وہ علامہ جلیل جن کے بارے میں بلیغ الدین صاحب کہتے ہیں کہ "ان غیر معروف کی کتاب کسی گنتی و شمار میں نہیں" میرے گھر تشریف لائیں اور ان کی جو کتابیں صحیح و ضعیف احادیث پر ہیں دیکھیں' جن میں سے ایک کا حوالہ میں نے اپنے سابقہ مضمون میں دیا تھا۔

اسی حدیث (یعنی خلافت تیس سال رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت ہو گی) پر اعتراض کرتے ہوئے جو ترمذی' ابو داؤد' مستدرک الحاکم' صحیح ابن حبان' مسند الامام ابن حنبل وغیرہ میں ہے بلیغ الدین صاحب نے صحابی رسول اکرم حضرت سفینہ سے اس کو روایت کرنے والے تابعی سعید بن جمہان کے بارے میں فرمایا کہ۔ "ابن تیمیہ سعید بن جمہان کی حیثیت سے خوب واقف ہیں' یہ شخص قابل اعتبار ہی نہیں" اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "ابن تیمیہ نے اسے رد کیا ہے" یعنی اس حدیث کو۔

سب سے پہلے تو یہ بتایا جائے کہ میں نے تو امام ابن تیمیہ کے ایک مشہور معاصر شارح یعنی شیخ ناصرالدین البانی کی کتاب سے ان کے قول کا حوالہ دیا تھا جس پر آپ نے مجھ کو "دھوکہ دہی" کا الزام دیا ہے' اب آپ کا ابن تیمیہ کے قول کا حوالہ کہاں ہے؟ بتایئے کون دھوکہ دے رہا ہے' آپ کو تو ابن تیمیہ کی تمام کتابوں کے ناموں کا بھی علم نہیں' جب کہ میری ذاتی لائبریری میں ان کی بیشتر اہم کتابیں موجود ہیں' جو سب عربی میں ہیں۔ اب میں عرض کرتا ہوں کہ امام ابن تیمیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابن تیمیہ جیسا کہ سب جانتے ہیں شام کے رہنے والے تھے' ان کی بیشتر کتابیں جن میں سے بعض اب تک غیر مطبوع ہیں' دمشق کے مشہور کتاب خانہ مکتبہ ظاہریہ میں جو جامع امویٰ کے قریب ہے' موجود ہیں' میں نے اس عظیم کتاب خانہ سے جو اپنی قلمی کتابوں کے لئے دنیا میں مشہور ہے دوران تعلیم فائدہ اٹھایا تھا۔ اس کتاب خانہ میں امام ابن تیمیہ کے مسودات ہیں' ان میں ایک رسالہ بعنوان "قاعدہ" ہے' جو خاص اس حدیث پر ہے' اور اس کا نمبر ۲/۸۲۵ ہے۔

اس کے شروع میں وہ لکھتے ہیں۔

"وھو حدیث مشھور من روایۃ حماد بن سلمہ وعبدالوارث بن سعید والعوام ابن حوشب عن سعید بن جمھان عن سفینہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ اھل السنۃ کابی داود وغیرہ واعتمد علیہ الامام احمد وغیرہ فی نقر یر خلافۃ الخلفاء الراشدین الاربعۃ وثبتہ احمد واستدل بہ علی من توقف فی خلافۃ علی من اجل الفراق الناس علیہ

(ترجمہ) یہ (یعنی حدیث سفینہ) مشہور حدیث ہے جس کو حماد بن سلمہ' عبدالوارث بن سعید اور العوام بن حوشب نے سعید بن جمہان سے اور انہوں نے۔ سفینہ' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام و خادم) سے روایت کیا ہے' اور اس کو اہل السنن (یعنی محدثین) ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے' اور اس کو امام احمد وغیرہ نے چاروں خلفاء راشدین کی خلافت کو ثابت کرنے کے لئے مستند ٹھہرایا ہے' اور امام احمد نے اس کو حدیث ثابت کیا ہے' اور اس سے ان لوگوں کے خلاف استدلال کیا ہے جو سیدنا علیؓ کی خلافت کے بارے لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے توقف کرتے ہیں" یعنی ان کی خلافت کو ماننے میں تامل کرتے ہیں) ملاحظہ ہو' الاحادیث الصحیحۃ تالیف الشیخ محمد ناصرالدین البانی' المجلد الاول ص ۷۴۳)

یہاں یہ عرض کر دوں کہ شیخ ناصر البانی جن کی تعریف یا شناخت میں اوپر کر آیا ہوں' امام ابن تیمیہ کی کتابوں کے حافظ اور ان کی بعض کتابوں کے محقق ہیں' متقی اور نہایت ثقہ ہیں۔

اب بلیغ الدین صاحب بتائیں کہ انہوں نے کہاں امام ابن تیمیہ کا یہ قول پڑھا ہے کہ یہ حدیث جو ابو داؤد' ترمذی' مستدرک الحاکم' صحیح ابن حبان وغیرہ میں آئی ہے' غلط ہے۔

جہاں تک سعید بن جمہان کا تعلق ہے امام ابن تیمیہ نے تو ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے' نہ قاضی ابو بکر بن العربی نے اپنے ایک چھوٹے سے رسالہ "العواصم من القواصم" میں کچھ کہا ہے بلکہ اس کتاب پر طویل حواشی لکھنے والے مرحوم شیخ محب الدین الخطیب کہا ہے' ابو بکر بن العربی نے تو صرف اتنا لکھا ہے۔ وھذا حدیث لا یصح" (یہ حدیث صحیح نہیں ہے) العواصم ۲۰۱ طبع الریاض ۱۹۸۳ء۔ محب الدین الخطیب نے لکھا ہے تاویل کرتے ہوئے' کہ اس حدیث کا راوی سعید بن جمہان ہے جس کے بارے میں اختلاف ہے' بعض لوگوں نے کہا' وہ ٹھیک ہیں' بعض نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے' ابو حاتم نے کہا ہے کہ "وہ ایسے شیخ ہیں جن سے استدلال نہیں کیا جا سکتا" العواصم' حاشیہ نمبر (۴) اس کے بعد اب قارئین' بلیغ الدین صاحب کا راوی حدیث سفینہ' سعید بن جمہان کے بارے میں یہ جملہ یاد کریں۔ "یہ شخص قابل اعتبار ہی نہیں ہے" غلط بیانی کی کوئی حد ہے!

مزید توضیح یہ ہے کہ سعید بن جمہان کو امام احمد' یحییٰ بن معین اور ابو داؤد نے ثقہ قرار دیا ہے۔ جہاں تک اس حدیث۔ سفینہ۔ کا تعلق ہے اس کے راوی صرف وہی نہیں' بلکہ یہ دو اور اسناد سے بھی مروی ہے' ایک حضرت ابو بکرہ سے' یعنی علی بن زید عن عبدالرحمن بن ابی بکرۃ عن ابیہ" اور دوسری حضرت جابر بن عبداللہ سے' حدثنا محمد بن الصباح حدثنا ھشیم بن بشیر عن ابی الزبیر عنہ' پہلی روایت بیہقی کی "دلائل النبوۃ" میں ہے اور دوسری واحدی فی الوسیط میں۔ اس طرح یہ حدیث صرف حضرت سفینہ سے ہی روایت نہیں ہے' بلکہ دوسرے دو صحابہ سے بھی جن کے سلسلہ اسناد میں سعید بن جمہان شامل نہیں۔ ابو بکر بن العربی کے مقابلہ میں اس حدیث کو (۹) مشہور محدثین نے صحیح کہا ہے' امام احمد' امام ترمذی' ابن جریر طبری' ابن حبان' ابن ابی عاصم' الحاکم' ابن تیمیہ الذھبی ابن حجر العسقلانی' چونکہ قاضی ابو بکر بن العربی کی کتاب العواصم من القواصم اردو میں ترجمہ ہو گئی ہے جس میں دلائل دہرا ہونے کے بغیر اس حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے' اور بلیغ الدین صاحب اور ان کے ہمنوا دوسرے حضرات کا مبلغ علم یہی ہے' اس لئے خطیبانہ انداز میں اپنے مخصوص افکار کو ثابت کرنے کے لئے خلافت سے متعلق اس مشہور حدیث کو غلط کہتے ہیں۔

جن ائمہ کرام کا میں نے ذکر کیا ہے وہ "تاریخ کو مسخ کرنے والے نہیں" اسلامی تاریخ بنانے والے ہیں اور وہ "مستشرقین کو خوب مواد فراہم کرنے والے" نہیں۔ بلکہ مستشرقین کا دل بہلانے والے ہیں۔

اس حدیث میں بنی امیہ کے خلفاء یا ملوک کے لئے "بواء الرقاء" کے تحقیری لفظ کی بات رہ گئی جو بلیغ الدین صاحب نے اٹھائی ہے' اور کہا ہے کہ "امیر المومنین معاویہ اور ان کے بعد خلفاء کو بدنام کرنے کے لئے یہ روایت (وہ ایسا ہی لکھتے ہیں صحیح روایت ہے) گڑھی گئی ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ روایت ترمذی کا یہ ٹکڑا سعید بن مھمال سے روایت کرنے والے راوی حشرج بن

ناء کا ہے' جو ایک ضعیف راوی ہے اور وہ صحیح نہیں' اسی لئے میں نے امام ابن تیمیہ کے واسطہ سے جو حدیث گزشتہ مضمون میں نقل کی تھی اس میں یہ ٹکڑا نہیں تھا' اور نہ اس کی وجہ سے سعید بن جمہان کو ناقابل اعتبار کہا جاسکتا ہے' اور نہ اصل حدیث سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ میں اس ساری بحث کے لئے شیخ ناصر البانی کا شکر گزار ہوں' انہوں نے الاحادیث الصحیحہ (جلد ۴) میں اس پر ۷ صفحوں میں بحث کی ہے۔ ۷۳۲۔ ۷۴۹ اسے ضرور دیکھا جائے لاجواب ہے۔

اس کے ساتھ اس سلسلہ میں انہوں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی "ازالۃ الخفاء" کا نام لے کر جو بات ان سے منسوب کی ہے اس کی کوئی قیمت نہیں جب تک وہ پورا حوالہ نہ دیں جس طرح میں نے اپنے سابقہ مضمون میں دیئے تھے اور اب دیئے ہیں' مجھے یقین ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ہرگز وہ نہیں کہا ہو گا جو ان کی طرف بلیغ الدین صاحب نے منسوب کیا ہے' انہوں نے اجماع امت کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کہی ہے' اس کے برخلاف وہ تفہیمات الٰہیہ جزء اول کی تنبیہ نمبر (۲۵) میں تفصیل سے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ونشهد بالجنة والخير للعشرة المبشرة وفاطمة وخديجة وعائشة والحسن والحسين رضى الله عنهم ونوقرهم ونعترف بمظم محلهم فى الاسلام وكذلك اهل البدر واهل بيعة الرضوان وابو بكر الصديق امام حق بعد رسول الله صلى عليه وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنهم ثم تمت الخلافة وبعده ملك عشوش (التفهيمات الالهية' تصحیح غلام مصطفیٰ القاسمی ج ۱۔ ص ۲۰۱)

(ترجمہ) اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ جنت اور خیر کے مستحق ہیں' صحابہ عشرہ مبشرہ بالجنۃ اور فاطمہ اور خدیجہ' حسن' حسین' اور ابو بکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام حق ہیں (یعنی خلیفہ) پھر عمر' پھر عثمان' پھر علی رضی اللہ عنہم' پھر خلافت ختم ہوئی۔ اس کے بعد زبردستی کی ملوکیت قائم ہو گئی) کہئے اب کیا کہتے ہیں بلیغ الدین صاحب "او ے امانت ملی! اپنے خلاف انہیں کا جملہ دہرا دیا ہے۔ اس کے علاوہ جانبدار انہوں نے اپنی اس اہم کتاب میں (جو وہ حسین میں شاہ ولی اللہ اکاڈیمی حیدر آباد سے شائع ہوئی ہے) سیدنا علیؓ کو خلیفہ چہارم کہا ہے' بلکہ ایک جگہ تو لکھا ہے کہ میں عقیدہ تو خلفائے راشدین کے بارے میں اسی ترتیب سے رکھتا ہوں جو اہل سنت والجماعت کا ہے' لیکن دل چاہتا ہے کہ حضرت علیؓ کو افضل سمجھوں۔

اس موقعہ پر سیدنا حسن کے خلافت سے نزول کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے' وہ سب کچھ بھی ہے اور اس میں کوئی بات اس حدیث سے متعلق نہیں ہے جو تیس سالہ دور "خلافت علی منہاج النبوۃ" کے بارے میں ہے' اور اس کے بعد ہی حدیث سفینہ سے متعلق جو بات اکثریت صحابہ کی گنگاری کی ہے وہ قطعاً غلط ہے' یہ بات ابو بکر بن العربی نے العواصم من القواصم میں بالکل نہیں کہی ہے یہ ان پر ایک بہتان ہے' بلکہ اس کے برعکس یہ کہا ہے۔

و يحتمل ان تكون مراتب فى الولاية خلافة ثم ملك فتكون ولاية خلافة لا رتبة ونكون ولاية الملك لا بتداء معاوية۔ (العواصم' مذکورہ ایڈیشن ص ۲۰۷)

(ترجمہ) اس کا احتمال ہے کہ حکومت کے مرتبے ہوں۔ خلافت' پھر ملوکیت' اس لئے خلافت والی حکومت تو چار (خلفائے راشدین) کی ہے' اور ملوکیت والی حکومت معاویہؓ کی ابتداء سے ہے)۔

اب قارئین کے سامنے شاہ ولی اللہ صاحب اور قاضی ابو بکر بن العربی دونوں کی بات انہیں کے الفاظ میں حوالہ کے ساتھ آ گئی' وہ دونوں ہی حضرت معاویہؓ کو خلافت کے بجائے ملوکیت کا علمبردار کہتے ہیں۔ اب بتایا جائے کہ قارئین کو دھوکہ کون دے رہا ہے؟

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر جو بہتان بلیغ الدین صاحب نے باندھا ہے کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر صحابہ کرام کی عظیم اکثریت نے بیعت نہیں کی اور شرپسندوں نے ان کو کوفہ منتقل ہونے پر مجبور کیا' بالکل نغو اور بے بنیاد بات ہے' کسی تاریخ میں یہ نہیں لکھا ہے' بلیغ الدین صاحب حضرت علیؓ سے عداوت اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے پر تلے ہوئے ہیں' جتنے شواہد ان کے خلاف اس مقالہ میں دیئے گئے ہیں۔ کافی ہیں۔ بس یہاں امام احمد بن حنبلؒ کا اس سلسلہ میں فیصلہ نقل کر کے بات ختم کر تا ہوں۔ جو امام ابن تیمیہ نے اپنی پنتالیس کے بعد نقل کیا ہے۔

والصحيح الذى عليه الائمه ان عليا رضى الله عنه من الخلفاء الراشدين فرسان على كان يسمى نفسه امير المومنين۔ والصحابه تسميه بذلك قال الامام احمد بن حنبل من لم يربع بعلى رضى الله فى الخلافة فهو اضل من حمار اهله (فتاوی ابن تیمیہ' مذکورہ ایڈیشن' ج ۴ ص ۴۷۹)۔

(ترجمہ) صحیح بات جس پر آئمہ متفق ہیں وہ یہ ہے کہ علیؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں حضرت علی اپنے سارے زمانہ خلافت میں خود کو امیر المومنین کہتے تھے' اور صحابہ ان کو یہی نام دیتے تھے' امام احمد ابن حنبل نے کہا ہے کہ جو کوئی علیؓ کو چوتھا خلیفہ نہ کہے وہ اپنے گھریلو گدھے سے بھی بدتر ہے)۔

اس کے بعد انہوں نے جو کچھ حضرت سفینہؓ کی حدیث اور ذات سے متعلق لکھا ہے' اس کی کوئی قیمت نہیں رہتی ہے اور نہ وہ دور خور اعتنا ہے ہاں یہاں جو حوالہ جمل وصفین کا دیا گیا ہے' اور اس کے بعد ہی قاضی عیاضؒ کا قول نقل کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کو دین کا خدمت گزار اور متقی قرار دیا ہے' تو ان اوصاف میں حضرت علیؓ کیلئے قاضی عیاض سے برتر صحابہ اور تابعین اور علماء کے اقوال گنائے جاسکتے ہیں' یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی دین کیلئے خدمت بہت دیر میں یعنی ۸ھ میں شروع ہوئی جب وہ اسلام لائے جہاں تک جنگ صفین کا تعلق ہے تو اس کے بارہ میں انتہائی ثقہ محدث' مفسر اور مورخ کا قول ان کی تاریخ البدایۃ والنہایۃ میں دیکھا جاسکتا ہے جس میں انہوں نے اس جنگ پر کافی بحث لکھنے کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ "وكان على مصيبا فيها (یعنی اس میں حضرت علیؓ حق پر تھے)۔

جہاں تک حدیث سفینہ کا (جو تیس سالہ خلافت اور اس کے بعد ملوکیت کے بارے میں ہے) تعلق ہے اور اس کو بلیغ الدین صاحب ترمذی کے حوالہ سے حسن صحیح (اچھی اور صحیح) لکھا ہے تو اس کے بعد تو کوئی مسئلہ نہیں رہتا' کیونکہ ایسی تمام احادیث معتبر سمجھی جاتی ہیں' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام ترمذی کی اصول حدیث سے متعلق مصطلحات کو نہیں جانتے ہیں' یہ کوئی تفریق نہیں بلکہ انہوں نے تو حدیث کو "حسن" کہنے کے بعد کہ کر اس کی مزید توثیق کر دی ہے' مصطلحات علم اصول حدیث سمجھنے کیلئے بلیغ الدین صاحب کو کوئی معتبر اور مستند کتاب پڑھنا چاہئے جیسے "مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث" جو اس باب میں بہت اہم قدیم کتاب سمجھی جاتی ہے' یا نخبۃ الفکر"

حافظ ابو عمرو عثمان الشہرزوری ابن الصلاح متوفی ۶۴۳ھ اپنی مذکورہ کتاب کے باب' "النوع الثانی۔ معرفۃ الحسن من الحدیث" میں کہتے ہیں۔ ۔ یعنی۔ حسن وہ ہے جس کی اصل معلوم ہو اور اس کے رجال یعنی رواۃ مشہور ہوں" یہ سنن ابی داؤد کے مشہور شارح محدث خطابی کا قول ہے' اس کے بعد وہ امام ترمذی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ "ان کے نزدیک حدیث حسن وہ ہے جس کے سلسلہ روایت میں کوئی ایسا آدمی نہیں جس کو جھوٹا کہا جاتا ہو' اور نہ وہ حدیث شاذ (یعنی منفرد) ہو بلکہ دوسرے سلسلہ روایت سے بھی اس کو بیان کیا گیا ہو" مقدمہ ابن الصلاح' بیروت ۱۹۷۸ء' صفحہ ۱۵)

اسی حدیث زیر بحث پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے جو صحیح مسلم میں بارہ خلفاء کے بارے میں ہے' اور جسکو انہوں نے مرحوم سید سلیمان ندوی کے حوالہ سے اشارۃً ذکر کیا ہے' "اور ان کی عبارت کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے یہ بڑا اہم مسئلہ ہے اور اس پر سید صاحب مرحوم نے مختلف عنوانات کے تحت دار الاشاعت ایڈیشن ۱۹۸۵ء صفحہ کے ۳۸۸ سے صفحہ ۳۹۲ تک بحث کی ہے' جو پڑھنے کے قابل ہے اور اس میں سے بلیغ الدین صاحب نے صرف اپنے مطلب کی بات نقل کی ہے' یا اس کے بالکل برعکس بات ان سے منسوب کی ہے' اس میں مندرجہ ذیل نقاط قابل غور ہیں۔

۱۔ حافظ عیسیٰ یعنی امام ترمذی کی طرف بارہ خلفاء کے ناموں کا سید صاحب نے ذکر نہیں کیا ہے اور ترمذی میں بارہ خلفاء کی حیثیت کو "غریب" بھی کہا گیا ہے۔

۲۔ یہاں انہوں نے قاضی عیاض کی اس حدیث کا وہ مطلب نہیں لکھا جو سید صاحب مرحوم نے ذکر کیا ہے جو یہ ہے۔ "قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں کے بارہ وہ قبض مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔"

۳۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے حافظ ابن حجر کی بارہ خلفاء کے ناموں کی فہرست براہ راست ان کی کتاب فتح الباری فی شرح البخاری سے نہیں دی ہے' سیوطی کی مختصر کتاب تاریخ الخلفاء کے مقدمہ سے دی ہے۔

۴۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس بارہ خلفاء کی فہرست میں کے ایک خلیفہ یعنی یزید بن معاویہؓ کی خلافت کے بارہ میں وہ اس ایڈیشن کے صفحہ ۳۹۲ پر ایک ذیلی عنوان۔ "یزید کی تخت نشینی کی بدولت اسلام پر کے تحت لکھتے ہیں"

"امیر معاویہؓ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا' اور یہی اسلام کے سیاسی' مذہبی' اخلاقی اور روحانی ادبار و نکبت کی اولین شب ہے' حضرت ابو ہریرہ سے

متعدد روایتیں ہیں' مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ۶۰ھ کے شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرو۔ "

اس کی تائید میں سید سلیمان ندوی مرحوم نے بیہقی کی ایک حدیث نقل کی ہے' اور ایک دوسری اسی موضوع کی حاکم کی کتاب المستدرک سے نقل کی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابو ہریرہ کی یہ دعا کہ اے اللہ مجھے اس وقت سے پہلے دنیا سے اٹھالے' قبول فرمائی اور ۵۷ھ میں ان کی وفات ہوگئی یہاں حافظ ابن حجر کی کتاب (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۰) سے اس کی تائید میں ابن ابی شیبہ کی ایک اور روایت کا اضافہ کرتا ہوں جو یہ ہے کہ۔ " اے اللہ مجھے ۶۰ھ سے پہلے اس دنیا سے اٹھالے اور مجھ کم عمر نوجوانوں کی حکومت دیکھنا نہ پڑے' اور ایسا ہی ہوا کہ یزید بن معاویہؓ کی خلافت ہوئی' جو ۶۴ھ میں دنیا سے چل بسا۔ "

اب بلیغ الدین صاحب اس تضاد کو ملاحظہ فرمائیں کہ جس یزید کو وہ ان بارہ خلفاء میں سے سمجھتے ہیں کہ جن کے عہد میں " اسلامی حکومت اچھی رہے گی " اس کے بارہ میں خود علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے تفصیل سے کیا لکھا ہے' جو قارئین نے پڑھ لیا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بلیغ الدین صاحب مصنف مرحوم کی بیان کردہ ان متضاد روایات کو بیان کرنے کے بعد عقلی اور نقلی (یعنی روایتی) استدلال سے اس تضاد کو دور کر کے اپنا نقطہ نظر ثابت کرتے' مگر انہوں نے ایسا کرنے کے بجائے سید سلیمان ندوی کا صرف ایک قول بیان کی' بیان کردہ صرف ایک روایت نقل کر دی' اور یزید کی حکومت کے بارے میں اپنا ——————— نقطہ نظر جو ان بارہ خلفاء میں سے ایک ہے' ذکر نہیں کیا' کیا اسکو علمی دیانت کہتے ہیں؟

علمی تحقیق کا جو تقاضہ ہے' اس کے تحت میں نے مرحوم مولانا سید سلیمان ندوی کا حوالہ یعنی سیوطی کا اپنی کتاب " تاریخ الخلفاء " کا مقدمہ دیکھا' مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مرحوم نے حافظ ابن حجر کی صرف ایک روایت اس " مقدمہ " سے درج کی ہے' سیوطی نے اس روایت کے بعد ابن حجر ہی کی ایک دوسری روایت نقل کی ہے جو زیادہ قرین قیاس ہے' اور جس سے وہ تعارض و تضاد دور ہو جاتا ہے جو اس موضوع پر بعض علماء کے یہاں پایا جاتا ہے' اور جو درج ذیل ہے۔

" اور کہا گیا ہے کہ بارہ خلفاء سے مراد وہ خلفاء ہیں جو پوری مدت اسلام میں قیامت تک ہوں گے' اگرچہ یہ تسلسل کے ساتھ نہوں' اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو محدث مسدد نے اپنی " مسند کبیر " میں ابی الخلد سے روایت کی ہے کہ۔ یہ امت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس میں بارہ خلیفہ نہ ہو جائیں' اور جو سب ہدایت الٰہی اور دین حق پر عمل پیرا ہوں گے' ان میں سے دو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہوں گے " (تاریخ الخلفاء | طبعۃ رابعۃ ۱۹۷۹ء' ص ۱۲)

اور اس کے بعد اس بارہ خلفاء کے موضوع پر تفصیلی بحث کے بعد اپنی رائے میں جن کو بارہ خلیفہ قرار دیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔ " چاروں خلفائے راشدین " (یعنی ابوبکرؓ' عمرؓ' عثمانؓ' علیؓ) ۵۔ حسنؓ ۶ معاویہؓ ۷۔ ابن الزبیر ۸۔ عمر بن عبدالعزیزؒ یہ آٹھ ہیں' ان کے ساتھ خلفائے بنی عباس میں سے " المہدی " کے نام کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے' کیونکہ وہ بنی امیہ کے عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرح تھے' دوبارہ آ گئے' جن میں سے ایک مہدی منتظر ہیں جو آل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہوں گے۔ " (تاریخ الخلفاء' سیوطی۔ ص ۱۲)

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ امام سیوطی کی اس فہرست خلفاء میں امیر معاویہؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے علاوہ کسی اموی خلیفہ کا نام نہیں ہے' مگر ان سے گفتی میں سہو ہوا ہے' ان کی تفصیل کے مطابق یہ صرف گیارہ خلفاء بنتے ہیں' غالباً وہ اس میں عبدالملک بن مروان کا نام بھول گئے جو امیر معاویہؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے درمیان سب سے بہتر خلیفہ سمجھا گیا ہے' اس نے مدینہ منورہ میں تربیت پائی تھی اور اس کا شمار مدینہ کے عبادت گزار و سیع العلم' فقہاء میں ہوتا ہے' بعض نے اس کو خلافت سے قبل مدینہ منورہ کے فقہاء میں سعید بن المسیب اور عروۃ بن الزبیر وغیرہ تابعین کے ساتھ شمار کیا ہے۔

یہاں یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ قارئین جناب بلیغ الدین صاحب کی فراہم کردہ بارہ خلفاء کی فہرست پر غور سے نظر ڈالیں تو اس میں ان کو صرف گیارہ خلفاء نظر آئیں گے' بارھویں اہم خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ وہ کو بھول گئے جن کو بہت سے علماء پانچویں خلیفہ راشد سمجھتے ہیں (اور میں بھی ان کو سوفیصد سیدنا عمرؓ کی روش تقویٰ' زہد' عدل و احسان اور اتباع الی الفقہ کی وجہ سے ایسا ہی سمجھتا ہوں)' جو حدیث نبوی۔ " علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین " کے عین مطابق ہے' اور المہدی عباسی کے بارہ میں جو کچھ امام سیوطی لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے' وہ تقویٰ' زہد' خشیت خداوندی' اور حکمرانی کے صحیح اسلامی احساس ذمہ داری کے سبب عمر بن عبدالعزیز کے نقش قدم پر تھا' اور اسی لئے شہید کر دیا گیا' جس طرح عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن عبدالملک نے اموی خاندان پر شدت اور لوٹ کھسوٹ کی گزشتہ شاہی روش کو بند کرنے کی وجہ سے زہر دے کر شہید کرا دیا تھا اس یزید بن عبدالملک یا یزید ثانی کے ظلم اور عیش پسندی سے تمام قدیم عربی تواریخ کے صفحات پر ہیں' وہ ہی تواریخ جن میں عبدالملک' عمر بن عبدالعزیز' ولید اور سلیمان بن عبدالملک کی کافی تعریف کی گئی ہے۔

اور پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس بارہ خلفاء والی صحیح مسلم کی حدیث میں نہ تو اموی خلفاء کی تصریح ہے اور نہ یہ کہ یہ سب خلفاء تسلسل کے ساتھ ہوں گے' اس موضوع پر جو دیگر احادیث امام سیوطی نے اپنی مذکورہ کتاب تاریخ الخلفاء کے صفحہ (۱۰) پر ذکر کی ہیں اس میں سے بعض احادیث میں ہے کہ یہ سب قریش میں سے ہوں گے' تو اس میں خلفاء بنی عباس بھی آتے ہیں اور خلفاء راشدین و امیر معاویہؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد اموی اور عباسی خلفاء (جن کا اصطلاحاً ہی نام لیا جاتا ہے) میں سے ایسے نام گنائے جا سکتے ہیں جو اپنے کردار و سیرت کی وجہ سے اس حدیث کے مصداق ہوتے ہیں' بلکہ خود امام مسلم کی ذیر بحث قصے میں ان بارہ خلفاء کے بارے میں " الائمہ من قریش " (خلفاء سب قبیلہ قریش سے ہوں گے) کے الفاظ موجود ہیں اس کی تشریح میں ناصر الدین البانی نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ یہ حدیث ایک دوسری حدیث " الائمہ من قریش " (یعنی امام یا خلفاء قریش میں سے ہوں گے) کی طرح ایک علم نبوی کی حیثیت رکھتی ہے' صرف ایک خبر نہیں' یعنی ایسا ہونا چاہئے۔

صفحات کی تنگ دامانی اجازت نہیں دیتی کہ مزید کچھ لکھوں۔

گمان مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

مضمون کے آخر میں ایک انتہائی اہم جملہ بلیغ الدین صاحب نے لکھا ہے جس سے ان کے میرے بارہ میں سوء ظن اور حقیقت حال کا اندازہ ہوا ان کے الفاظ ہیں۔ " رضوان علی صاحب کا رویہ گمراہ کن ہے ..... انکا مسلک رکھنے والوں نے جو چارٹ چھاپے ہیں ان پر وہ ترجمہ کریں ..... " اس دل شکن الزام کا کیا جواب دوں قارئین یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد میرے رویہ کے بارہ میں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ میرا رویہ گمراہ کن ہے یا وہ ہے جس پر تمام اہل سنت والجماعت ساری دنیائے اسلام میں عقیدہ رکھتے ہیں۔ جن ائمہ کرام اور محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں نے اپنا سابقہ تبصرہ مضمون لکھا تھا' اگر ان کا رویہ گمراہ کن تھا تو میرا رویہ بھی گمراہ کن کہلائے گا " امام بخاری ابن سعد' ابن ہشام' امام ابن نعیم' ابن کثیر' حافظ ابن حجر العسقلانی' امام سیوطی' شاہ ولی اللہ صاحب محدث کبیر شیخ ناصر الدین البانی سلفی' استاذ مکرم مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی' الشہید الاستاذ سید قطب' مرحوم محدث شاہ علیم عطاء ندوی' وغیرہ جن کی کتابوں سے میں نے بیشمار کچھ سیکھا ہے' اور اگر حجاز' شام اور مصر کے میرے پرانے اساتذہ کبار' مرحوم ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی' مرحوم استاذ محمد المبارک' الاستاذ الفقہ شیخ مصطفیٰ الزرقاء' ڈاکٹر محمد معروف الدوالیبی' ڈاکٹر وہبی شعبان السید علوی مالکی' الشیخ حسن مشاط' الشیخ عبدالرزاق حمزہ (مکہ مکرمہ) وسلم اللہ جمیعہم' مفسر قرآن الشیخ محمد امین شنقیطی' محدث مدینہ الشیخ عبدالرحمن الفریوائی (مدینہ منورہ) یہ سب گمراہی کے رویہ پر تھے تو میرے رویہ کو بھی گمراہ کن کہا جا سکتا ہے۔

اور جہاں تک مسلک کا تعلق ہے' نہ معلوم کس خفیہ ایجنسی سے مضمون نگار صاحب نے میرے مسلک کا پتہ چلا لیا' جس سے انکا مطلب شیعہ مسلک ہے' بہرحال اس کا فیصلہ تو اس خدائے ذوالجلال کے سامنے روز حساب ہوگا جس نے ہدایت فرمائی ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ..... سورۃ الحجرات' (اے اہل ایمان بہت گمان کرنے سے بچو' کیونکہ یقیناً بعض گمان گناہ ہیں) اور میں اپنے پروردگار سے جس کے حرم میں کتنے ہی سال میں نے گزارے ہیں روز محشر کہوں گا کہ اپنے اس بندہ سے میرے خلاف بدگمانی واتہام کا حساب لے۔

ہر چند کہ میں پاکستان میں غیر معروف ہوں مگر ایسا بھی نہیں' میرا حلقہ احباب کراچی یونیورسٹی میں اور اس سے باہر بھی ہے' جس میں سے بعض کو بلیغ الدین صاحب بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں' جیسے اسمٰعیل احمد میمنی صاحب' انعام اللہ خاں صاحب' ڈاکٹر ریاض الاسلام صاحب' خالد اسحٰق صاحب' مولانا ظفر احمد انصاری صاحب' والا تاقی عثمانی' نیز اور پھر خود مدیر تعمیر پر اور مکرم محمد صلاح الدین صاحب اگر ان میں سے کسی کو یقین نہ آئے تو پوچھ لیں کہ " یہ تعمیر " میں مضمون لکھنے والا انسان کون ہے تو ان کو میرے مسلک کا پتہ باسانی چل

جاتا۔ انہوں نے جس انداز سے میں تو کیا عربی دنیا کے مشہور ترین، مستند اور سنی محدث شیخ محمد ناصر البانی کیلئے تحریر میں الفاظ استعمال کیے ہیں "اس پر تو ہنسے کو ناپڑتا ہے۔

کبر زیبا ہے فقط خالق یکتا کیلئے

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ طویل عرصہ تک میں عرب ممالک اور افغانستان میں رہ چکا ہوں، مجھے پاکستان کی فرقہ بندیوں کا کوئی خاص علم نہیں اب ایک دو سال سے کچھ کچھ معلوم ہو رہا ہے اور نہ میں نے شیعہ مسلک رکھنے والوں کا کوئی "شجرہ اہل بیت" کہیں دیکھا ہے، ہاں چند ماہ قبل ایک مرتبہ "جنگ" میں دو شیعہ علماء کا جن میں سے ایک صاحب جو پروفیسر کہلاتے ہیں (پاکستان میں یہ لقب بہت پست ہو گیا ہے، ورنہ یورپ و امریکا اور عرب ممالک میں تو صرف یونیورسٹیوں کے اعلیٰ اساتذہ کیلئے ہی یہ لقب استعمال ہوتا ہے) یہ مختصر سا وہ انکشاف پڑھا تھا کہ سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیاں نہیں تھیں، بلکہ سیدہ خدیجہ کی اپنے پہلے شوہر سے تھیں، اس جاہلانہ و ظالمانہ بیان پر بہت تاؤ آیا تھا اور جنگ میں لکھنا چاہتا ہے، مگر اس اخبار کے بعض مخصوص ذہنیت کے مدیر ان میرے مضامین چھاپتے نہیں ہیں میں نے "تحریر" میں لکھنا چاہا، اتفاق سے دوران تحریر صحیح العقیدہ صاحب کا مضمون اس بیان کے رد میں تحریر میں چھپ گیا۔ اور فرض کفایہ پورا ہو گیا، اس وقت میں نے شاہ بلیغ الدین کا کوئی رد عمل اس مرتبہ "جنگ" میں نہیں دیکھا، وہ تو مشہور آدمی ہیں ان کی تنقید و تھیٹو تو غالباً اس اخبار کے مدیر حضرات چھاپنے سے انکار نہیں کرتے۔

مجھے جاننے والے پاکستانی بزرگ واقف ہیں کہ میں ہر سال ایسے ممالک میں رہا ہوں جہاں اس خاص مسلک کے ماننے والے نظری نہیں آتے جن کے "شجرہ خاندان نبوت" کی طرف بلیغ الدین صاحب نے اشارہ کیا ہے، یعنی شام، لیبیا، حجاز و نجد (سعودی عرب) جہاں یہ پتہ چلتا ہی نہیں کہ وہ ماہ محرم کب آیا جو پاکستان میں آتا ہے، ہاں یہ بہت نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ میں مسلمانوں کا آپسا سال شروع ہو گیا ہے، سوجھے کسی ایسے غلط اور گمراہ کن شجرۂ خاندان نبوت کا قطعی علم نہیں اور یقیناً وہ باطل ہے، اگر اس میں سیدہ فاطمہ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحب زادیوں اور حضرات حسنین کے علاوہ آپ کے دوسرے نواسوں اور نواسی کا ذکر نہیں جو ثقہ مورخین و محدثین کے بیانات کے مطابق بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ (جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی) اور سیدنا علیؓ کے علاوہ آپ کے دوسرے دامادوں کا تذکرہ نہیں جن میں سے ایک ذی النورین کے لقب کے حامل ہیں، تو ایسا شجرہ یا چارٹ یقیناً باطل اور فرقہ وارانہ تعصب پر مبنی ہے، قدیم عرب شیعہ مورخین یعقوبی، مسعودی وغیرہ بھی ایسا نہیں کہتے۔

لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس "مخصوص فرقہ" سے عناد کی وجہ سے ہم ان اہل بیت نبوت کی تنقیص کریں۔ جن کی فضیلت بکثرت اور تواتر صحیح احادیث نبوی میں آئی ہے اور جن پر قرآن کریم بھی شاہد ہے، تاریخ کو اگر ایک گروہ مسخ کرتا ہے تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہم ایک دوسری انتہا پر پہنچ کر ضد و عصبیت میں کسی اور انداز سے اس کو مسخ کریں۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔

یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی ..... سورۃ المائدۃ (ترجمہ۔ اے ایمان والے والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے ہو کسی گروہ کی دشمنی تم کو اس طرف مائل نہ کر دے کہ تم انصاف کی بات نہ کرو، انصاف کرو، یہی خدا ترسی کے قریب تر بات ہے۔)

اب سب سے آخر میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ اس ساری علمی بحث و تمحیص کا عام مسلمانوں کو کیا فائدہ ہے، اس کا میں ایک بہت واضح حقیقت سے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں، جو یہ ہے کہ وہ مخصوص گروہ جسکو شاہ بلیغ الدین صاحب "سبائی" کے نام سے یاد کرتے ہیں اپنی مجالس میں صرف (اللھم صلی علی سیدنا محمد وعلی ال محمد) کہتے ہیں جبکہ تمام اہل سنت والجماعت مسلمان ساری دنیا میں درود شریف میں کہتے ہیں (اللھم صلی علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ وسلم) یہ کہتے ہوئے وہ لفظ "آل" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اولاد و اسباط (نواسے نواسیاں) خاندان نبوت کے مسلمان افراد یعنی چچاؤں، پھوپیوں اور ان کی اولاد کو شامل سمجھتے ہیں اور اسی لئے آل "محمد" کے ساتھ ساتھ اس درود شریف یا صحیح الفاظ میں صلوۃ و سلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام علیہم سے شامل کرتے ہیں، جن کے مختلف درجات اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب یعنی قرآن کریم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث صحیحہ میں بیان فرما دیئے ہیں اور ہر ایک کی کیا حیثیت ہے کہ

"و آتوا کل ذی حق حقہ (یعنی ہر صاحب حق کو اس کا حق دو) اور میں نے اس پر سلف صالحین کے عقیدہ کے مطابق عمل کیا ہے۔ اسی لئے میں نے اپنے سابقہ مضمون میں اہل بیت اور آل، اولاد، ذریت، اس تعلیم کو ملحوظ رکھا تھا، جس کے لئے نہ تو زبان عربی سے اہل، ایل، بنو، احادیث شدہ سول ہے۔

بلکہ میں نے اس تقسیم کی مخالفت کرتے ہوئے جو کہ بلیغ الدین صاحب کے مضمون کے آخری الفاظ پڑھ کر معلوم ہوا "آل محمد" کے وسیع تر مفہوم کا ذکر بھی قرآنی شواہد سے کر دیا تھا، یعنی تمام امت محمدیہ، کیونکہ وہ درود شریف جس کو ہم نماز میں پڑھتے ہیں، اس سے یہی معنی مراد ہیں، ورنہ اگر ہم اسکو اس محدود معنی میں لیں جو اس "چارٹ" میں ذکر کیئے گئے ہیں، تو اس سے صحابہ کرام پر بڑا ظلم ہو گا اور ہم بلا وجہ اس گروہ کے حصہ ہو جائیں گے جو "آل محمد" سے صرف آپ کی اولاد و اسباط مراد لیتا ہے۔

میں مدیر تعمیر سے معذرت خواہ ہوں کہ میرا مضمون جو حسب عادت ایک تحقیقی مقالہ کی شکل اختیار کر گیا بہت طویل ہو گیا ہے، میں ان کی وسعت قلبی اور حق پرستی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھ کو اس کا موقعہ دیا، ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں کہ اس کا محرک نہ تو کوئی عصبیت ہے اور نہ انتصار طریقت، بلکہ صرف احقاق حق ہے۔ "ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید" (سورۃ ق ۳۷) (ترجمہ۔ اس میں ہر اس شخص کیلئے خیر خواہی ہے جس کے پہلو میں دل ہے اور جو پوری توجہ سے بات سنے) و آخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العالمین ( )

شہادت حسینؓ ۔ صفحہ نمبر ۸۷ کا باقی حصہ

"حضرت معاویہؓ کے مخالفانہ طرز عمل نے حضرت حسنؓ کو دوراہے پر لا کھڑا کیا۔ ایک راہ یہ بھی تھی کہ وہ خلافت علیٰ منہاج نبوت کا دفاع کرتے اور حضرت معاویہؓ کو طاقت کے زور پر مجبور کرتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو انہیں ہر لحاظ سے ایسا کرنے کا حق حاصل تھا۔ دوسری راہ یہ تھی کہ اگر وہ خلافت کے ادارہ کو بچانے پر قادر نہیں تو کم از کم مسلمانوں کو خانہ جنگی کے فتنہ سے بچا لیں۔ اپنے حمایتیوں کے اختلاف اور مخالفت کے باوجود حضرت حسنؓ نے اس دوسری راہ کا انتخاب کیا۔ ان کی اس امن پسندی سے مسلمان خانہ جنگی کے عذاب سے تو بچ گئے مگر انہیں خلافت علیٰ منہاج نبوت کے انہدام کا صدمہ ہر حال برداشت کرنا پڑا۔ حضرت حسنؓ کے بارے میں بھی تاریخ کے طالب علم کا یہ سوال اپنی جگہ پر برقرار ہے کہ ان پر خلافت علیٰ منہاج نبوت کے ادارہ کے تحفظ اور دفاع کی جو ذمہ داری عائد ہوئی تھی وہ انہوں نے کیوں پوری نہیں کی، حالانکہ، اس مقصد کے لئے ان کے پاس طاقت اور وسائل کی بھی کمی نہ تھی۔ حضرت حسنؓ کی "امن پسندی" یا ان کی "غیر سیاسی" حکمت عملی نے امت سے بڑی قیمت وصول کی۔ امت کو خلافت علیٰ منہاج نبوت کا سانحہ گوارا کرنا پڑا، اس حکمت عملی کے نتائج بھی مسلمانوں کے حق میں مفید برآمد نہ ہوئے۔ چند ہی سال بعد حضرت حسینؓ اور اہل حجاز کو اس کا خمیازہ جنگ پڑا۔"

حضرت عثمانؓ اور حضرت حسنؓ کے خلاف اس تنقید کے جواب میں صرف اتنا دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ اگر بقول آپ کے ان دونوں حضرات نے ادارہ خلافت کا تحفظ نہ کر کے بلکہ اس سے لوگوں کو روک کر جو گناہ عظیم کیا، تو سوال یہ ہے کہ اس دور کے صحابہ کرام نے جن میں حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ بھی شامل ہیں، ان دونوں حضرات کو اس گناہ عظیم سے باز رکھنے کی پوری کوشش کیوں نہ کی اور ان کے اس غلط رویہ کو کیوں برداشت کیا، جبکہ ان کے سامنے قرآن مجید کا یہ ارشاد موجود تھا کہ معصیت میں کسی کی تابعداری جائز نہیں اور حضور اکرم ﷺ کی سنت بھی موجود تھی کہ عہد نبوی میں ایک امیر جماعت نے اپنے ساتھیوں کو آگ میں کودنے کا حکم دیا اور آنحضرت ﷺ کی اطاعت امیر کے تحت لازمی قرار دیا، مگر ان کے ماتحت صحابہؓ نے

باقی صفحہ نمبر ۱۲۱ پر

خانوادۂ نبویؐ میں کون شامل ہے کون نہیں؟

ڈاکٹر رضوان علی ندوی کے جواب میں شاہ بلیغ الدّین کی تحریر

تجلیر کے ۲۸ دسمبر ۸۹ء کے شمارے میں "خانوادۂ نبوت - حضورؐ کے اہلبیت میں کون شامل ہیں؟ کون نہیں" کے زیر عنوان ایک اہم موضوع پر شاہ بلیغ الدین اور ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کی ایک عالمانہ بحث شائع ہوئی تھی۔ اس کا آغاز تجلیر ہی میں شائع شدہ ایک چارٹ سے ہوا تھا جس پر ڈاکٹر رضوان علی صاحب نے کچھ اعتراضات اٹھائے۔ شاہ بلیغ الدین نے چارٹ میں دیئے گئے شجرے کی برأت کی اور ان اعتراضات پر ڈاکٹر صاحب کی گرفت کی۔ ہم نے بحث کی طوالت سے بچنے کے لئے شاہ بلیغ الدین کا مضمون اشاعت سے قبل ڈاکٹر رضوان علی صاحب کو بھیج دیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس پر اپنا تبصرہ ہمیں بھیج دیں تاکہ دونوں تحریریں ایک ساتھ شائع ہو جائیں اور ہم یہ باب بند کر دیں۔ تجلیر کوئی مذہبی جریدہ نہیں لہٰذا مذہبی حالات و واقعات کی رپورٹنگ اور ان پر اداریئے، تبصرے اور تجزیئے وغیرہ میں پھنسا رہتا ہے۔ دونوں مضامین کی اشاعت کے وقت ہم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ "شاہ بلیغ الدین صاحب اور ڈاکٹر رضوان علی صاحب کو ایک موقع اور دیں گے تاکہ وہ نہایت اختصار کے ساتھ اپنا موقف قارئین تجلیر کے سامنے پیش کر دیں" ان کے مضامین موصول ہونے کے بعد انہیں پھر تیکجا شائع کر دیا جائے گا۔

اب شاہ بلیغ الدین صاحب نے "شرط اختصار" کو نظر انداز کر کے اپنا طویل مضمون ہمیں اشاعت کے لئے ارسال کیا ہے اور ان کی شرط یہ ہے کہ پہلے میرا مضمون شائع کیجئے۔ پھر رضوان علی صاحب کو اس پر تبصرہ کا موقع دیجئے۔ یہ بندہ دوبارہ دہرانے اور سلسلۂ بحث جاری رکھنے کی صورت میں جو ہمارے لئے بوجوہ قابل عمل نہیں تاہم شاہ بلیغ الدین صاحب کے مراسلہ اور اپنے وعدے کی تکمیل کے پیش نظر ہم شاہ صاحب کا مضمون قدرے اختصار اور ان کی نظر ثانی و منظوری کے بعد شائع کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر رضوان صاحب اگرچہ کوئی جواب دینے کا ارادہ نہیں رکھتے لیکن اس مضمون کی اشاعت کے بعد انہوں نے کسی وضاحت کی ضرورت محسوس کی تو ہم اپنے وعدے کے مطابق اسے بھی شائع کرنے کے پابند ہیں۔ ہماری درخواست یہ ہے کہ وہ اپنے ارادے پر قائم رہیں اور ہمیں اس بحث کو بند کرنے میں مدد دیں۔ ہمارے قارئین صدیوں سے چڑی بحثوں کی بجائے ہم سے تازہ ترین علمی و دینی الاقوامی واقعات کی تفصیلات اور ان پر رائے عامہ کی رہنمائی کرنے والے تجزیاتی مضامین کی توقع رکھتے ہیں۔ یہ بحث اہم ہے مگر تجلیر اس کا مناسب فورم نہیں۔ اس لئے ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ اس میں دوسرے حضرات کی شرکت سے ہم پہلے ہی معذرت کر چکے ہیں (مدیر)

بحث کے پس منظر کے لئے تجلیر کے تین شمارے پیش نظر رکھیے۔ (۱) ۲۸ ستمبر ۸۹ء جس میں تحریک انداد غیر اسلامی مطبوعات و لٹریچر پاکستان کی طرف سے اہل بیت نبویؐ کا چارٹ چھپا ہے۔ (۲) نومبر ۸۹ میں خانوادہ نبوت سے متعلق ایک ظفرے میں تاریخی اغلاط۔ (مضمون رضوان علی صاحب) (۳) ۲۸ دسمبر ۸۹ء جس میں میرا تنقیدی مضمون اور رضوان علی صاحب کا جواب شائع ہوا ہے۔

رضوان علی صاحب کا جواب بہت طویل ہے جس پر صلاح الدین صاحب نے بھی احتجاج کیا ہے۔ تعملی حوالہ اور غیر ضروری مباحث سے قطع نظر اصل موضوع سے متعلق میرا موقف حسب ذیل ہے۔

پہلا مغالطہ

سب سے پہلے میرے مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے جو آیۂ تطہیر سے متعلق ہے۔ "زید ابن ارقم کی روایت ہو یا کوئی اور۔ ان روایات میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس میں صرف ایک بیٹی ایک داماد اور ان کے دو صاحبزادے کیوں شامل ہیں؟ آخر حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت زینبؓ بھی تو شامل تھیں۔" رضوان علی صاحب کا جواب یہ ہے۔ "یہاں بلیغ الدین صاحب نے جو اعتراضات اس حدیث پر اٹھائے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ اس آیت (تطہیر) کے نزول کا زمانہ ۵ ہجری نہیں بلکہ ۹ھ ہے (فتح الباری ج ۸ ص ۵۳۲) اس وقت سیدہ زینبؓ اور سیدہ ام کلثومؓ وفات پا چکی تھیں" جب اس اعتراض کا جواب ان سے نہ بن پڑا تو انہوں نے ناموں کی مناسبت سے بات بدلدی۔ حضرت فاطمہ کی صاحبزادیوں حضرت ام کلثوم کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی اور حضرت زینب کی وفات ۶۲ھ میں ہوئی (زینب کبریٰ ص ۱۲۲ جعفر واقدی) عام قاری کو متاثر کرنے کے لئے سیاق و سباق کو توڑ کر فتح الباری کا حوالہ دیدیا۔ زمانہ نزول میں بھی اختلاف ہے۔ میں ایک آسان حوالے پر اکتفا کروں گا۔ تفہیم القرآن میں سورہ احزاب کے زمانہ نزول کے بارے میں مودودی صاحب ۵ھ کو ترجیح دیتے ہیں۔ رضوان علی صاحب کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر یہاں یہ الجھن نہ ڈالدی گئی تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ اور ابوالعاصؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور حضرت عثمانؓ کو بھی چادر میں کیوں نہ اٹھا لیا دونوں اعتراضات کا جواب کوئی نہیں؟

دوسرا مغالطہ

تجلیر کے ص ۵۳ پر رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ "حدیث نمبر ۹۵۳ کا جو اہم ٹکڑا ہے اسکو موصوف (شاہ بلیغ الدین) نے کمال ہوشیاری سے حذف کر دیا ہے اور اسکے بعد کہتے ہیں کہ ترجیح یہاں بھی کوئی نہیں" پوری حدیث یہ ہے کہ "سیدہ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہیں جس نے ان کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ اب بتایا جائے کہ اس میں کوئی ترجیح نہیں!" یہاں صرف اس حدیث کا روئے سخن کس کی طرف ہے۔ یہ معلوم ہو جائے تو رضوان علی صاحب کا اعتراض باطل ہو جاتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کو کس نے ناراض کیا؟ صحیح بخاری میں داماد وں سے متعلق جو باب ہے اس میں لکھا ہے کہ ---- فاطمہؓ میرا ایک ٹکڑا ہے۔ اسکو جو بات بری لگے اسے میں ناپسند کرتا ہوں اللہ کی قسم یہ تو ہونے والا نہیں کہ اللہ کے رسولؐ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن (ابو جہل) کی بیٹی دونوں ایک شخص کے نکاح میں رہیں"۔ قارئین خود یہاں فیصلہ کریں کہ حدیث کا جو حصہ میں نے چھوڑا وہ ایک ناخوشگوار واقعہ سے متعلق ہے۔ جس کا میری بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ اصل فضیلت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "جگر کا ٹکڑا" ہونے میں ہے۔ یہ جملہ میں نے دے دیا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس حدیث میں اپنی بہنوں یا امہات المومنین پر سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت کا کوئی پہلو ہے؟ پھر اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ سب بیٹیاں رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر کی ٹکڑے ہیں۔ یہاں فضیلت ابو جہل کی بیٹی پر ثابت ہوتی ہے جسکی کوئی اہمیت نہیں۔ چارٹ میں سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کا نام لکھنے سے اسکا کیا تعلق جو اعتراض مجھ پر کیا گیا غلط ہے۔

اعتراض برائے اعتراض کی ایک اور مثال حضرت امامہ کے تعلق سے ہے۔ لکھتے

ہیں کہ شاہ بلیغ الدین نے اردو کی دائرۃ المعارف یونیورسٹی آف پنجاب کا حوالہ دیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ علمی طریقے کے متعلق مقالہ نگار کا نام دینا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کو اس اہم موضوع پر کسی قدیم عرب مورخ کا حوالہ دینا چاہیے۔ میں نے اپنے مضمون میں تکبیر کے ص ۴۹ پر لکھا ہے کہ۔۔۔ دیکھئے جلد سوم دائرۃ المعارف طبع اول ۱۹۶۸ دانش گاہ پنجاب۔ یہ بہت واضح حوالہ ہے۔ اعتراض کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ کسی عرب مورخ کا حوالہ دیجئے۔ میں اس مقالے کا حوالہ دے رہا ہوں جس میں کئی عرب مورخوں کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ لفظ "امامہ" سے حوالہ ڈھونڈنا ہے۔ دائرۃ المعارف کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ میں نے جلد سوم کا بھی ذکر کیا ہے حوالہ آسانی سے نکل سکتا تھا۔

چارٹ بنانے والے نے سورہ الاحزاب کی آیتوں کے علاوہ درود شریف بھی دیا ہے جس میں آل کا مطلب متبعین بھی آجاتا ہے۔ قرآن حکیم میں۔۔۔ ادخلوا آل فرعون۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی اس چارٹ کا عنوان نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ پہلے آپ کے والدین کے نام دیئے گئے۔ احتراماً آنحضرتؐ کے نام کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے۔ پہلی سرخی جو کالی پٹی میں ہے اہل بیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یہی چارٹ کی سرخی ہے جو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا عنوان ہے ازواج مطہرات پھر ہر حصہ کا الگ الگ عنوان ہے۔ یہ عنوانات کاتب نے کالی پٹی میں لکھے ہیں جس سے آپ فائدہ اٹھا کر بلاوجہ اعتراض کر رہے ہیں۔ عام قاری کی سہولت کے لئے امت کی ماؤں پھر ان کی اولاد پھر نواسیوں نواسیوں کا الگ الگ ذکر آیا ہے۔ پھر اس میں سرپرست حضرات اور صحابہ کرامؓ جو علماء ہیں ان کے نام ہیں اور اہل بیت کے وسیع تر مفہوم کو واضح کیا گیا ہے۔ جو بڑی خوشی کی بات ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بقول مولانا مودودی (تفہیم جلد ۴۔ الاحزاب) جو لوگ اہل بیت کو صرف حضرت علیؓ اور ان کے دو صاحبزادوں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں یہ چارٹ اس سے بٹا ہوا ہے اور سلف صالحین اور بہت سے اکابرین کی رائے کے مطابق وہ سب نام چارٹ میں ہیں۔ جو کسی اعتبار سے بھی اہل بیت کے زمرے میں ضرور آسکتے ہیں۔ اگر یہ بات غلط ہو تو میرا مشورہ رضوان علی صاحب کو یہ ہوگا کہ وہ اس چارٹ کو شریعت کورٹ میں پیش کر کے اسپر کورٹ کا فیصلہ لے لیں۔

تیسرا مغالطہ

رضوان علی صاحب ص ۵۲ کالم ۲ میں لکھتے ہیں کہ۔۔۔ جن صاحب نے (ایک نامعلوم نقاد کی طرف اشارہ ہے) اہل بیت سے صرف ازواج مطہرات کے معنی لئے ہیں۔ انھوں نے دیدہ دلیری اور علمی بددیانتی کے ساتھ مولانا مودودی مرحوم کی تفہیم القرآن کا حوالہ دیا ہے حالانکہ مرحوم نے ہرگز ایسا نہیں لکھا۔ مجھے یہاں صرف اس فقرے سے بحث ہے کہ "ہرگز ایسا نہیں لکھا" تفہیم کی جلد ۴ ص ۹۳ کا انھوں نے حوالہ دیا ہے اسی جلد کے ص ۹۲ پر لکھا ہے کہ۔۔۔۔ "زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت کا اصل خطاب ازواج سے ہے اور اولاد مسلوم لفظ کے اعتبار سے اس میں شامل قرار پائی"۔۔ اب ارشاد فرمایئے کہ وہ ایک نامعلوم نقاد جھوٹ بولتا اور دیدہ دلیری سے آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے یا آپ خود اسکے مرتکب ہیں اقارئین فیصلہ کریں۔ یہاں دو اہم باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ چارٹ بنانے والے فریب نے تو صرف ازواج مطہرات کا نام نہیں لکھا۔ اس نے تو مجازی معنوں میں اسے پھیلا بھی دیا پھر بھی آپ چراغ پا ہیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ صرف امہات المومنین کے اہل بیت ہونے کا صاف لفظوں میں اعلان تو حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کیا ہے۔ ابو عبداللہ عروہ بن زبیرؒ جیسا عظیم عالم حدیث یہی بات کہتا ہے۔ عظیم مفسر فکر مولیٰ ابن عباس اسی کے دعویدار ہیں۔ وہ تو بدبختانہ انہی کی گلیوں میں جگہ جگہ اسکا اعلان فرماتے تھے۔

چوتھا مغالطہ

اسی فقرہ نمبر ۲ کے تیسرے پیراگراف میں رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔ "راغب اصفہانی شیعہ تھا"۔ آپ کے ہمنواؤں نے تو یہی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ امام فخر الدین رازی نے ان کے صحیح العقیدہ اور اہل سنت ہونے کی تصدیق کی ہے۔ (دیکھئے اساس التقدیس) علامہ سید علی نے بغیۃ الوعاۃ (ص ۳۹۶) میں امام رازی ہی سے استفادہ کر کے اپنی بدظنی کو دور کیا آپ نے آغا بزرگ طہرانی کا معروف حوالہ دے کر راغب اصفہانی کے مقام کو گرانے کی کوشش کی ہے۔ معجم الادباء میں ہے کہ وہ تفسیر حدیث لغت ادب اور شعر کے کوہ گراں تھے۔

ساری کوشش یہ ہے کہ خانوادہ نبویؐ کے پورے ارکان کا متحدہ آپ کو گوارا نہیں۔ امام راغب اصفہانی نے "فضل الھاشم" میں اہل الرجل کی تشریح میں لکھا ہے کہ "اصل میں تو وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو ایک مکان میں ساتھ رہتے ہوں پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ داروں کے لئے یہ لفظ بولا جانے لگا ہے اور عرف عام میں اہل البیت سے خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ۔۔ انما یرید اللہ۔۔۔۔ کہ (اے پیغمبر) کے اہل بیت اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رجس کو دور کردے اور کبھی اہل الرجل سے مراد اسکی بیوی ہوتی ہے"

یہاں لسان العرب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "مگر بلیغ الدین صاحب نے کمال ہوشیاری سے اس کو پھیلا دیا اور دوسری باتوں کا ذکر چھیڑ دیا۔" آپ محض کج بحثی اور الزامات کے خوگر ہیں۔ اوپر میں آل فرعون کی بات لکھ چکا ہوں۔ آپ صاف صاف لکھیے کہ آپ ھود، احزاب اور قصص کی آیتوں کے مفہوم کو ماننے کے لئے تیار نہیں تو آپ کا یہ موقف سمجھ میں آسکتا ہے۔ آپ کیسے کیسے جلیل القدر علما کو جھٹلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ابن عباسؓ عروہ بن زبیرؒ کے علاوہ اجماع صحابہؓ سے آپ کو اختلاف ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ راغب اصفہانی کی کتاب محاضرات الادباء مطبوع اور مشہور ہے آپ کہیں سید علی کی "محاضرات الادباء و محاورات الشعراء والبلغاء کی بات تو نہیں کرتے؟ اگر آپ نے سنی علماء کے بارے میں ان کے تاثرات اور ان کے تائیدی بیانات پڑھے ہوتے تو آغا بزرگ طہرانی کے حوالے پر اکتفا نہ کرتے۔ جس کا مسلک نام سے ظاہر ہے۔

اہل بیت

سلف صالحین کے مسلک کا نام لے کر آپ قارئین کو غلط فہمی میں کیوں مبتلا کرتے ہیں۔ ان کا مسلک وہی ہے جو اجماع امت ہے کہ۔۔۔ آیۂ تطہیر امہات المومنین کے بارے میں نازل ہوئی ایسی اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا۔ بے شک تفسیر کا حق سب سے پہلے معلم کتاب و حکمت کا ہے لیکن یہ دیکھ آپ کو معلوم ہے کہ جو جھوٹی باتوں کو اللہ کے رسولؐ سے نسبت دے وہ جہنمی ہے۔ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ آیت سے کوئی روایت متصادم ہو تو وہ باطل ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تھوک کے بھاؤ محدثان قرآن نے روایتیں گھڑی ہیں۔ اس بات سے بہت کر خوب اچھی طرح یہ بات سن لیجئے کہ رب العزت کی قسم ہم اہل سنت سیدنا حضرت علیؓ اور سیدہ حضرت فاطمہؓ اور ان کے خانوادے کے ایک ایک فرد کی جلالت علمی زہد اخلاص اسلام کے لئے ان کی محبت اور جو بھی ان کے صحیح کارنامے ہیں ان کو مانتے اور راضی اپنی محبت کا محور و مرکز سمجھتے ہیں لیکن انھیں "دیو مالائی" شخصیتیں ماننے کے لئے ایک لمحے کے لئے بھی تیار نہیں اور خود ان عظیم الرتبت شخصیات کو ان اطراء اور خرافات سے کوئی تعلق نہیں جو ان کے بارے میں سبائیوں نے تخلیق کیں حتی کہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا بھی اعلان کر دیا ہم نبی اکرم کو خاتم النبیین اور خاتم المعصومین مانتے ہیں۔

حضرت عائشہ کی فضیلت کا مسئلہ بھی آپ پر گراں ہے۔ قرآن نے امہات المومنین کو جو فضیلت دی ہے اسکے بعد کوئی اور روایت جس میں کسی بیٹی کو امہات المومنین پر فضیلت دی جائے یا نص صحیح سے ٹکرانے والی ہو غلط ہے۔ امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ کے بارے میں جو کچھ اپنی صحیح اور اپنی تاریخ میں لکھا وہ درست ہے۔ کیا امام بخاریؒ آپ کی رائے میں سلف صالحین میں داخل نہیں؟

پانچواں مغالطہ

محسن کا نام بھول جانے کی غلطی چارٹ والے سے ہوئی ہے۔ میں تو خدا لگتی بات کہہ رہا

تھا خانوادہ نبوی کا کوئی قریبی فرد زندہ رہا یا جلد مر گیا اسکا اسم گرامی شجرے میں آئے گا۔
یہی بات آپ نہیں سمجھ پا رہے۔۔

۹ نومبر ۸۹ء کے تحریر میں آپ نذیر تھم آل علی آل عقیل آل عباس آل جعفر کا بھی ستیاناس کر لے آئے ہیں اور حوالہ ابن کثیر سے لیا ہے! تفسیروں میں جو اسرائیلی روایات اور موضوع روایات آ گئی ہیں ان کے بارے میں آپ کا علم کیسا ہے مجھے نہیں معلوم لیکن آپ کا رجحان طبع ان حوالوں سے معلوم ہو گیا ہے۔ شاعر کیا پتے کی بات کہہ گیا۔

شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

جوامع السیرہ کے حوالے سے جو بات میں ثابت کرنا چاہتا تھا اسکے اندراج کو آپ نے تسلیم کر لیا۔ میں نے اس پر "اصرار" نہیں کیا۔ کوئی یہ بات ثابت کر دے تو میں مانوں۔ ص ۴۹ پر کالم ایک میں نمبر (۷) کے تحت میری عبارت پڑھیے۔ میں نے صاف لکھا ہے کہ "اس پارے میں (یعنی عبداللہ کے القاب میں) سورخین میں اختلاف ہے"۔

یہاں آپ کا یہ ارشاد کہ طیب و طاہر کے بارے میں ابن حزم کا حوالہ دیا تو اس کی دوسری باتیں بھی مانیے اواہ کیا شان تحقیق ہے! ہاں طیب طاہر کے عبداللہ سے الگ ہونے کا ایک حوالہ اسد الغابہ میں بھی ہے (دیکھئے اولادِ رسولؐ) اب یہ بتائیے کہ اسد الغابہ کی ساری ضخیم سطروں کو مان لیا جائے؟ اگر کسی مورخ اور محدث کی کوئی بات مانی جائے تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ اسکی ہر بات آنکھ بند کر کے مان لی جائے۔ ابن حزم بے شک عظیم شخصیت تھے العالی والنسل ہو کہ جمہور الانساب یا تواریخ الخلفاء اسکا بڑا مقام ہے۔

زاد المعاد اصل میں سیرت کی نہیں فقہ کی کتاب ہے۔ یہاں وہاں کچھ نہ کچھ سیرت کی باتیں آنا تو لازم ہے۔ عبداللہ (حضرت رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ) کے صاحبزادے کے بارے میں یہ بات طے ہے جس پر اجماع ہے کہ وہ ان کے صاحبزادے تھے۔ بس یہی بات چارٹ کی ضروریات کے لئے کافی ہے۔ آپ یہ ثابت کر دیجئے کہ وہ ان کے صاحبزادے نہیں تھے۔ مرغ کے ٹھونگ مارنے والی روایت بڑی تفصیل چاہتی ہے۔ اس لئے جو کچھ میں نے اسکے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دو سو برس بعد کی روایت ہے یہ میری بحث کے لئے کافی ہے۔

عیب بینی

مراج الرئیب کی روایت کے بارے میں ایک تو آپ نے مسعودی کی پوزیشن گرانے کی بات کی ہے۔ دوسرے حضرت عثمان کے صاحبزادے کے کثیر الطلاق ہونے کی بات آپ نے بڑی خوشی سے لکھی ہے۔ ایسی کوئی روایت حضرت حسنؓ کے بارے میں بھی سنی ہو گی۔ اسکے علاوہ حضرت عثمانؓ کی دوسری اولاد کے بارے میں جن باتوں کی تفصیل آپ نے لکھی ہے اللہ کو حاضر ناظر جان کر بتائیے کہ اسکا چارٹ کے اندراجات سے کیا تعلق؟ تاریخ بھری پڑی ہے کہ اس دور میں کس کس نے مسجد نبوی میں کیا کیا کمالات کے مظاہرے دکھائے ہیں رہا مسعودی تو اولاد عثمان کی تنقیص میں اس کا بیان جھوٹ اور مبالغے پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔۔۔ ویل لکل ہمزۃ لمزۃ۔۔۔۔۔ ہر شخص جو عیب بینی کرتا اور آوازے کستا ہے اسکی بڑی خرابی ہے۔

مسعودی کو آپ بڑا مورخ بھی مانتے ہیں اور اسمیں آپ کو کوئی شک نہیں (ص ۵۴ تحریر) دوسری طرف طبری کے مقابلے میں مسعودی کی روایت کہ عبداللہ شعیف العمودی کو پہنچے اور امام ابن تیمیہ کے اس ارشاد کو ماننے کو تیار نہیں کہ حضرت زین العابدین ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ ایک عام قاری کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن آپ کو تو اپنی ریت کی عمارت متزلزل ہوتی معلوم ہو گی۔ لطف یہ کہ مسعودی بڑا مورخ ہو کر بھی مقہور اور واقدی محبوب و مطلوب! امام احمد بن حنبلؒ اور یحیی بن معین جیسے سلف صالحین اسکی حدیث لکھنے کے لئے تیار نہیں۔ مغازی کی حد تک کہیں کہیں اسے چھوٹ دی گئی ہے، واقدی کی تائید آپ کا موقف واضح کر دیتی ہے۔

حضرت عثمان کی اولاد اگر کشمیر ملتان اور حبشہ جوبی وغیرہ کے علاقوں میں پائی جاتی ہے تو اس میں تعجب کیا ہے۔ اگر صدیقی فاروقی علوی ہندوستان و پاکستان میں آباد ہیں تو عثمانیوں پر کیا پابندی ہے۔ قاضی شاہ اللہ پانی پتی شبیر احمد عثمانی تاریخ دیوبند کے مطابق حضرت عثمان کے دوسرے صاحبزادے کی اولاد ہیں مولانا محمود الحسن کے علاوہ عثمانیوں میں ایک اور بڑی شخصیت مولانا ظفر احمد عثمانی کی ہے۔

حضرت عبداللہ کی اولاد الحمدللہ آج بھی مکہ میں ہے۔ قرطبہ اندلس اور اشبیلیہ میں بھی تھی جبوتی کے حکمران کا دعوی آپ کی نظر سے کہاں گزرا ہو گا اور مظفر آباد کے نواب مظفر کے جس شجرے پر علامہ شبیر احمد عثمانی اور علامہ انور شاہ کاشمیری کی تصدیق ہے وہ کہاں آپ نے دیکھی ہو گی۔ شاہ رکن عالم کے بابا حضرت جمال فرغانی کا تعلق بھی حضرت رقیہ کی نسل سے تھا' مساوات بنی رقیہ کا جو مشہور شجرہ مولانا شبیر احمد کی تصدیق سے شائع ہوا ہے' اس میں امام کاشف کا نام موجود ہے جن کے کشمیر میں وارد ہونے اور تبلیغ کرنے کی تاریخوں میں شہادت موجود ہے۔ یہ شجرہ راولپنڈی میں ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۸ کو شائع ہوا پھر اسے ایوب صدیقی نے ملتان سے شائع کیا۔ یہ شجرہ مفصل طور پر کتابی صورت میں خدا بخش صاحب نقشہ نویس نے جو خود آل رقیہ سے ہیں' چھاپا تھا۔ اسکا دوسرا ایڈیشن راولپنڈی سے چھپا۔ جسکی تصدیق کر کے مولانا عثمانی نے خود ایوب صدیقی اپنے شاگرد سے دوبارہ ملتان سے چھپوایا۔ اس میں شیخ جمال فرغانی اور بی بی پاکدامن زوجہ شیخ صدرالدین عارف بن شیخ بہاء الدین کے نام ہیں۔ کراچی کی لاہور لائبریریوں میں سے کسی میں یہ مل جائے گا پھر دیکھیے (ص ۱۳۵ سادات رقیہ)۔

حقائق

فقرات ۹ تا ۱۳ میں لوٹ پھیر کے وہی باتیں کی گئی ہیں اور جگہ جگہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لئے اہم نکات کی مختصر تشریحات یہاں دی جا رہی ہیں تاکہ ریکارڈ درست رہے۔

قبائلی نسبت پہلے بھی تھی۔ آنحضرت کے زمانے میں بھی تھی' آج بھی ہے۔ اگر نیت اور عمل برا نہ ہو تو یہ نسبت بری نہیں۔ آپ نے مستشرقین کی دھائی دی کہ قبیلہ پرستی کا نتیجہ تھا کہ جنگ جمل اور صفین ہوئی۔ اول تو مستشرقین کی یہ بات ہی غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ مستشرقین سے کون مراد ہیں؟ نام' کتاب کا حوالہ جو بات میرے لئے جائز نہیں آپ کو اس میں کھلی چھوٹ ہے؟ تحقیق کا یہ انداز بھی خوب ہے۔ مستشرقین کے نام اور ان کی کتابوں کے حوالے دیتے تو میں ایک ایک پر تبصرہ کرتا۔ اب یہ سن لیجئے کہ جمل اور صفین سبائیوں کی فتنہ پردازی کے واقعات ہیں۔ جمل میں تو ان دشمنان اسلام نے شب خون مار کر صلح کو لڑائی میں بدل دیا۔ صفین میں حضرت علیؓ صلح چاہتے تھے سبائیوں نے حملہ کر دیا۔ ان دونوں موقعوں پر یہ ان اور شام کے مختلف قبائل شریک تھے۔ یہ صرف بنی امیہ اور بنو ہاشم کی لڑائی کسی طرح نہیں تھی۔

خاندانی نسبت سے اللہ کے رسولؐ نے کبھی انکار نہیں کیا۔ آپ اپنے قرشی ہونے کا ذکر فرماتے تھے۔ سلف صالحین آپ کو عربی' ہاشمی' مطلبی اور ای (سلسلہ اسفن سے) لکھتے چلے آئے ہیں اس جواز کے بعد کسی اور سند یا کسی مستشرق کی ہرزہ سرائی کی اہمیت نہیں۔ اصل میں جمل اور صفین کے بارے میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کی لڑائی کا پروپیگنڈہ سبائیوں کا ہے۔ خون سبائیوں نے بہایا۔

آپ حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ کے صاحبزادوں کی اہمیت و فضیلت کے لئے یہ بات یاد رکھیں کہ نواسوں میں وہی صحیح معنوں میں صحابیؓ کی تعریف میں آتے ہیں کیونکہ کوئی اور نواسے وصال نبویؐ سے پہلے بالغ نہیں تھے۔ ہم تو سب کو محترم سمجھتے ہیں۔ اعتراض آپ کو ہے۔ اس لئے نشاندہی کر دی گئی۔

ابن عساکر کے بارے میں تفصیل دے کر آپ قاری کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ میں نے ابن عساکر کا حوالہ یوں ہی دے دیا۔ اب سے سولہ سترہ برس پہلے چھپنے والی میری کتاب زرم حق باطل میں ابن عساکر کے حوالے بھی ہیں اور یہ نوٹ بھی جو آپ کے اعتراض کی تردید کرتا ہے کہ مجھے اسکی کتابوں کے بارے میں تفصیل معلوم نہیں۔ ثمنیات کے تحت میری کتاب میں نوٹ ہے۔۔۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق کی اسّی جلدیں لکھی تھیں۔ اب ان میں صرف چند ملتی ہیں۔ لیکن ان کے اقتباسات عام ہیں۔ ایک خلاصہ تاریخ بھی ہے۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ قاری یہ سمجھ لے کہ ابن عساکر کا حوالہ علی بن ابوالعاص کے

بارے میں قابل اعتبار نہیں کیونکہ انکی کتابیں بازار میں عام نہیں بکتیں تو پھر ابن اسحٰق کا ہر حوالہ باطل کہ یہ کتاب بھی ناپید ہے۔ پروفیسر گیوم کی کوشش ایک بالکل الگ چیز ہے۔ ابن الندیم کی الفہرست میں پچاسوں کتابوں کے نام اور حوالے ہیں جو ناپید ہیں۔ احقاق حق کے لئے اللہ تعالیٰ آثار محفوظ کر دیتا ہے' حوالے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

احد کے معرکے میں ابو دجانہؓ کو آپ نے وہ فضیلت دیدی جو صحابہ کرام میں صرف اور صرف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران کی خصوصیت ہے۔ (بخاری غزوہ احد) ابو دجانہؓ نے تو اس تلوار کا حق ادا کیا جو حضورؐ نے انھیں دی۔ ماں باپ فدا کرنے والی بات کو آپ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے چھین کیوں رہے ہیں وہ ہم سمجھتے ہیں! انھوں نے ایران جو فتح کیا تھا!

ہر داماد رسولؐ کی اپنی فضیلت ہے۔ ابوالعاص کے بارے میں رسول اکرمؐ کے ارشادات صحاح میں ہیں۔ حضرت زینب پر سوکن نہ لانے کا وعدہ انھوں نے ایفا کر کے دکھایا۔ اس کا تذکرہ صحیح بخاری (باب فضائل) سیرت ابن ہشام بروایت ابن اسحٰق۔ البدایہ والنہایہ میں ہے۔ حضرت زینب کی واپسی کا وعدہ بھی انھوں نے پورا کیا۔ اپنے بھائی کنانہ کے ذریعے انھیں مدینہ بھیجا چاپاتو ذی طوی کے مقام پر ہبیرہ (شوہر ہانی) اور اس کے بھائی ہبار بن سود نے سیدہ پر نیزے سے حملہ کر کے اونٹ سے گرایا' جس سے ان کا حمل ساقط ہوا۔ ابوسفیان آڑے آئے اور صحت یابی کے بعد پھر انھیں لے کر زرقانی کے قول کے مطابق کنانہ بطن یاجج تک گئے' کے سے آٹھ میل دور جناب زید بن حارثہ کے حوالہ کیا۔ طحاوی حاکم اور زرقانی کا کہنا ہے کہ یہی وہ واقعہ ہے جس کی وجہ سے اللہ کے رسولؐ نے سیدہ زینبؓ کو افضل بیٹی فرمایا۔ حضرت رقیہؓ کو دو ہجرتوں کی فضیلت حاصل ہے۔ وہ صاحبزادیوں میں سب سے خوبصورت بھی تھیں۔ ان کے اور حضرت عثمانؓ کے جوڑے کی خصوصی تعریف کی گئی ہے اور پیمبروں کے جوڑے سے حضور نے تشبیہ دی' ام کلثوم کو دوسرا نور فرمایا۔ حضرت فاطمہ آخر تک زندہ رہیں اور بہت محبوب رہیں۔

بت شکن

فتح مکہ کے موقع پر علیؓ بن ابوالعاص کے بارے میں پھر حوالے لیجئے۔ علی بن ابوالعاص کو حضور نے پرورش کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے۔ انھوں نے فتح مکہ کے موقع پر بت شکنی کی۔ حوالے۔ الاصابہ جلد نمبر ۲ ص نمبر ۵۰۰۔ سنن ابوداؤد۔ الاستیعاب اسد الغابہ (جلد ہفتم تحت "علی" رحمتہ للعلمین ج دو۔ سیر الصحابیات (دار المصطفین) ابن حزم جوامع السیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ ابن ابی طالب اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر نہیں گئے۔ قسطلانی کی روایت میں علی کا ذکر ہے اور وہ علی بن ابوالعاص ہیں۔

تکبیر میں صفحہ ۵۶ پر رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ ---" جن بعض کتب سیرت میں علیؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں کعبہ کی چھت سے ایک بت گرانے کے ذکر ہے وہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے اور اس میں سیدنا علیؓ بن ابی طالب کا نام صراحت سے مذکور ہے" --- قارئین! آپ یہاں کیا کوئی حوالہ دیکھتے ہیں؟ بعض کتب سیرت سے مراد کونسی کتب ہیں؟ ان کے نام دیجئے یہ بھی بتائیے کہ وہ عرب مورخین کی ہیں یا سبائیوں کی چونکہ آپ نے حوالہ نہیں دیا لہٰذا آپکا بیان غیر مستند ہے۔

آنحضرتؐ کے کندھوں پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں کعبے کی چھت نے ایک بت گرانے کا واقعہ جس کا جناب رضوان علی صاحب نے ذکر کیا۔ بقول ان کے ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو کس سنہ کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت علی بن ابو طالب کی عمر کیا تھی؟ یہ خفیہ کارروائی کیوں کی گئی؟ --- میں تو علی بن ابوالعاص کے تعلق سے فتح مکہ کی بات کر رہا ہوں۔ جناب مورخ! کیا ہجرت سے پہلے بت شکنی ثابت ہے؟ کہاں کی بات کہاں ملا دی۔

مزید حوالے

محمد الاوسط کے بارے میں تمہید میں کچھ تفصیل ہو چکی ہے۔ منیرہ سے حضرت امامہ کا صاحب اولاد ہونا بھی ثابت ہے۔ ابن قتیبہ کی تاریخ الانساب کتاب المعارف دیکھئے' صاف لکھا ہے کہ --- امامہ کے بطن سے منیرہ کا ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا۔ ابن سعد کی طبقات جلد سوم میں بھی یہ حوالہ موجود ہے۔ رضوان علی صاحب یہ کہیئے کہ یہ دونوں کتابیں متنازعہ ہیں یا آپ کا قیاس! دائرۃ المعارف کے حوالے میں المعجم کا حوالہ بھی ہے۔ امام نووی کی تہذیب الاسماء کا ذکر بھی ہے۔ کتنے متنازعہ حوالے اور آپ کو درکار ہیں؟ انساب الاشراف میں بھی یہ حوالہ موجود ہے جو چارٹ میں آپ نے دیکھ لیا۔ میں نے شاہ معین الدین صاحب کی خلفائے راشدین (ص ۳۷۵) کا حوالہ بھی دیا تھا۔ اپنے اساتذہ کو تو آپ خاطر ہی میں نہیں لاتے' چارٹ کے حوالے کے باوجود انساب الاشراف کے بارے میں آپ کا قارئین کو یہ تاثر دینا کہ صرف آپ ہی کو اس کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ کس بنا پر ہے؟ اور کونسے نسخے کا آپ نے مطالعہ کیا ہے؟ ڈاکٹر حمید اللہ نے مجھے مدون کیا ہے؟ یہ تو حاشیہ بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید جلدوں پر کام کرنا چھوڑ دیا لیکن تدوین کا کام جاری ہے۔ آپ کی بیجا تعلی کے جواب میں صرف یہاں یہ اشارہ کر دوں کہ ۱۹۷۳ء میں چھپنے والی میری کتاب "رزم حق باطل" میں اسکے حوالے اور بلاذری پر شخصیات کے تحت نوٹ موجود ہے۔ آپ مجھے کیا بلاذری سے متعارف کرائیں گے۔ انساب الاشراف کے نسخے مجلس علمی اور خالد اسحاق لائبریریوں میں ہیں۔ انساب الاشراف کی پہلے چھپی ہوئی کچھ جلدیں کتب خانہ آصفیہ اور دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ بھی تھیں اور دائرۃ المعارف حیدر آباد کی طرف سے شائع کرنے کے لئے اسکی تالیف بھی کی جارہی تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ علی اور امامہ کے صاحبزادے محمد الاوسط کا نام علی میاں نے اپنی الرتضیٰ میں نہیں دیا تو یہ آپ ان سے پوچھئے عربی ماخذوں کے مقابلے میں ان کا کیا مقام ہے' آپ خود بتائیں!

ام الفضلؓ زوجہ عباسؓ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ بالکل ابتداء میں مسلمان ہوئیں۔ ابن سعد کے پاس ابورافع کے قول کے باوجود آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عباس بھی ان کے ساتھ اسلام نہیں لائے۔ فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے رسول مسلمانوں سے مرالظہران کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ذی الحلیفہ کے قریب حضرت عباسؓ اپنے خاندان کے ساتھ اہل اللہ سے آن ملے تو ارشاد ہوا --- میں آخر الانبیاء ہوں اور تم آخر المہاجرین۔ مسلمان نہ ہوتے تو آخر المہاجرین کا خطاب کس طرح پاتے؟ حضورؐ ان کے اسلام کے بارے میں جانتے تھے ابن سعد کا قول بدر کے موقع پر صحابہ سے فرمایا تھا کہ مسلمان انھیں قتل نہ کریں۔ اسد الغابہ میں ہے' کئی بار ان کی ہجرت کرنے کی استدعا کو حضور نے رد کیا۔ ابوالعاص اگر ابتدائی مسلمان نہ ہوتے تو آگے پہلے نکاح ہی کو برقرار نہ رکھا جاتا۔ اگر ان کا دوبارہ نکاح پڑھایا جاتا تو یہ کام حضور اکرمؐ کے سوا اور کوئی نہ کرتا۔ ایسا ہو تا تو دس جگہ اس کی تفصیل ملتی۔ ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس کی صاف روایت موجود ہے کہ تجدید نکاح کے بغیر حضرت زینب ان کی زوجیت میں رہیں۔ حکیم بن حزام' عکرمہ اور ابوسفیان کو بھی بغیر تجدید نکاح کے اجازت دی گئی تھی۔ رہا جہاد کا مسئلہ ابوالعاص دور صدیقی میں برابر جہاد میں شریک رہے۔ جنگ یرموک میں اپنے لخت جگہ کے ساتھ تھے۔ آپ نے یہ سوال اٹھایا تو یہاں یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ محمد بن سعد بعد سیدنا علیؓ نے چوبیس برس جہاد میں کیوں حصہ نہیں لیا۔ سیدنا عمرؓ ان کو ایران کی فتح پر روانہ کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے ایک بات ابوالعاص کے تعلق سے کہی ہے کہ رشتوں سے کوئی فضیلت درجات کا فیصلہ نہیں کرتا' آپ نے یہ بات کہہ لی تو بتائیے کہ اہل بیت کے بارے میں آپ کا کیا موقف رہ گیا؟

چھٹا مغالطہ

رضوان علی صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت فاطمہ سے میں نے حضرت ابوالعاصؓ کا تقابل کیا ہے۔ کہاں؟ کس جگہ؟ کن الفاظ میں؟ میری تحریر قارئین کے سامنے ہے۔

عورت اور مرد کا کیا تقابل؟ گفتگو حدیث پر ہو رہی ہے۔ اگر حدیث میں تقابل ہے تو خود اللہ کے رسولؐ کے ارشاد میں ہے اور یہ داماد وں کے درمیان ہے پھر یہ تقابل بھی صرف ایک شرط کے تعلق سے ہے۔

طحاوی کی حدیث فضیلت کے بارے میں ہے۔ فقہ کا کوئی مسئلہ بیان نہیں ہوا ہے حضرت ابوالعاصؓ کے تعلق سے تو آپ اپنے ترکش کا ہر تیر آزما رہے ہیں لیکن ہر تیر ضائع کیا جا رہا ہے کیونکہ حضرت فاطمہؓ سے ان کا تقابل سرے سے کہیں نہیں ہوا! چارٹ سے اس بحث کا کیا تعلق؟

شعب بنو ہاشم

بلاوجہ کی بحث اور ژولیدہ بیانی کا ایک اور نمونہ جسے چارٹ کے اندراجات سے کوئی تعلق نہیں' یہ ہے کہ "شعب ابی طالب صحیح نام ہے"۔ جی نہیں شعب بنو ہاشم صحیح نام ہے۔ تاریخ کو مسخ کرنے والوں نے یہ چال بھی چلی ہے۔ ازرقی نے تاریخ مکہ (جلد نمبر ۲ ص ۱۸۸) پر لکھا ہے کہ یہاں بنی ہاشم کے مکانات تھے اور یہ ہاشم بن عبدالمطلب کا علاقہ کہلاتا تھا۔ اس کا پرانا نام شعب ابی یوسف تھا۔ معجم البلدان میں یاقوت حموی نے لکھا ہے (جلد ۵ ص ۲۷۰) کہ اسکا نام شعب ابی یوسف تھا۔ یہ وہ گھاٹی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے بور و ستم سے تنگ آ کر بنو ہاشم سمیت پناہ لی تھی۔ عبدالمطلب نے اس گھاٹی کی زمین اپنی تمام اولاد میں تقسیم کر دی۔ اس کا ایک حصہ اللہ کے رسول کے والد محترم کو بھی ملا تھا۔ دیکھیئے شعب بنو ہاشم (مواہب الدنیہ حصہ اول مقطلانی اور معجم البلدان)۔ ہاشم مکہ کی بہت قد آور شخصیت تھے اور یہ گھاٹی اس دور میں اور مابعد شعب بنو ہاشم ہی کہلاتی تھی۔ فن روایت کی رو سے بھی اس میں ہاشم کی اولاد رہتی تھی۔ ابو طالب کے پاس تو گھاٹی میں زمین کا ایک ٹکڑا تھا پوری گھاٹی ان کی نہیں تھی۔ حضور اکرمؐ یہاں بنو ہاشم کے ساتھ اسیر ہوئے تھے جسکی نشاندہی ہر مورخ و محدث کرتا ہے۔

اسد اللہ۔ اسد الرسول اللہ

سیدنا حضرت امیر حمزہؓ کے بارے میں رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ اسد اللہ اور اسد الرسولؐ کے خطاب کے مالک نہیں تھے۔ بلکہ حضرت علیؓ تھے (تحبیر ۵۸ کالم نمبر ۱)

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

حوالہ نمبر (۱) طبقات ابن سعد حصہ اول (اولاد عبدالمطلب کی تفصیل کے تحت) (۲) طبقات ابن سعد حصہ سوم (۳) تاریخ الانساب کتاب المعارف ابن قتیبہ (نام حمزہ کے تحت)' (۴) اسد الغابہ جلد اول (چچاؤں کا بیان) اب ابن ہشام کا اقتباس بھی پڑھیئے ۔۔ "فرمایا جبرائیل میرے پاس آئے اور بتایا کہ ساتوں آسمانوں کے لوگوں میں حمزہ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ "حمزہ بن عبدالمطلب اسد اللہ اور اسد رسولؐ ہیں" سید الشہداء بھی ان ہی کا خطاب ہے۔ اس پر بھی آپ حضرات نے چھاپا مارا۔ مزید حوالہ دیکھیئے (اسد الغابہ جلد سوم تحت حمزہ) زاد المعاد حصہ اول تحت بزرگ رشتہ دار۔ اب یہ بتایئے کہ دوسروں سے آپ حوالے مانگتے ہیں ورنہ اپنے زعم میں الزام لگا دیتے ہیں' سیدنا حضرت علی کو معرکہ خیبر میں کامیابی کے بعد خطاب دینے کا ایک حوالہ تو آپ کسی مستند عربی تاریخ سے دیتے۔ آپ نے تو لے دے کر انحصار علی میاں پر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ ممند احمد طبری اور ابن ہشام نے مرحب کے خلاف محمد بن مسلمہ اور یاسر کے خلاف زبیر بن العوام کی شجاعت کا تذکرہ کیا ہے۔ طبری کے پاس عوف اور میمون کی روایتیں بعد میں آئی ہیں۔ میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ عوف اور واقدی رافضی اور شیطان تھے۔ یحییٰ بن معین میمون کو ناقابل بھروسہ کہتے ہیں آپ خود دیکھیئے کہ غالوں نے تاریخ کو کہاں کہاں مسخ کیا ہے۔ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں الواقدی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "لائق اور نالائق ہر قسم کے لوگوں سے روایت کرتے ہیں" دوسرا اقتباس۔ "ان کی حدیث ترک کرنے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے (تذکرۃ الحفاظ تحت واقدی)۔ آپ ہم پر احسان کریں گے اگر مستند تاریخی حوالوں سے خیبر کے موقع پر حضرت علی کے خطاب پانے کی تفصیل قارئین تحبیر کو بتائیں۔ یاد رکھیئے کہ آپ کے استاذ الاساتذہ علامہ فضلی دره خیبر کے تعلق سے واقدی کے بیان کو سکاوی کے حوالے سے لغو بیان سمجھتے ہیں۔ سیدنا علی کی فضیلتیں ہمارے سر آنکھوں پر لیکن اللہ کی میزان پر سچ کا دامن نہیں چھوڑا جا سکتا۔

شیر بطحا

رضوان علی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت ابوالعاص کے لقب کے لئے کوئی حوالہ نہیں ہے۔ اس لقب کے لئے میرے حوالے دیکھیئے۔ ابن حجر عسقلانی۔ الاصابہ جلد ۴ ص ۱۲۱۔ الاستیعاب (اصابہ کی جلد ۴ کا حاشیہ ص ۱۲۶ مطبوعہ السعادہ' قاہرہ ۱۳۲۸ھ)۔ ہمارے علماء کی اردو تحریریں تو آپ کو سمجھ میں نہیں آتیں سوائے علی میاں کے' اس لئے علامہ قاضی سلمان منصور پوری کے حوالے کی تفصیل یہاں نہیں دی گئی۔

ابوالعاصؓ کے نام پر ابھی آپ کا رونا کم نہیں ہوا۔ انہوں نے حضرت زینبؓ کی وفات کے بعد شادی کر لی۔ کیا یہ شرع میں منع ہے یا حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد کسی عقد نہیں کئے تھے؟ حضرت عثمانؓ نے عقد نہیں کئے' کیا کوئی حوالہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (ابوالعاص کو) منع فرمایا پھر بھی انہوں نے جرأت کی؟

کفالت

رضوان علی صاحب نے تحبیر کے دونوں مضمونوں میں صحیح بخاری باب قصہ ابو طالب کا حوالہ دیا ہے۔ بخاری میں چار اور صحیح مسلم میں کتاب الایمان میں باب ۷۷ میں کل آٹھ روایتیں ہیں۔ ابتدائی تین یعنی ۳۸۱۸، ۳۸۱۹ اور ۳۸۲۰ میں حضرت عباسؓ کی بات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب بسلسلہ ابو طالب دیا گیا ہے۔ باقی پانچ میں اللہ کے رسول کی بدولت بلکی آگ میں رہنے کا ذکر ہے۔ کفالت کا کہیں ذکر نہیں۔ رہا سربراہی کا مسئلہ تو جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے' حضرت عبدالمطلب کی وفات سے لے کر ہجرت تک یعنی سرکار دو عالم کی آٹھ سالہ عمر سے ۵۳ سال تک ۴۵ سال کے زمانے میں خاندان کے تین سربراہ مقرر ہوئے۔ زبیر سب سے پہلے تھے پھر ابو طالب ہوئے پھر ابولہب کو آخر زمانے میں یہ منصب ملا۔ یہ تینوں بھائیوں کا سلسلہ سینیارٹی کے مطابق ہے۔ باب کفالت جلد اول اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ زبیر نے اپنے بھتیجے کی پہلے کفالت کی وہ مرے تو ابو طالب کو یہ سعادت ملی۔ یہ قول واضح طور پر آیا ہے پھر بھی ابراہیم کے جھولے والے واقعے کی دلیل ہے جس کا جھوٹا ہونا ثابت ہے۔ یہ تاریخی قول نہیں ابن اثیر کی اپنی رائے ہے۔ (اس کے بارے میں کچھ اور حوالے۔ ابن سعد۔ یعقوبی۔ روض الانف (سہیلی) سرسید کے خطبات (اگریزی) رحمۃ للعالمین اور وہ حوالے جو ان کے علاوہ پہلے دیئے جا چکے ہیں۔ اس طرح چارٹ کے اندراجات درست ہیں۔ ابو طالب کی وفات اسی برس کی عمر میں ہوئی۔ ۷۰ برس کے عمر میں وہ سربراہ خاندان بنے جس سے تک ان تین وفود کا تعلق ہے جو شکایتاً ابو طالب کے پاس آئے اس کے سلسلے میں حضورؐ کا صرف یہ ارشاد وضاحت کے لئے کافی ہے کہ ۔۔۔۔ ایک ہاتھ میں چاند ایک میں سورج رکھ دیا جائے پھر بھی تبلیغ آپ نہیں چھوڑیں گے۔ آپ کو یہ ارشاد فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی اگر ستر برس کی عمر کے باوجود ذہنی طور پر اسلام سے ابو طالب کی وابستگی ہوتی۔ یہ اصل میں ان وفود کو منہ توڑ جواب تھا جن کو ابو طالب مطمئن نہ کر سکے تھے۔

حضرت عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید مشرکین پر غصہ کیا کرتے تھے یا دل میں کڑھتے تھے۔ جسمانی طور پر وہ تندرست نہیں تھے۔

کفالت کے سلسلے میں واضح طور پر یہ بات پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جس نبی کی تعلیم "الرحمان" نے اپنے ذمے لی اور کسی فرد بشر کے آگے نبی اکرمؐ کو زانوئے تلمذ تہ نہیں کرنے دیا اسکی حمیت کیا اسے گوارا کرتی کہ فخر رسلؐ' سرور کشور رسالتؐ روٹی کپڑے مکان کے لئے کسی کا مرہون منت ہوتا۔ حضور اکرمؐ اپنے دادا کے پاس رہے یا چچاؤں کی سرپرستی میں' کھاتے پیتے تھے اپنے والد محترم کی چھوڑی ہوئی جائیداد سے! یہ بحث یہاں تشنہ ہے۔ سورہ الضحیٰ کی ایک آیت کی تفسیر پر تبصرہ کرنا ہے مگر گنجائش کا سوال ہے۔ اس مضمون پر طویل تقریروں میں ہر پہلو سے روشنی ڈال چکا ہوں۔ خاندان نبوتؐ پر میرا کیسٹ عام ملتا ہے۔ میری کتاب طوبیٰ میں بھی اس موضوع پر مضامین ہیں۔ ابو طالب سرپرست رہے مگر زبیر کے بعد۔ اس سلسلے میں بہت سی موضوع روایتیں اعتبار پیدا کرتی ہیں۔ حضور اکرمؐ کے چچا کی حیثیت سے وہ ہمارے لئے قابل احترام ہیں لیکن تاریخ کے معاملے میں دھونس اور دھمکی نہیں چلتی۔

بحیرا راہب

اب جلیل اور غیر متعلق بحث کرتے ہوئے رضوان علی صاحب ایک اور سبائی روایت کے دفاع پر آگئے۔ وہ بحیرہ راہب کے واقعہ سے متعلق ہے۔ پچھلے مضمون میں اس بارے میں جو کچھ لکھ چکا ہوں اس میں بس صرف اتنا اضافہ کرونگا کہ ابوالحسن علی میاں مصنف الرقعہ بھی اپنی سیرت کے حصہ اول میں اسے رد کرتے ہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ص ۷۰ پر وہ لکھتے ہیں کہ ---- یہ بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے تعصب نے اندھا کر دیا ہو یا خیال آرائی اور فرضی اور روہی باتوں کی اسکو عادت پڑ چکی ہو۔ اگر یہ قصہ سیرت کی کتابوں میں نہ ہوتا تو اسکے ذکر کی بھی یہاں ضرورت نہ تھی۔

ایک اور اعتراض

حضرت زبیر پر رضوان علی صاحب کا پھر ایک وار! ان کے اعتراضات اور میرے جواب سنتے جایئے۔

۱۔ زبیر شاعر تھے۔ ابو طالب بھی شاعر تھے۔

۲۔ شاعروں کو وادیٔ خیال میں بھٹکنے والا کہا گیا۔ زبیر بحث سے پہلے کے شاعر ہیں انھوں نے آنحضرتؐ کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ لہٰذا اس زمرے میں نہیں آتے بلکہ وہ بامقصد شاعری کرتے تھے۔

۳۔ شاعر کیسے نبی کا سربراہ ہو سکتا ہے۔ تو پھر ابو طالب بھی نہیں ہو سکتے۔

۴۔ زبیر کو شاہ بلیغ الدین صاحب نے شریف شاعر لکھا عربی میں شریف کا مطلب معزز ہے۔ ترجمہ میرا نہیں جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ کے رکن علامہ عبداللہ العمادی کا ہے جو مانے ہوئے عربی داں تھے۔ اگر شریف کے وہی معنی لئے جائیں جو رضوان علی صاحب کہتے ہیں تو بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ متاز اور معزز حیثیت کے مالک سردار تھے۔ اور قادر الکلام شاعر تھے، جلیئے آپ نے خود ہی ثابت کر دیا۔ شکریہ!

۵۔ زبیر فحش گو شاعر تھے۔ بحث سے پہلے صحابہ کی زندگی بھی مختلف تھی۔ کوئی نمونہ ان کی فحش شاعری کا؟

آپ کے علم میں ہے کہ سعدی جیسا شاعر بھی فحش وہزل گو تھا۔ آلوسی کا حوالہ دے کر قارئین کے آگے زبیر کی کردار کشی کی کوشش ایک سعدی ناکام ہے۔ الحمدللہ میں بھی اس حوالے سے واقف ہوں۔ اب سنیئے کہ آلوسی کا حوالہ ۷۳ میں چھپنے والی میری کتاب رزم حق و باطل میں ہے۔ شخصیات کے تحت اپیر نوٹ بھی ہے۔ آلوسی نے اپنی کتاب بلوغ الادب میں ایک باب دیا ہے جس کا عنوان ہے۔ وہ شعرا جو اپنے قبائل کی مدافعت کرتے تھے۔ اسکے ضمن میں فرزدق شاعر اہل بیت کی ہجو گوئی کا بھی ذکر ہے۔ ایک اور شاعر عبداللہ الزبعری بن قیس کا ذکر ہے۔ اس نے حضرت زبیر کے خاندان کی ہجو کہی اور حضرت زبیر کے ذمہ اسے جنہ بن رہیعہ کی طرف بھیج دیا۔ اس ذمہ سے کہ زبیر اسکی ہجو نہ کہہ ڈالیں۔ آلوسی تو لکھتا ہے کہ ---- زبیر فصیح وبلیغ شاعر تھا۔ سخت مقابلہ کرنے والا اور نخشی ہجو گو شخص تھا۔ آلوسی نے آگے لکھا ہے قبیلے کی حفاظت کا مطلب عورتوں کی حفاظت سے ہے وہ صرف فحش گو شاعر نہیں تھے اور پھر آلوسی کا یہ بیان ناقص ہے۔ اس نے زبیر کی فحش شاعری کا کوئی نمونہ نہیں دیا۔ ہزل گوئی اس زمانے کا مذاق بھی تھا۔ ہجو گوئی میں ہزل تو آتی ہے۔ اہمیت دو باتوں کی ہے کہ ایک تو یہ کہ سب کچھ اپنے قبیلے کی حفاظت کے لئے تھا۔ دوسرے یہ حقیقت ہے کہ وہ بہت قادرالکلام شاعر اور بہادر سردار تھے۔ آلوسی نے نمونے کے ان کے جو شعر دیئے ہیں وہ ثقہ اور اچھے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ضرورت پڑتی تو وہ ہزل کا مورچہ بھی سنبھال لیتے تھے۔ آلوسی نے نمونے کے جو اشعار دیئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موقعہ بھی سنبھال لیتے تھے۔ ان کے بہادر جنگجو ہونے کا اندازہ حرب فجار میں ان کی تیر اندازی سے بھی ہوتا ہے۔ آلوسی کے الفاظ میں وہ مقابلہ کرنے والے آدمی تھے۔ عرب کی جس سوسائٹی میں اللہ کا آخری پیغمبر مبعوث ہوا وہ تو اخلاقی نقطہ نظر سے بدترین سوسائٹی تھی۔ زبیر کی شاعری پر اعتراض ہے تو پھر ابو طالب کے کفر پر شدید اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ زبیر نے تو بعثت کا زمانہ نہیں پایا۔ رضوان علی صاحب نے کچھ شعرا کے نام دیئے ہیں اسکا چارٹ کے اندراج سے کیا تعلق؟ ان میں کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ اور جعیل کے نام نہیں ہیں۔ جنھوں نے اپنی شاعری سے اسلام کی بڑی خدمت کی۔

ساتواں مغالطہ

رضوان علی صاحب زبیر کی پوزیشن کم کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ سیرت کی تمام کتابوں میں ہے کہ آنحضرت نے عبداللہ بن جدعان کی تعریف کی ہے اور زبیر کی نہیں۔ ابن سعد حلف الفضول کے تحت لکھتے ہیں ---- جتنے عہد و پیمان ہو چکے تھے حلف الفضول کا معاہدہ سب میں ممتاز تھا۔ سب سے پہلے زبیر بن عبدالمطلب نے اسکی دعوت دی تھی۔ بنی ہاشم بنی زہرہ بنی تیم سب لوگ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے۔ زبیر نے ان کے کھانے کا انتظام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کا رخ تو زبیر کی طرف ہے۔ حلف کی تجویز ان کی جمع کرنے والے وہ۔ عبداللہ بن جدعان کا تو صرف گھر استعمال ہوا۔

اب ایک اور واضح بات سنیئے۔ ابن سعد اسی حوالے میں لکھتے ہیں کہ ---- "ہم کو معلوم نہیں کہ اس حلف میں بنی ہاشم سے کوئی سبقت لے گیا ہو یعنی جہاں تک علم کی رسائی ہے سب سے پہلے بنی ہاشم ہی نے اس کار خیر کی بنیاد ڈالی اور ایسے بابرکت عہد و پیمان کے آثار استوار کئے"۔ کسی سیرت کی کتاب میں حلف الفضول کے تعلق سے آنحضرت کے فرمان کے بعد زبیر کے سوا کسی اور کی تعریف بد دیانتی ہے۔

ابو طالب کے الفاس کی بات سب مورخین نے کی ہے۔ وہ حضور اکرمؐ کے والد محترم حضرت عبداللہ کے دست مگر تھے۔ ابن سعد نے ان کے الفاس کا تذکرہ کیا ہے۔

ابن اسحٰق واقدی بلاذری

ابن اسحٰق کی بھی آپ تعریف کرتے ہیں حالانکہ ان کے ہاں موضوع روایات کی بھرمار ہے۔ صاحبان علم کی نظر میں سیرت کے تعلق سے موسیٰ بن عقبہ، یحییٰ بن معین اور ابن سعد کا مقام بہت اونچا ہے۔ ابن سید الناس کی کتاب کا جس طرح طعن سے آپ نے ذکر چھیڑا ہے اسکے حوالے بھی رزم حق و باطل مطبوعہ ۱۹۷۳ میں دیکھ لیجئے۔

آپ کا یہ کہنا کہ ابن اسحٰق پر ناپاک حملہ کیا ہے۔ کیا الفاظ ہیں جو ناپاک ہیں؟ ابن اسحٰق صد فیصد ابو جعفر کا دوست گرفتہ تھا۔ یہ جملہ شاید آپ کو ناگوار گزرا ہے۔ ابن اسحاق شیعہ مورخ ہے۔ علامہ سیوطی کی رائے اس کے بارے میں سنیئے ---- جہاں تک مغازی کا تعلق ہے مشہور محمد بن اسحٰق کی کتاب ہے اور وہ اہل کتاب سے نقل کرتا ہے! (حوالہ ملا علی قاری موضوعات کبیر ملی جنگ نیئر)۔ مالک بن انس ان کو شیعی اور انکو متعدد قصوں اور نظموں کا مخترع بتاتے تھے جن کی ابن اسحٰق نے روایت کی۔ اس پر ابن اسحٰق کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ (دائرۃ المعارف۔ جلد اول۔ ابن اسحٰق)۔ ابن اسحٰق پیغمبر تھے۔ یا صحابی تھے؟ مورخ اور محدث کو تو جانچا پرکھا جائے گا۔

رضوان علی صاحب ابن اسحاق کے بعد اب واقدی کا دفاع کرتے ہیں۔ جو بات واقدی کے بارے میں میرے پہلے مضمون میں ہے وہ سلف صالحین کا نقطہ نظر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی کتابیں جھوٹی ہیں اور مغازی میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کے علاوہ کوئی کتاب صحیح نہیں۔ (موضوعات کبیر حدیث ۱۹ کے بعد کی پہلی فصل)

رضوان علی صاحب کا کہنا ہے کہ امام احمد بن حنبل واقدی کی کتابیں منگوا کر پڑھتے تھے۔ حوالہ کوئی نہیں۔ احمد بن حنبل کی الفاظ طبع اور محدث ہونے کی وجہ سے رضوان علی صاحب کی بات کا یقین کرنا مشکل ہے۔ موضوعات کبیر ہی کے اس حوالے سے احمد بن حنبل کا تبصرہ پڑھیئے۔ تین قسم کی کتابوں کا کوئی اصول نہیں (۱) مغازی (۲) ملاحم (۳) تفسیر۔ خطیب اپنی جامع میں فرماتے ہیں کہ۔ یہ ان مضامین کی ان خاص کتب کے بارے میں ہے۔ جن پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ناقل صاحب عدالت نہ تھے اور ان میں قصوں کی بھرمار تھی۔ ملاحم کا جہاں تک تعلق ہے تو اس مضمون کی تمام کتب اس صفت کے ساتھ متصف ہیں اور آئندہ آنے والے فتنوں کے بارے میں چند احادیث کے علاوہ کوئی صحیح نہیں۔

اور جہاں تک کتب تفسیر کا تعلق ہے تو اس میں سب سے زیادہ مشہور کلبی اور مقاتل بن سلیمان کی کتابیں ہیں۔ امام احمد بن حنبل تفسیر کلبی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ از اول تا آخر جھوٹ ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ اسے دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا۔ نہیں۔ زرکشی فرماتے ہیں کہ مقاتل کی تفسیر اس کے قریب قریب ہے۔"

ابن سعد کاتب واقدی رہے ہیں' لیکن اہل علم کی نظر میں ان کا مقام معتبر ہے۔ میں نے بالاذری' ابن اسحاق اور واقدی کا کوئی مقابل نہیں کیا۔ شام کے سفر کے بارے میں علامہ شبلی کے اس بول کا تو کوئی جواب آپ سے نہ بن پڑا کہ ---یہ روایت ناقابل اعتبار ہے اور اس بنا پر کے طالب علم نے شبلی کو بھی قابل اعتماد نہ جانا۔

نکتہ نمبر ۱۳ حیرت ہے کہ آپ یہ سنی سنائی بات لکھ جاتے ہیں یعنی "الزامات' طنز' تشنیع علم طریقہ نہیں۔ تاریخی حقائق اور براہین اہل علم کے نزدیک مقبول اور صحیح طریقہ ہے!" کاش آپ نے خود اس پر عمل کیا ہوتا۔

حدیث مغفور

(نکتہ ۱۴) آپ امیر المومنین معاویہ کے بعد جبر و استبداد کی بات پر بھی آ گئے۔ گویا اب عتاب کا دفتر کھلا۔ یہ بڑی طویل اور اس جگہ قطعی غیر متعلقہ بحث ہے۔ جواب سننے یہ امیر معاویہ کا پوتا تھا' جس نے علمی مشاغل اور سائنسی تجربات کی خاطر اقتدار کو لات ماردی تھی جب کہ علوی بار بار اس کے لئے خروج کر رہے تھے۔

حضرت امیر معاویہ صحابی تھے۔ قرآن ان کے راشد ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ --- شابہوا! میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو۔ تمہارے امام یعنی امیر معاویہ کے علاوہ! (منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۸۵) امیر معاویہؓ اور امیر یزید کو سمجھنا ہو تو ابن کثیر البدایہ والنہایہ کو غور سے پڑھئے۔ ان کے بارے میں صرف اتنی بات کافی ہے کہ باپ نے فجر فتح کر کے حضور اکرمؐ کی پیش گوئی پوری کی اور بیٹے نے قسطنطنیہ پر حملہ کر کے حضرت ام حرام کے گھر دیکھے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی دوسری ایشن کوئی پوری کی' دونوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی' اسماعیل بنائی کو آپ جانتے ہیں۔ ان سے قارئین کا وہ پرچہ مانگ لیجئے' جس میں حدیث مغفور کے سلسلے میں میں نے چوالیس حوالے دیئے ہیں۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ قسطنطنیہ سے لوٹ کی یزید بن معاویہؓ نے مسلمانوں کو حج کرایا یعنی امیر حج بنے' اس سے پہلے بھی امیر حج رہے معاویہؓ اور ان کے فرزند کے دور میں جہاد کا احیاء ہوا امیر یزید کے بارے میں حضرت زین العابدین اور حضرت محمد بن حنفیہ کی روایتوں کا لب لباب یہ ہے' جو البدایہ والنہایہ الخواص من القواصم منہاج اللہ میں ہے کہ فسق و فجور کی روایتیں محض پروپیگنڈہ ہیں ورنہ صحابہ کرامؓ ایک فاسق و فاجر کو نہ امیر حج تسلیم کرتے نہ جہاد قسطنطنیہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھتے۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ حضرت حسینؓ اس جہاد میں شریک ہوئے اور عبداللہ بن عمرؓ' عبداللہ بن زبیرؓ' عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمر بن عاصؓ اس جہاد میں امیر یزید کے ساتھ شریک تھے اور محمود بن ربیع کی حدیث کتاب الصلوٰۃ باب الخوف بخاری میں ہے کہ ابوایوب انصاری بھی اس جہاد میں شریک تھے' بس نے سپہ سالار یزید بن معاویہؓ تھے۔ ان سب نے یزید بن معاویہؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ ۵۰ صحابہؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے' جن میں عشرہ مبشرہ' بدری صحابہؓ اور بیعت رضوان کے صحابہؓ شامل ہیں۔ ابن حجر اور امام یحییٰ ہی نہیں ابوداؤد بھی کہتے ہیں کہ ان کی بیعت پر اجماع امت ہے۔

غیر معروف

ناصر الدین البانی صاحب اس دور کے محقق ہیں۔ یہ خود ہجرت کر کے یورپ سے نہیں آئے۔ ان کے والد آئے تھے۔ یہ پہلے مقلد اور اب غیر مقلد ہیں۔ ان کی ایک آدھ کتاب کراچی کی ایک دو معروف لائبریریوں میں ہے۔ میں نے ان کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ غیر معروف ہیں۔ آپ خود اس کی تصدیق کرتے ہیں' ورنہ آپ کو لفظ "بلکہ" کا سہارا لے کر انہیں ہندوستان پاکستان میں معروف نہ بنانا پڑتا۔ میں نے کیا غلط لکھا تھا؟ ایک مخصوص گروہ کے نظریات ان کے پاس مل جاتے ہیں۔ حضرت سفینہ کی روایت کو ان "صحیح کہنا خود اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ شیخ ناصر الدین صاحب کی شہرت یہ ہے کہ انہوں نے بہت سی صحیح احادیث کو منکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے ان کو علامہ قاری' ابن حجر اور امام یحییٰ کی صف میں بٹھانا چاہتے ہیں تو کون اسے تسلیم کرے گا۔ ابھی تو وقت گزرے گا ان کے لکھے پر جرح و تعدیل ہو گی پھر ان کا مقام متعین ہو گا۔ ان سے بڑے مرتبے کے عالم مولانا ظفر عثمانی اعلاء السنن (۲۰ جلدیں) کے مصنف عرب علماء میں غیر معروف۔ مولانا یوسف بنوری اکثر مقامات پر غیر معروف۔ ہمارے اکابرین میں شاہ ولی اللہ شیخ احمد سرہندی' شاہ عبدالحق محدث جیسی شخصیتیں عرب ممالک میں غیر معروف ہیں۔ جو پڑھا لکھا شخص بھی وہاں جائے اسے اس کا احساس ہوتا ہے۔

حوالے نہیں ملتے تو آپ کروٹ بدل کر مطبوع اور موثق کتابوں کے بجائے مخطوطات کا سہارا لینے پر اتر آئے ہیں؟ جناب تحقیق کے لحاظ سے ان کی اہمیت اس وقت تک مسلم نہیں' جب تک آپ اس کی تیکرو فلم نہ منگوائیں یا اس کے حوالے کثرت سے دوسرے محققین بھی نہ دیں مذکرہ "قاعدہ" سے آپ نے کیا نقل کیا اس کی کوئی ضمانت نہیں۔ اسی طرح آپ سیاق و سباق توڑ کر ابن تیمیہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ آپ وہ سوال بھی تو لکھتے جس پر ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا۔ موجودہ صورت میں آپ کا بیان نامعتبر ہے۔ اس لئے ابن تیمیہ منہاج السنہ اول ص ۵۲۸ پر واضح طور پر لکھتے ہیں کہ "ابوبکر" "عمر" اور عثمان کی خلافت' خلافت نبوت ہے" آپ نے ان کے جس فتوے کا حوالہ دیا ہے' اس میں' عمر' علی کا نام ہے؟۔ ابن تیمیہ صاف کہتے ہیں کہ لوگ ان پر جمع نہیں ہوئے وہ نہ خلافت نبوت کے منتظم بنے' نہ ملک کے" انہوں نے یہ بھی تشریح کی ہے کہ خلافت مدینے میں ہو گی۔ مدینے کے باہر نہیں۔ تیس سالہ مدت کی روایت میں ایک سقم یہ ہے کہ قتادہ و ابوالخلیل میں مسعودی نے حضرت ابوبکر سے حضرت حسن تک ہر ایک کی مدت خلافت لکھی ہے" سے جوڑا جائے' تو حضرت حسن کی خلافت تیس سالہ مدت سے باہر ہو جاتی ہے۔ دوسری روایتیں کچھ اور صورت حال پیش کرتی ہیں' مدت خلافت کی روایتوں کو بھی مسخ کیا گیا ہے۔

سفینہ کی بیعت

حضرت سفینہ کی روایت کو ناصر الدین صاحب چاہے' کچھ کہیں امام ترمذی صحیح نہیں مانتے۔ حضرت ابوبکر کی روایت میں زرقا اور اس روایت میں استبال ہونے والے لفظ محاورے ("گ" سے ہوتا) کا کوئی؛ کر نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہے اقتدار دے لکھا ہے۔ امام ابوداؤد نے سفینہ کی ---- کی روایت کا لفظ جزو دیا ہے۔ سعلی' ابوحاتم' ابن العربی' محب الدین خطیب سعید بن جمہان کو واقدی کی طرح ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ الحاظ اکبر امام ابوحاتم صاف کہتے ہیں کہ اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا' پھر بھی آپ ناصر الدین صاحب سے پٹے ہوئے ہیں۔ ۳۰ سالہ روایت صحاح میں کسی اور طرح سے نہیں ملتی نہ صحیحین میں ملتی ہے عبداللہ بن مسعود کی روایت پچیس سالہ عرصہ کی ہے' بشمول عہد نبوی ۳۵ سال اور صحیحین میں تین خلافتوں کی اور روایتیں بھی ملتی ہیں۔ ایک اور دلیل پیش ہے۔ حضرت سفینہ نے امیر معاویہؓ اور امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کیوں کی؟ جہل اور منافقین میں شرکت کیوں نہیں کی۔ جب کوئی محدث اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف عمل کرتا ہے تو روایت باطل ہو جاتی ہے' سفینہ ۷۶ھ میں مر گئے۔ سعید بن جمہان کی سماعت حدیث ثابت نہیں' سفینہ مدینے میں فوت ہوئے۔ سعید بصرے ہی میں رہا اس طرح یہ حدیث ضعیف اور منقطع ہے۔ ایک اور دلیل جو دے چکا ہوں کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر صحابہ کرامؓ کی جس عظیم اکثریت نے بیعت نہیں کی وہ اس حدیث کی رو سے گنہگار ہو جاتی ہے۔

آپ کہتے ہیں سعید بن جمہان کو بعض نے ثقہ کہا ہے؟ آپ کھل کے نام دیجئے اور ان کے حوالے بھی دیجئے۔ آپ کے بیان کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہاں ناصر الدین صاحب کا نام دیجئے اسفینہ کی روایت میں مشرح بن ہاعہ کا نام بھی آتا ہے' جو سعید بن جمہان سے روایت

کرتا ہے۔ یہ ضعیف الحدیث' نامعتبر اور منکر الحدیث ہے۔ حجت کے قابل ہے ہی نہیں۔ ہم تک سفینہ کی یہ روایت دو نامعتبر راویوں سے پہنچی ہے۔

آٹھویں غلط بیانی

ازالۃ الخفا کی پہلی جلد میں ص ۱۱۴ پر فارسی متن اور اردو ترجمے کے ساتھ حدیث سفینہ کے تحت وہ اقتباس ہے جسے رضوان علی صاحب فرضی تصور کر کے الزام تراشی کرتے ہیں۔ "حدیث سفینہ سے مدت خلافت تیس سال ظاہر ہوتی ہے اور حدیث ابن مسعود سے پچیس سال معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت کوئی تناقض نہیں ہے کیونکہ اگر حضرت مرتضیٰ کو (ان کی اسلامی خدمات کی قوت پر نظر کر کے اور ان کے زمانہ خلافت میں ان کے افضل الناس ہونے پر نظر کر کے) خلفاء راشدین میں شمار کریں تو خلافت کی مدت (موافق حدیث سفینہ کے) تیس سال ہوتی ہے اور اگر اس بات پر نظر کر کے کہ حضرت علیؓ کی خلافت نے نظام (کامل) نہ پایا اور ان کو خلفاء میں شمار نہ کریں تو حضرت عثمانؓ کی موت سے خلافت خامسہ منقطع ہو گئی (اور موافق حدیث ابن مسعود کے خلافت کی مدت پچیس سال ہوتی ہے) اور اکثر حدیثیں اس مضمون کی وارد ہوئی ہیں اور (تعین مقام خلافت) ابوہریرہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) خلافت مدینے میں ہو گی اور سلطنت شام میں" تشریح اس کی یہ کہ خلافت ماننے کے دو حصے ہیں ایک خلافت خامسہ اور دوسری راشدہ جو مدینے سے باہر ہو گی۔ خلافت کے بارے میں اور بھی حدیثیں ہیں' جو حضرت عثمان ہی کے عہد پر آ کر ختم ہو جاتی ہیں مثلاً بخاری' مسلم اور ترمذی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ سے پہلے خواب دیکھنے کی حدیث جس میں تراو کے ایک پلڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت ابو بکرؓ' حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ امت کے مقابلے میں تلتے رہے اور بھاری نکلے اس کے بعد وہ ترازو آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ ابوداؤد میں اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابو بکرہ سے منقول ہے۔ ابوداؤد نے حضرت جابر سے وہ روایت بیان کی ہے' جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے حضرت ابو بکر ان کے دامن سے حضرت عمر ان کے دامن سے حضرت عثمان لٹک رہے ہیں۔ ایک کا دوسرے کے دامن سے لٹکنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے والی ہوں گے۔ خلافت خاص یہاں ختم۔

چند اور ثبوت

حاکم نے سفینہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے مسجد اقدس کی بنیاد ڈالی تو پہلے آپ نے ایک پتھر رکھا پھر ابو بکرؓ سے فرمایا کہ پتھر رکھیں' اس کے بعد پہلو میں عمرؓ سے پتھر رکھوایا اور آخر میں عثمانؓ سے اور ارشاد فرمایا۔ یہ لوگ میرے بعد خلیفہ ہیں۔ بزاز اور طبرانی نے (کتاب المعجم) اوسط میں اور بیہقی نے حضرت ابوذر سے روایت کی ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے تھے کہ ابوذر وہاں پہنچے پھر ابو بکر' عمر اور عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سات کنکریاں پڑی ہوئیں تھیں۔ آپ نے کنکریاں ہتھیلی پر رکھیں تو تسبیح پڑھنے لگیں۔ آپ نے انہیں زمین پر رکھا تو خاموش ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھا کر انہیں ابو بکر کے ہاتھ پر رکھا وہ پھر تسبیح پڑھنے لگیں۔ زمین پر رکھا خاموش ہو گئیں۔ آپ نے عمر کے ہاتھ پر رکھیں پھر تسبیح پڑھنے لگیں۔ زمین پر رکھا پھر خاموش ہو گئیں۔ اسی طرح حضرت عثمان کے ہاتھ پر تسبیح پڑھتی رہیں پھر زمین پر رکھتے ہی خاموش ہو گئیں۔ فرمایا کہ یہ علامت خلافت نبوت کی ہے۔ یہ سب حدیثیں میں نے ازالۃ الخفا ہی سے لی ہیں۔ صرف اس لئے کہ قارئین کو خلافت کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب کا نقطہ نظر اچھی طرح معلوم ہو جائے (جلد اول فصل سوم تفسیر آیات خلافت) تجبیر کے ص ۶۳ کا لم ایک میں میری تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۔۔ مجھے یقین ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ہرگز وہ نہیں کہا ہو گا جو ان کی طرف بلیغ الدین صاحب نے منسوب کیا ہے۔ "اب قارئین خود انصاف کریں۔ ابو بکر بن العربی نے بھی ان احادیث کے حوالے العواصم من القواصم میں دیئے ہیں۔ محب الدین خطیب نے بھی ان پر حاشیہ آرائی کی ہے۔ تنبیہ ۱۵ تلبیسات الجہمیہ کا حوالہ' جس کی تصحیح کے لئے غلام مصطفیٰ قاسمی کا نام لکھا گیا ہے' اس میں یہ شہادت کہ کون کون جنت اور خیر کے مستحق ہیں' وہ تو ہر مسلمان کا نظریہ ہے۔ بعد کا ٹکڑا جس میں زبردستی کی ملوکیت کی بات ہے' وہ شائبہ طولیٰ تحریف کا مظہر ہے۔ ایک طرف تو رضوان علی صاحب ملوک رحمت ابن تیمیہ کے حوالے سے بات کرتے ہیں دوسری طرف دسویں ۱۰ کے تجبیر میں ص ۶۳ پر انہیں زبردستی کی ملوکیت کا بانی بنا دیتے ہیں۔ سچ کیا ہے؟ اسی جگہ شاہ ولی اللہ کا نام لے کر انہوں تمام خلفاء پر حضرت علی کی فضیلت کی بات چھیڑی ہے۔ یہ تفضیلہ گروہ کا نعرہ ہے۔ رہی شاہ ولی اللہ صاحب کی بات اسے رضوان علی صاحب سمجھ نہیں سکے۔ انہوں نے پہلا گروہ نبوت کا بتایا ہے' اس میں پہلا نام حضرت ابو بکر کا ہے خلفاء راشدہ میں پہلا نام حضرت علی کا ہے۔ صرف خلفاء کا سلسلہ شمار ہو تو حضرت علی چہارم امیر معاویہ پنجم ہیں یہی سلف صالحین کا نظریہ ہے۔

سال اتحاد

حکومت معاویہؓ کے بارے میں حضرت حسن کا فیصلہ امیر معاویہ کو سب سے بڑا خراج تحسین ہے۔ شاہ ولی اللہ انہیں حضرت عثمان کا عہد حکومت ختم ہونے کے بعد شروع ہونے والی خلافت راشدہ میں شمار کرتے ہیں' یہی ابن تیمیہ کہتے ہیں' صرف سبائی اسے جبر و زبردستی کی ملوکیت کا نام دیتے ہیں' حالانکہ امیر معاویہ پر اجماع امت ہے۔ اسی لئے تاریخ میں یہ سال ہی "سال اتحاد و ملت" کہلاتا ہے (عام الجماعۃ) رضوان علی صاحب تجبیر کے ص ۶۳ پر لکھتے ہیں کہ۔ "حدیث سفینہ کے بارے میں جو بات اکثریت محدثین کی' وہ وہ الفاظ ہے۔ یہ ابو بکر ابن العربی نے العواصم من القواصم میں بالکل نہیں فرمائی ہے' بلکہ اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ اور یہ احتمال بھی ہے کہ ولایت کے مدارج مختلف ہوں۔۔ آخر تک۔)

سب سے پہلے تو یہ بات نوٹ کیجئے کہ جس کا سارا آپ نے لینا چاہا وہ بات شروع "احتمال" سے ہوئی ہے جو شک اور قیاس پر مبنی ہے۔ جو بات ص ۷' پر انہوں نے کہی ہے۔ اس سے پہلے "عاصمہ" کے تحت بحث کرتے ہوئے واضح الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔ ۱) معاویہ اور حسن کی صلح کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے (۲) حضرت معاویہ خلیفہ راشد تھے اور پھر صفحہ ۲۰۱ پر دو ٹوک الفاظ میں کہتے ہیں کہ حضرت حسن نے امیر معاویہ کی بیعت کر لی اور یہ حدیث (حدیث سفینہ) صحیح نہیں ہے اگر صحیح ہو بھی تو اس صلح کے خلاف ہے' جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہوا پھر اس طرف رجوع لازم ہے" یہ بات اس لئے کہی گئی ہے کہ حضرت حسن اس شہادت کو پورا کرتے ہیں' جو اللہ کے رسول نے دی' اس لئے جو روایت اس سے ٹکرائے' غلط ہے کیونکہ حدیث بشارت صحیح ہے اور کئی طرق سے آئی ہے۔

صحیح اور حسن پر جو بحث آپ نے کی ہے اسے سوائے کج بحثی کے اور کیا کہا جائے۔ عدل و ضبط صحیح کے لئے ضروری ہے' حسن کا درجہ دوسرا ہے۔ ایک حوالہ اور مختصر حوالہ۔ مقلوات کے مقدمہ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ۔ حدیث کی اصل قسمیں تین ہیں ۱۔ صحیح ۲۔ حسن ۳۔ ضعیف۔ صحیح سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔ حسن متوسط درجہ ہے۔ صحیح حدیث یہ ہے۔ جس کا نقل کرنے والا عادل تام الضبط ہو جو نہ معلل ہو نہ شاذ اگر یہ صفات علی وجہ الکمال پائی جائیں تو وہ صحیح لذاتہ ہے اور اگر اس میں کسی قسم کا نقص ہو لیکن کثرت طرق سے اس نقصان کی تلافی ہو جائے تو وہ صحیح لغیرہ ہے اور اگر اس نقص کی تلافی کرنے والی کوئی چیز نہیں تو وہ حسن لذاتہ ہے

نواں مغالطہ

تجبیر ص ۶۳ پر الزام "شاہ بلیغ الدین صاحب نے (سید سلیمان صاحب کی بحث سے) صرف اپنے مطلب کی بات نقل کی ہے۔ اس کے بالکل برعکس بات ان سے منسوب کی ہے"۔ اب ان کے کلمات پر آیئے۔ (غلط نمبر ۱)

نکتہ نمبر ۱۔ امام ترمذی کی طرف بارہ خلفاء کے ناموں کا سید صاحب نے ذکر نہیں کیا" جواب۔ میں نے کہاں کہا ہے کہ سید صاحب نے ترمذی کا ذکر کیا ہے؟ تجبیر کے ص ۵۱ پر میں نے لکھا ہے کہ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے بارہ نام لکھے ہیں۔ حافظ عینی نے بھی یہی

بارہ نام لکھے ہیں -

دسواں مغالطہ

اسی ضمن میں لکھا ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب لکھا ہے - غریب کہتے ہیں، وہ روایت جس کی سند میں کسی جگہ شیخ سے ایک ہی راوی روایت کرے یعنی ایک راوی منفرد ہو تا ہے - متن حدیث میں غریب کا اطلاق عربی زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ کے سوا غیر مانوس الفاظ کو کہتے ہیں - جامع ترمذی جلد دوم حدیث نمبر ۱۰۳ جو بارہ خلفاء کے بارے میں ہے - امام ترمذی اس کے آخر میں لکھتے ہیں -

ہٰذا حدیث حسن صحیح وقد روی من غیر وجہ عن جابر بن سمرہ

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے حضرت جابر بن سمرہ نے بھی روایت کیا ہے -

جامع ترمذی میں پھر حدیث نمبر ۱۰۳ ہے جابر بن سمرہ کی یہ حدیث ہے یعنی حدیث نمبر ۱۰۴ جو غریب ہے اور غریب اس لئے ہے کہ اس میں ایک جگہ جہاں حدیث نمبر ۱۰۳ میں سماک بن حرب کا نام لکھا ہے' سمرہ بن جندب کی دوسرے طریقہ سے بیان کردہ حدیث نمبر ۱۰۴ میں سماک کی جگہ ابی بکر بن ابی موسیٰ کا نام ہے' جو منفرد راوی ہے' اس کا کوئی اور شاگرد اس سے روایت نہیں کرتا -

مزید غلط بیانیاں

نکتہ نمبر ۲ میں انہوں نے (شاہ بلیغ الدین) نے قاضی عیاض کی حدیث کا وہ مطلب نہیں لکھا' جو سید صاحب مرحوم نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے " قاضی عیاض اس حدیث کا مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے -

جواب - دیکھئے تحریر ص ۱۵ کالم نمبر ۱ اور ۲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے پھر قاضی عیاض متقدمہ اہل سنت والجماعت کے مطابق انہیں دین کا خدمت گزار اور متقی قرار دیتے ہیں - ایک ہی تاریخ ۲۸ دسمبر ۸۹ء میں میرا اور ان کا مضمون چھپا ہے' قارئین میری عبارت اور ان کے حوالے کا موازنہ فرمالیں - میں ان کی علمی ذہانت پر کیا تبصرہ کروں !

نکتہ نمبر ۳ - رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ " سلیمان ندوی نے ابن حجر سے نہیں سیوطی کے حوالے سے نام لئے ہیں "

جواب - سلیمان ندوی نے ابن حجر سے فہرست نقل کی ہے یا سیوطی سے' یہاں یہ زیر بحث نہیں - یہاں تو صرف یہ بات زیر بحث ہے کہ سیرۃ النبی جلد سوم میں سید سلیمان نے وہ نام دیئے ہیں جو زیر بحث ہیں یا نہیں ؟ لہٰذا اعتراض مہمل اور بلاوجہ -

نکتہ ۴ - رضوان علی صاحب کہتے ہیں کہ -- "سب سے اہم بات کہ اس بارہ خلفاء کی فہرست میں ایک خلیفہ یعنی یزید بن معاویہ کی خلافت کے بارے میں اس ایڈیشن کے نمبر ۳۹۲ پر ایک ذیلی عنوان یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر کے تحت لکھتے ہیں "

جواب - سید سلیمان ندوی خود ناموں کا انتخاب نہیں کر رہے ہیں - وہ ایک فہرست نقل کر رہے ہیں - یہ ابن حجر کی فہرست ہے' جو سیوطی کے پاس بھی ہے ایک اور فہرست امام یحیٰ کی ہے - سید صاحب اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکے - یہ اعتراض پڑھ کر قارئین کو بھی حیرت ہو گی کہ کیسا بے معنی اعتراض ہے اور صاف اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یزید بن معاویہؓ سے بغض ہے -

رضوان علی صاحب تحریر ص ۶۴ کالم نمبر ۱ میں لکھتے ہیں کہ -- بلیغ الدین صاحب مصنف مرحوم کی بیان کردہ ان متضاد روایات کو بیان کرنے کے بعد عقلی اور نقلی (یعنی روایتی) استدلال سے اس تضاد کو دور کر کے اپنا نقطہ نظر ثابت کرتے -

جواب - میں سیرۃ النبی میں یزید بن معاویہ پر سید سلیمان ندوی مرحوم کے خیالات کا تجزیہ کر رہا ہوں نہ یہ میرے موضوع سے متعلق ہے - میں تو بارہ خلفاء کی حدیث پر بحث کر رہا ہوں - اس حدیث میں سلف صالحین نے جن کے نام شریک کئے ہیں ان پر محاکمہ نہ میں کر رہا ہوں نہ سید سلیمان ندوی کر سکتے تھے - اسی لئے انہوں نے صرف فہرست اسمائے خلفاء نقل کر دی -

دوسرا اعتراض - (شاہ بلیغ الدین صاحب) نے سید سلیمان کا صرف ایک قول نقل کیا یا ان کی ایک روایت بیان کی -

جواب : میں نے سید سلیمان ندوی مرحوم کا کوئی قول نہیں دہرایا - قارئین تحریر ص ۱ کالم نمبر ۲ کو دیکھیں اور خود یہ فیصلہ کریں - میں نے تو یہ لکھا ہے کہ -- " صحیح مسلم کے الفاظ کو علامہ سلیمان نے دہرایا ہے - وہ دوسرے کا قول نقل کر رہے ہیں - یزید بن معاویہ کے بارے میں اس جگہ انہوں نے کچھ نہیں لکھا - دیکھئے جلد سوم ص ۱۴۱ کہ اس وقت تک اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک اس پر بارہ خلفاء حکمران نہ ہو جائیں - یہاں سلیمان ندوی کا قول کون سا ہے ؟ ان کا نقطہ نظر بیان کرنے کی مجھے ضرورت ہی نہیں جب کہ خود انہوں نے اپنا قول اس جگہ بیان نہیں کیا - رضوان صاحب ایک بے معنی اعتراض اٹھا کر طعن پر آتے ہیں کہ " کیا اس کو علمی دیانت کہتے ہیں ؟ میرا جواب ہے کہ ہاں !! اور جو من میں آپ نے نکالنے کی سچی چیونٹی کی اسے میں کیا نام دوں ؟ -

روایت لڑکا شاہی

احمد بن حنبل کی ایک حدیث کا حوالہ ہے جو اس اعتراض میں آیا ہے - "لڑکوں کی حکومت" سے کیا مراد ہے - الصبی کا مطلب ہر مستند لغت میں یہ ہے کہ بچہ جو جوان سے کم عمر ہو - اس لفظ کی جمع صبیان جو ابوہریرہ کی حدیث میں ہے صحیح مسلم میں باب جواز حمل الصبیان فی الصلوٰۃ حضرت امامہ بنت ابوالعاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں اپنے کاندھوں پر بٹھانے کا بیان ہے' اس میں بھی صبی آیا ہے مطلب چھوٹا بچہ - سورہ الفساد کی چھٹی آیت میں ارشاد ربانی کا مطلب ہے کہ اور سدھارتے رہیں یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو ان میں رشد (ہوشیاری) تو حوالے کر دو ان کا مال ان کو' اب اس آیت میں بالغ ہونے کی عمر کا ذکر آیا ہے اور اسے متعین کیا گیا ہے اس بات سے کہ وہ نکاح کرنے کے قابل ہوں " - بلوغت کی عمر بعض نے لڑکے کے لئے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لئے سترہ سال مقرر کی ہے - بلوغت کی عمر بعض فقہا نے دونوں کے لئے پندرہ سال مقرر کی ہے -

امام ابو حنیفہ کے مذہب میں فتویٰ اس قول پر ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں پندرہ سال کی عمر پوری ہونے پر شرعاً بالغ قرار دے دیئے جائیں گے " (معارف القرآن - سورہ النساء - ملفتی محمد شفیع) رشد یا ہوشیاری کے لئے قرآن حکیم نے کوئی حد مقرر نہیں کی - عدم ہوشیاری سے بچپن کا اثر مراد ہے - امام ابو حنیفہ کے مطابق پندرہ سال عمر بلوغت اور دس سال سن رشد پر بیٹا جی کیونکہ ۲۵ سال کی عمر پہنچانے پر (مفتی محمد شفیع وہی حوالہ) اس عمر میں ان کے اموال ان کو دے دیئے جائیں - اگر وہ کسی سلطنت کا حقدار ہو تو وہ بھی اسے دے دی جائے - ووٹ کی عمر ہندوستان میں اٹھارہ سال ہے پاکستان میں ! کیس سال یہ بھی سن رشد کا ایک معیار ہے - پچیس سال کے مرد کو کوئی بھی صبیان یعنی بچوں میں شامل نہیں کر سکتا - یہ فقہاء کا فیصلہ ہے - سیدنا حضرت حسن کی عمر عام روایت ۳ ہجری رمضان کے حساب سے بیعت خلافت کے وقت ۳۷ سال - اگر بعد جنگ خیبر پیدائش کی روائت کی جائے تو (۳۳) سال بوقت بیعت خلافت ہوئی - یزید بن معاویہ کی ولادت ۲۲ھ تاریخ بیعت رجب ۶۰ ہجری (حبیب واشراف مسعودی) بیعت کے وقت عمر ۳۸ سال' بیعت کے وقت ۳۵ سال کی روائت بھی ہے ابن کثیر اور ابن اثیر کی ایک روایت ۲۵ھ میں ولادت کی ہے لیکن میں یہ یہاں کم سے کم عمر کی روایت لے کر حساب لگا رہا ہوں، مسعودی حبیب واشراف میں بھی لکھتا ہے کہ وفات کے وقت یزید بن معاویہ کی عمر ۳۳ سال کی تھی - تین سال سات مہینے انیس دن ان کی حکومت رہی یعنی بیعت کے وقت عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی

بارہ خلفاء راشدین

بارہ خلفاء کے بارے میں احادیث میں یہ تشریح ہے کہ وہ قریش سے ہوں گے - بارہ

خلفاء کی دونوں فہرستوں میں امیر معاویہ اور امیر یزید کے نام موجود ہیں۔ سیوطی کے پاس بھی یہ نام ہیں۔ سیوطی نے اپنی مرضی سے ایک فہرست مرتب کی ہے' جس کا کوئی تذکرہ علامہ سید سلیمان ندوی نے نہیں کیا اس لئے اس کے بارے میں کوئی گفتگو ہمارے بحث سے خارج۔ سیوطی کی دوسری فہرست میں امیر یزید کا نام نہیں حالانکہ ان کی خلافت پر امت کا اجماع ہے' بخاری میں عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ ہم نے یزید کے ہاتھ پر اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے بیعت کی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام ابن حجر امام عینی اور سیوطی کی پہلی فہرست میں شامل ہے' اگر کسی سہو کتابت ہو گیا ہے تو غور سے دیکھو کہ لکھا کیا ہے۔ کیا گیارہ خلیفہ یا بارہ؟ حوالہ سیرۃ النبی کے ص ۱۴۱ کا جہاں اس پہلی فہرست کے نام ہیں۔ اقتباس یہ ہے " حافظ ابن حجر ابوداؤد کے الفاظ کی بناء پر خلفاء راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجماع رہا ہے۔ ۱۔ ابوبکر۔ ۲۔ عمر۔ ۳۔ عثمان۔ ۴۔ علی۔ ۵۔ معاویہ۔ ۶۔ یزید بن معاویہ۔ ۷۔ عبدالملک۔ ۸۔ ولید۔ ۹۔ سلیمان۔ ۱۰۔ عمر بن عبدالعزیز۔ ۱۱۔ یزید ثانی۔ ۱۲۔ ہشام۔ شیعہ فرقہ اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کرے گا" (سیرت النبی۔ سید سلیمان ندوی) سید سلیمان صاحب کی رائے میں اس پر اجماع امت ہے۔ اسی لئے سیوطی کی فہرست کو بھی سید صاحب نے رد کر دیا کہ اس کی ذاتی رائے فہرست سے الگ ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں پانچویں خلیفہ راشد کی حیثیت سے میں نے کئی مضامین لکھے ہیں۔ اپنی ان ریڈیائی تقریروں میں جو "ہماری کہانی تاریخ کی زبانی" کے عنوان سے نشر ہوئی ہیں ان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز پر کوئی پندرہ تقریریں ہوئی تھیں' جو ۷ جنوری ۷۲ء سے شروع ہوئیں۔ اس سے پہلے اس کے بعد بھی پانچویں خلیفہ راشد میری کئی تقریروں کا عنوان رہے۔ یہ بھی نکتہ آفرینی کہ رہا ہوں کیونکہ رضوان علی صاحب قارئین کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مرتبہ نہیں پہچانتا۔

ائمہ قریش سے ہوں گے' کے بجائے قوسین میں رضوان علی صاحب نے لکھا ہے' خلفاء قبیلہ قریش سے ہوں گے۔ انہیں فوراً اپنے "ائمہ" کا خیال آیا۔ یہ ایک جداگانہ اور طویل بحث ہے۔ اور یہ محض قاری کو الجھانے کے لئے بے موقع اٹھائی گئی ہے۔ چارٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں!

میرے نزدیک ہر بات جو چارٹ بنانے والے نے لکھی ہے قرآن حکیم کے فیصلے' درود شریف کے اشاروں اور تاریخی حوالوں اور بالخصوص ابتدائی مستند عرب ماخذوں کے مطابق ہے' ہر نام جو چارٹ میں درج ہے اس کا ریفرنس تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ تاریخ اسلام کو مسخ کرنے کی جو کوششیں ہوتی رہی ہیں اور جس طرح گھڑی ہوئی روایات کے انبار لگائے گئے ہیں' ان کی جانچ پرکھ ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ ہر عصر میں بھی دیمک ہماری تاریخ کو چاٹتی رہی ہے اور قصوں کہانیوں کو گرفت میں لایا گیا ہے۔ سلف صالحین کا موقف تو وہ ہے' جو حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس' شیخ عبدالقادر جیلانی' امام غزالی' ابن قیمیہ اور شاہ ولی اللہ جیسی شخصیتوں کا رہا ہے۔ ومن اللہ التوفیق وھوا المستعان فی المبداء والمعاد

ایک لمحے کے لئے ساری علمی بحث بھول جائیے زبان و بیان کی بے راہ روی کو نظر انداز کر دیجئے اور صرف یہ نوٹ کیجئے کہ کیوں اکابرین اہل سنت کی تنقیص بھی کی جاری ہے؟ حتیٰ کہ صلحاء کے معاملے میں بھی حضور اکرمؐ کے طریق کار پر تنگ اعتراض کی جسارت کی گئی ہے۔ کسی کو خاص صحابی رسولؐ سے عقیدت ہو' ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں' لیکن اس درجہ بڑی میں خود حضورؐ کی احادیث' آپ کے مقرر کردہ درجات' امہات المومنین کے لئے قرآن کے ارشادات صحابہ کرام کی روایات اور امت مسلمہ کے اجماع کو نظر انداز کر کے اہل سنت والجماعت کے اکابرین اور محسنین اسلام کی کردار کشی کی جائے' یہ تاریخ کے ساتھ ظلم ہے' اسے کبھی گوارا نہیں کیا جائے گا۔

صفحہ نمبر ۱۲ کا باقی (شہادتِ حسینؓ)

تبصرہ کی آڑ سے منتخب ہونے کا اور چونکہ ان کے نزدیک حضرت معاویہؓ اور یزید ابن معاویہ اس قسم کے حکمران نہ تھے لہٰذا ان "آمروں" کے خلاف (ہم آر ڈی کی طرح) سیاسی جنگ ضرور ہونی چاہئے تھی' اس لئے بقول ان کے تاریخ میں صرف دو کردار اہمیت رکھتے ہیں اور جن صحابہ کرامؓ کا تعلق ان دو کرداروں کے ساتھ نہیں' ان کی کوئی حیثیت و اہمیت نہیں۔ وہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلامی تاریخ کے دو اہم کردار ہیں' ایک کردار وہ ہے جو خلافت علیٰ منہاج نبوت کا تحفظ و دفاع اور اس کے احیاء کے لئے قربانیوں کی روایات اور عزیمتوں کی تاریخ مرتب کرتا رہا ہے' جبکہ دوسرا کردار ملوکیت طرز پر اس ادارہ کے انہدام کے درپے تھا۔ پہلا کردار اسلامی تاریخ کا سنہرا دین کردار ہے جس کی عظمت کو ایک دنیا سلام کرتی ہے' جبکہ دوسرا کردار ایسا ہے' جسے امت کے اجتماعی ضمیر نے مسترد کر دیا ہے۔"

ان کی اس تنقید کے نتیجے میں وہ تمام صحابہ کرامؓ جو ان معاملات میں غیر جانبدار رہے' وہ حق کی تائید نہ کرنے اور باطل کی مخالفت نہ کرنے کے خوفناک مجرم قرار پاتے ہیں۔ جن کے اس غلط رویہ کے نتیجہ میں حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ پھر وہی بات ہے جسے شیعہ حضرات ہمیشہ دہراتے رہتے کرتے ہیں۔ ان کے برعکس اہل سنت ہمیشہ سے ان غیر جانبدار صحابہ کرامؓ کو (جو صحابہ کی عظیم ترین اکثریت تھی) برحق سمجھتے ہیں اور فریقین کی جنگ کو بھی حق و باطل کی جنگ نہیں' بلکہ اجتہاد پر مبنی اختلاف کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ (غیر جانبدار صحابہ کرامؓ کے نقطۂ نظر کی اہمیت معلوم کرنے کے لئے' حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب ازالۃ الخفا کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔)

جناب ناقد اور ان جیسے دوسرے حضرات کی یہ تنقیدی رائے امت کے اجتماعی ضمیر نے ہمیشہ مسترد کی ہے' صحابہ کرامؓ کی خاموش اکثریت کے اس وقت کے رویہ سے لے کر خلافت اسلامیہ کے اختتام تک پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے اور آج بھی تمام مسلم ممالک میں سیاسی اسلامی جماعتوں کی ناکامی اس کا کھلا ثبوت ہے' اس کے مقابلہ میں امام احمد بن حنبلؒ سے لے کر حضرت مجدد الف ثانیؒ تک خروج کر کے اصلاح کرنے والوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی' وہ بھی اظہر من الشمس ہے' جس کے نتیجہ میں یہ دوسرا طبقہ کامیاب بھی رہا اور ملت خانہ جنگی میں بھی مبتلا نہ ہوئی۔

آخر میں اتنا عرض کر نا ہے جانہ ہوگا کہ ایک مسلمان کے لئے کسی ایک صحابی کی اجتہادی خطا مان لینا زیادہ آسان ہے' بجائے اس کے کہ صحابہ کرامؓ کی عظیم اکثریت کے لئے اجتہادی خطا بلکہ گمراہی اور عزیمت سے فرار کا نقطۂ نظر اختیار کیا جائے۔ جمہوریت اور اجتماعیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کم از کم متنازعہ معاملات میں موقف پر موجود صحابہ کرامؓ کی اکثریت کے رویہ کو اہمیت دی جائے اور اس کا احترام کیا جائے' نہ یہ کہ ان پر ہم اپنا من پسند فیصلہ تھوپنے کی کوشش کریں۔

انتخابی عذرداری - جائزہ

قومی انتخاب ۱۹۸۸ء میں سیٹ کے چکر میں اپنے مذہب کی بازی کو داؤ پر لگانے والے آغاخانیوں کی کہانی

(اردو ترجمہ)

عدالتی ریکارڈ کی زبانی۔

الیکشن اپیل ۱۹۸۸ء

مدعا علیہ نمبر ۲ کی طرف سے جوابی حلف نامہ میں میں سمی غلام علی الانہ ولد پیار علی الانہ، مسلم، عاقل و بالغ ساکن کراچی حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ:-

۱۔ میں مذکورہ معاملہ میں مدعا علیہ نمبر ۲ ہوں اور اس مقدمہ کے مضمرات سے بخوبی واقف ہوں۔

۲۔ مجھے اپیل کنندہ کے الزامات کا علم ہوا ہے اور میں بیان دیتا ہوں کہ یہ الزامات سراسر غلط سے بنیاد اور شر انگیز ہیں اور ان میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے

۳۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اور تمام شیعہ امامی اسمٰعیلی مسلمان ہیں اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اُس میں مذکور توحید پر ایمان رکھتے ہیں محمد مصطفےٰ کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں اور یہ بھی کہ اسلام اللہ کا سچا آخری دین ہے جو کہ قرآن کی ہدایت کی صورت میں انسانوں پر نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ شیعہ نظریات تاریخ اور روایات کے مطابق محمد مصطفےٰ مدعا علیہ نمبر ۱ نے اپنے داماد اور چچا زاد بھائی مولا حضرت علی مرتضیٰ کو مقرر کیا اور نامزد کیا تاکہ وہ اللہ کے پیغام کو سمجھانے اور پھیلانے کا کام کو جاری رکھیں اور ان کو پہلا امام بنایا۔ محمد مصطفےٰ نے اعلان فرمایا تھا کہ امامت وراثت میں علی مرتضیٰ اور بی بی فاطمہ زہرہ خاتونِ جنت کی نسل سے جاری رہے گی۔

امامت کی وراثت نص NAS کے اصول پر جاری ہے گی۔ امام وقت کا قطعی اختیار ہے کہ وہ اپنی نرینہ اولادوں میں کسی کو امام مقرر کر دے۔ موجودہ حاضر امام شاہ کریم الحسینی ہز ہائی نس پرنس کریم آغا خان محمد کے سلسلے سے ہیں اور ان کا سلسلہ راست نسب اسمٰعیلی اماموں کے اہلبیت سے ملتا ہے اور یہ شیعہ امامی اسمٰعیلیوں کے ۴۹ (انچاسویں) امام ہیں۔ شیعہ توجیہات اور روایات کے مطابق اسمٰعیلی امام اپنے شیعہ امامی اسمٰعیلیوں کو ہمیشہ ہدایات دیتے رہے ہیں کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر عمل کریں۔ میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی ارکان اسلام پر یقین رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں اور تمام کلموں پر بھی شیعان علی کے طریقوں پر یقین رکھتے ہیں۔

۴۔ میں مزید اقرار کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی اسلام پر یقین رکھتے ہیں وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی طرح قرآن نماز، روزہ، زکوٰۃ اور جہاد پر ایمان رکھتے ہیں اور ان پر شیعہ فقہ کے مطابق وقت کے امام کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ تمام اختلافی باتیں جو اپیل میں بیان کی گئی ہیں غلط شر انگیز اور برافروختہ کرنے والی ہیں

۵۔ میں مزید اقرار کرتا ہوں کہ (۱) دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آرٹیکل ۲۰۶ (۸) اور (۸) میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق واضح کر دیا گیا ہے۔ (۲) دستور میں اور تعزیرات پاکستان میں مسلم کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ:-

(۸) مسلمان وہ ہے جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہے محمد کی قطعی اور آخری نبوت پر ایمان رکھتا ہو اور کسی بھی ایسے شخص یا ہدایت کنندہ کو نبی نہ مانتا ہوں جو ایسا کوئی دعویٰ کسی بھی انداز میں کرتا ہو اور

(ب) غیر مسلم سے مراد وہ بھی ہیں جو عیسائی، ہندو، بدھ سکھ یا پارسی برادری سے تعلق رکھتا ہو یا قادیانی یا لاہوری گروپ سے ہو جو اپنے آپ کو احمدی یا کچھ اور کہتے ہوں یا پھر بہائی ہو یا شیڈول کاسٹ کا کوئی شخص ہو۔

۶۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ پاکستان کی تاریخ میں کبھی پارلیمنٹ نے ایسا کوئی قانون منظور کیا ہے اور نہ پاکستان کی کسی حکومت یا عدالت نے مجھے یا میری برادری کو غیر مسلم تسلیم نہیں کیا ہے۔

۷۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ چیف الیکشن کمشنر کی طرف سے شائع کردہ ووٹر لسٹ میں میرا نام بحیثیت ایک مسلم ووٹر کے درج ہے اور اسی کی بنیاد پر سندھ کی صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینے کا پورا استحقاق رکھتا ہوں جو کہ میرا دستوری حق ہے اور جو مجھے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور نے عطا کیا ہے۔

باقی صفحہ نمبر ۱۳۶ کالم ۳ پر

حکم نامہ

روبرو مسٹر جسٹس سعید الزماں صدیقی الیکشن اپیل اتھارٹی (کراچی ایسٹ) **عدالت عالیہ سندھ کراچی۔**

الیکشن اپیل نمبر ۲۔ ایسٹ / ۸۸

حاجی قاضی قادری محمد سبحان _____ اقراض کنندہ

مقابل

(۱) ریٹرننگ آفیسر ۹۔ ی کراچی شرقی _____ مدعا علیہان

(۲) غلام علی الانہ _____

نمبر شمار (۱) حکمنامہ جج کے دستخطوں سے جاری ہوا

۸۸-۱۰-۲۲

یہ حکم نامہ مذکورہ بالا تینوں اپیلوں پر حاوی ہے جو کہ غلام علی الانہ امیدوار صوبائی اسمبلی حلقہ نمبر ۹۱ سی ۱ کے کاغذات نامزدگی کی منظوری کے خلاف دائر کی گئی ہیں حسب بالا معترض اور معترض علیہان شیرلز، غلام علی اور محمد اسلم تینوں سندھ صوبائی اسمبلی کے منعقد ہونے والے انتخابات میں بحیثیت امیدوار اپنے کاغذات نامزدگی داخل کئے تھے اس حلقہ کے ریٹرننگ آفیسر نے تمام امیدواروں کے کاغذات نامزدگی منظور کر لئے تھے۔ معترض نے تمام مدعا علیہان کی درخواستوں کی منظوری کے خلاف اپیل درخواست گزاری ہے اور ان کے کاغذات نامزدگی کو چیلنج کیا ہے۔ درخواست گزار کے لائق وکیل شفیق صدیقی نے واضح طور پر میرے روبرو اپنا موقف بیان کیا ہے کہ مذکورہ مدعا علیہان اسمٰعیلی ہیں۔ وہ نہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں نہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں نہ حج کرتے ہیں اور نہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ وہ اسمٰعیلی ہیں اس لئے جہاد پر بھی یقین نہیں رکھتے اس پر مستزاد یہ کہ ان کا کلمہ بھی مختلف ہے۔ مذکورہ تمام الزامات کی مد میں طبع شدہ مواد پیش کیا گیا جو کہ اسمٰعیلی نظریات پر مبنی تھا اور اس کی فوٹو کاپیاں اپیل کے ساتھ منسلک کی گئیں اسی بنیاد پر مدعا علیہان کے بارے میں یہ موقف بیان کیا گیا ہے شدید بحث کی گئی ہے کہ وہ لوگ عام

جن کے عہد میں اسلامی حکومت کی بلندی کی بشارت ہے' وہ مجھ پر دھونس اور دھاندلی کا ظالمانہ الزام لگاتے ہیں اور خود یہ عالم ہے کہ ترمذی و ابوداؤد کی وہ حدیث جس کو حدیث سفینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے" اور جس کا مرتبہ "حسن صحیح" ہے' وہ تو مستند اور لائق اعتبار نہیں اور انہیں ترمذی کی بارہ خلفاء والی حدیث جس کو وہ خود " غریب " کہتے ہیں' مستند اور لائق اعتبار ہے" اب بتایا جائے دھاندلی کسے کہا جاتا ہے!- جو چاہے آپ کا "علم" کرشمہ ساز کرے-

اس موضوع کی وضاحت تو آگے آئے گی' یہاں اتنا عرض کردوں کہ مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ (مؤلف لغات القرآن) استاذ دارالعلوم بنوری ٹاؤن کے بقول " ناصبیوں کے شیخ النور نعیں محمود عباسی" نے اپنی کتابوں کے ذریعہ بیس پچیس سال پہلے کافی کوشش کرلی اور آپ (بلغ الدین صاحب) جتنی چاہیں کرلیں' یزید اپنے مذکورہ جرائم کے سبب امت محمدیہ میں مبغوض ہی رہے گا' سیدنا حسین کے قتل اور مدینہ منورہ کی غارتگری میں تو وہ کامیاب ہو گیا تھا' لیکن تمام عالم اسلام میں (سوائے موصل عراق کے قدیم یزیدی فرقہ کے علاوہ) وہ صدیوں سے کراہت و نفرت بلکہ بہت سے ائمہ علم کی طرف سے لعنت کا نشانہ رہا ہے اور رہے گا-

اس موقعہ پر یہ بات دلچسپی اور عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ وہی شام جو امویوں کی آماجگاہ اور دمشق جو یزید کا پایہ تخت تھا اور جہاں چار سال تک (۱۹۵۵-۱۹۵۹ء) میں یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ میں تعلیم اور پھر ایک سال اپنی پہلی عربی کتاب " الحبر بن عبدالسلام" پر ریسرچ کے لئے مقیم رہا' وہاں میں نے کسی شامی کو نہیں دیکھا کہ اس کا نام یزید ہو' دوسرے عربی اور اسلامی ممالک کا تو ذکر ہی کیا' جب کہ بہت سے میرے ساتھی طلبہ کے نام عبدالملک' ولید' ہشام اور مروان تھے' وہاں یہ نام بہت عام ہیں مگر یزید کا نفرت آمیں نام کبھی نہیں سنا' نہ پڑھا- مولانا محمد علی جوہر مرحوم کیا حقیقت تمیز مصرع کہہ گئے ہیں- " قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے" - سیدنا حسین کا نام تو آج بھی دنیائے اسلام میں کروڑوں مسلمانوں کے نام کے ساتھ لگا ہوا ہے' یزید کسی کا نام سننے میں نہیں آیا سوائے الجزائر کے ایک سابق وزیر کے اور الجزائر میں کافی خوارج آباد ہیں' وہاں بہت پہلے ان کی حکومت بھی رہی ہے' لیکن یزید کی موت ہے-

اپنے مضمون کے صفحہ ۴۷ پر " حدیث منظور " کے تحت شاہ بلغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے " وہ سراسر غلط بیانی اور مغالطہ آرائی ہے' اہل علم تو اس کو یقیناً قابل اعتبار نہیں سمجھیں گے' لیکن عام قارئین کو یہ " ناسمجھی " پر مبنی گمراہ کر سکتا ہے- عوامی تقرر کو اس کا کیا پتہ کہ خالد بن یزید بن معاویہ نے منصب خلافت پر لات نہیں ماری تھی' بلکہ مروان نے مرج راھط کی خونریز جنگ کے بعد خاندان بنی امیہ کی سفیانی شاخ کو خلافت سے محروم کرتے ہوئے اپنے بیٹے عبدالملک کو ولی عہد مقرر کردیا تھا' امیر خالد کی ماں یعنی یزید کی بیوی سے شادی کرلی تھی اور وہ نوجوان خالد کی دل آزاری کرتا تھا' تو اس کی ماں نے انتقاماً کو سوتے ہوئے مروان کا گلا گھونٹ کر اس کو قتل کردیا تھا" انہوں نے غلط لکھا ہے کہ یزید کے عہد میں جلد کا احیاء ہوا' بلکہ یزید نے تو جلد کو رکوایا اور وہ فتح شدہ دو رومی علاقے خالی کرنے کا حکم دیا' جو مسلمان حضرت معاویہ" کے عہد میں بحر روم میں فتح کر چکے تھے اور سات سال سے وہاں آباد تھے' یہ دونوں متفقات مشہور جزیرہ روڈس اور قبرص کے قریب جزیرہ ارواد ہے' جو علی الترتیب ۵۳ھ اور ۵۴ھ میں فتح ہوئے تھے سیزید نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی پہلا کارنامہ یہ کیا کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ فوراً وہاں سے واپس آجائیں' ورنہ ان کی کمک اور رسد بند کردی جائے گی' ان کی تفصیل البدایہ والنہایہ واقعات ۵۳ھ (جلد ۸) اور تاریخ طبری واقعات ۵۴ھ میں دیکھی جا سکتی ہے-

اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ حضرت علی زین العابدین نے یزید کے فسق و فجور کو ایک جھٹلا پر دیگنڈا قرار دیا تھا' یہ بھی کسی مورخ نے نہیں کہا ہے کہ سیدنا حسین یزید کے ساتھ حملہ تحقیقہ میں شریک ہوئے' اس حملہ میں جن صحابہ کے ناموں کا تاریخ میں ذکر ہے' وہ عبداللہ بن عمر' عبداللہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن زبیر و عبداللہ بن عباس ہیں' یہ بھی غلط ہے کہ بخاری میں لکھا ہے کہ ان سب صحابہ اور ابوایوب انصاری نے یزید کے پیچھے نماز پڑھی' اور سب سے زیادہ غلط بیانی یہ ہے کہ یزید کے ہاتھ پر ۳۵۰ صحابہ نے بیعت کی' جن میں عشرہ مبشرہ ..... !! شامل ہیں- سچ ہے" " دروغ گو را حافظہ نباشد " عشرہ مبشرہ مایہ نہ یعنی چاروں خلفائے راشدین حضرات طلحہ' زبیر' عبدالرحمان بن عوف' سعد بن ابی وقاص' ابوعبیدہ بن الجراح اور سعید بن زید حضرت رضوان اللہ علیہم اجمعین یزید کے عہد حکومت سے کافی پہلے وفات پا چکے تھے' جیسا کہ ہر وہ انسان جس کو تاریخ اسلام کے عہد اولیٰ کا ذرا بھی شعور ہے یہ بات جانتا ہے-

بدری صحابہ کا یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی ایک بے سروپا بات ہے' کیونکہ غزوہ بدر کو ۶۰ھ میں ۵۸ سال گزر چکے تھے اور جو صحابہ یزید کے عہد حکومت میں سن رسیدہ صحابہ میں شمار ہوتے تھے' جیسے ابوسعید الخدری (جو یزید کے غارگر مدینہ منورہ مسلم بن عقبہ کی خوں ریزی کے ڈر سے مدینہ کے پہاڑ ایک غار میں چھپ گئے تھے) نعمان بن بشیر انصاری' ابوبرزہ الاسلمی' حضرت انس وغیرہ یہ سب جنگ بدر کے موقعہ پر بچے تھے اور وہ بدری نہیں' جنگ بدر کے وقت کوئی صحابی اگر ۲۰ سال کی عمر کا جوان بھی تھا تو اب ۷۸ سال گزرنے کے بعد ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا- (بلغ الدین صاحب کسی ایک کا نام ہی ذکر کرتے) ابن عبدالبر کی کتب الاستیعاب کے مطابق ابواسید الساعدی آخری بدری صحابی تھے' جن کا انتقال ۶۰ھ ہو گیا' یعنی یزید کی حکومت سے پہلے-

اس موقعہ پر خطیبانہ انداز میں حسب عادت بغیر کسی حوالے کے انہوں نے یزید کی بیعت پر ابن حجر' یعنی اور ابوداؤد کے محض ناموں کے حوالہ سے اجماع امت کا ذکر کیا ہے' یہاں ان ناموں کا ذکر کر کے قارئین کو مرعوب کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی' کیونکہ فقہاء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ فاسق کی بیعت جائز ہے اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ کی جلد ۸ میں یزید کے ذکر میں اس بات کو صراحت سے لکھا ہے' مگر یزید کا یہ دور وہ تھا' جس کو امام ابن تیمیہ نے " بلک اور جبر " کے نام سے یاد کیا ہے' (الفتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۷۸) بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے (صفحہ ۴۸۲) کہ " جو لوگ جیسے غلو کرنے والے بدعتی فرقہ کے لوگ یا بعض کر یزید کو نیک آدمی اور امام عادل سمجھتے ہیں' وہ گمراہ ہیں" اور پھر آگے (صفحہ ۴۸۷) ایک معمولی سردار بولائی کے یزید کے بارہ میں سوال پر کہتے ہیں- (مگولوں نے اس وقت دمشق پر قبضہ کر رکھا تھا)

لانسبہ ولا نحبہ' فانہ لم یکن رجلا صالحا فنحبہ' ونحن لا نسب احدا من المسلمین بعینہ (نہ ہم اس کو بھلا سمجھتے ہیں اور نہ اس سے محبت کرتے ہیں کہ وہ کوئی نیک آدمی نہ تھا' جو ہم اس سے محبت کریں) اس کے بعد جب اس سردار نے کہا کہ " تم اس پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے ہو' کیا وہ ظالم نہیں تھا؟ کیا اس نے حسین کو قتل نہیں کیا؟ تو میں نے اس سردار سے کہا کہ جب حجاج بن یوسف اور اس جیسے ظالموں کا ذکر کیا جاتا ہے' تو جو قرآن میں اللہ نے کہا ہے' ہم وہی کہتے ہیں الا لعنۃ اللہ علی الظالمین یعنی بیشک ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے' ہم کسی کو اس کے نام سے لعنت نہیں کرتے ہیں' اور بہت سے علماء نے اس (یزید) پر لعنت کی ہے' اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں اجتہاد جائز ہے".

اور پھر اس سے بڑھ کر شاہ ولی اللہ صاحب نے تو امیر معاویہ کی خلافت کے بارہ میں لکھا ہے کہ ان کی خلافت "استیلاء" (یعنی زبردستی غلبہ) کے ذریعہ قائم ہوئی' یہ بات انہوں نے انعقاد خلافت کے طریقوں پر بحث کرتے ہوئے' چوتھے طریقہ کو بیان کرتے ہوئے کہی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ "حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا انعقاد خلافت حضرت علی مرتضی کی وفات اور حضرت حسن کے صلح کر لینے کے بعد اس طریقہ پر ہوا تھا" (ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۳۴ طبع محمد سعید ایڈ سنز' کراچی' ترجمہ مولانا عبدالشکور صاحب و مولانا ثناء اللہ صاحب)

اسی طرح کی "بیعت استیلاء" (قوت کے زور پر بیعت) یزید کی بھی تھی' جہاں تک ابن حجر کے قول کا تعلق ہے' تو اس کی حقیقت تو ابن حجر کی کتب لسان المیزان (جلد ۶ ص ۲۹۳-۲۹۴) میں یزید کے حالات کے ذکر سے پتہ چلتی ہے' جس میں انہوں نے یزید کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے مسند ابی یعلی سے حضرت ابوجبیدہ بن الجراح کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا معاملہ ٹھیک چلتا رہے گا' تا آنکہ بنی امیہ سے ایک شخص' جس کا نام یزید ہے' سب سے پہلے اس میں رخنہ ڈالے گا" پھر انہوں نے ہی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ "عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ایک آدمی نے یزید کو "امیر المومنین یزید" کہا' تو اس پر انہوں نے کہا تم اس کو امیر المومنین کہتے ہو!! اور حکم دیا کہ اس آدمی کو ہیں کوڑے مارے جائیں" -

اس طرح کی ایک دوسری روایت مکہ مکرمہ کے مشہور محدث احمد بن حجر الہیتمی (متوفی ۹۷۳ھ) نے اپنی کتاب الصواعق المحرقۃ (صفحہ ۲۵۴) پر بیان کی ہے' ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ایک دوسرے آدمی نے عمر بن عبدالعزیز کے سامنے امیر معاویہ کی برائی کی' تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو تین کوڑے مارے جائیں- ان ہی ابن حجر الہیتمی المکی نے ابو الدرداء کی ایک اور حدیث نقل کی ہے' جس میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ پہلا شخص جو میری سنت کو بدلے گا وہ بنی امیہ سے ہوگا جس کو یزید کے نام سے یاد کیا جائے گا (ص ۳۴۳)

اور یہ ابن حجر الہیتمی المکی وہ ہیں' جنہیں ایک کتب حضرت معاویہ کی تعریف میں " تطہیر الجنان واللسان عن الخطور والثلب معاویہ بن ابی سفیان " کے عنوان سے مثل بادشاہوں کے بلد کی فرمائش پر لکھی تھی' اور جو اول الذکر کتاب کے ساتھ ہی شائع ہوئی ہے' اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لسانی یعنی شیعہ تھے-

یہ تو عرب علماء کی بات تھی' جن کا علمی مقام تمام اہل سنت و الجماعت کی نظر میں مسلّم ہے' جہاں تک ہندوستان کے جید علماء اہل سنت کا تعلق ہے' ان میں سے شاہ عبدالعزیز نے یزید کو یزید پلید کے نام سے یاد کیا ہے' اور یزید پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے' اسی طرح مولانا قاسم نانوتوی نے اپنے مکاتیب میں یزید کو یزید پلید کے نام سے ذکر کیا ہے' ان اقوال کے لئے ملاحظہ ہو دارالعلوم دیوبند کے استاذ محقق مولانا عبدالرشید نعمانی کی کتاب "یزید اہل سنت کی نظر میں" (تیسرا ایڈیشن مکتبہ اہل سنت و جماعت' کراچی) اور مرحوم قاری محمد طیب صاحب کی کتاب۔ شہید کربلا اور یزید' یہ دونوں کتابیں انتہائی محققانہ ہیں اور تاریخی و فنی نقطہ نظر سے اپنے موضوع پر میرے نزدیک بہترین کتابیں ہیں' قارئین تحریر میں سے جو لوگ یزید کے بارہ میں شیعی افکار سے ہٹ کر صحیح حقائق و آراء معلوم کرنے کے خواہشمند ہیں' وہ ان دونوں کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں"

اور خاص طور پر مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب مدظلہ کی کتاب' جس میں قارئین کو ان کے استفسار اور ہاتھیوں کے شبہات کا جواب مل جائے گا' اللہ تعالیٰ مولانا کو اس کار خیر پر اپنے خیر عطا فرمائے' شاہ عبدالعزیز دہلوی نے فتاویٰ عزیزیہ (ج ۱ ص ۲۱) "یزید پلید" لکھا ہے اور مولانا قاسم نانوتوی کا قول "یزید پلید" قاسم العلوم (ج ۴ ص ۱۵) میں مذکور ہے' ایسای مجدد الف ثانی نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ بلیغ الدین صاحب ایک ممتاز عوامی خطیب' ریڈیو کے مقرر اور شیعوں کے مقابلہ میں مشہور مناظر باز شخصیت کے مالک ہیں' یہاں مسئلہ علمی تحقیق کا ہے مگر افسوس کہ اپنے مضمون میں' موصوف نے اپنا مخصوص انداز بیان و مغالطہ آفرینی ہی کو قائم رکھا ہے' وہ مستند تاریخی حوالوں سے صاف انکار کر دیتے ہیں اور اپنے حوالے تو ذمرد و ذکر پیش کرتے ہیں جو علمی دیانت کے قطعی خلاف ہے' ان کے اعتراضات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ علم حدیث سے بے بہرہ ہیں' اور اس ذیل میں بروایات و غیرہ کی بحث میں وہ محمود عباسی کی خوشہ چینی کرتے ہیں' محمود عباسی کی کتاب "وقائع ایام بنی" پڑھ کر مجھے سو فیصد یقین ہو گیا کہ ابو طالب' نبیر بن عبدالمطلب ھبیرہ شہر ام حانی بنت ابی طالب اور شعب بنی ہاشم وغیرہ کے بارے میں ان کی باتیں اور افکار اسی کتاب کی صدائے بازگشت ہیں' جس طرح یزید کے بارے میں انہوں نے محمود عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" سے خوشہ چینی کی ہے' ان کے اعتراضات و مغالطات کی فہرست بہت طویل ہے' سب کا جواب تحریر کے محدود صفحات میں ممکن نہ ہو گا بہرحال کوشش کروں گا کہ جس قدر گنجائش ہو جواب دوں' ان کے مضمون کو سامنے رکھ کر اسی طرح پڑھ لیا جائے۔

"پہلا مغالطہ"

آیت تطہیر کے نزول کے وقت سیدنا حسین کی عمر پانچ سال سے کم تھی' اور ام کلثوم و زینب بنت فاطمہ تو ان کے بہت حسن کے بعد پیدا ہوئیں' جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں سیدہ زینب و ام کلثوم کا تعلق ہے تو اول الذکر کا انتقال ۸ھ میں اور موخر الذکر کا انتقال اس آیت کے نزول سے قبل ۹ھ ہی میں ہو چکا تھا' اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوالعاص و سیدنا حسین کی والدہ کا رشتہ منقطع ہو چکا تھا پھر کس طرح یہ سوں بعد صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کو اپنی چادر میں فاطمہ' علی' حسن و حسین کے ساتھ شریک کرتے' مجھے تعجب ہے کہ شاہ بلیغ الدین صاحب نے اسلامی تاریخ میں کراچی یونیورسٹی سے ایم۔اے کس طرح کیا تھا' اگر وہ ڈاکٹریٹ کرتے تو شاید ان کو علمی تحقیق کا صحیح طریقہ معلوم ہو جاتا' اور عجیب بات یہ کہ میں آیت تطہیر کے نزول کی تاریخ حافظ ابن حجر عسقلانی سے دے رہا ہوں' جبکہ جناب مولانا مودودی مرحوم کی تفہیم القرآن کا حوالہ دے رہے ہیں' پھر مولانا مودودی نے یہ کہاں لکھا ہے کہ ساری سورہ الاحزاب ۵ھ میں نازل ہو گئی تھی؟ انہوں تو یہ لکھا ہے کہ اس کا زمانہ نزول ۵ھ سے لے کر ۹ھ تک ہے' بہرحال حافظ ابن حجر کا قول اہل علم کے نزدیک زیادہ معتبر ہے۔

اور مزید کہ جس حدیث الکساء (چادر والی حدیث) کے بلیغ الدین صاحب منکر ہیں اس کے تو مولانا مودودی قائل ہیں میرے سابقہ حوالوں کے علاوہ مزید حوالہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس حدیث کو صحیح مانا ہے' اور عبداللہ بن عباس کی روایت لکھی ہے کہ حضور صلعم نے اپنی چادر میں حضرت علی' فاطمہ الزہراء اور حسن و حسین کو داخل کیا اور یہ آیت پڑھی' الحدیث' اللہ یذہب عنکم الرجس اہل البیت و یطہرکم تطہیرا۔ (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء جلد دوم ۷۰۵ کوریا ایڈیشن) کیا شاہ صاحب بھی لائق اعتبار نہیں ہیں!

"دوسرا مغالطہ"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ فاطمہؓ سے متعلق حدیث نبوی کے کلوے "جس نے ان کو ناراض کیا مجھ کو ناراض کیا" کو سیدنا علیؓ کے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کے ارادہ سے مختص کرنا اصول حدیث میں "عموم" و "خصوص" کی بحث سے بے خبری کی دلیل ہے' کیا اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ جس کسی نے سیدہ فاطمہؓ کو کسی اور مسئلہ میں ناراض کیا' اس سے آنحضرت کو کوئی ناراضی نہ ہو گی' اور کیا یزید اور عبیداللہ بن زیاد و شمر بن ذی الجوشن نے سیدہ فاطمہؓ کے جگر گوشہ سیدنا حسینؓ کو قتل کر کے سیدہؓ فاطمہؓ کو ان کی قبر مبارک میں ناراض و دلچسپ نہ کیا تھا؟

دائرۃ المعارف کوئی بھی ہو' اس کے حوالہ کا وہ طریقہ صحیح نہیں ہے' جس پر بلیغ الدین صاحب کو بے وجہ کا اصرار ہے' اگر وہ ڈاکٹریٹ کے طالبعلم رہے ہوتے تو یہ کج بحثی نہ کرتے' بانی اس ذیل میں چارٹ کے بارے میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب غلط لنگ ہے' ۲۸ دسمبر ۸۹ء کے اپنے سابقہ مضمون میں وہ لکھ چکے ہیں کہ آیت تطہیر (سورہ احزاب) کے مطابق جو چارٹ میں سب سے اوپر درج ہے' خاوند نبوی کا یہ چارٹ اہل بیت سے متعلق ہے' اب ان کی تضاد فکری دیکھئے کہ "اس میں ابوبکر و عمر و معاویہ بلکہ ابوطالب و نبیر بن عبدالمطلب و ابولہب وغیرہ کیسے شامل ہو گئے کیا یہ سب بھی سورہ احزاب کی آیت تطہیر میں شامل ہیں؟

"تیسرا مغالطہ"

مولانا مودودی کے بارے میں شاہ بلیغ الدین صاحب نے تیسری حرف گیری کرتے ہوئے درد و دشنگوئی سے کام لیا ہے۔ جس صفحہ کا حوالہ بلیغ الدین صاحب نے دیا ہے اس کے فوراً بعد تکمیل کلام ص ۳۳ پر مولانا مرحوم اس طرح کرتے ہیں۔ "لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ "اہل البیت" کا لفظ صرف ازواج مطہرات کے لئے استعمال ہوا ہے' اور اس میں دوسرا کوئی داخل نہیں ہو سکتا' تو یہ بات غلط ہو گی" اور پھر اس طویل پیراگراف کے اختتام میں مولانا مرحوم فرماتے ہیں۔ "اس کے ملتے جلتے مضمون کی بکثرت احادیث مسلم' ترمذی' احمد' ابن جریر' حاکم' بیہقی وغیرہ محدثین نے ابو سعید خدریؓ' حضرت عائشہؓ' حضرت انسؓ' حضرت ام سلمہؓ' حضرت واثلہ بن اسقعؓ اور بعض دوسرے صحابہ سے نقل کی ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ و فاطمہؓ اور ان کے دو صاحبزادوں کو اپنا اہل بیت قرار دیا' لہٰذا ان لوگوں کا خیال غلط ہے' جو ان حضرات کو اس سے خارج ٹھہراتے ہیں"

اس کے بعد دوسرے پیراگراف کے شروع میں مولانا مرحوم لکھتے ہیں۔ "اسی طرح ان لوگوں کی رائے بھی غلط ہے جو مذکورہ بالا احادیث کی بنیاد پر ازواج مطہرات کو اہل البیت سے خارج ٹھہراتے ہیں"۔

اور یہی وہ بات ہے' جو میں نے اپنے سابقہ مضمون میں حافظ ابن کثیر اور دوسرے قدیم و جدید عرب مفسرین و محدثین کے حوالہ سے کہی تھی' مولانا مرحوم نے یہاں ناصبیوں اور شیعہ دونوں گروہوں کے نقطہ نظر کو رد کرتے ہوئے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ اس آیت میں وارد لفظ "اہل بیت" میں سیدنا علیؓ' فاطمہؓ' حسنؓ و حسینؓ رضوان اللہ علیہم اور ازواج مطہرات دونوں شامل ہیں اور یہی سلف صالحین و اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

مگر میرے ناقد نے مولانا مودودی مرحوم کی پوری عبارت نقل کرنے کے بجائے "یا ایہ الذین آمنوا لا تقربوا الصلاۃ" (اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ) کے طریقہ پر عمل کیا ہے' یہی محمود عباسی نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ یہاں شاہ بلیغ الدین صاحب نے بڑے طنطنہ سے عظیم مفسر مکرمہ مولی ابن عباس" کا وہ دعویٰ نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں "اہل بیت" سے صرف امہات المومنین مراد ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو بلیغ الدین صاحب کو صاف صاف کہنا چاہئے کہ اہل بیت کا یہ سارا چارٹ غلط ہے' اس میں تو صرف ازواج مطہرات کو ہونا چاہئے تھا' پھر کیا بلیغ الدین صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ مکرمہ پر غار جیت کا الزام ہے' وہ شمالی افریقہ میں (موجودہ لیبیا و تیونس) خوارج کے فرقہ "نجدات" سے منسلک رہے تھے' پھر صرف اس ایک حدیث کی حضرت عائشہ' حضرت ام سلمہ' حضرت انس وغیرہ متعدد صحابہ کی احادیث کے مقابلہ میں کیا حقیقت ہو سکتی ہے!

"چوتھا مغالطہ"

آغا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب "الذریعہ الی تصانیف الشیعہ" میں شیعہ مصنفین ہی کا ذکر کیا ہے' راقم اصفہانی بھی اس میں مذکور ہے' ایک دوسرا حوالہ اور لیجئے' ایک دوسرے مشہور امامی مصنف محمود باقر خیاباں نے اپنی کتاب "روضات الجنات" میں بھی راقم اصفہانی کو شامل کیا ہے' جو شیعہ مصنفین کے احوال میں ہے۔ میں نے راقم اصفہانی کے مقام کو گرانے کی کوشش نہیں کی ہے' یہ بلیغ الدین صاحب کی حسب عادت الزام تراشی ہے' میں نے صرف ان دو کتابوں کا ذکر کیا ہے' جن میں شیعہ علماء کے حالات مذکور ہیں' اور یہ ظاہر بات ہے کہ شیعوں میں بھی بڑے بڑے عالم ہوئے ہیں' سید علی" بضعۃ الرسول" میں تو یہ عالم ہے کہ انہوں نے راقم اصفہانی کا زمانہ حیات "اوائل المئۃ الثانیۃ" (پانچویں صدی کے اوائل میں) لکھا ہے' جو تقطعاً غلط ہے' کیونکہ ان کی وفات ۵۰۲ھ ہے' بلکہ ان کا نام بھی دیگر مصنفین کے برخلاف "الفضل بن محمد" لکھا ہے' جب کہ ان کا نام "الحسین بن محمد" ہے' جس پر اکثر مصنفین کا اتفاق ہے (دیکھئے الاعلام' تصنیف الزرکلی ج ۲ ص ۲۷۹)۔

ایک تیسرے شیعہ مصنف عباس بن محمد رضا قمی نے اپنی

کتاب "سفینۃ البحار" میں بھی راغب اصفہانی کا ذکر کیا ہے' اب آپ کس طرح دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اہل سنت و الجماعت میں سے تھا۔

پھر آپ نے معجم الادباء کا حوالہ بھی غلط دیا ہے' اس کتاب میں کہیں راغب الاصفہانی کا ذکر نہیں' یہ کتاب میری ذاتی لائبریری میں ہے' پھر میں جناب کی علمیت پر حیران ہوں کہ " راغب اصفہانی نے (فصل الباء) میں اہل الرجل کی تشریح کی ہے " یہ غلط ہے' راغب نے کتاب (الالف) میں اس کا ذکر کیا ہے' اس نے تو شیعی کتب لغت ہی کی ترجمانی کی ہے' آپ کا نقل کردہ حوالہ (ص ۴۲ کالم) کی آخری عبارت ہی اس پر دلیل ہے' اور " کبھی اہل الرجل سے مراد اس کی بیوی ہوتی ہے " یعنی ہمیشہ نہیں۔

آپ بھی یہاں صاف صاف بتائیے کہ عدد' قصص اور احزاب کی آیتوں کا معلوم آپ کو صحیح معلوم ہے یا اس نبی آخر الزماں کو جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا' آپ نے صرف ایک صحابی عبداللہ بن عباس کا نام لیا ہے (عروہ بن الزبیر صحابی نہیں تابعی تھے) جب کہ میں نے متعدد صحابہ کے اقوال اہل بیت کی تفسیر میں مذکور کئے ہیں' اجماع صحابہ کا یہاں دعویٰ صریحی افترا پردازی ہے' پہلے لکھ چکا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی' ازالۃ الخفاء میں اسی تفسیر کے قائل ہیں اور پھر یہ بتائیے کہ سورہ ہود کی آیت ۴۵ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو اپنا " اہل " نہیں کہا (ان ابنی من اہلی) اور کیا قرآن ہی میں بھائی کے لئے " اہل " کا لفظ نہیں آیا ہے؟ سورہ طٰہٰ کی آیت ۲۹ و ۳۰ میں۔ " اور میرے لئے وزیر بنا دے میرے اہل میں سے' ہارون میرے بھائی کو "۔

راغب الاصفہانی کے بارے میں آپ کی علمیت کا بھانڈا تو یہیں پھوٹ گیا' راغب کی مطبوعہ کتاب " محاضرات الادباء " کا پورا حوالہ دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں " آپ کہیں سیوطی کی محاضرات الادباء و محاورات الشعراء والبلغاء کی بات تو نہیں کرتے " ہی نہیں' میں نے راغب اصفہانی کی کتاب محاضرات الادباء کا ہی ذکر کیا تھا' جو دو مرتبہ قاہرہ سے چھپ چکی ہے' پہلی بار ۱۳۰۵ھ میں جمعیۃ المعارف کی طرف سے اور دوسری بار ۱۳۲۶ھ میں دو جلدوں میں سیوطی کی جس کتاب کا آپ نے ذکر کیا ہے' وہ علیحدہ ہے' اگر آپ نے المنمقات کا دوسرا ایڈیشن دیکھا ہوتا' تو اس کے مقدمہ بقلم سید کیلانی میں آپ کو محاضرات الادباء کا نام مل جاتا' زرکلی کی " الاعلام " تو دور کی بات ہے۔

" اہل بیت "

اس فقرہ کے تحت آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض خطابت ہے' افترا پردازی اور فتنہ انگیزی ہے' اجماع امت ہر گز یہ نہیں ہے کہ سورہ احزاب کی آیت تطہیر صرف امہات المومنین کے بارے میں نازل ہوئی' جن محدثین و مفسرین عظام کا ذکر میں نے آپ کے تیسرے مغالطہ کے تحت کیا ہے' وہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے نہیں تھے' آپ یہ کہہ کر کہ " دشمنان قرآن نے تھوک کے بھاؤ روایتیں گھڑی ہیں " وہی بات کہہ رہے ہیں جو منکرین حدیث' نبوی کہتے ہیں' اگر حدیثیں گھڑی ہی گئی ہیں' تو علماء حدیث و رجال ایسے وضاعین کے خلاف انتہائی سرگرم رہے اور انہوں نے بیسیوں کتابیں موضوع احادیث کے ابطال پر لکھی ہیں' میری ہی ذاتی لائبریری میں چھ کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں۔

میں سیدنا علی اور سیدہ فاطمہؓ کو " دیوبندی شخصیتیں " نہیں سمجھتا اور نہ حضرت علی کی الوہیت کا قائل ہوں' یہ باتیں آپ آغا خانیوں اور غالی شیعوں سے کہیئے' یہ آپ کی صریحی فتنہ انگیزی اور دشنام طرازی ہے' اور صحیح احادیث کو جو آپ جیسے ناصبیوں کو پسند نہیں آتی ہیں' ان کو

محمود عباسی کی طرح سبائی روایت کہہ دیتے ہیں' اہل سنت والجماعت کا یہ طریقہ نہیں حضرت عائشہ کی فضیلت مجھ پر نہیں شیعوں اور آغا خانیوں پر گراں ہے' مسٹر سلطان محمد آغا خان سوئم کی تعریف آپ کے مورخ محمود عباسی نے اپنی کتاب " خلافت معاویہ و یزید " میں کی ہے " دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ "

" پانچواں مغالطہ "

غدیر خم کی حدیث کو صرف حافظ ابن کثیر ثقہ مفسر و محدث نے ہی صحیح تسلیم نہیں کیا ہے' بلکہ جن پر آپ کو اعتماد ہے' یعنی شاہ ولی اللہ صاحب انہوں نے بھی اس کو صحیح تسلیم کیا ہے' ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء' جلد دوم صفحہ ۵۰۳-۵۰۴ (نذکورہ ایڈیشن) اب کیا فرماتے ہیں کیا شاہ ولی اللہ صاحب بھی سبائی تھے؟ کیا وہ بھی " تھوک کے بھاؤ گھڑی ہوئی حدیثیں " نقل کرتے تھے۔

آپ کی علمیت کا بھانڈا اس سے بھی پھوٹتا ہے کہ آپ نے امام ابن حزم کی کتاب کا نام اپنے اس مضمون میں (ص ۴۳ کالم ۱ سطر ۱۷) " المملل والنحل " لکھا ہے' یہ نام شہرستانی کی کتاب کا ہے' ابن حزم کی کتاب کا نام الفصل (س پر زبر اور ص پر زیر کے ساتھ) فی الملل والاہواء والنحل' ہے' یہ بھی میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے' آپ کی لائبریری کو میں دیکھ چکا ہوں' جہاں مجھے صرف اردو کی کتابیں ہی نظر آئیں تھیں' آپ کے استاد محمود عباسی نے بھی اس کو " المملل والنحل " لکھا ہے۔

آپ نے اس موقعہ پر یہ بھی غلط لکھا ہے کہ " زاد المعاد اصل میں سیرت کی نہیں فقہ کی کتاب ہے' یہاں وہاں کچھ نہ کچھ سیرت کی باتیں آ ہی تو لازم ہے " ص ۴۳ کالم ۱) معلوم ہوتا ہے' آپ نے حافظ ابن قیم کی اس کتاب کی شکل ہی نہیں دیکھی اور عربی کتب کے متعلق آپ کے مشیر نے آپ کو غلط اطلاع دی' جی نہیں' یہ سیرت نبوی کی انتہائی اہم کتب میں شمار ہوتی ہے' اور اب اس کا نیا ایڈیشن پانچ جلدوں میں شعیب ارناؤط اور عبدالقادر ارناؤط کی تحقیق سے سیرت سے شائع ہوا ہے' اس کی پہلی تین جلدیں سیرت و شمائل و غزوات و سنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر' چوتھی جلد طب نبوی پر' اور پانچویں جلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور احادیث احکام پر ہے' اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے زیادہ تر مواد کتب سیرت نہیں بلکہ کتب حدیث سے جمع کیا ہے' اس پانچویں جلد کی بناء پر اس کو فقہ کی کتاب کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے!

" عیب بینی "

عیب بینی کا خوگر میں نہیں آپ ہیں' اور افسوس کہ اس فقرہ کے تحت آپ نے مشہور شیعی مورخ مسعودی کا وقائع کیا ہے' جس کی شیعیت کا ثبوت میں نے اپنے سابقہ مضمون میں وضاحت سے پیش کر دیا تھا اور اس لئے اس نے حضرت عثمانؓ کی اولاد کو برے ناموں سے ذکر کیا اور ان کی عیب جوئی کی ہے' اور اسی لئے علامہ نجد شیخ عبدالعزیز بن باز نے اس کو " جل بگڑا اور جھوٹا شیعی " لکھا ہے۔ مسعودی کو بڑا مورخ ماننے کے معنی یہ نہیں کہ میں اس کو شیعی نہیں سمجھتا یا اس کو عظیم ترین مورخ امام طبری مفسر' محدث' مورخ کے ہم پلہ سمجھتا ہوں' میں کیا اہل علم میں سے کوئی بھی خواہ وہ عرب ہوں یا اہل ہند و پاکستان' ایسا نہیں سمجھتے' میں نے مسعودی کو قصہ گو بھی لکھا تھا' بڑا عالم تو نہیں البتہ کا مشہور شارح ابن ابی الحدید بھی تھا مگر وہ شیعی تھا' لائق اعتماد نہیں۔

بلیغ الدین صاحب اپنے اس محبوب شیعہ مورخ کو طبری پر ترجیح دیتے ہیں' جس کا عالم یہ ہے کہ وہ بغیر اسناد کے روایتیں ذکر کرتا ہے' اپنے مضمون کے (نمبر ۲۸ دسمبر) صفحہ ۵۵ کالم ۱ پر میں نے ثابت کر دیا تھا۔ (ابن سعد اور بلاذری جیسے قدیم مورخین کی شہادتوں سے) کہ " عبداللہ الاصغر بن سیدنا عثمانؓ کی ماں سیدہ رقیہؓ نہیں' بلکہ فاختہ بنت غزوان تھیں' پھر مسعودی ہی کی دوسری کتاب " التنبیہ والاشراف " سے جو اس نے " مروج الذہب " کے بعد لکھی تھی یہ بات ثابت کر دی تھی کہ حضرت رقیہؓ کے بطن سے سیدنا عثمانؓ کے صرف ایک صاحبزادہ عبداللہ تھے یہی بات قاضی سلیمان منصور پوری کی مشہور کتاب رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۱۰۷ میں ہے' مگر بلیغ الدین صاحب زبردستی عبداللہ الاصغر کو سیدہ رقیہ کا بیٹا بنانے پر مصر ہیں' جب کہ خود بیچارے مسعودی نے اپنی دوسری کتاب میں اس کی تصحیح کر دی تھی' اب بتایا جائے کہ دھاندلی کون کر رہا ہے۔

اس کے بعد جناب بلیغ الدین صاحب نے مسعودی کا مقابلہ واقدی سے کیا ہے' وہ چوتھی صدی ہجری کے اس مورخ و جغرافیہ نویس یعنی مسعودی شیعی کو دوسری صدی ہجری کے مشہور عالم' محدث' قاضی اور مورخ واقدی مدنی پر ترجیح دیتے ہیں۔ واقدی پر جو کچھ میں نے لکھا ہے' اس کو میرے ۲۸ دسمبر کے مضمون میں ص ۵۹ کالم ۲ اور صفحہ ۶۰ کالم (۱) پر پڑھ لیا جائے' امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین واقدی کی احادیث احکام کو صحیح نہیں سمجھتے تھے' مگر انہوں نے بھی مغازی اور سیرت نبوی کے موضوع پر ان کو قبول کیا ہے' پھر دوسرے محدثین جو امام احمد بن حنبل کے معاصر ہیں' جیسے ابراہیم الحربی' یزید بن ہارون' ابو عبید القاسم بن سلام وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے' اور " کذب " کے الزام کی حقیقت بھی میں نے واضح کر دی تھی کہ وہ مختلف اسناد کی احادیث کو ایک حدیث میں جمع کر دیتے تھے' جو امام زہری کا بھی طریقہ تھا' اور مسعودی تو کوئی سند ذکر ہی نہیں کرتا ہے' پھر وہ تو سب سے بڑا کذاب ٹھہرا' بلیغ الدین صاحب ذرا کسی محدث اور ناقد حدیث کا قول تو دکھا دیں کہ مسعودی بہت بڑا ثقہ اور لائق اعتماد راوی یا مورخ ہے۔

تاریخ " دیوبند " میں حضرت عثمانؓ کی ہندوستان و پاکستان میں موجود اولاد کے بارے میں جو اپنے آپ کو عثمانی لکھتے ہیں' یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عثمان کی دوسری اولاد سے ہوں گے قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۱۰۶ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شیخ الہند محمود الحسن کو حضرت عثمانؓ کی اولاد لکھا ہے مگر سیدہ رقیہ کی اولاد نہیں لکھا' کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ وہ سیدہ رقیہ کی اولاد سے ہیں' قدیم عربی تواریخ میں انکی اولاد کا کوئی ذکر نہیں ابن حزم وغیرہ کے حوالوں سے میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ ان کے صرف ایک صاحبزادہ عبداللہ تھے' جو بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے' ورنہ ابن حزم جیسے کٹر سنی محدث و مورخ اور دوسرے قدیم سنی مورخین کو سیدہ رقیہ سے کد نہیں تھی' شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء (ج ۱ ص ۲۷۵) میں تصریح کی

ہے کہ آنحضرت کی اولاد سب حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ سے چلی۔

آپ بھی یاد رکھیں کہ امام ابن قیمہ' حافظ ابن کثیر' ابن حزم اور پھر شاہ ولی اللہ صاحب شیعہ نہیں تھے اور ان سب بلکہ تمام قدیم و جدید مورخین نے سیدنا حسنؓ و حسینؓ کو صحابی لکھا ہے' صحاح ستہ میں ان کی فضیلت کی کثیر احادیث مذکور ہیں' آپ کا یہ بالدلیل ایک ہاسی دعویٰ ہے کہ "صحابی کی تعریف میں سیدہ زینبؓ و سیدہ رقیہؓ کے صاحبزادے ہی آتے ہیں کہ وصال نبویؐ سے پہلے سیدنا حسنؓ و حسینؓ بالغ نہیں ہوئے تھے" آپ جو دعوے چاہیں کریں' یہ تاریخ و حدیث کا مسئلہ ہے' اس میں کہیں ذکور نہیں کہ حضرات حسنینؓ کے علاوہ دوسرے دو نواسے وصال نبویؐ کے وقت بالغ تھے' میں اپنے سابقہ مضمون (تکبیر ۸ دسمبر ۱۹۸۹ء) میں صلہ ۵۵ کالم ۲ میں طبقات ابن سعد' ابن حزم کی جمہرۃ الانساب اور جوامع السیرہ' اور حافظ ابن حجر کی فتح الباری کے حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ سیدہ زینبؓ کے صاحبزادہ علی بن ابوالعاص ابتدائے جوانی میں انتقال کر چکے تھے' اب ایک اور حوالہ امام ذہبی کی کتاب "تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام" سے پیش کرتا ہوں' وہ اس کی پہلی جلد ص ۲۷۷ میں "اسلام ابی العاص ہبو طاً" کے تحت لکھتے ہیں (سیدہ زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شادی کے ذکر کے بعد) "فولدت لہ علیاً ثلاث لفظاً" یعنی سیدہ زینب سے علی کی ولادت ہوئی اور وہ بچپن میں انتقال کر گئے (تاریخ الاسلام تحقیق دکتور عبدالسلام شیرہ' القاہرہ ۱۹۶۷ء) اور جہاں تک حضرت عبداللہ بن رقیہؓ کا تعلق ہے تو وہ میں متعدد مستند حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ وہ چھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے' کیا اب بھی آپ یہ بالدلیل دعوے کرتے رہیں گے؟ اور پھر ایک معتبر اردو کی کتاب رحمۃ للعالمین کا حوالہ لیجئے' اس کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی کتب مذکور کی جلد دوم صفحہ ۲۷۰ پر یہی لکھا ہے کہ سیدہ رقیہ کے ایک فرزند عبداللہ تھے' چھ سال کی عمر میں وفات پائی اور یہی انہوں نے علی بن العاص کے بارے میں ص ۲۰۴ پر لکھا ہے کہ وہ بچپن میں وفات پا گئے۔۔

اور پھر یہ تو بتایئے کہ ان حضرت علی بن ابی العاص سے جن کو آپ انشاء اللہ ابھی جنگ یرموک لے گئے (اور جس کا ابطال میں اپنے سابقہ مضمون میں کر چکا ہوں) ان سے کون سی حدیث نبوی مروی ہے' سیدنا حسن کے متعلق تو شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء جلد ۱' صفحہ ۲۹۶ میں لکھا ہے کہ ان سے دو حدیثیں مروی ہیں' اور صفحہ ۲۹۳ میں حضرت معاویہ سے بھی دو حدیثیں مروی ہونے کا ذکر کیا ہے' (بلاشبہ ہو فضل چہارم میں مذکور صحابہ و تابعین کے مختصر حالات' ذکر معاویہ و ذکر حسن)

بلیغ الدین صاحب اپنی خاصیت اور اہل بیت کے بغض میں سیدنا حسن و حسین کو شرف صحابیت سے محروم کرنا چاہتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے جنہوں نے آپ کی آغوش مبارک میں تربیت پائی' اگر وہ صحابی نہ ہوں گے تو کون صحابی ہوگا؟ اصول حدیث کی کتابوں میں صحابی کی تعریف دیکھئے' صحابی وہ ہے جس نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا' حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۲۰۳) سیدنا حسین کی شہادت پر رقم کے ساتھ لکھتے ہیں۔ فاضہ من سادات المسلمین و علماء الصحابہ و ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وہ یعنی سیدنا حسینؓ مسلمانوں کے سرداروں میں اور علماء و صحابہ میں سے ہیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیٹی کے صاحبزادے ہیں' جو سب بیٹیوں میں افضل تھیں)

ابن عساکر اور ابن اسحاق کی کتب کے بارے میں بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی صاحب علم کو زیب نہیں دیتا' وہ فرماتے ہیں ابن عساکر کا "ایک غلامؓ تاریخ بھی ملتا ہے" "بڑے فدا میں اپنے سابقہ مضمون میں لکھا چکا ہوں کہ ان کی تاریخ کے خلاصہ کی سات جلدیں شیخ عبدالقادر بدران کے قلم سے چھپ چکی ہیں' آپ ایک خلاصہ کہتے ہیں' پھر فرماتے ہیں کہ "اس کی (یعنی ابن عساکر) کی کتابیں بازار میں عام نہیں بکتیں" تو سوال یہ ہے کہ کیا آپ اپنی "تحقیقات علیہ" کی بنیاد بازار میں عام بکنے والی کتابوں پر رکھتے ہیں؟ اور اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ "پھر ابن اسحاق کا ہر حوالہ باطل ہے کہ یہ کتاب بھی نایاب ہے"۔

بلیغ الدین صاحب نے شاید یہ سمجھ رکھا ہے کہ تکبیر کے پڑھنے والے سب عوام الناس ہیں' ان کو شاید یہ معلوم نہیں کہ یہ پاکستان کی دینی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں بھی پڑھا جاتا ہے' اور اہل علم یہ بات جانتے ہیں کہ سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور و معروف کتاب در حقیقت ابن اسحاق کی ہی سیرت نبوی پر مشہور کتاب ہے' جو عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۸ھ نے بروایت زیاد البکائی ترتیب دی ہے' اور اس میں وہ حلات جو ابن اسحاق نے حضرت آدم سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک کے ذکر کئے تھے' حذف کر دیئے ہیں' اسی طرح وہ بہت سے قصائد و اشعار بھی نکال دیئے ہیں' جن کو ابن ہشام نے متعلقہ نہیں سمجھا' مزید عرض یہ ہے کہ سیرت ابن اسحاق کا بھی ایک حصہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی تحقیق سے رہا۔ مراکش سے چھپ چکا ہے (۱۹۷۶ء میں) اور دمشق کے ڈاکٹر سہیل زکار کی تحقیق سے بھی ایک حصہ' دار الفکر کی طرف سے ۱۳۹۸ھ میں چھپ چکا ہے' پھر یہ بھی بلیغ الدین صاحب کے لئے انکشاف ہوگا کہ کتب جامع قرویین' فاس (مراکش) میں یہ کتاب قلمی شکل میں موجود ہے' (اور ریاض کی اسلامک یونیورسٹی' جامعۃ الامام محمد بن مسعود میں اسکا مائیکرو فلم موجود ہے)۔ اگر میرے بلند و محترض نے ترکی کے علامہ ڈاکٹر فواد سیزگین کی تاریخ التراث العربی' جلد اول پڑھی ہوتی تو مجھ کو یہ سب کچھ بتانا نہیں پڑتا' مگر یہ کتب بازار میں نہیں ملتی' میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے' اصل کتب جرمن زبان میں سات جلدوں میں ہے' اس کی دو جلدیں پہلی بار تبصرہ سے (عربی ترجمہ) چھپ چکی ہیں اور پھر دوبارہ ۱۰ جلدوں میں جرمن کتب کی تین جلدوں کا ترجمہ ریاض کی امام ابن مسعود یونیورسٹی سے شائع ہوا ہے' شاید خالد اسحاق صاحب کی لائبریری میں موجود ہو' جہاں بلیغ الدین صاحب جاتے ہیں۔

میرے سابقہ مضمون میں سعد بن ابی وقاص کے بجائے ابو دجانہ کا نام چھپ گیا تھا' مقصود یہ تھا کہ ابو دجانہؓ نے اپنی پیٹھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنا لیا تھا' اور حضرت سعد کفار کی طرف تیر چلا رہے تھے۔ مگر اس موقع پر بلیغ الدین صاحب نے جو زہر آگیں طنزیہ جملہ لکھا ہے "ماں باپ فدا کرنے والی بات کو آپ حضرت سعد بن ابی وقاص سے کیوں چھپا رہے ہیں وہ ہم سمجھتے ہیں انہوں نے ایران جو فتح کیا تھا" اس کا کیا جواب دوں ایسی کہ میں عربی القدم' ہاشمی النسل ہوں' یہ بات آپ کسی اور ہی سے کہیں' اور اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں شیعہ ہوں تو یہ آپکی بدبختی ہے' غصہ تو کوفہ کے مزاروں سے شروع ہوتی تھی اور ایک یمنی یہودی عبداللہ بن سبا نے اس میں مضامین اور شر انگیز روح ادا کیا تھا میرے جد امجد سیدنا علیؓ نے عبداللہ بن سبا کے بعض متبعین گمراہ و ظالم شیعوں کو آگ میں جلایا تھا' یہ سب عام تواریخ میں مذکور ہے۔

آپ نے دوبارہ لکھا ہے کہ "ابو العاص بن الربیع کے بارہ میں ارشادات صحاح میں ہیں (ص ۴۳ کالم ۱) یہ غلط ہے کہ میں نہیں ہیں صرف ایک قول "وصدقنی و صدقنی" ایک خصوصی معاملہ میں ہے' جس کا ذکر میں تفصیل سے سابقہ مضمون میں کر چکا ہوں۔ اس طرح کے دو جملے پورے عام تقریروں میں چل سکتے ہیں' علمی تحقیق سے اسکا کوئی تعلق نہیں' یہاں اس بات کو دہرانا ضروری ہے کہ وہ بحیثیت مسلمان صرف ایک سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد رہے (تفصیل کے لئے دیکھئے میرا مضمون تکبیر ۲۸ دسمبر ص ۵۷ کالم ۱) یہاں مزید یہ اضافہ کر دوں کہ امام ذہبی نے "تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام" ص ۲۸۰ (زکریا ایڈیشن) میں تصریح کی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئے' اور یہی اہل علم کتب سیر اعلام النبلاء (ج ۳ ص ۲۴۶) میں لکھا ہے۔

گنج بخش فیضِ عالم ہے فقط ذات اللہ
ناقصاں را مرشدِ کامل ہیں محمد مصطفیٰ ﷺ

صفحہ نمبر ۱۰۶ کا باقی حصہ (شہادت حسینؓ)

ان کا یہ غلط حکم ماننے سے انکار کر دیا اور جب رسول اللہ کے سامنے ان اصحاب کے طرز عمل کا تذکرہ ہوا تو آنحضرت نے فرمایا کہ امیر کے اس غلط حکم کی اطاعت نہ کرکے انہوں نے بالکل صحیح کیا اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہتے۔

اسلام کی اس تعلیم کے پیش نظر جناب ناقد سے سوال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ و حضرت حسنؓ کے علاوہ باقی صحابہ کرام نے ادارہ خلافت کے تحفظ کی خاطر کیوں نہ کی؟ اور اس صورت میں کیا یہ تمام صحابہؓ بھی حضرت عثمانؓ اور حضرت حسنؓ کی طرح مجرم قرار نہیں پاتے؟

جناب ناقد کے مضمون سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً ان کے نزدیک خلافت علی منہاج نبوت نام ہے

باقی صفحہ نمبر ۱۱۶ پر

دوسری قسط

خانوادۂ نبویؐ کی بحث سے متعلق آخری وضاحت

پروفیسر ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

"بت شکن"

علی بن ابی العاص کے بارے میں بلیغ الدین صاحب نے پھر وہی بات دہرائی ہے' میں مستند اور ثقہ محدثین و مورخین کے حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ ان کی وفات بچپن میں ہو گئی تھی اور سلور بالا میں امام ذہبی کا بھی ایک حوالہ دے دیا ہے پھر وہ کہاں سے بت شکنی کر سکتے تھے۔

اس موقعہ پر جو حوالے بلیغ الدین صاحب نے اسد الغابۃ' الاصابۃ اور الاستیعاب کے دیئے ہیں' ان میں کہیں علی بن العاص کے مکہ میں بت شکنی کی بات نہیں کہی گئی ہے۔ بلکہ صراحت سے یہی مذکور ہے کہ وہ بچپن ہی میں آنحضرت کی زندگی میں وفات پا گئے' مزید یہ کہ امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (ج ۳ ص ۲۴۶) میں بھی یہی لکھا ہے۔ اس سے بلیغ الدین صاحب کی علی بن العاص کی بت شکنی کے بارے میں غلط بیانی صاف ظاہر ہے۔

اب جہاں تک سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر چڑھ کر کعبہ کی چھت سے بت گرا کر پاش پاش کرنے کا تعلق ہے اور اس کا حوالہ مجھ سے بلیغ الدین صاحب نے مانگا ہے' تو اس کے لئے ملاحظہ ہو مشہور مفسر و محدث و مورخ امام محمد بن جریر طبری کی چار سال قبل شائع شدہ کی کتاب حدیث "تہذیب الآثار" (جلد ۴' مناقب علی)' جہاں اس موضوع پر خود حضرت علی کی زبانی تین احادیث صفحہ ۲۳۶ تا ۲۳۸ تین مختلف اسناد سے درج ہیں' ان میں حدیث نمبر ۲۳۳ میں پوری تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ درج ہے۔ اس کتاب کے عظیم اور مشہور مصری محقق علامہ محمود احمد شاکر مرحوم نے اس حدیث کا حوالہ مسند امام احمد' مجمع الزوائد' مسند ابو یعلیٰ سے بھی دیا ہے' اور طبری کی روایت کی سند کو رجال پر بحث کرتے ہوئے صحیح قرار دیا ہے۔

دوسرا حوالہ ایک ایسی مشہور کتاب سے پیش ہے' جو اہل ہندو پاکستان بخوبی جانتے ہیں اور بلیغ الدین صاحب بھی' یعنی شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء' (جلد دوم صفحہ ۳۹۰ اردو ایڈیشن)' جہاں حضرت علی کے بت توڑنے کی روایت اس تفصیل سے درج ہے جیسی طبری کی مذکورہ بالا مجمود حدیث میں۔

یہاں بلیغ الدین صاحب کی دماندگی کا اندازہ کیا جائے کہ خود ہی صحیح بخاری کے شارح قسطلانی کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ "انہوں نے ذکر کیا ہے کہ علی نے کعبہ میں بت شکنی کی"۔ پھر خود ہی اس کی حسب منشا عجیب تشریح فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علی بن ابی العاص ہیں۔ کیا ثبوت ہے؟! ایک معمولی پڑھا لکھا انسان بھی جانتا ہے کہ جب کہیں صرف علی کا نام آتا ہے' تو اس سے مراد چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی ہی مراد ہوتے ہیں' مگر برا ہو ناصبیت کا کہ یہاں بھی وہ غلط معنی ہی نکال رہے ہیں۔

مزید حوالے

اس فقرے کے تحت بلیغ الدین صاحب نے محمد الاوسط کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر میرے سابقہ مضمون کی بحث ص ۵۷ کالم (۲) پر پڑھ لی جائے' موصوف نے میرے متعدد حوالوں کو غور سے نہیں دیکھا' اب وہ مجھے مشفقانہ اور جذباتی انداز میں پوچھتے ہیں کہ میں ابن سعد کی طبقات کبریٰ اور ابن قتیبہ کی کتاب المعارف کو مستند سمجھتا ہوں کہ نہیں جن میں محمد الاوسط کا ذکر ہے؟

پہلے تو یہ عرض ہے کہ انساب کے مجالد میں امام ابن حزم جیسے محدث و مورخ کو زیادہ معتبر سمجھتا ہوں' انہوں نے اپنی کتاب جوامع السیرہ میں تصریح کی ہے کہ سیدہ امامہ بنت زینب کے بطن سے حضرت علی کی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور نہ انکے بطن سے دوسرے شوہر مغیرہ بن نوفل کی کوئی اولاد ہوئی حتیٰ کہ انکا انتقال ہو گیا (صفحہ ۳۹)۔ ابن قتیبہ نے سیدہ امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہ کے بطن سے مغیرہ بن نوفل کے ایک لڑکے یحییٰ کا ذکر تو کیا ہے اور یہی بات رحمتہ اللعالمین (جلد دوم صفحہ ۱۵) میں قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی لکھی ہے لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ "یہ نسل دنیا سے ناپید ہو چکی ہے"۔ سیدہ امامہ کے بطن سے محمد الاوسط بن حضرت علی کا ذکر انہوں نے بھی نہیں کیا اور نہ ابن قتیبہ نے۔

جہاں تک کتاب المحبر کا تعلق ہے' بلیغ الدین صاحب نے اس کا حوالہ ... دائرۃ المعارف اردو (پنجاب) کے واسطہ سے دیا ہے۔ خود انہوں نے یہ کتاب نہیں دیکھی اس میں نہ تو محمد الاوسط بن امامہ کا ذکر ہے اور نہ یحییٰ بن امامہ بنت زینب کا' یہ کتاب میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے' زیر بحث چارٹ میں انساب الاشراف کا حوالہ اس سلسلہ میں کوئی نہیں' بلکہ صرف زبیر بن عبدالمطلب کی حضور کی سرپرستی کے بارے میں ہے' وہ غور سے دوبارہ چارٹ دیکھیں۔

اب جہاں تک ابن سعد کی طبقات سے محمد بن الاوسط بن امامہ کا ذکر ہے' وہ واقدی کی روایت ہے جس کو بلیغ الدین صاحب بڑے زور و شور سے "کذاب" "رافضی" اور "شیطان" لکھتے ہیں۔ پھر وہ اس موضوع پر اسی واقدی کی روایت کس طرح تسلیم کرتے ہیں؟!

پھر چلئے میں ان کے ساتھ ابن سعد کتاب واقدی کی طبقات کبریٰ کو مستند تسلیم کرتا ہوں' آپ میرا مطالبہ ہے کہ اپنی بات پر سچے مسلمانوں کی طرح قائم رہیئے اور وہ ساری باتیں تسلیم کیجئے جن پر تمام سیرت نگاروں کا اتفاق ہے' اور جن کے آپ محمود عباسی کے ساتھ منکر ہیں' اور جو ابن سعد کی الحمی مستند کتاب میں مذکور ہیں' یعنی یہ کہ

۱۔ حضور کی پرورش ابو طالب نے کی' نہ کہ زبیر بن عبدالمطلب نے نہیں کی۔

۲۔ آپ نے ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا اور اس سفر میں بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔

۳۔ حضرت رقیہ کے بطن سے حضرت عثمان کے صرف ایک بیٹے عبداللہ تھے جو چھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے' آپ نے مسعودی کی ایک مزعومہ روایت کے مطابق ایک اور فرزند عبداللہ الاصغر کو صحیح سمجھ رکھا ہے' جو رقیہ کے نہیں بلکہ فاختہ بنت غزوان کے بطن سے تھے۔'

۴۔ ابن سعد کے ذکر کردہ نام شعب ابی طالب کو بھی صحیح تسلیم کیجئے' جبکہ آپ بغیر دلیل اور صحیح حوالہ کے اس کو شعب بنی ہاشم کہنے پر مصر ہیں۔

یہ وہ موضوعات ہیں جس پر آپ نے محمود عباسی کی طرح صفحات کے صفحات سیاہ کئے ہیں' غلط اور تراشیدہ حوالے دے کر عام قارئین کے ذہن میں انتشار پیدا کیا ہے' اگر آپ ابن سعد کو مستند مان لیں تو کوئی اختلاف ہی نہ رہے' مگر صرف اپنے مطلب کی ایک بات پر اس کو مستند نہ ماننے' جبکہ اس کے خلاف بھی روایتی دلائل موجود ہیں۔

انساب الاشراف - بلاذری کے بارے میں آپ نے عجیب الفضائی انداز میں غیر متعلقہ باتیں لکھی ہیں' اور وہ بھی ناقص' نہ آپکو اس کی جلدوں کا علم ہے' نہ مطبوعہ جلدوں اور ان کی تاریخ طباعت کا' سو آپ کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے تو صرف اس کی پہلی جلد کو اپنی تحقیق سے شائع کیا تھا اور وہ بھی حال میں نہیں بلکہ ۳۱ سال پہلے ۱۹۵۹ء میں مصر سے اور اس سے بہت پہلے ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء میں ایک یہودی مستشرق گوٹین Goetine نے اس کی چوتھی جلد اور پانچویں جلد کا کچھ حصہ شائع کیا تھا۔ القدس (یروشلم) سے (اس یونیورسٹی سے پرنسٹن Prinston امریکا میں میری ملاقات بھی ۱۹۷۸ء میں ہوئی تھی) جی حضرت میں نے یہ تینوں مطالعہ کی ہیں۔ آپ دوسروں کی لائبریریوں میں ان کے موجود ہونے کا ذکر کرتے ہیں' جبکہ یہ تینوں جلدیں میری ذاتی لائبریری میں عرصہ دراز سے موجود ہیں' آپ کی مزید معلومات کے لئے عرض ہے کہ اس کی ایک اور جلد بلد اور سے پندرہ سال قبل شائع ہوئی ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے بارے میں آپ نے حقارت آمیز انداز میں جو کچھ لکھا ہے اس کے بارے میں کیا کہوں!

صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ ان کا مقام یہ ہے کہ عرب دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں ان کی عربی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں' ان کی زیر بحث کتاب "الرد فضی" بھی پہلے عربی زبان میں چھپی تھی پھر ان کے ایک شاگرد ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور عالم عربی کے تمام علماء و محققین ان کی دسیوں عربی کتابوں کو انتہائی عزت و اعتراف کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

جنگ یرموک میں ابوالعاص بن الربیع (بحیثیت مسلمان یک سالہ داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنے فرزند علی کے ساتھ شرکت کا بلادلیل دعویٰ دوبارہ آپ نے اس فقرہ کے تحت کیا ہے' ایک بھی تاریخی شہادت پیش نہیں کی' اسکے بارے میں تفصیل سے اپنے سابقہ مضمون میں لکھ چکا ہوں' وہیں تمام مستند حوالے موجود ہیں کہ ابوالعاص کا ۱۲ھ میں' ان کے فرزند علی بن سیدہ زینب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں بچپن میں انتقال ہو چکا تھا' دو مزید حوالے یہ ہیں۔ امام ذہبی کی التاریخ الکبیر (ج ۱ص ۲۸۰) اور قاضی سلیمان منصور پوری کی رحمۃ للعالمین (جلد دوم صفحہ ۱۰۳) لہٰذا جب یہ دونوں حضرات جنگ یرموک سے کافی پہلے مستند اور متعدد تاریخی حوالوں کے مطابق انتقال فرما چکے تھے' تو اس جنگ میں ان کی شرکت کہاں سے ہو سکتی ہے' عرض ہے کہ یہ تاریخ اسلام کا موضوع ہے' یہاں خطابت اور افسانہ طرازی سے کام نہیں چلتا' دور صدیقی میں بھی ابوالعاص بن الربیع کسی جہاد میں شریک نہیں ہوئے' کہیں ان کا ذکر نہیں' اس موقعہ پر انہوں نے سیدنا علی پر ایک عجیب بیباک حملہ کیا ہے کہ "وہ حضور کی وفات کے بعد چوبیس پچیس برس کسی جہاد میں شریک نہیں ہوئے" سوال یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے عہد میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان میں سے کون جہاد پر گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ بحیثیت صدر مملکت یا خلافت ان کا مدینہ منورہ میں مقیم رہنا سیاسی و مشاورتی قیادت کے لئے ضروری تھا' ان جیوں خلفاء نے حضرت علی کو اہم مشوروں کے لئے اپنے ساتھ رکھا' سیدنا علی پر یہ حملہ بلاغ الدین صاحب کی نامعیت کی دلیل ہے۔

چھٹا مغالطہ

اس فقرہ کی پہلی سطر میں محترم مضمون نگار نے ہیجان کیا ہے کہ بتایا جائے کہ موصوف نے حضرت فاطمہ سے ابوالعاص کا کہاں اور کن الفاظ میں قتال کیا ہے' تو مغالطہ فرمایئے کہ شمیر ۲۸ دسمبر ۸۹ کے اپنے مضمون میں صفحہ ۳۹ کالم (۲) پر ابوالعاص کا ذکر کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں۔ "حضرت فاطمہ کی منقبت کی روایتوں میں نقتل کے ساتھ ان کی توصیف آئی ہے" باقی رہے اس تازہ مضمون میں آپ کے "ترکش تیر آزمائی" کے خطیبانہ الفاظ تو آپ کے پاس مستند تاریخی حوالوں کا جواب نہیں ہوتا تو اپنے اس محبوب و معروف اسلوب خطابت پر اتر آتے ہیں' میں ایسی باتوں کا جواب نہیں دیتا' چارٹ سے غیر متعلق یہ سب باتیں آپ ہی نے چھیڑی ہیں' اپنے مغلط افکار پھیلانے کے لئے' میں نے تو صرف جوابات دیئے ہیں۔

"وشعب بنی ہاشم"

اس کہ موضوع سخن آپ ہی بنایا تھا اور آپ پھر دھونس کے ساتھ بتایا ہے کہ شعب ابی طالب نہیں' صحیح نام شعب بنی ہاشم ہے' میں نے تو اپنے سابقہ مضمون میں اسی کو صحیح مان لیا تھا مگر اس بار آپ نے یہ بات کہتے ہوئے تمام قدیم و جدید سیرت نگاروں پر تاریخ مسخ کرنے کا الزام لگایا ہے' اس لئے کچھ لکھنا پڑا۔

اس سلسلہ میں آپ نے ازرقی کی "تاریخ مکہ" اور یاقوت کی معجم البلدان کے جو حوالے دیئے ہیں۔ ان میں سے کوئی کتاب آپ نے نہیں پڑھی ہے' درحقیقت آپ نے یہ سب محمود عباسی کی وقائع ام ہانی (صفحہ ۹۰) سے نقل کیا ہے' اور جو غلطیاں اس نے کی تھیں وہی آپ نے کی ہیں' ان دونوں کتابوں میں کہیں شعب بنی ہاشم نہیں لکھا ہے بلکہ اس گھاٹی کو شعب ابی طالب کے نام سے ہی یاد کیا گیا ہے' (بلاعلہ ہو' تاریخ مکہ۔ ازرقی' تحقیق رشدی ملحس بیروت ۱۹۸۳' جلد دوم ص ۲۲۱' معجم البلدان' جلد دوم' مادہ (بذر)' بیروت ایڈیشن) تیسری صدی ہجری میں اس کا نام شعب ابن یوسف مشہور تھا' جو ازرقی کا زمانہ ہے' اور یہی نام معجم البلدان میں مادہ (شعب) میں مذکور ہے' بلاغ الدین صاحب نے شعب ابی یوسف غلط لکھا ہے' اور یہ پرانا نہیں نیا نام تھا' کیونکہ اس نام کے امیر نے یہ علاقہ خرید لیا تھا' شعب ابی طالب اب شعب علی کے نام سے مشہور ہے۔

درحقیقت محمود عباسی نے شعب ابی طالب کے نام پر علامہ شبلی کی گرفت کی تھی اور پھر متعدد صفحات میں بات کا بتنگڑ بنایا تھا کہ شیعوں نے شعب بنی ہاشم کا نام بدل کر شعب ابی طالب رکھ دیا تھا' وہی سب کچھ بلاغ الدین صاحب نے مختصراً لکھ دیا ہے' کسی نے تاریخ کو مسخ نہیں کیا تھا' محمود عباسی نے ناکام کوشش کی تھی' اب بتایا جائے کہ اسکا چارٹ سے کیا تعلق ہے؟

"اسد اللہ و اسد رسولہ"

اس فقرہ کے تحت (ص ۳۵) پر بلاغ الدین صاحب نے مجھ پر سیدنا حمزہ کے لئے اس خطاب کو تسلیم کرنے کا جو بے بنیاد الزام لگایا ہے' بلکہ بہتان' وہ ان کی افترا پردازی اور فتنہ انگیزی کی کھلی دلیل ہے' میرا سابقہ مضمون صفحہ ۵۸ کالم (۱) پڑھ لیا جائے' بلکہ میں نے تو اس خطاب یا لقب کے لئے سیرۃ ابن ہشام کا حوالہ فراہم کیا تھا' کیونکہ بلاغ الدین صاحب نے بغیر کسی حوالہ کے اس لقب کا ذکر کیا تھا۔ اب بالوجہ کی عداوت اور احسان ناشناسی دیکھئے کہ میرے ہی اس حوالہ کے الفاظ نقل کر کے وہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ میں اس لقب کا سیدنا حمزہ کے لئے قائل نہیں۔

ہاں میں نے ابوالعاص بن الربیع کے لئے "شیر بطحاء" کے لقب پر جو سوال اٹھایا تھا' وہ ہنوز قائم ہے' جس پر آگے بحث آتی ہے یہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ حضرت حمزہ کے لقب مذکور کے لئے جو اقتباس دیا ہے' وہ بنیادی طور پر اسی ابن اسحاق کا ہے جس کو بلاغ الدین صاحب اپنے سابقہ مضمون میں (ص ۵۰ کالم (۱) پر) ناقابل اعتبار لکھ چکے ہیں اور اپنے اس تازہ مضمون کمبیر ۱۵ مارچ میں ۳۶ کالم (۲) میں فرماتے ہیں کہ "ان کے ہاں موضوع روایات کی بھرمار ہے" اور یہ کہ "ابن اسحاق شیعہ مورخ ہے" ۔ اب آپ فرمایئے کہ کس طرح اس لقب کے سلسلے میں ابن اسحاق کے قول کو معتبر سمجھ رہے ہیں؟ میں تو بہر حال تمام قدیم و جدید مورخین کی طرح اس کو ثقہ سمجھتا ہوں۔

سیدنا علی کے لقب "اسد اللہ" کے بارے میں ایک دوسرا حوالہ شاہ ولی اللہ صاحب کا بلاعلہ فرمایئے وہ تو عربی جانتے تھے' لائق اعتبار ہیں' ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۲۵۱ وہ حضرت علی کے مناقب میں بیان کرتے ہیں۔ "لقب اسد اللہ" (نذر ورہ اردو ایڈیشن) دوبارہ جلد دوم ص ۳۸۷ وہ یہ لقب پھر ذکر کرتے ہیں پھر یہ لقب اس قدر مشہور ہے کہ یہاں کسی حوالہ کی ضرورت نہیں' ورنہ علامہ اقبال ان کو اپنے شعر میں اسد اللہ کے نام سے یاد نہیں کرتے جس کا میں سابقہ مضمون میں ذکر کر چکا ہوں۔ آپ کے بعض مغلط حوالوں کی حقیقت میں گزشتہ صفحات میں واضح کر چکا ہوں اور کچھ آئندہ آئیں گیں۔

اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے ضرور حضرت علی کے لئے اسد اللہ کے لقب سے انکار کیا اور دوسرے موضوعات کھڑے کر دیئے جن میں مرحب کے قتل کا مسئلہ ہے کہ یہ محمد بن مسلمہ نے کیا تھا' اور آپ نے واقدی کے لئے "رافضی و شیطان" کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے یک طرفہ اقوال نقل کئے ہیں' ناصبیوں کا یہ محبوب موضوع ہے کہ خیبر کے موقع پر حضرت علی نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔

اب جو آپ نے یہ مسئلہ چھیڑا ہے تو سنیئے کہ ابن ہشام کی جس روایت کا آپ نے اس سلسلہ میں سہارا لیا ہے' وہ اسی ابن اسحاق کی ہے جس کو آپ کذاب' وضاع اور شیعہ قرار دے چکے ہیں اور یہی روایت طبری میں منقول ہے' اب آپ کو یہ ابن اسحاق کیسے قابل قبول ہو گیا (دیکھئے سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۳۳-۳۳۲) پھر اسی ابن اسحاق کی یہ روایت ابن ہشام کی اس جلد میں صفحہ ۳۳۵ پر مذکور ہے کہ جب سیدنا علی کی ڈھال گر گئی تو انہوں نے ایک دروازہ کو اٹھا کر ڈھال بنا لیا جس کو سات آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے' آپ کے شیخ محمود عباسی نے تو اس کو جھوٹ اور مضحکہ خیز قرار دیا ہے' اب فرمایئے کہ کیا آپ "افتومنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض" کے زمرہ میں نہیں آتے ہیں؟

موسیٰ بن عقبہ کی کتاب مغتفو ہے اور مسند امام احمد بن حنبل سے آپکو کیا تعلق' انہوں نے تو یہ کہا ہے کہ جو سیدنا علی کو چوتھا خلیفہ تسلیم نہ کرے وہ گدھے سے بھی زیادہ احمق ہے' آپ انکی خلافت میں شک پیدا کرتے ہیں پھر مسند احمد کا تفصیلی حوالہ دیجئے۔

رہا مرحب کا قتل تو اس بارے میں محققین اہل سنت والجماعت مشہور محدث امام مسلم کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس میں صراحت سے مذکور ہے کہ مرحب کو سیدنا علی نے قتل کیا (بلاعلہ و صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر' یہاں وہ شعر بھی درج ہیں جو سیدنا علی رجزیہ پڑھتے تھے) طبری کی جس روایت کو آپ نے ترجیح دی ہے اس کو ذرا غور سے دیکھئے وہ بھی ابن اسحاق کی ہے' جو آپ کے نزدیک وضاع و کذاب ہے اور روایت کے پہلے اور بعد میں آنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ "عوف عن میمون" کی روایت اور طبری ہی میں یونس بن بکیر عن الصلت بن مسلم کی دو روایتوں میں یہی ہے کہ مرحب کو سیدنا علی نے قتل کیا (دیکھئے طبری' دار المعارف' مصری ایڈیشن' ج ۳ ص ۱۱' ۱۲) آپ اپنے قارئین کو کہاں تک دھوکہ دیں گے؟

موصوم مولانا شبلی کا نام لے کر آپ نے قارئین کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے' حوالوں میں غلط بیانی محمود عباسی کی طرح آپ کی عادت ہے' آپ کی رسائی عربی کتابوں تک نہیں' خالد اسحاق صاحب کی لائبریری میں جا کر وہاں موجود عربی کے ایک طالبعلم سے عربی کتابوں سے عبارتیں آپ ترجمہ کراتے ہیں' اور ان کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں' بلکہ افسوس کا مقام کہ مولانا شبلی کی سیر والنبی سے بھی اپنے مطلب کی بات ہی نقل کرتے ہیں اور اصلی بات کو چھپا دیتے ہیں' صحیح بخاری کتاب المغازی و فضائل الصحابہ اور صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ میں صراحت سے مذکور ہے کہ جب تین دن مسلسل دوسرے صحابہ غزوہ خیبر میں کامیاب نہ ہو سکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے آدمی کے ہاتھ میں دونگا جس کو اللہ محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ کو محبوب رکھتا ہے' اور پھر حضور صلعم نے حضرت علی کو طلب کیا' وہ اس وقت آنکھوں کی بیماری میں مبتلا تھے' پھر بھی آپ نے طلب فرمایا' اپنا لعاب دہن حضرت علی کی آنکھوں پر لگایا' حضرت علی کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں' انہوں نے خیبر کے آخری قلعہ قموص کو اس کے مالک مرحب کو قتل کر کے فتح کیا اور

اسی لئے فاتح خیبر کہلائے مگر حضرت علی سے بغض اور ناصبیت نے آپ کی آنکھیں بند کر دی ہیں' اور مجھے شپرہ (چمگادڑ) کہتے ہیں۔ اور آپ کتب حدیث و عربی تواریخ تو کیا اردو میں مولانا شبلی کی عبارتوں سے اپنے آنکھیں بند کر لیتے ہیں' مولانا شبلی اپنی سیرۃ النبی جلد اول (صفحہ ۲۸۲ طبع اول' دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۵) میں تفصیل سے غزوہ خیبر پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"ابن اسحاق' موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے مارا تھا۔ مسند ابن حنبل اور نووی کی شرح صحیح مسلم میں بھی ایک روایت ہے' لیکن صحیح مسلم اور حاکم (ج ۳ ص ۳۹) میں حضرت علی ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے' اور یہی اصح الروایات ہے"۔

اور پھر آپ نے مولانا شبلی مرحوم پر در خیبر (مضمون میں دروہ خیبر غلط چھپا ہے) کے سلسلہ میں تہمت گڑھی ہے' انہوں نے اس موضوع پر صفحہ بالا میں واقدی کے بیان کی نہیں بلکہ اسحاق اور حاکم سے منقول اس روایت کی سنداوی کی مقاصد حسنہ کے حوالہ سے تردید کی ہے' جس میں ہے کہ قلعہ قموص کا وہ دروازہ جس کے ایک پٹ کو حضرت علی نے بطور ڈھال استعمال کیا وہ اس قدر وزنی تھا کہ سات آدمی بھی اس کو نہیں اٹھا سکتے تھے' اور مولانا شبلی کی یہ بات صحیح ہے مگر آپ اس واقعہ کو بیان کر کے فتح خیبر کے سلسلے میں سید نا علی کے کارنامہ سے ہی انکار کرنا چاہتے ہیں جو بخاری و مسلم کی صحیح حدیثوں اور مولانا شبلی کے مذکورہ بالا صریح بیان سے ثابت ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ کسی مورخ نے بھی واقدی کو "رافضی اور شیطان" نہیں لکھا ہے' مدینہ کے دوسری صدی ہجری کے عظیم سیرت نگار' محدث اور قاضی کے بارے میں یہ صرف آپ کی دریدہ ذہنی ہے۔ مولانا شبلی کی سیرۃ النبی جس تک آپ کی رسائی ہے اس سے آپ نے عوف (ایک روای) کے بارے میں موصوف کی بیزاری سے نقل کردہ ایک عبارت کو واقدی پر چسپاں کر دیا ہے' بلکہ مجھے اکیڈمی کے ماخذ کا پتہ چل گیا' یہ سیرت شبلی نہیں بلکہ محمود عباسی کی کتاب "تحقیق مزید" ہے جہاں صفحہ ۱۵۳ پر میزان الاعتدال' ذہبی کے حوالہ سے یہ عبارت "عوف" کے لئے استعمال ہوئی ہے مگر میرے ناقد نے یہاں "عوف" کے بجائے عظیم مورخ و محدث و قاضی "واقدی" کا نام درج کر دیا' گیا اسی کا نام علمی دیانت ہے؟ مولانا شبلی کی عوف کے بارے میں یہ روایت سیرۃ النبی کی جلد اول صفحہ ۳۸۱ (مذکورہ بالا ایڈیشن) پر موجود ہے' اور یہ اس سلسلہ میں ہے کہ طبری میں ایک روایت اس راوی سے مذکور ہے کہ قلعہ قموص کی فتح ناکام ہو کر دو دن سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر واپس آگئے تھے اور فوج نے حضرت عمر کی کمزوری کی شکایت کی اور دونوں نے فوج کے بھاگ جانے کی' اس موقعہ پر بلعنا فوجیوں کا بیان غلط ہے' اور اسی لئے اس کو ایک شیعی روایت کہہ کر مولانا شبلی نے اس کی تردید کی ہے' جو سارے اہل حق کا مسلک ہے' لیکن مولانا شبلی نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ فتح خیبر کا شرف حضرت علی کا ہی نصیب تھا' وہ اس روایت کی تردید کے بعد لکھتے ہیں:۔

"تاہم اس قدر ضرور ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے' لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا" اور پھر اس کے بعد ہی انہوں نے حضور صلعم کی طرف سے حضرت علی کا اس مہم پر مقرر کیا جانا ذکر کیا ہے' آپ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا بند کریں' سچ وہ ہے جو امام بخاری امام مسلم' حافظ ابن حجر اور پھر مولانا شبلی نے لکھا ہے وہ نہیں جس کو آپ خطیبانہ انداز میں سچ قرار دے رہے ہیں اور حضرت علی کی تنقیص کر رہے ہیں۔

"شیر بطحاء"

سیدنا علی سے بغض میں جملا بلغ الدین صاحب نے دوبارہ ابوالعاص بن الربیع کو "شیر بطحاء" ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور جو حوالے انہوں نے دیئے ہیں وہ غلط ہیں' میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا "شیر" عربی زبان کا لفظ ہے؟ حضرت حمزہ اور حضرت علی کے ناموں کے ساتھ تو قدیم و جدید کتب تاریخ میں "اسد اللہ" یعنی (شیر خدا) کا لفظ آیا ہے مگر ابوالعاص کے لئے "اسد بطحاء" کا لفظ کہاں آیا ہے؟ بلکہ وہ لفظ آیا ہے جس کو بلغ الدین صاحب نے چھپانے کی کوشش کی ہے' قارئین سنیں' وہ ہے "جرو البطحاء" (ملاحظہ ہو' امام ذہبی کی التاریخ الکبیر الموسوم بہ تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام' ج ۱' ص ۲۷۸' المطبع مصر) اب وہ اس عربی لفظ (جرو) کے معنی کسی عربی دان سے پوچھ لیں یا کسی لغت میں دیکھ لیں' کسی بھی عرب ملک میں چلے جائیں' وہ ایک عرب بچے سے بھی سن لیں گے کہ وہ کتے کے بچہ کو "جرو" کہتا ہے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ لقب نہیں دیا تھا' بلکہ امام ذہبی نے لکھا ہے۔ وکان یدعی جرو البطحاء واسر یوم بدر" (وہ جرو بطحاء کے نام سے پکارے جاتے تھے اور بدر کی جنگ میں گرفتار ہوئے)

یاد رہے کہ امام ذہبی نے اپنی اس بے نظیر کتاب میں ابی العاص کے حالات بڑی تنقیح کے تین صفحات میں لکھے ہیں' اور صفحہ ۲۸۰ پر تصریح کی ہے کہ وہ حضور کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئے' اور میں گزشتہ مضمون میں مستند حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ وہ ۱۲ھ میں وفات پا گئے پھر کون سا کارنامہ تھا جس پر ان کو "شیر بطحاء" کا اردو کا خطاب ملا؟

اس موقعہ پر انہوں نے محقق و مصنف جلیل القدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے لئے جو سوقیانہ انداز اختیار کیا ہے اس سے تو میں صرف نظر کرتا ہوں' اور یہ کہتا ہوں کہ مجھے "ہمارے علماء کی تحریریں" بھی سمجھ میں آتی ہیں' انہیں میں مولانا شبلی' سید سلیمان' قاضی سلیمان منصور پوری وغیرہ شامل ہیں' ہاں محمود عباسی شامل نہیں' بلغ الدین صاحب ابوالعاص بن الربیع کے بارے میں قاضی سلیمان منصور پوری کا پورا بیان تو پیش کریں' ان کے جھوٹ کی پول کھل جائے گی' قاضی سلیمان مرحوم نے ابوالعاص کے بارے میں وہی سب کچھ لکھا ہے جو امام ذہبی اور دوسرے قدیم عرب مورخین نے لکھا ہے' میں "بمبیر" کے اردو دان قارئین اور طالبان حقیقت کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ رحمۃ للعالمین کی دوسری جلد ضرور پڑھیں' صفحہ ۱۰۲ تا صفحہ ۱۰۵ (شیخ غلام علی اینڈ سنز' کراچی' ایڈیشن) سیدہ زینب کا ذکر' اس میں وہ دیکھیں گے کہ صراحت سے مصنف نے لکھا ہے۔

۱- ابوالعاص نے بماہ ذی الحجہ ۱۲ھ وفات پائی' ان کا لقب 'جرو البطحاء" تھا۔ (صفحہ ۱۰۴)۔

۲- علی سید الرسول نے بچپن میں وفات پائی۔ (ص ۱۰۴)

۳- سیدہ امامہ بنت سیدہ زینب کا نکاح پہلے سیدنا علی سے اور پھر حضرت علی کی وصیت کے مطابق حارث ہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتے مغیرہ بن نوفل سے امیر المومنین کی اجازت سے نکاح علی پڑھایا گیا' مغیرہ کے ہاں سیدہ امامہ کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا' یحیی نام تھا' یہ نسل دنیا سے ناپید ہو چکی ہے' (ص ۱۰۵)

۴- انہوں نے علی بن ابی العاص کے فتح مکہ کے موقع پر بہت ممکن ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ الاصابہ اور الاستیعاب کے جو حوالے بلغ الدین صاحب نے اس ذیل میں دیئے ہیں ان میں بھی ابوالعاص کے لئے "جرو البطحا" کا لقب آیا ہے' اور وہ اس لقب سے اسلام سے پہلے سے پکارے جاتے تھے' یہ عرض کر دوں کہ قاضی سلیمان منصور پوری نے ابوالعاص کے بحیثیت مسلمان ایک سال والدی رسول کے احترام میں اس لقب کا اردو ترجمہ نہیں کیا ہے' میں نے بھی نہیں کیا' یہ بھی عرض کر دوں کہ "جرو" کے عام اور متداول معنی "کتے کے بچے" کے ہیں لیکن لغت میں اس کے معنی درندہ کے بچہ کے لئے بھی آئے ہیں' اور شاید وہ اپنی سخت اور دشمن کے خلاف زور آزمائی میں شہرت کی وجہ سے مکہ میں اس لقب سے مشہور ہو گئے ہوں گے۔

اب وہ ثابت کریں کہ کس مصنف نے ان کو "اسد بطحاء" کے لقب سے یاد کیا ہے؟

"کفالت"

اس فقرہ کے تحت انہوں نے محمود عباس کی ناسمجھی کے فکر مطالبق ابوطالب کے بجائے نبیر بن عبدالمطلب کا حضور کا کفیل' سرپرست اور حامی دوبارہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے' اس کے بارے میں تفصیلی حوالوں سے سابقہ مضمون میں کافی لکھ چکا ہوں' دوبارہ پڑھ لیا جائے۔

بلغ الدین صاحب نے ابن سعد' یعقوبی' روض الانف (سہیلی) اور رحمۃ للعالمین' خطبات سرسید کے جو حوالے دیئے ہیں' وہ سب صریحی غلط بیانی ہے' ان سب نے یہی لکھا ہے کہ ابوطالب نے حضور صلعم کی کفالت کی اور انہوں نے ہی آنحضرت کی نصرت و حمایت کی (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۱۸' یعقوبی ج ۲ ص ۱۴' سیرۃ النبی' شبلی' جلد اول ص ۱۱۲ وغیرہ وغیرہ) اور بلغ الدین صاحب سے تو ایک دوسرے نام نہاد محقق اور ناسمجھی ضیاء الدین کرہانی ہی اچھے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب "ابدی پیغام کے آخری پیغمبر" (ص ۵۹) میں سرسید احمد خاں کے بیان کے بارے میں سچ لکھ دیا ہے کہ۔ "اپنے ناقدانہ ذہن اور ژرف نگاہی کے باوجود سرسید نے بھی عام خیال کے مطابق اپنے خطبات (ص ۳۷۶) میں لکھ دیا کہ "عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضرت محمد کی سرپرستی ابوطالب نے کی"۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ ڈیجیٹل چارٹ کے اندراجات غلط ہیں' یہ ریڈیو میں اور عام مجالس میلاد النبی میں تقریروں کا مسئلہ نہیں (جس میں بلغ الدین صاحب بے شک مشہور ہیں)' بلکہ علمی تحقیق کا مسئلہ ہے اور بلغ الدین صاحب کسی بھی تاریخی حوالہ سے یہ ثابت نہیں کر سکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کفالت ابوطالب کے بجائے دوسرے چچا زبیر نے کی' بلکہ انہوں نے بغیر تعین صفحات کے جو حوالے دیئے ہیں وہ سب غلط ہیں' وہ عالم المسلمین کو تاریخ اسلام کے بارے میں گمراہ کرنے کی کوشش میں ہمیشہ ناکام رہیں گے جیسے محمود عباسی ناکام رہا۔

"تحیر اراصب"

اس فقرہ کے تحت بلغ الدین صاحب نے مجھ پر حسب عادت الزام تراشی کی ہے کہ "اب طویل اور غیر متعلق بحث کرتے ہوئے رضوان علی صاحب ایک اور سبائی روایت کے دفاع پر آگئے"' یہ الزام تراشی اور دریدہ ذہنی کا وہ طریقہ ہے جو بلغ الدین صاحب نے محمود عباسی سے سیکھا ہے' جو ہر اس روایت کو جو اس کو پسند نہیں آتی ہے سبائی روایت کہہ دیتا ہے۔ غیر متعلقہ مضامین بلغ الدین صاحب نے اپنے طویل مضمون میں اٹھائے تھے' جس کا مدلل و مفصل جواب

باقی صفحہ نمبر ۴۸ پر

صفحہ نمبر ۱۶۶ کا باقی حصہ

سے یہ علاقے تقریباً افغانستان کے برابر ہیں جن میں ہنزہ، نگر، یاسین، چیال، گلگت، مستوج، برنیل، کہت یار، خون کے علاوہ واخان، بدخشاں، اشکاشم، زیباک، رباط شغنان، یامیر و میر کے دور دراز علاقوں پر مشتمل ہے اس خطے میں ان علاقوں کی سرحدی اور جغرافی سیاسی حیثیت بیحد اہم ہے اور یہ علاقے اسماعیلی آبادی کی اکثریت پر مشتمل ہیں۔ جہاں کسٹم سے لیکر تمام عملاً اسی فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ "آزاد اسماعیلی طاقت" جس نے افغانستان میں اپنے وجود کا اعلان کیا ہے اسرائیل کی طرح وسعت پذیری کے رجحانات رکھتی ہے جو عالم اسلام اور اس خطے کے لئے خطرناک ہے۔ یہودیوں کی طرح اسی نسل پرست ریاست کا قیام کیا قیامت نہ ڈھائے گا اس کا ایک اندازہ اور جھلک اسماعیلیوں کی تاریخ اور ان کے داعیوں اور اماموں پر کہ دلہ پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے دیکھی جا سکتی ہے اور آج کے دور میں بھی آغا خان کے امام نے پوری افغان جنگ میں کبھی مظلوم کا ساتھ نہ دیا آغا خان فاؤنڈیشن نے دنیا بھر کی خدمت انجام دیدی لیکن افغانوں کے بارے میں خاموش رہی۔ ایک سپر کے ساتھ گٹھ جوڑ اور دوسری سپر پاور کے ساتھ "تاریخی اتحاد" کی فطرت کا مظاہرہ واضح طور پر نظر آتا ہے۔

سنڈے میگزین" کے نمائندے جیف بی ہارمن کی رپورٹ افغانستان میں فرقہ یا طائفہ" کے کردار اور اس کے حلیفوں کے عزائم واضح کرتی ہے رپورٹ واضح کرتی ہے کہ حسن بن صباح کے روحانی پیروکار "الموت" کے قیام کے لئے آٹھ سو برس کی جدوجہد کے بعد ایک آزاد اسمٰعیلی طاقت کا اعلان کر رہے ہیں اس طاقت کے اعلان میں ان کے روحانی پیشوا کے حکم کے بارے میں روحانی پیشوا کا نمائندہ افغانستان میں اپنے پیٹے کو یہ تاریخی حکم سناتا ہے کہ "الموت" کی روحانی مسند کے جانشین! "آغا خان کے احکامات کی تعمیل لازمی ہے۔ ہمارا اپنا سلطان امام، ہمارا امام زندہ ہے۔ اگر آغا خان حکم دیں کہ افغانستان کے سارے اسماعیلی اپنی جانیں قربان کر دیں (تو ہم سب یقیناً ایسا ہی کریں گے۔ یہ حقیقت ہے کوئی مذاق نہیں"۔

"لیکن آخر ایک رات کو میرے والد نے مجھے سب کچھ کہدیا۔ یہ بھی کہ ہر آغا خان کے احکامات کی تعمیل لازمی ہے۔ ہمارا اپنا سلطان امام ہمارا امام زندہ ہے۔ اگر آغا خان حکم دیں کہ افغانستان کے سارے اسماعیلی اپنی جانیں قربان کر دیں تو ہم یقیناً ایسا ہی کریں گے۔ یہ حقیقت ہے کوئی مذاق نہیں"۔

افغانستان کی صورتحال پر آغا خان کے حکم کی تعمیل کے حوالے سے وضاحت کرنے والے جعفر کے باپ سید منصور کا اب افغانستان کی سیاست میں کافی عمل دخل ہے اور اس نے اپنے بیٹے کو بارہ سو سپاہیوں کی اسمٰعیلی ڈیفنس فورس "فدائین" کا کمانڈر انچیف بنا دیا ہے (حسن بن صباح کے پیروکاروں کو بھی فدائی کہا جاتا تھا" فدائین ہر وقت حسن بن صباح کی جنت کے نشے میں انتہا پسندی کی مذمت مرنے کے لئے تیار رہتے تھے) مرتم۔

سنڈے میگزین کے نمائندے نے لکھا ہے کہ سید جعفر سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب میں اپنی فلم "افغان" بنا رہا تھا جو اس فوج سے متعلق ہے۔ ایک روسی کرنل نے اس سے میری ملاقات کا انتظام کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ایک عام سیاسی لیڈر یا سردار ہوگا جس نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر روسیوں اور کابل انتظامیہ سے سانباد کر لی ہوگی لیکن سید جعفر متاثر کرنے میں ناکام رہا۔ وہ ایک انگریزی اسکول کا سابق طالبعلم ہے اور اپنے باپ کی تربیت اور اثر سے افغانستان کی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

ہمارے روسی مہمان کے جاتے ہی سید جعفر نے مجھے صاف صاف بتا دیا کہ وہ مجاہدین کابل انتظامیہ اور روسیوں سے برابر کے تعلقات رکھتا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ میرے پاس مغربی موسیقی کے کوئی ریکارڈ ہیں؟ مثلاً میری گانا "HIGHWAY TO HELL" ---- (شاہراہ دوزخ) اس کا پسندیدہ نغمہ ہے۔ جب سید جعفر اپنی بکتر بند گاڑی میں کہیں جانے لگا تو اس کے سامنے محافظوں نے اسے گھیرے میں لے لیا، روسی توپچیوں نے اس کے فوٹو کھینچے، جیسے وہ کوئی اہم شخصیت ہو۔ چلتے وقت جعفر نے مجھ سے کہا کہ اگلی مرتبہ آؤ تو روسیوں کو ساتھ مت لانا، پھر ہم جی بھر کر باتیں کریں گے۔

چھ ہفتے بعد میں پھر اپنے کیمرہ مین کے ساتھ سید جعفر کی قیام گاہ پر پہنچا۔ وہ ہمیں رات ہمیں قصبہ کیان (KAYAN) جو ضلع کیان کا صدر مقام ہے، لے گیا۔ شاہ شیں ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا یہ علاقہ صوبہ بلخان میں ایک اسمٰعیلی ریاست ہے اس علاقے میں ہم پورا ایک ماہ انتہائی آرام سے گھومے پھرے اور روسی مقبوضہ افغانستان کے پُر بہار خطے کی سیر کی۔

سید جعفر نے بتایا کہ اگرچہ کیان افغانستان ہی کا ایک حصہ ہے لیکن کئی لحاظ سے یہ ایک علیحدہ ملک ہے۔ اس علاقے میں میری اور میرے باپ کی حکومت ہے۔ اس کے دفاع، بجلی، ٹیکس

باقی صفحہ نمبر ۱۵۴ پر

جنگِ افغانستان:
ہمارے لیے سو فیصد مفید ہے

جو بیس سالہ سید جعفر نادری کا تعلق اسماعیلی فرقہ سے ہے۔ شکل وصورت میں جون بلوشی (JOHN BELUSHI) سے مشابہ یہ آمام پسند افغان سردار آج کل افغانستان کے شمال مشرقی صوبہ بغلان کا فوجی گورنر ہے، جو شادی بیاہ میں اپنے امام کی نمائندگی کرتا ہے۔ علاقے کے لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ گھوڑ دوڑ میں حصہ لیتا ہے۔ منہ زور گھوڑوں پر سواری کرتا ہے۔ مغربی موسیقی یعنی پاپ میوزک اور راک میوزک کا رسیا یہ اسمٰعیلی سردار اپنی ذاتی فوج کی کمان بھی کرتا ہے۔

سید جعفر کا باپ سید منصور نادری افغانستان میں آباد بیس لاکھ اسماعیلیوں کا خلیفہ ہے۔ آغا خان کے معتمد فرقہ اسماعیلیہ کا مذہب

یہ مضمون برطانوی جریدے سنڈے میگزین کی ۲۱ مئی ۱۹۸۹ء کی اشاعت سے لیا گیا ہے جو میگزین کے نمائندے جیف بی ہارمن نے تحریر کیا۔

شیعہ کی ایک ذیلی شاخ ہے، جس کے مذہب میں شراب حلال ہے اور عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ ویسے سنی اور شیعہ ہمیشہ سے انہیں ملحد ہی کہتے رہے۔ افغانستان میں موجودہ جنگ سے پہلے صدر داؤد نے سید منصور نادری کو سیاسی وجوہات (تاریخی فرقہ وارانہ طرز عمل) کی بنا پر قید کر دیا تھا۔ انہی دنوں اس کے بیٹے دس سالہ سید جعفر کو اس کے غریب کے پاس بزنگم بھیج دیا گیا تھا جہاں سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ چودہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے پاس امریکہ چلا گیا اور وہاں ساؤتھ ماؤنٹین جونیئر ہائی اسکول میں داخلہ لے لیا۔ اپنی خوشامدانہ فطرت سے جعفر کو سترہویں اسکول سے نکالا گیا۔ جس کے بعد وہ پینسوں کے ایک گروہ میں شامل ہو گیا۔ جہاں ایک ریسٹورنٹ میں ملازم ہو گیا۔ ایک بار وہ پبلک سوئمنگ پول میں ریہرسل نہ لانے پر گرفتار بھی ہوا۔ جعفر کی عمر سولہ سال ہوئی تو افغانستان میں اس کے باپ سید منصور کو رہائی مل گئی۔ افغانستان کے بدلے ہوئے حالات میں وہ ایک امیر کبیر بن کر یہاں واپس آیا۔ اس کا کہنا ہے کہ

"میں جب دس سال کا تھا تو انگلینڈ گیا۔ مجھے انگریزی بالکل نہ آتی تھی اور میں جب واپس آیا تو نادری زبان بول سکتا تھا، کابل کے ہوائی اڈہ پر پہنچتے ہی مجھے یوں لگا کہ میں جہنم میں پہنچ گیا ہوں۔ میرے تین چچا لاپتہ تھے۔ شریا اتنی اسماعیلی سردار بھی غائب ہو چکے تھے اور گاؤں کے گاؤں برباد ہو گئے تھے۔ میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ افغانستان کا یہ حشر ہونے والا ہے۔ یہ سیاسی لیڈر، حکومت کی سیاسی پارٹیاں اور پھر روس، آخر یہ سب کیا ہے؟"

جعفر کی اس پریشانی کا حل اس کے باپ سید منصور نے اسے کہدیا۔ جعفر کا کہنا ہے کہ:

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

آخری قسط

خانوادۂ نبوی کی بحث سے متعلق آخری وضاحت

"ابن اسحاق، واقدی، بلاذری"

اس فقرہ کے تحت معترض صاحب نے دو قدیم علماء اور سیرت نگاروں کے خلاف جو زہر اگلا ہے، وہ ایک مستقل طویل مضمون کا طالب ہے، میں نے پہلے اس پر پانچ صفحات لکھے تھے، لیکن اب مدیر تعمیر کے اصرار پر ایک صفحہ پر اکتفا کروں گا۔

بلاذری کے بارے میں تو میں یہاں کچھ نہ کہوں گا، جس کو بلیغ الدین صاحب لائق اعتبار سمجھتے ہیں، کیونکہ اپنے سابقہ مضمون میں کس قدر تفصیل سے اس کے بارے میں لکھ چکا ہوں اور وہ ان دونوں محدثین و علماء سے ایک صدی متاخر ہے، ابن اسحاق (وفات ۱۵۱ھ) اور واقدی (وفات ۲۰۷ھ) کے بارے میں بھی محدث و سیرت نگار ابن سید الناس کے حوالہ سے لکھ چکا ہوں اور یہ کہ مولانا شبلی نے سیرۃ النبی کے مقدمہ میں ابن اسحاق کو تاریخی اور فن مغازی کا امام کہا ہے، بلیغ الدین صاحب نے دوبارہ ان کے خلاف دریدہ دہنی اور یاوہ گوئی سے کام لیا ہے، میں یہاں یہ اضافہ کروں گا کہ ابن اسحاق کو جو امام زہری کے شاگرد رشید اور ثوری، شعبہ اور سفیان بن عیینہ وغیرہ جیسے ائمہ علم و دین کے استاد تھے، حافظ ابن عبدالبر اندلسی (وفات ۴۶۳ھ) نے بھی اپنی مشہور کتاب جامع بیان العلم و فضلہ (ص ۴۳۸، طبع مصر ۱۹۷۵ء) میں ثقہ قرار دیا ہے، یاد رہے کہ یہ بھی ابن سید الناس اندلسی کی طرح مالکی تھے "ان دونوں حضرات نے نہایت معقولیت پسندی سے امام مالک کے ان پر اعتراض و تنقید کی توجیہ و تردید کی ہے، پھر ابن سعد نے طبقات کبریٰ (ج ۷، ص ۳۲۱) میں ان کو ثقہ قرار دیا ہے، اسی طرح قاضی ابن خلکان نے (وفیات الاعیان ج ۴ ص ۲۷۶ طبع میسر وقت) میں تصریح کی ہے کہ "اکثر علماء حدیث کے نزدیک وہ حدیث میں معتبر تھے" مزید یہ کہ مشہور محدث حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی نے "تقیید العلم" میں ان سے متعدد روایات نقل کی ہیں۔ امام مالک نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کا سبب معاصرانہ چشمک اور ذاتی اسباب تھے، جیسا کہ ابن سید الناس اور ابن عبدالبر نے لکھا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء کی آخری فصل میں بکثرت ابن اسحاق سے روایتیں نقل کی ہیں۔

جہاں تک ابو جعفر منصور کا تعلق ہے تو وہ تو علویوں کا سخت دشمن تھا اور اس نے محمد النفس الزکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم (دونوں سیدنا حسن کے پرپوتے تھے) کی بغاوت کو کچلتے ہوئے ان کو قتل کیا، وہ کیوں کر ایک شیعہ مورخ کی دست گرفتگی کر سکتا تھا۔ اس لئے ان پر شیعیت کا الزام لغو ہے، اور دوسرا الزام بھی بے بنیاد ہے۔

محمد بن عمر واقدی مدنی کو "کذاب" اور واقعی اور شیطان" کہنا انتہائی گستاخانہ بات ہے جو آج تک بلیغ الدین صاحب کے سوا کسی نے نہیں کی، وہی ابن سعد، جس کی "طبقات کبریٰ" کو وہ مستند کہتے ہیں، اس میں ابن سعد نے جو در حقیقت واقدی کا کاتب تھا بکثرت واقدی کی روایات بیان کی ہیں، پھر واقدی کس طرح کذاب ہو سکتے ہیں، واقدی امام مالک و ثوری وغیرہ جیسے محدثین کے شاگرد اور ابن اسحاق کی طرح فن مغازی (غزوات نبوی) کے امام سمجھے جاتے ہیں، اور طبری، ابن کثیر، ابن حجر وغیرہ ائمہ علم نے ان کی روایات بیان کی ہیں، اگر کچھ محدثین نے انکو ضعیف قرار دیا ہے تو بہت سوں نے جیسے ابراہیم الحربی، یزید بن ہارون، ابو عبید القاسم بن سلام وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، یاقوت نے (معجم الادباء ج ۷، ص ۵۶) بہت اچھی بات کہی ہے کہ "تاریخ، سیرت نبوی، فقہ اور دیگر تمام علوم میں وہ باتفاق ثقہ سمجھے جاتے ہیں" اور حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی نے تو بہت ہی شاندار الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے (بحوالہ معجم الادباء، حالات واقدی ج ۷، ص ۵۶) پھر یہ کہ بقول قاضی ابن خلکان "مامون الرشید نے ان کو مشرقی بغداد کا قاضی مقرر کیا تھا" (وفیات ج ۴ ص ۳۴۹) اور سربرزی ہوش جانتا ہے کہ مامون الرشید رافضیوں اور شیطانوں کو بغداد کا قاضی مقرر نہیں کرتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ دشمنان اسلام مستشرقین نے ان دونوں بنیادی سیرت نگاروں کے خلاف یک طرفہ اقوال نقل کر کے زہر اگلا ہے، تاکہ وہ مسلمانوں کو اپنے نبی کی سیرت کی دو بنیادی کتابوں کے بارے میں شکوک و اوہام میں مبتلا کر دیں، اور وہی بلیغ الدین صاحب کر رہے ہیں۔

اس موقع پر بلیغ الدین صاحب نے علامہ شبلی مرحوم اور مجھ پر افترا کیا ہے، مرحوم ہتھضرت کے ابوطالب کے ساتھ سفر شام کے منکر نہیں ہیں، اور نہ بحیرا راہب سے ملاقات کے (یہاں یہ اضافہ کر دوں کے حافظ ابن حجر بھی الاصابہ جلد، صفحہ ۱۷۶ پر ذکر بحیرا کے تحت اس سفر اور ملاقات کے قائل ہیں) بلکہ وہ اس روایت کے اس نقطہ نکتہ کے منکر ہیں جس میں ابوبکر و بلال کا ذکر ہے، اور اس بات کے منکر ہیں جو بعض مستشرقین نے کہی ہے کہ بحیرا نے ہتھضرت کو قرآنی تعلیمات ازبر کرا دیں، میں نے جو حوالہ مولانا شبلی کا دیا تھا اس کو ان کی سیرۃ النبی میں دیکھا جا سکتا ہے، کہیں میرا موقف ہے۔

یہاں معنون نگار صاحب نے ازراہ حسد فتنہ انگیزی سے بھرپور ایک ذاتی حملہ مجھ پر کیا ہے، جو یہ ہے "افسوس کہ ندوہ کے طالب علم نے شبلی کو بھی قابل اعتماد نہ جانا" اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ کہ مولانا شبلی مرحوم نے کبھی اپنے کو معصوم عن الخطا نہیں کہا، دوسری بات یہ کہ ندوہ میں ذہنی غلامی نہ پہلے سکھائی جاتی تھی اور نہ اب سکھائی جاتی ہے، ان کے شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے سیرۃ النبی ہی میں متعدد مقامات پر اپنے محبوب استاد سے اختلاف کیا ہے، جیسا کہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد اپنے شفیق استاد امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرتے تھے اور پھر ندوہ کے مرحوم مفکر و استاد اور اس کے ایک طالبعلم (راقم السطور) کے معاملہ میں آپ کا کیا رد عمل؟

فخصمي الطرف انك من نمير
فلا كعبا بلغت ولا كلابا

پھر معنون نگار معترض یہ بھول گئے کہ ندوہ کا یہ ہونہار طالب علم حجاز مقدس اور مصر میں ازاد تعلیم کے بعد دمشق یونیورسٹی اور پھر کیمبرج میں ڈاکٹریٹ کا طالب علم بھی رہا ہے، ندوہ میں تو اس نے صرف ایک سال گزار کر "عالیہ" کی ڈگری حاصل کی تھی، لیکن عرب ممالک میں اس نے اپنی تعلیم کے آٹھ سال گزارے تھے، پھر یہی طالبعلم نیز اب سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں ۲۳ سال تک اسلامی تاریخ و تمدن کا پروفیسر بھی رہا ہے، جہاں ریسرچ کے عرب طلبہ (ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی) کے عربی زبان میں علمی مقالوں Thesis کا نگراں اور ممتحن بھی رہا ہے، اس کی بعض عربی کتابیں بھی ان یونیورسٹیوں میں چھپی ہیں اور نصاب میں یا بطور کتب حوالہ (Refrence) شامل ہیں، لہٰذا ان کے اس حاسدانہ جملہ سے اس کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا خود ان کی ذہنیت قارئین پر آشکارا ہو گئی ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ اس کو تعلی نہ سمجھا جائے، بلکہ جواباً ذاتی تعارف ہے، تعلی مقصود ہوتی تو یہ کہتا کہ لیبیا کے انقلاب سے صرف چند ماہ پہلے کرنل معمر القذافی بن غازی یونیورسٹی میں "ندوہ کے اس طالبعلم" کا شاگرد رہا تھا، جو اس وقت معمر عبدالسلام بونیار القذافی کے نام سے میرے رجسٹر میں درج تھا اور فوج میں صرف کیپٹن تھا، وہ اسلامی تاریخ بحیثیت External Student کے پڑھ رہا تھا، یا پھر یہ کہتا کہ لیبیا میں پاکستان کے سفیر عبدالرؤف خان نے ۱۹۷۱ء کی ہندو پاک جنگ کے موقعہ پر اس کے بعض عربی مضامین اخبارات سے انگریزی میں ترجمہ کر کے وزارت خارجہ اسلام آباد کو بھیجے تھے وغیرہ وغیرہ۔

"حدیث مغفور"

ناصبیوں کے ہاتھ بخاری کی ایک حدیث آگئی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے "میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا اس کی مغفرت ہو گی" اس حدیث کی نقلہ تاویلیں کر کے وہ اس کو میزید پر چسپاں کرتے ہیں، درحقیقت اس حدیث پر بحث کی کافی گنجائش ہے، بخاری کے محدود صفحات اس کی اجازت نہیں دیتے، لیکن یہاں دو باتیں خاص طور پر اس کے رد میں کی جا سکتی ہیں۔

(۱) اس حدیث میں بشارت اس پہلے لشکر کے لئے ہے جو "مدینۃ القیصر" پر حملہ آور ہوگا اور تاریخ سے قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ وہ حملہ جس میں یزید شامل تھا' پہلا حملہ نہ تھا' بلکہ اس سے قبل متعدد حملے اس طرف جا چکے تھے' یزید والے حملہ کی تاریخ ۴۹ھ' ۵۰ھ یا ۵۲ھ بتائی جاتی ہے' جبکہ تاریخ طبری' تاریخ یعقوبی' تاریخ ابن الاثیر اور ان تینوں سے قبل امام بخاری کے استاد محدث و مورخ خلیفہ بن خیاط کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ۴۴ھ اور ۴۵ھ میں دو حملے اس طرف عبدالرحمن بن خالد بن الولید کی قیادت میں بھیجے گئے اور اس کی تائید سنن ابوداؤد کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو ایک ایسے راوی ابو عمران اسلم کی زبان ہے' جو خود اس غزوہ میں شریک تھے' اور اس میں حضرت ابوایوب انصاری بھی شریک تھے' اس قدرے طویل حدیث کی ابتداء میں جو باب "فی قولہ عزوجل - ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" میں ہے راوی ابو عمران کہتے ہیں "ہم مدینہ سے جہاد کے لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے' اور ہمارے لشکر کی قیادت حضرت عبدالرحمن بن خالد بن الولید کر رہے تھے"

اور اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث اسی سنن ابوداؤد میں "باب فی قتل الاسیر بالنبل" میں ہے - اور حضرت عبدالرحمن بن خالد بن الولید کا سنہ وفات ۴۶ھ ہے' اس طرح بخاری کی مذکورہ حدیث کا اطلاق اس پہلے حملہ پر ہوگا جو حضرت عبدالرحمن بن خالد کی قیادت میں ہوا - (سنن ابوداؤد کے حوالہ کے لئے میں مولانا عبدالرشید نعمانی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی کتاب "یزید اہل سنت کی نظر میں" یہ حوالہ دیا ہے)

(۲) اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ بخاری میں مذکور لشکر سے وہ لشکر مراد ہے' جس میں یزید بھی شامل تھا' تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ اس میں شریک ہونے والے تمام فوجیوں کے (صرف یزید کے نہیں) اگلے پچھلے آنجہ و ناکردہ والے سب گناہ بھی معاف کر دیئے گئے' یہ تو اسلام کے بدیہیات کے خلاف ہے' یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اس جہاد سے پہلے کے گناہوں کی مغفرت ہو گئی' لیکن اس کے بعد اس جہاد میں شریک ہونے والوں کے گناہوں کی مغفرت کا تو اس میں کوئی ذکر نہیں -

اور یزید کے جو مشہور افعال بد یا جرائم ہیں وہ اس حملہ کے بعد ہی کے ہیں' جب وہ سکھر اس ہوا' اور پہلے سیدنا حسین و اہل بیت کے قتل کا سکھر تک ہوا پھر مدینہ منورہ پر چڑھائی کا جو تاریخ میں واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے' اور جس میں تین دن تک مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تاراجی کی گئی اور صحابہ اور ان کی اولاد کو قتل کیا گیا' ان کو غلام بنایا گیا' اس کی تفصیل ابتداء میں بیان ہو چکی ہے' اور اس کے فوراً بعد کعبہ پر آگ کے گولے پھینکے گئے' اور اس دوران ہی اللہ تعالیٰ نے یزید کو دنیا سے اٹھایا یا حافظ ابن کثیر کے بقول "اللہ تعالیٰ نے جو جباروں کی کمر توڑنے والا ہے اس کی کمر بھی توڑ دی"

لہٰذا یزید کسی طرح اس حدیث کی بشارت میں داخل نہیں ہوتا' ہرگز نہیں' اس موقع پر ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کا جو حوالہ بلیغ الدین صاحب نے دیا ہے وہ قطعاً غلط ہے' وہ قارئین کو دھوکہ دے رہے' ہیں' ابن کثیر نے تو تمام روایات نقل کرنے کے بعد تین جگہ یزید کو فاسق لکھا ہے -

پھر یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ یہ حملہ جو در حقیقت سفیان بن عوف کی قیادت میں روانہ ہوا تھا (اور جنہوں نے متعدد بار ایشیائے کوچک میں رومی مقبوضات پر حملوں کی قیادت کی) اور جس کی امارت حضرت معاویہ نے یزید کو سونپی تھی' اس میں وہ کافی سستی اور معذرت کے بعد حضرت معاویہ کے اصرار پر گیا تھا' اور پھر دمشق سے نکلنے کے بعد شام کی شمالی سرحد کے ایک پر فضا مقام پر اپنی بیوی ام کلثوم کے ساتھ وقت گزارتا رہا تھا' جس کی تفصیل بلاذری نے انساب الاشراف (ج ۴) میں اور اب الاثیر و ابن خلدون نے اپنی تاریخوں میں دی ہے اور یزید کے دو شعر بھی اس کی تائید میں نقل کئے ہیں' اور اس وقت قسطنطنیہ مورچے پر مجاہدین بھوک و مرض سے دوچار تھے' حضرت معاویہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے قسم کھائی کہ یزید بھی سفیان بن عوف اور دیگر مجاہدین کے پاس قسطنطنیہ یا رومی سرزمین میں جائے گا اور اس کو بھی ان سب مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا' جو دوسرے مجاہدین کو پہنچے ہیں' لہٰذا وہ ان کے تاکیدی حکم کے بعد اوھر گیا -

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ تمام جلیل القدر علماء اور محدثین جنہوں نے یزید کو فاسق لکھا ہے اور بہت سوں نے اس پر لعنت کو بھی جائز سمجھا ہے' جیسے ابن الجوزی' ابوبکر العضاص' حضرت مجدد الف ثانی' شاہ عبدالعزیز دہلوی وغیرہ کیا وہ سب بخاری کی اس حدیث سے بے خبر تھے اور اس کا انکشاف بلیغ الدین صاحب نے اور ان سے قبل ان کے مرشد علمی اور ناصبیوں کے شیخ النور خین محمود عباسی نے ہی کیا ہے! حقیقت یہ ہے کہ وہ سب اس حدیث سے واقف تھے اس کے باوجود انہوں نے یزید کو فاسق اور بڑے جرائم کا مرتکب قرار دیا ہے - کیونکہ اس غزوہ اور اس کی حکومت کے درمیان دس سال کا عرصہ ہے' جس میں اور پھر دوران حکومت اس سے جرائم سرزد ہوئے -

شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اپنی کتاب "شرح تراجم ابواب البخاری" (ص ۳۱' ۳۲) میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ "اس سے یزید کے بعد کے گناہوں کی مغفرت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا' غزوہ سے پہلے کے گناہ تو معاف ہو گئے' کیونکہ جہاد میں شرکت گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے' لیکن یزید نے اس کے بعد افعال بد کا جو ارتکاب کیا جیسے قتل حسین' مدینہ طیبہ کی تاراجی اور شراب نوشی پر اصرار ایسے گناہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو اس کو عذاب دے جیسا کہ سارے گنہگاروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے"

اس موقعہ پر خواہ مخواہ بلیغ الدین صاحب نے ایک اور بے تکی بات یہ لکھی ہے کہ "قرآن حضرت معاویہ کے (خلیفہ) راشد ہونے کی گواہی دیتا ہے" مگر کوئی آیت ذکر نہیں کی' امت مسلمہ کا اجماع (اتفاق) تو اس پر ہے کہ خلفائے راشدین صرف وہی چار ہیں' جن کو سب جانتے ہیں' اور پھر یہ کہنا کہ "ان کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے سب سے زیادہ مشابہ تھی" خلفائے راشدین اور ان صحابہ کی تنقیص ہے جن کو عشرہ مبشرہ یا جنت کہا جاتا ہے' کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ جو جلیل القدر صحابہ حضرت معاویہ کے اسلام سے قبل' ایسی سال تک حضور صلعم کے ساتھ نماز پڑھتے رہے' اور بعد میں بھی دو سال مزید "ان کی نماز آنحضرت" کی نماز سے مشابہ نہ تھی' یعنی ابوبکر' عمر' عثمان' علی' طلحہ وغیرہ پیچھے رہ گئے اور صرف دو سال کی صحبت میں امیر معاویہ ان صحابہ کرام سے جن کو السابقون الاولون (اسلام میں سبقت کرنے والے) کہا گیا ہے - آگے بڑھ گئے!

اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب کی ناصبیت کھل کر سامنے آگئی ہے' بلکہ یزید بت' سر و یزید کی مدح سرائی میں وہ سب کچھ کہہ گئے ہیں جو محمود عباسی نے اپنی کتاب "تحقیق مزید بہ سلسلہ خلافت معاویہ و یزید" (ص ۳۱ و ص ۵۸) میں کہا ہے' انہوں نے کوئی حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے صحابہ میں عشرہ مبشرہ' بدری صحابہ اور بیعت رضوان کے صحابہ شامل ہیں' یہ پوری عبارت انہوں نے محمود عباسی سے نقل کی ہے' بلکہ اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ محمود عباسی نے ایسے صحابہ کی تعداد (۲۷۳) لکھی تھی (صفحہ ۵۸) موصوف نے اسے بڑھا کر (۳۵۰) کر دیا ہے' یعنی یزید کی محبت و تقدیس میں محمود عباسی سے بھی بازی لے گئے -

اس قول کی تردید میں بہر حال ابتداء میں کر چکا ہوں' اس سے زیادہ افترا پردازی اور مغالطہ انگیزی اور کیا ہو سکتی ہے کہ یزید کے ہاتھوں پر "عشرہ مبشرہ" (یعنی وہ دس صحابہ جنکو نام بنام حضور صلعم نے جنت کی بشارت دی ہے) نے بیعت کی' کیونکہ ان میں بیشتر کافی پہلے وفات پا چکے تھے اور سب سے آخر میں وفات پانے والے سعید بن زید ہیں جن کا انتقال ۵۱ھ میں ہوا' جبکہ یزید کی ولیعہدی کی بیعت ۵۳ھ میں اور خلافت کی بیعت ۶۰ھ میں ہوئی' اور یزید کی بیعت حکومت کے وقت بدری صحابہ میں سے بھی کوئی باقی نہ تھا اور جہاں تک یزید کی ولیعہدی کی بیعت کا تعلق ہے وہ خواہ مخواہ قارئین کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ اس پر اجماع امت تھا' ان کو چاہئے کہ وہ اس بیعت کے بارے میں امام بخاری کے استاد (جن کی احادیث بخاری میں ہیں) خلیفہ بن خیاط کی تاریخ میں اس موضوع کو (ص ۲۱۳ تا ص ۲۱۷) کسی سے پڑھوا کر اس کا ترجمہ سنیں تو ان کو اس بیعت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ یہ کس طرح جبر یہ طور پر لی گئی تھی' یہ کتاب میرے علاوہ خالد اسحاق صاحب کی لائبریری میں بھی ہے' یہاں گنجائش نہیں کہ اس طویل روایت کو جو انتہائی اہم ہے اور پوری صحیح سند کے ساتھ مروی ہے نقل کروں' صرف ایک ایسے صحابی کی بیعت کا حال لکھتا ہوں' جن کے بارے میں کافی ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے' ناصبیوں کی طرف سے' یعنی حضرت عبداللہ بن عمر انہوں نے اس موقعہ پر فرمایا - ان کان خیرا رضیناہ وان کان بلاء اصبرنا (اگر یہ خیر ہے تو ہم راضی رہیں گے اور ابتلا ہے تو صبر کریں گے) -

اور پھر سب یہ جانتے ہیں کہ نہ صرف سیدنا حسین بلکہ حضور کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر کے صاحبزادہ اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کے فرزند حضرت عبداللہ بن الزبیر نے بھی یزید کی بیعت نہ کی' بلکہ سیدنا حسین کے بعد اس کے خلاف مسلح تحریک مکہ مکرمہ میں چلائی' اور یزید نے ان سے انتقام لینے میں مکہ کی حرمت کو بھی ملحوظ نہ رکھا' لہٰذا اجماع امت کا دعویٰ بے بنیاد ہے -

اور جن صحابہ نے بیعت کی تھی اس کی حقیقت وہ تھی' جس کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں "خلافت استیلاء" کے نام سے یاد کیا ہے یعنی جبری خلافت' جس کا ابتداء میں تفصیلی حوالہ دے چکا ہوں' یعنی اس میں صحابہ کرام کی رضا و رغبت اور ان کے مشورہ کا کوئی دخل نہ تھا -

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ یزید کے فسق و جرائم کی وجہ سے اس کے خاندان ہی سے حکم بیعت کا خاتمہ ہو گیا' کیونکہ اس کے صالح بیٹے معاویہ ثانی نے خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ۴۰ دن کے بعد اس کی وفات ہو گئی پھر مروج راسط کی خونریز جنگ میں شامی و اموی آپس میں لڑے اور نتیجہ میں مروانی شاخ کی حکومت قائم ہو گئی' اور جس کو عباسیوں نے ۱۸۹ سال بعد ختم کر دیا -

انا للہ وانا الیہ راجعون"

اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب نے دمشق کے مشہور و معروف محدث و مصنف شیخ ناصر الدین البانی کے خلاف جو باتیں کی ہیں ان سے ان کی ناقص معلومات اور فتنہ انگیزی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ "یہ پہلے مقلد تھے اور اب غیر مقلد ہیں

"یہ دعویٰ ان پر کہاں سے آگیا؟ میں نے تو تیس سال قبل پانچ سال برابر ان کو دیکھا اور سنا اس وقت بھی وہ سلفی المذہب تھے اور اب بھی ہیں - پھر موضوع زیر بحث کا تعلق تاریخ سے ہے یا وہ احادیث نبوی' جن کا تعلق اہل بیت اور خلافت راشدہ وغیرہ سے ہے' یہاں کسی فقہی مسئلہ یعنی رفع الیدین اور آمین بالجہر وغیرہ کی باتیں نہیں کہ مقلد اور غیر مقلد کی بات چھیڑی جائے' یہ بات موصوف نے پاکستان کے عام قارئین کو برانگیختہ کرنے کے لئے کہی ہے کیونکہ ان کی غالب اکثریت فقہ حنفی کی تقلید کرتی ہے -

بلیغ الدین صاحب کا شیخ ناصر الدین پر یہ ایک بے بنیاد بہتان ہے کہ "ان کی شہرت یہ ہے کہ انہوں نے بہت سی احادیث صحیحہ کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے" نہیں ہرگز نہیں' مضمون نگار صاحب یہ کس بنا پر کہتے ہیں درآں حالیکہ انہوں نے شیخ کی ایک کتاب بھی نہیں دیکھی' اس کے بالکل برعکس وہ ذخیرۂ حدیث کو اس کی صحیح صورت میں پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں' انہوں نے چار جلدوں میں "احادیث صحیحہ" کو کافی بحث و تمحیص کے بعد جمع کیا ہے' (اسی میں ترمذی کی وہ صحیح حدیث بھی ہے' جو حدیث سفینہ کے نام سے مشہور ہے' اور اس میں تیس سالہ عہد خلافت راشدہ کا ذکر ہے اور جس کے بارے میں بلیغ الدین صاحب شکوک پھیلا رہے ہیں) اور دو جلدوں میں "احادیث ضعیفہ" کو اسی طرح پیش کیا ہے' اسی طرح انہوں نے حافظ منذری کی "ترھیب و ترہیب" کی احادیث کی تنقید و ترتیب کی ہے اور سیوطی کی "الجامع الصغیر" کی تنقیح کی ہے -

یاد رہے کہ اپنے اسی مضمون میں بلیغ الدین صاحب ذخیرہ حدیث نبوی پر ایک عمومی حملہ کر چکے ہیں کہ "تھوک کے بھاؤ حدیثیں گڑھی گئیں ہیں" - شیخ البانی یہی کر رہے ہیں کہ کھری و کھوٹی حدیثوں کو علیحدہ کر رہے ہیں' جیسے کہ پہلے علماء کرتے رہے ہیں -

مضمون نگار صاحب کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ "ان کی (شیخ ناصر الدین کی) ایک آدھ کتاب کراچی کی ایک دو معروف لائبریریوں میں ہیں" اس کے بالکل برعکس حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی کسی بھی اعلیٰ دینی درسگاہ میں موصوف کی متعدد کتابیں مل جائیں گیں' خالد اسحاق صاحب کی لائبریری میں بھی موصوف کی ایک آدھ نہیں متعدد کتابیں ہیں' میری ذاتی لائبریری میں ان کی چھ جلدیں ہیں -

پھر انہوں نے یہ بھی غلط لکھا ہے کہ ہمارے یہاں کے علماء شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ عرب ممالک میں غیر معروف ہیں' ہمارے سارے وہ قدیم و جدید علماء جنہوں نے عربی زبان میں لکھا ہے ان ممالک میں کافی معروف ہیں' شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ ازہر یونیورسٹی میں اور بعض دوسری اسلامک یونیورسٹیوں میں نصاب میں شامل ہے' اسی طرح نواب صدیق حسن خاں' شیخ مجدد الف ثانی' مولانا عبدالحی فرنگی محلی' مولانا عبدالعزیز المیمنی وغیرہ علمی اور دینی حلقوں میں پوری طرح معروف ہیں اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تو مراکش سے لیکر کویت تک شہر شہر اور گاؤں گاؤں مشہور ہیں' یمن نہیں وہاں ندوہ کے وہ نوجوان مصنفین بھی مشہور ہیں جو حمیدی سال سے عربی رسالہ "البعث" نکال رہے ہیں' مگر جو آدمی کبھی عربی ممالک میں نہ رہا ہو' سنی سنائی باتوں پر اعتبار کرتا ہو اس سے اس کی کیا خبر -

انہوں نے میرے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ "حوالے نہیں ملتے تو آپ کروٹ بدل کر مطبوع اور موثوق کتابوں کے بجائے مخطوطات کا سارا لینے پر اتر آتے ہیں" یہ ان کی ریسرچ (تحقیق) کے طریقہ کار (Method) سے بے خبری کی دلیل ہے' اہل علم و تحقیق جانتے ہیں کہ ریسرچ کا تو بنیادی اصول یہ ہے کہ صرف مطبوعہ کتابوں پر اکتفا نہ کیا جائے' بلکہ بر سر اسٹیول عرب ممالک اور ہندوستان کی لائبریریوں میں جو ہزاروں علمی ذخیرے قلمی شکل میں موجود ہیں ان سے بھی استفادہ کیا جائے' خواہ براہ راست یا مائکرو فلم کی شکل میں' اس کے بغیر عربی و اسلامی علوم میں مغرب ممالک میں پی-ایچ-ڈی کی ڈگری ہی نہیں ملتی ہے -

وہ جس زمانہ میں بی اے کے طالبعلم ہونگے (۱۹۶۰ء) راقم السطور اس زمانہ میں کیمبرج یونیورسٹی میں' برٹش میوزیم' اسکوئل (میڈرڈ)' لائیڈن اور قاہرہ و استنبول سے حاصل شدہ عربی کے ذاتی مائکرو فلم پڑھ رہا تھا' جواب بھی میرے پاس موجود ہیں اور براہ راست عربی مخطوطات سے استفادہ قریب میں نے دمشق کی ظاہریہ لائبریری سے ۱۹۵۸ء میں شروع کر دیا تھا' جب اپنی پہلی عربی کتاب "العرب عبدالسلام" لکھ رہا تھا -

اس فقرہ اور اس کے بعد کے دو فقروں کے تحت بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے' وہ میری غلط بیانی نہیں بلکہ ان کی صریحی غلط بیانی اور افتراء پردازی ہے (تجمیر ۱۵ مارچ ص ۴۸) اس سے وہ "ناصبیت" (سید نا علی سے بغض و عداوت) کے اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہو گئے ہیں' کیونکہ انہوں نے یہاں صریحی غلط بیانیاں کر کے سید نا علی کی خلافت میں شکوک پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے' اور حضرت معاویہ کو "خلیفہ راشد" کہا ہے -

اگر ان میں جرأت تھی اور وہ شیعوں کی طرح تقیہ کا سارا نہیں لے رہے تھے تو ان کو اس مبہم عنوان کے بجائے اس فقرہ کا عنوان یہ لکھنا چاہئے تھا کہ "حضرت علی چوتھے خلیفہ راشد نہیں تھے" جو بالفعل انہوں نے نہم فقروں کے تحت ابن قتیبہ اور شاہ ولی اللہ صاحب کے ناقص اور جھوٹے حوالے دے کر کہا ہے' اور ان دونوں علمائے اہل سنت پر بہتان تراشی کی ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ساری تنقید' اعتراضات اور کج بحثی کا مقصد ناصبیت کا پروپیگنڈہ تھا' جو انہوں نے یہاں سے لے کر اپنے آخری مضمون تک کیا ہے' اور تجمیر کے صفحات کو اس کے لئے استعمال کیا ہے -

"مدیر تجمیر برادرم محمد صلاح الدین صاحب ہر چند کہ مورخ نہیں مگر نہ تو وہ شیعی افکار کے حامل ہیں نہ خارجی و ناصبی فکر کے داعی' ان کے عقائد وہی ہیں جو تمام اہل سنت والجماعت کے ہیں یعنی خلافت راشدہ کا تسلسل حضرت علی کی شہادت تک رہا' اس کے بعد جو حکومت قائم ہوئی وہ اگرچہ عرف عام میں خلافت کا نام رکھتی تھی مگر وہ درحقیقت اسلامی ملوکیت تھی' (اور یہی امام ابن قتیبہ اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ تمام علمائے حق نے لکھا ہے) وہ بھی تمام امت مسلمہ کی طرح یزید اور دوسرے اموی خلفاء کو خلفائے راشدین نہیں سمجھتے ہیں' جب کہ بلیغ الدین صاحب نے "بارہ خلفائے راشدین" کی سرخی (تجمیر ۱۵ مارچ ص ۴۹) کے تحت ان سب کو خلفائے راشدین بنا دیا ہے ع "باطنہ سر مگر بیں کہ اسے کیا کہئے" - مگر نہ معلوم یہ مدیر تجمیر کی دسعت قلبی ہے یا ان کی سہانی مشغولیت کہ انہوں نے بلیغ الدین صاحب کے اس پروپیگنڈے کو میرے سابقہ مضمون پر تنقید و اعتراضات کے تحت شائع کر دیا' حالانکہ نفس موضوع سے اس کا دور دور کا بھی تعلق نہیں ہے' شاید ان کا تمہید یہ ہو کہ بلیغ الدین صاحب نے جو شکوک و اوہام اس سلسلہ میں پیش کئے ہیں' ان کا رد کر کے میں ان لوگوں کے ذہن صاف کر دوں' جو محمود دیا ہوا اور ذہان کے زہریلے افکار سے متاثر ہیں' اس لئے میرے جوابی مضمون کا بہت اہم ہے - یہ عرض کر دوں کہ میں نے اس موضوع پر تفصیلی دلائل کے ساتھ سات صفحات لکھے تھے' اب ان کے اصرار پر اختصار کر کے دو تین صفحات میں پیش کروں گا -

جناب معترض نے اس سلسلہ میں (یعنی یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت علی چوتھے خلیفہ راشد نہ تھے اور خلافت علی منہاج نبوت حضرت عثمان پر ختم ہو گئی) شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب "ازالۃ الخفاء" کی ساری فصول و مباحث سے آنکھیں بند کر کے فصل سوم کے ایک خاص بحث کا سہارا لیا ہے' اور یہاں بھی وارد جوا حادیث ہیں' کا حوالہ غلط دیا ہے' اور دعویٰ یہ کیا ہے کہ سیاق و سباق سے کاٹ کر وہ چند احادیث پیش کر رہے' اس کا مقصد یہ ہے کہ "خلافت کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب کا نقطہ نظر اچھی طرح معلوم ہو جائے" -

شاہ ولی اللہ صاحب کا ہر گز وہ نقطہ نظر نہیں ہے جو انہوں نے پیش کیا ہے' یہ ان پر ایک بہتان اور افتراء ہے' وہ اسی ازالۃ الخفاء کی پہلی جلد کی فصل اول و دوم میں بار بار خلفائے اربعہ اور خلفائے راشدین کا ذکر کرتے ہیں' بتایا جائے کہ یہاں خلیفہ چہارم سے حضرت علی کے سوا کون سا خلیفہ مراد ہے؟ وہ جلد اول کے صفحہ ۴۸ پر لکھتے ہیں کہ "خلفائے اربعہ کے لئے خلافت خاصہ کا ثابت ہونا بھی واضح (اجلی) بدیہیات میں سے ہے" - (اردو ایڈیشن' شائع کردہ سعید اینڈ کمپنی کراچی) - پھر "الفضیلت خلفائے اربعہ" کے تحت صفحات ۴۶' ۴۹' ۵۲' ۵۳ میں خلفائے اربعہ (چار خلفاء) کا ذکر کرتے ہیں' یہ فصل "لوازم خلافت خاصہ" کے بیان میں ہے' یعنی وہ خلافت خاصہ کے اعتبار سے حضرت علی کو چوتھا خلیفہ سمجھتے ہیں اور خلافت خاصہ یعنی خلافت علی منہاج نبوت یا خلافت راشدہ کے ذیل میں بھی حضرت علی کو چوتھا خلیفہ گردانتے ہیں -

پھر شاہ صاحب نے ازالۃ الخفاء کی دوسری جلد "خلفائے راشدین کے مناقب و مکرمات" (کارگزاریاں) کے بارے میں تصنیف فرمائی ہے اور اس میں آخر میں صفحہ ۵۵۷ سے صفحہ ۵۸۷ تک حضرت علی کے مناقب و مکرمات بیان کئے ہیں' اب وہ بقول امام احمد ابن تیمیہ اپنے گھر لیلہ گدھے سے بھی زیادہ احمق ہی کوئی شخص ہو گا' جو اس کے باوجود حضرت علی کو چوتھا خلیفہ نہ سمجھے گا اور خلافت خاصہ کو حضرت عثمان پر ختم کر دے گا جو بلیغ الدین صاحب نے کیا ہے -

شاہ ولی اللہ صاحب نے خلافت خاصہ (خلافت علی منہاج نبوت) کے جو لوازم یا شرائط اس کتاب کی جلد اول فصل دوم میں بیان کئے ہیں وہ بالترتیب یہ ہیں! (۱) خلیفہ مہاجرین اولین میں سے ہو (۲) تمام غزوات نبوی (مشاہد خیر) میں شریک رہا ہو (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر اس کو جنت کی بشارت دی ہو' اس کے ساتھ وہ کہتے ہیں کہ خلفائے اربعہ کے لئے جنت کی بشارتیں اس درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں کہ اس کے خلاف کا احتمال بھی نہیں رہتا (ج ۱ ص ۳۷) خلفائے اربعہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دلی محبت تو کرنا جو قطعی طور پر ثابت ہے (ج ۱ ص ۵۳) یہاں انہوں نے چاروں خلفائے راشدین کے ساتھ نام بنام حضور کے مختلف مواقع پر ایسے برتاؤ کا ذکر کیا ہے' اور حضرت علی کے بارے میں اس ذیل میں ان کو یمن کا حاکم مقرر کرنے اور ان کے لئے دعائے خیر کرنے کا ذکر کیا ہے' وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "یہ تمام احادیث مجموعی طور پر متواتر بالمعنی ہیں"' یہ سب "لوازم" حضرت علی پر منطبق ہوتے ہیں -

کیا اس کے بعد بھی کوئی انصاف پسند اور دانی ہوش انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ حضرت علی کو چوتھا خلیفہ راشد نہیں سمجھتے تھے؟ شاہ ولی اللہ صاحب کے خلاف بہتان تراشی پر حیف صد حیف ہے!

اب وہ احادیث جن کا حوالہ ازالۃ الخفاء کے صرف ایک بحث سے جناب معترض نے دیا ہے اس میں سے ترازو اور ہلکے والی پہلی والی حدیث کو شاہ صاحب نے بخاری، مسلم و ترمذی کی حدیث نہیں بلکہ ابن مردویہ کی بعد بتایا ہے "یہ ان کے خلاف صریحی غلط بیانی ہے" بخاری وغیرہ کی حدیث صرف حضرت ابوبکر وعمر سے متعلق ہے "وہ ازالۃ الخفاء کو پھر پڑھیں" اور ابن مردویہ کا مقام صحاح ستہ کے مصنفین کے برابر نہیں" مقام حیرت ہے کہ وہ حدیث سفینہ کو جو ترمذی ابوداؤد "امام احمد "حاکم اور ابن حبان جیسے اکابر محدثین سے مروی ہے" ضعیف و موضوع بتائیں اور اس کے راویوں پر بیجا کی بحث کریں "اور ابن مردویہ کی حدیث کو آنکھیں بند کر کے قبول کرلیں! اسی طرح یہاں ذکر کردہ ہزار وطبرانی وغیرہ کی احادیث کا معاملہ ہے اور یہ زیادہ تر صحابہ کرام کے بعض خوابوں کی تعبیر سے متعلق ہیں، جن میں جرح کی کافی گنجائش ہے۔ اور کسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ تصریح نہیں ہے کہ خلافت حضرت عثمان پر ختم ہوجائے گی، اگر یہ کہا جائے تو یہاں فصل اول و دوم میں پیش کردہ صحیح و متواتر المعنی احادیث اور شاہ صاحب کی خلفائے اربعہ کے بارے میں واضح تصریحات سے تعارض ہوگا" جو درست نہیں "اس لئے ان احادیث کا مطلب ان کی صحت اور عدم صحت سے قطع نظر یہ لیا جائے گا کہ ان تینوں خلفاء کی خلافت میں کوئی شخص فتنہ نہیں کھڑا کرے گا جو حضرت علی کے دوران خلافت پیش آیا اور جس کی وجہ سے علمائے محققین امام ابن قیمہ اور حافظ ابن کثیر (دونوں شام کے باشندے تھے) وغیرہ نے کہا کہ اس خلاف و جنگ (صلعم) میں حضرت علی حق پر تھے اور حضرت معاویہ حق پر نہ تھے۔

پھر ایک اہم بات یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے عہد میں دربار مغلیہ اور اس کے ساتھ دربار اودھ میں شیعت کا بڑا غلغلہ تھا (اسی لئے شاہ صاحب کے بعد ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز دہلوی کو شیعوں کے رد میں تحفہ اثنا عشریہ لکھنا پڑی) اور شیعہ حضرات پہلے تینوں خلفائے راشدین کی خلافت کے منکر تھے اور نعوذ باللہ ان کو غاصب خلافت کہتے تھے، جب کہ اہل سنت والجماعت ان تینوں کے ساتھ حضرت علی کو بھی خلیفہ برحق سمجھتے تھے "اس طرح حضرت علی کی خلافت فریقین کے مابین محل نزاع نہ تھی، پہلے تین خلفاء راشدین کی تھی" سو شاہ صاحب نے پوری قوت کے ساتھ ان کی خلافت کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے، نہ یہ کہ وہ حضرت علی کی خلافت کے بارے میں شک رکھتے تھے۔ ورنہ ان کی فصل اول و دوم بلکہ پوری کتاب کا خاکہ ہی غلط ٹھہرے گا۔

پھر شاہ ولی اللہ صاحب ہی نہیں محمود عباسی اور بلیغ الدین صاحب کے محبوب اور ان کے نزدیک انتہائی متند مصنف ابوبکر بن العربی نے بھی پوری قوت کے ساتھ حضرت علی کو چوتھا خلیفہ کہا ہے۔ (العواصم من القواصم "عربی" ریاض ایڈیشن، صفحہ ۱۴۲) بلکہ انہوں نے تو اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۳ پر یہاں تک کہا ہے کہ "حضرت عثمان کی شہادت کے بعد روئے زمین پر حضرت علی سے زیادہ خلافت کا حقدار کوئی نہ تھا" مگر تقدیر الٰہی کے مطابق خلافت ان کو اپنے وقت پر اور اپنے مقام پر ملی" (اس موقع پر انہوں نے حضرت علی کی تعریف میں حضرت عمر کا قول بھی پیش کیا ہے کہ "اگر علی نہ ہوتے تو عمر کو ہلاکت سے دوچار ہونا پڑتا" یعنی دونوں باہم متعلون تھے)۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ کا حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا ایک غلطی تھی۔

مزید یہ کہ انہوں نے فرقہ خامیہ (حضرت عثمان کے بعد ان کے حامی اور خون کے دعویدار) کے اس قول کی تردید میں کہ حضرت علی کی بیعت سے صحابہ کا ایک گروہ جن میں بقول ان لوگوں کے حضرات سعد بن ابی وقاص، محمد بن مسلمہ، اسامہ بن زید وغیرہ جیسے لوگ شامل تھے کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ان کی بیعت سے کسی نے کنارہ کشی نہیں، لیکن ان کی نصرت وتائید سے ایک جماعت نے کنارہ کشی کی، جن میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا تم نے ذکر کیا ہے" اور چونکہ یہ مسئلہ اجتہادی تھا، لہٰذا ہر ایک نے اجتہاد کیا، غور و فکر کیا اور جو اس کے لئے متعدد کر دیا گیا تھا وہ کیا" (العواصم ص ۱۳۶-۱۳۷)

یہاں پر بلیغ الدین صاحب کا یہ کہنا کہ ابوبکر بن العربی نے بھی شاہ ولی اللہ صاحب کی بیان کردہ تین خلفاء سے متعلق احادیث بیان کی ہیں، ایک صریحی غلط بیانی ہے "انہوں نے ایسا نہیں کیا ہے" وہ کتاب کو پھر غور سے پڑھیں، بلکہ جیسا کہ مذکورہ بالا حوالوں سے واضح ہوا انہوں نے تو صراحتہ حضرت علی کو چوتھا خلیفہ قرار دیا ہے۔

یہاں بلیغ الدین صاحب کی معلنگ خیز حد تک "ناصبیت" ملاحظہ ہو کہ ازالۃ الخفاء سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ "خلافت مدینہ میں ہوگی اور سلطنت شام میں" جس سے صاف ظاہر ہے کہ مدینہ طیبہ میں جہاں حضرت علی کی بیعت خلافت ہوئی تھی، خلافت راشدہ ان کے بعد ختم ہوگئی "اور حضرت معاویہ کی جو حکومت شام میں قائم ہوئی تھی وہ خلافت نہیں بلکہ سلطنت تھی، حدیث کے الفاظ میں کوئی ابہام نہیں ہے مگر اپنی ناصبیت کے زور میں اور معاویہ کو خلافت راشدہ کا سہرا پہنانے کے شوق میں انہوں نے اس کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ "جو مدینہ سے باہر ہوگی وہ خلافت راشدہ ہوگی" (نجیر ۱۵ مارچ ص ۳۸ کالم ایک) کیا انہوں نے اس رسالہ کے قارئین کو عقل سے کورا سمجھ رکھا ہے!

جہاں تک شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب "تفہیمات الٰہیہ" سے میرے اقتباس کا مسئلہ ہے کہ بقول شاہ صاحب کے حضرت علی پر خلافت ختم ہوگئی "اس کے بعد سے ملک عضوض (زبردستی کی ملوکیت) قائم ہوگئی وہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سے شائع شدہ ایڈیشن سے تھا" جس کو مضمون نگار صاحب نے دہلی میں تحریف کیا ہے "اگر اس ایڈیشن کو ایڈیٹ کرنے والے مولانا غلام "مصطفیٰ قاسمی صاحب نے یہ تحریف کی ہے تو معترض صاحب کسی دوسرے نسخہ سے ثابت کریں" بایں کہ جو بات ناصبیت کے خلاف جاتی ہے "اس کو تحریف کہہ دیتے ہیں" یہ علمی تحقیق نہیں الزام تراشی ہے۔

یہاں انہوں نے شاہ ولی اللہ صاحب کا نام لے کر ایک عجیب لغویٹہ انکار پیش کیا ہے "جس کا شاہ صاحب سے کوئی تعلق نہیں (کیونکہ کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے) کہ خلفاء میں ایک گروہ ثبوت ہے اس میں پہلا نام حضرت ابوبکر کا ہے "اور خلفائے راشدہ (راشدین ہونا چاہئے) میں پہلا نام حضرت علی کا ہے۔ صرف سلسلہ خلافت شمار ہو تو حضرت علی چہارم اور امیر معاویہ پنجم ہیں" شاہ صاحب نے یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہے "اور ان کی خلافت عامہ اور خلافت خاصہ کی بحث سے اس کا کوئی تعلق نہیں" وہ خلافت خاصہ "خلافت راشدہ کے معنی ہی میں استعمال کرتے ہیں "اور ان میں پہلا نام حضرت ابوبکر کا اور چوتھا نام حضرت علی کا ہے" حافظ ابن کثیر اور سیوطی نے (تاریخ الخلفاء) حضرت حسن کو پانچواں خلیفہ راشد کہا ہے "اور بعض نے عمر بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد کہا ہے" لیکن حضرت معاویہ کو کسی نے نہیں کہا، خلافت عامہ (یعنی عام حکمرانی) کے تحت وہ بنوامیہ میں پہلے خلیفہ شمار کئے جاتے ہیں۔

لیکن چونکہ ناصبیت کے زور میں وہ سید نا علی کو خلافت خاصہ (راشدہ) سے محروم کرنا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے خلافت کی یہ عجیب وغریب تقسیم نکالی ہے جو اہل سنت والجماعت کے مسلمہ عقائد کے خلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تو جیسا کہ پہلے ذکر ہوا حضرت معاویہ کی خلافت کو خلافت استیلاء یا تالیف قلوب یا جنگ و پیکار کے ذریعہ زبردستی کا نام بتایا ہے (ازالۃ الخفاء فصل اول)۔

یہ بھی غلط بیانی ہے "جناب معترض کی قاضی ابوبکر بن العربی نے حضرت معاویہ کو "خلیفۂ راشد" لکھا ہے "ہرگز نہیں انہوں نے صرف خلیفہ لکھا ہے "اور ان کے برخلاف امام ابن قیمہ ابن کثیر اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ کے اقوال کے مطابق وہ اسلام میں پہلے ملک (بادشاہ) تھے۔ فتاوی ابن تیمیہ وغیرہ سے کافی حوالے دے چکا ہوں۔ منہاج السنہ (ج ۳ ص ۱۸۵ طبع بولاق) میں بھی ابن قیمہ نے لکھا ہے کہ "لم یکن فی ملوک الاسلام خیر من معاویہ (مسلمان بادشاہوں میں معاویہ سے بہتر کوئی بادشاہ نہ تھا) پھر خود حضرت معاویہ کا مشہور قول ہے۔ "انا اول الملوک" میں پہلا بادشاہ ہوں۔ (یعنی اسلام میں)۔ ابوبکر بن العربی نے تو حضرت حسن تک کو حضرت معاویہ اور بہت سے دوسروں سے زیادہ خلافت کا مستحق قرار دیا ہے "اور ان کے تنازل کی تعریف کی ہے۔

یہاں انہوں نے "صحیح" و "حسن" حدیثوں کی تعریف میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مقدمہ مشکوٰۃ (اردو ترجمہ) سے جو کچھ میرے جواب میں نقل فرمایا ہے "وہ بھی عجیب شے ہے۔ میں نے تو ساتویں صدی ہجری کے مشہور محدث عمرو بن عبدالرحمان المعروف بابن الصلاح (وفات ۶۴۳ھ) کی اصول حدیث پر مشہور ترین کتاب مقدمہ ابن الصلاح سے ایسی احادیث کی تعریف پیش کی تھی اور وہ تین سو سال بعد کے ایک ہندوستانی محدث کا قول "نقل کر رہے ہیں" جن کا نام خود یہی مقدمہ ابن الصلاح تھا "یا حاکم اور ابن حجر وسیوطی وغیرہ کی کتب اصول حدیث۔ علم حدیث سے جناب معترض تعلق نابلد معلوم ہوتے ہیں۔

"نواں مغالطہ" - "بارہ خلفائے راشدین"

ان دونوں فقروں اور دوسرے چند فقروں کے تحت اپنے مضمون کے صفحہ ۴۹ و ۵۰ پر جو کچھ لکھا ہے وہ اس حدیث سے متعلق ہے "جو صرف ایک صحابی جابر بن سمرہ سے ترمذی میں ہے اور" جو بارہ خلفاء سے متعلق ہے "جن کے عہد میں اسلام سربلند رہے گا" بلیغ الدین صاحب کا یہ دعوی بھی غلط ہے کہ بارہ خلفاء کی فہرست سلف صالحین کی تیار کردہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلف صالحین کا مطلب ہی نہیں سمجھتے ہیں۔ اس اصطلاح سے صحابہ کرام تابعین "تبع تابعین اور ائمہ مذاہب اربعہ کا عہد مراد ہوتا ہے "اس پانچویں صدی ہجری کے امام غزالی اور بعد کو ابن الجوزی "ابن قیمہ اور خود ابن حجر یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں "ابن حجر اور علامہ بدرالدین محمود عینی تو نویں صدی ہجری کے عہد تین ہیں "ان کی تیار کردہ بارہ خلفاء کی ایک فہرست کو "سلف صالحین" کی تیار کردہ فہرست جو کسی بھی کاکمہ سے برتر ہے۔ ایک صریحی غلط بیانی ہے۔ یقیناً اس کا کاکمہ ہو سکتا ہے اور سید صاحب مرحوم نے کیا ہے "انہوں نے ابن حجر کے ولید بن یزید بن عبدالملک کے بجائے عمر بن عبدالعزیز کا نام ڈال دیا ہے۔ اور پھر جس طرح ان دونوں معاصرین نے ایک ایک فہرست تیار کی تھی "اسی طرح ابن حجر کے شاگرد محدث و مورخ سیوطی نے بھی ایک فہرست تیار کی تھی "جو دونوں سے کافی مختلف ہے "جس طرح سیوطی کی فہرست ذاتی ہے "اسی طرح ان کے دونوں بڑے معاصرین یا اساتذہ کی فہرست بھی ذاتی تھی۔

پھر یہ کہ سید سلیمان صاحب مرحوم نے بدرالدین عینی کی فہرست کا بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ جو ابن حجر کی فہرست سے کافی مختلف

ہے "اور بلیغ الدین صاحب نے خود اپنے پہلے مضمون میں پیش کی ہے۔ اس فہرست میں نہ یزید بن عبدالملک ہے۔ نہ ہشام اور نہ ولید بن یزید بن عبدالملک (جو انتہائی فاسق و فاجر نوجوان اموی حاکم تھا)۔ بلکہ ان تینوں کے بجائے حضرت حسن' عبداللہ بن الزبیر اور عمر بن عبدالعزیز کے اسماء گرامی درج ہیں۔

اس موقعہ پر ابن حجر یہ کی فہرست کے بارے میں جناب مضمون نگار نے بڑے دبدبہ سے فرمایا ہے کہ "اگر کسی کتابت کا سہو ہو گیا' تو غور سے دیکھو کہ لکھا کیا ہے۔ کیا گیارہ نام ہیں یا بارہ"۔ جی ہم نے تو غور سے دیکھ لیا اب آپ ہی عینک لگا کر دیکھئے (اپنا مضمون بھیجیر ۲۸ دسمبر ۱۹۸۹ء ص ۵۱ کالم ۲) اس میں گیارہ نام گیارہ نمبروں کے ساتھ ہیں' اس میں امر بن عبدالعزیز کا نام کہیں نہیں' ہاں اس بار آپ نے اضافہ ضرور کر دیا ہے۔

اس سب سے قطع نظر جس کو بحث نہیں کہا جا سکتا اصل بحث فتح الباری کی مذکورہ جلد میں حافظ ابن حجر نے پوری تفصیل و جامعیت کے ساتھ کی ہے۔ جس میں قدیم شارحین بخاری وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں' اور پھر اپنی بھی ایک رائے دی ہے جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے یا ان دوسری آراء کو جو چوتھی۔ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے تین علماء نے دی ہیں۔

سب سے پہلے ابن حجر نے حدیث سفینہ اور اس بارہ امراء یا خلفاء والی حدیث کو نقل کر کے اس میں تعارض کا ذکر کیا ہے' اور اس بارے میں یعنی بارہ خلفاء والی حدیث کے بارے میں علماء کے تحیر و اختلاف کا ذکر کیا ہے' اور انہوں بخاری کے قدیم شارح مہلب کا قول نقل کیا ہے۔ کہ "کسی نے بھی اس حدیث کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی ہے" پھر ابن حجر نے قاضی عیاض' ابو لبی (وفات ۵۴۴ھ) کے الفاظ میں اس حدیث کا حدیث سفینہ (تیس سالہ عہد خلافت) سے تعارض کا ذکر کیا ہے' اور یہ کہ قاضی عیاض حدیث سفینہ کو صحیح مانتے ہیں کہ یہ کتب سنت میں آئی ہے اور اس تعارض کو ان کے (قاضی عیاض) کے نزدیک حل یہ ہے کہ حدیث سفینہ سے مراد خلافت نبوت ہے' جب کہ جابر بن سمرہ کی حدیث میں ایسی کوئی قید نہیں' پھر یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں کہ ان بارہ کے سوا کوئی امیر یا خلیفہ ہو گا ہی نہیں۔

پھر ابن حجر نے قاضی عیاض کے اس حدیث کی شرح میں تین اقوال نقل کئے ہیں' جن میں پہلا قول یہ ہے کہ "اس سے مراد وہ عادل حکمران ہیں جو خلافت کے مستحق ہوں گے' ان میں چار خلفاء تو گزر چکے ہیں اور ضروری ہے کہ قیامت سے پہلے یہ گنتی پوری ہو جائے"۔ اور پھر قاضی عیاض نے یہ بھی کہا ہے کہ "اس کی اور بہت سی بھی تاویلیں ہو سکتی ہیں' اور اللہ اپنے نبی کی مراد کو بہتر جانتا ہے"۔

اس لئے بلیغ الدین صاحب کا علامہ سید سلیمان ندوی کے حوالہ سے صرف ایک قول نقل کرنا صحیح نہیں' جس کو انہوں نے غلط معنی پہنائے ہیں' اور درحقیقت جیسا کہ میں نے ذکر کیا سید صاحب مرحوم نے ان پر تفصیلی بحث کی ہی نہیں ہے' نہ ابن کی نظر سے فتح الباری کی یہ بحث نہیں گزری اور انہوں نے سیوطی کی تاریخ الخلفاء پر اکتفا کیا۔

جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے ابن الجوزی (وفات ۵۹۵ھ) یعنی ابن حجر سے ڈھائی سو پہلے اپنی کتاب کشف المشکل (اس کا پورا نام کشف مشکل حدیث الصحیحین ہے) میں اس مسئلہ پر کافی غور و خوض کرنے کے بعد اور دوسرے لوگوں سے دریافت کرنے کے باوجود اس حدیث کا صحیح مطلب معلوم نہ کر سکے۔ کیونکہ "اس حدیث کے الفاظ مختلف ہیں اور کوئی شک نہیں کہ حدیث کے راویوں نے اس میں بڑی گڑبڑ کی ہے" پھر انہوں نے (ابن الجوزی نے) اوائل چوتھی صدی ہجری کے ایک قدیم محدث ابن السنادی (وفات ۳۳۶) کے تین اقوال اس حدیث کی شرح میں نقل کئے ہیں' اور ان کا خیر اقوال وہی ہے جو ابن حجر نے قاضی عیاض کا پہلا قول (تین اقوال میں سے) بتایا ہے' یعنی اس سے مراد قیامت تک ہونے والے وہ بارہ خلفاء مراد ہیں جو حق پر عمل کریں گے اگرچہ ان کا زمانہ تسلسل کے ساتھ ایک ساتھ نہ ہو اور اس کی تصدیق میں حدیث میں بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی مستدرک میں روایت کی ہے (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۱۲)

ابن حجر نے اس بحث کو نقل کرنے کے بعد قاضی عیاض کے جس قول کو اختیار کیا ہے۔ وہ تیسرا ہے' جس کی تائید دوسرے ائمہ حدیث کے اقوال سے نہیں ہوتی اور اس موقعہ پر انہوں نے جو ایک فہرستنامی چھ اس میں بڑی عجیب بات ہے کہ ولید ثانی (مقتول ۱۲۶ھ) اموی حکمران کو شامل کیا ہے اور اس کو بارھواں خلیفہ بتایا ہے۔ اور اس میں عمر بن عبدالعزیز کا ذکر نہیں' یہ ولید ثانی انتہائی فاسق و فاجر نوجوان تھا جس کو اس کے صالح چچازاد' عم زید الناقص یزید ثالث نے صلاح و اتقیاء امت کے فتوی اور تائید پر قتل کیا' پھر اس ولید کا عہد خلافت صرف ایک سال دو ماہ تھا' جس کو ابن حجر نے چار سال لکھا ہے ان سے ایک بڑی فروگزاشت ہوئی ہے۔ تمام کتب تاریخ میں اس کے فسق و فجور' ایک سالہ عہد حکومت پر اتفاق ہے۔

حق بات' تاریخ و حوادث اور سیرت خلفاء بنی امیہ کے تتبع کے بعد وہ نظر آتی ہے' جس پر قاضی عیاض اور ابن الجوزی کا نقطہ نظر متفق ہے یعنی وہ عادل خلفاء جو قیامت تک پوری مدت اسلام میں ہوں گے۔ اور ان کا تسلسل ضروری نہیں' حافظ ابن کثیر نے کتاب الملاحم و الفتن (ص ۱۰) پر صراحت کی ہے کہ اس سے وہ بارہ حکام مراد نہیں جو خلافت بنی امیہ کے دوران تسلسل سے حاکم ہوئے۔ اور اسی سے اتفاق کرتے ہوئے علامہ سیوطی نے جو فہرست اپنی کتاب تاریخ الخلفاء (ص ۲) میں پیش کی ہے (یہ ان کی اپنی تیار کردہ ہے) وہی درست معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے استاد حافظ ابن حجر کی فہرست کو رد کر دیا۔ یہ فہرست حسب ذیل ہے۔

چاروں خلفائے راشدین ۵۔ حضرت حسن ۶۔ حضرت معاویہ ۷۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر ۸۔ عمر بن عبدالعزیز ۹۔ الہاشمی العباسی ان نو کا ذکر کرنے کے بعد سیوطی نے کہا ہے کہ دو باقی ہیں جن کا انتظار ہے۔ جن میں سے ایک مہدی منتظر ہیں جو اہل بیت میں سے ہوں گے۔ اس فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخ الخلفاء کے مطبوعہ نسخوں میں ایک نام رہ گیا ہے کیونکہ اس طرح یہ صرف گیارہ بنتے ہیں' عبدالملک جس کا نام رہ گیا ہے وہ عمر بن عبدالعزیز سے پہلے ہونا چاہئے' وہ ناصبی تھا' بحث تھا' اور خوارج کا استیصال اس کے عہد کا کارنامہ تھا' لیکن بنی امیہ کا حضرت معاویہ کے بعد وہی حقیقی مؤسس تھا' اس کا ذاتی سیرت و کردار بہت بلند تھا۔ اس کے پوتے یزید ثانی اور دوسرے پوتے ولید ثانی کو جو فسق و فجور اور ظلم میں مشہور تھے اس سے کوئی نسبت نہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سیوطی نے جو محدث و مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مشہور و معروف مورخ بھی تھے (برخلاف ابن حجر کے جو صرف بلند پایہ محدث و اسماء رجال کے ماہر تھے) یزید بن معاویہ کو اس فہرست میں نہیں لیا ہے۔ اور نہ دیگر خلفائے بنی امیہ کو جو اپنے جبر و استبداد اور فسق و فجور میں معروف تھے۔ مجھ کو ذاتی طور پر سیوطی کی فہرست ہی زیادہ قرین حق نظر آتی ہے۔ بہرحال یہ بات مسلم ہے کہ حدیث زیر بحث سے یزید اور دوسرے اموی خلفاء کا خلفائے راشدین ہونا ثابت نہیں ہوتا یہ ایک لغو بیانی ہے۔

"روایت لڑکا شاہی"

اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب نے اس مشہور محدث کا مذاق اڑایا ہے جو نہ صرف مسند امام احمد بن حنبل بلکہ نسائی میں بھی موجود ہے۔ اور اس کو امام بخاری نے بطور تعلیق کتاب الفتن میں تیسرے باب کا عنوان بنایا ہے "ہلاک امتی علی ایدی اغیلمۃ من سفہاء قریش" (یعنی میری امت کی تباہی قریش کے چند احمق نوجوانوں کے ہاتھوں ہو گی)

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اس مضمون کی حدیث کو سیرۃ النبی کی جلد سوئم میں صحیح مانا ہے۔ اور یزید بن معاویہ کی حکومت کو اس لڑکا شاہی حکومت کا فرد اول قرار دیا ہے۔ میں نے اپنے سابقہ مضمون میں فتح الباری سے حضرت ابوہریرہ کی احادیث اس ضمن میں بیان کی تھیں کہ وہ اس سے پناہ مانگتے تھے اس سنہ ۶۰ھ کو اس کی ابتداء قرار دیتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اس سے قبل ان کو اٹھا لے' اس کا جواب تو مستعرض صاحب نے نہ دیا نہیں' اور وہ لفظ "صبیان" کی تشریح فرمانے لگے' جب کہ بخاری کی ایک دوسرے شارح علامہ عینی نے بھی اس "لڑکا شاہی" حکومت میں یزید بن معاویہ کو پہلا شمار کیا ہے۔ گویا ابن حجر' عینی جیسے علماء عرب اور سید سلیمان ندوی کو اتنی عربی نہ آتی تھی کہ وہ لفظ صبیان (لڑکے) کے معنی سمجھتے' مگر مضمون نگار صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ حافظ ابن حجر لغوں جیسے کم فہم عجمی مستفرضین کا جواب پہلے ہی فتح الباری (ج ۱۳ ص ۹) میں دے دیا ہے "وہ لفظ" صبی" اور "غلیم" (تصغیر غلام یعنی لڑکا) کے مختلف معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "یہ دونوں لفظ اس شخص کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں جو دانائی' عاقلہ فہمی اور ہوشیاری میں کمزور ہو خواہ وہ سن بلوغ کو پہنچ چکا ہو اور اس حدیث میں یہی معنی مراد ہے"۔۔۔

یہاں انہوں نے سید نا حسن کے سنہ ولادت کے بارے میں تعارضین کے ذہن میں شکوک پیدا کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ ایک مکروہ حرکت ہے' ان کی پیدائش تمام مستند کتب تاریخ میں نصف رمضان ۳ھ مذکور ہے۔ اور جنگ خیبر کے سال کی روایت کو مسترد کر دیا گیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس حدیث کی وعید میں سید نا حسن کو بھی داخل کر دیں۔ یہ ہے بغض اہل بیت۔ اور یہاں انہوں نے یزید کے سنہ ولادت کو ۹ سال گھٹا دیا ہے طبری اور ابن الاثیر کی روایت کے مطابق اس کی عمر وفات کے وقت یعنی صفر ۶۴ھ میں ۳۸ سال تھی۔ بلیغ الدین صاحب مسعودی کی تنبیہ و اشراف کے حوالہ سے اس کا جو سنہ ولادت ۲۲ھ دیا ہے۔ وہ غلط بیانی ہے۔ مسعودی نے کسی سنہ ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بلکہ صرف سنہ وفات ۶۴ھ ہجری اور عمر بوقت وفات ۳۳ سال لکھی ہے۔ اس طرح اس کا سنہ ولادت ۳۱ھ نکلتا ہے اور بیعت خلافت کے وقت اس کی عمر ۲۹ سال بنتی ہے نہ کہ جناب مستعرض کے دعوے کے مطابق ۳۸ سال یا ۳۵ سال۔ آپ مسعودی پر ہی اعتماد کیجئے۔ مگر حساب غلط نہ کیجئے۔ اس طرح یزید "لڑکا شاہی" حکومت کی وعید میں داخل ہوتا ہے۔

آخر میں اپنی ریڈیائی تقاریر کی تشہیر کے بعد (اہل علم جانتے ہیں کہ ریڈیو پر تقاریر کی بناء پر کوئی آدمی نہ عالم کہلاتا ہے نہ محقق۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک مخصوص گروہ کے مقررین جن کے نام کے شروع میں علامہ کا سابقہ ضرور لگا ہوتا ہے سب سے بڑے عالم و محقق ٹھہرتے۔ ہاں مشہور ضرور ہو جاتا ہے۔ سو وہ بلیغ الدین صاحب ہیں اور اس کی بناء پر

ہر غیر علمی بات کہنا اور غلط حوالے آزادی کے ساتھ دینا اپنا حق سمجھتے ہیں) تو ان غلاموں کی پیلبلی کے الفاظ کے بعد وہ فرماتے ہیں -

"میرے نزدیک ہر بات جو چارٹ بنانے والے نے لکھی ہے - قرآن حکیم کے فیصلے ' درود شریف کے اشاروں اور تاریخی حوالوں اور بالخصوص ابتدائی مستند ماخذوں (آخذ لکھنا تھا کہ وہ ماخذ کی جمع ہے) کے مطابق ----؟؟

یہ پورا پیراگراف خطیبانہ ہے ' اس کا علم و تحقیق سے کوئی تعلق نہیں ' تاریخی حوالے غلط طلبت کئے جا چکے ہیں ' ابتدائی مستند ماخذ تو کیا اس میں کسی بھی مستند ماخذ پر اعتماد نہیں کیا گیا ہے ' ورنہ اس میں وہ اغلاط نہ ہوتیں جن کا میں اپنے ۹ نومبر کے تبصرہ میں تفصیلی ذکر کر چکا ہوں -

یہاں مضمون نگار صاحب نے تاریخ کو مسخ کرنے کا جو الزام علمائے متقدمین پر لگایا ہے - وہ بیباک و بے بنیاد ہے - تاریخ اسلام کو وہ خود مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ' جس کا تفصیل کے ساتھ سطور بالا میں مختلف عناوین کے تحت ذکر ہوا ' اسلامی تاریخ کے قدیم مشہور مورخین ابن اسحٰق ' واقدی ' ابن سعد ' بلاذری اور طبری و ابن الاثیر وغیرہ نے گڑھی ہوئی روایات کا اظہار نہیں لگایا ہے یہ ان کی الزام تراشی ہے ' بلکہ انہوں نے تاریخ اسلام کے اولین عہد کی تاریخ کا ذخیرہ بڑی تن دہی سے جمع کر دیا ہے ' روایات کی چھان پھٹک بھی کی ہے اور بعد کے مورخین ابن الجوزی ' ابن قیمہ ' ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ نے اس کی کافی جانچ پڑتال بھی کی ہے ' ان تاریخوں میں وہ سبھی سب کچھ ہے جس پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے ' اور جس کے تاروپود بکھیر نے کے لئے محمود عباسی نے اپنی کتابوں میں ناکام کوششیں کی ہیں اور اسی کے نقش قدم پر بلیغ الدین صاحب رواں دواں ہیں لیکن امت کا اجتماعی شعور جس طرح محمود عباسی کی کوششوں کو رد کر چکا ہے - اسی طرح وہ بلیغ الدین صاحب کی کوششوں کو بھی رد کر دے گا - اور اپنے نبی کی سیرت پاک خلفائے راشدین اور اموی عہد سے متعلق اس کو وہی حقائق معتبر نظر آئیں گے جو ان عرب محققین اور شبلی ' سید سلیمان ندوی ' قاضی سلیمان منصور پوری ' ابوالاعلیٰ مودودی اور سید ابوالحسن علی ندوی مولانا عبدالرشید نعمانی جیسے علمائے محققین نے بیان کئے ہیں -

اور پھر اگر یہ چارٹ اہل بیت سے متعلق ہے تو اس میں حضور کے غیر مسلم چچاؤں کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے ؟ یا یہ صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ تمام مورخین و محدثین کے بیخلاف بجائے ابوطالب کے زبیر بن عبدالمطلب کے حضور کا کفیل طلبت کیا جا سکے - پھر اس میں ان صحابہ کرام کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے جو نبی ہاشم سے نہیں ؟ پھر اس چارٹ میں اہل و آل کی جو بے معنی تقسیم ہے اس کا امت عرب سے کوئی تعلق نہیں ' اور اس صورت میں کہ "اہل بیت" سے مراد صرف ازواج مطہرات ہیں جیسا کہ مضمون نگار صاحب کا اصرار ہے ' تو پھر یہ چارٹ بالکل ہی بے معنی ہے ' اس میں تو صرف ان کے دعوے کے مطابق ازواج مطہرات ہی کو ہونا چاہئے -

درحقیقت یہ چارٹ پاکستان کے ایک مخصوص گروہ (شیعہ حضرات) کے چارٹ کی نقل میں بنایا گیا ہے اور جس طرح وہ غلط ہے اس طرح یہ بھی غلط ہے -

آخر میں سلف صالحین کا نام لے کر اور معدودے چند ایسے حضرات کا نام لے کر جنہوں نے یزید پر لعنت کو جائز نہیں سمجھا ہے بلیغ الدین صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ سلف صالحین کے مسلک پر ہیں ' اگر ایسا ہوتا تو اس مضمون میں لمبی چوڑی بحثوں کی ضرورت نہ ہوتی ' یہ سلف صالحین کا مسلک نہیں بلکہ محمود عباسی کا ہاشمی مسلک ہے - کیونکہ سلف صالحین حضرت علی کے خلیفہ راشد ہونے میں شک نہیں رکھتے تھے وہ حضرت معاویہ کو خلفائے راشدین میں شمار نہیں کرتے تھے یزید اور دیگر خلفائے بنی امیہ کو خلفائے راشدین نہیں کہتے ہیں ' نہیں سالہ عہد خلافت کی حدیث کو ضعیف و موضوع نہیں کہتے ہیں ' سید نا حسن و حسین کی صحابیت کے بارے میں شکوک و اوہام پیدا نہیں کرتے ہیں ' حضرت علی کے بغض پر حضور کے ایک غیر مشہور اور بحیثیت مسلمان یک سالہ واہلہ کے جھوٹے فضائل بیان نہیں کرتے ہیں ' حضور کے ان نواسوں کو جو بچپن ہی میں وفات پا گئے جوان اور مختلف مقامات پر ہیرو نہیں بناتے ہیں غیرہ وغیرہ - یہ سب بلیغ الدین صاحب نے محمود عباس کی تقلید میں کیا ہے اور یہ میری ناصحیت ہے سلف صالح کا مسلک نہیں -

مضمون نگار صاحب کے آخری پیراگراف کا جواب یہ ہے کہ اکابرین اہل سنت میں کیا سید نا علی ' سیدہ فاطمہ اور حسن و حسین نہیں ؟ جن کی کسی حد تک تنقیص آپ نے کی ہے - یا اکابرین سنت سے آپ کی مراد صرف حضرت معاویہ ' یزید اور دوسرے ظالم و فاسق اموی خلفاء ہیں ' کون کس کی تنقیص کر رہا ہے - انصاف کی بات کیئے - اہل سنت والجماعت تو نہ بغض معاویہ میں مبتلا ہیں اور نہ بغض علی و اہل بیت میں ' وہ اہل بیت اور صحابہ کرام سے محبت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں ' ہاں یزید کو اکابرین سنت میں ناصبیوں کے سوا کوئی شمار نہیں کرتا اس کی مذمت تمام اہل سنت امام احمد سے لے کر اب تک کرتے چلے آئے ہیں اور کریں گے اور یہی اللہ کی طرف سے اس کے اعمال بد کی سزا ہے -

رہا صحابہ سے عقیدت کا مسئلہ تو ہم ان کے درجات کے مطابق جو قرآن کریم اور سنت نبوی نے مقرر کئے ہیں درجہ بدرجہ ان سے عقیدت رکھتے ہیں ان میں السابقون اولون ' بدری صحابہ اور بیعت رضوان (حدیبیہ کے موقعہ پر) کے صحابہ کو ان صحابہ سے افضل قرار دیتے ہیں جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور جن کو حضور کے وقت سے ہی "طلقاء" کہا گیا ان کا بھی احترام کرتے ہیں مگر ان کا درجہ مہاجرین و انصار کے برابر ہرگز نہیں ' تمام امت مسلمہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے -

اگر آپ اکابرین اہل سنت والجماعت اور محدثین اسلام کے پردے میں یزید اور اموی خاندان کے دوسرے ظالم و فاسق حکمرانوں کی کردار کشی کا شکوہ کرتے ہیں تو یہ کردار کشی نہیں نہ تاریخ کے ساتھ ظلم ہے ' بلکہ انصاف ہے ' اور یہ ہمیشہ سے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو گوارا رہا ہے اور رہے گا ' ان لوگوں نے اپنے اعمال بد سے تاریخ میں اپنا مقام خود متعین کر دیا تھا - یہ پاکستانی سمجھت میں گھسے پٹے لفظ " کردار کشی " کا ہیکلہ نہیں بلکہ "فمن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ" (سورہ زلزال) کا مسئلہ ہے جس کا ظہور دنیا ہی میں نیک ہاتی وید ہاتی کی صورت میں ہو جاتا ہے ' کسی کو کردار کشی کی ضرورت نہیں پڑتی ' اسی اموی خاندان کے معلویہ ثانی عمر بن عبدالعزیز اور عبدالملک و سلیمان اور یزید ثالث کی تاریخ نے تعریف کی ہے - " عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی " -

ہاں تاریخ اسلام کو مسخ کرنے کے نئے عمل اور یزیدیت کے فروغ کو مسلمان کبھی گوارا نہیں کریں گے - آخر میں یہ عرض ہے کہ بلیغ الدین صاحب نے بہت سے سیاسی و مذہبی گروہوں کی طرح ایک مخصوص فرقہ کے خلاف ایک محاذ کھول رکھا ہے ' وہ مجھ جیسے اہل سنت والجماعت کے پیچھے کیوں پڑے ہیں ' یقین کریں کہ میں اس محاذ میں ان کا حریف نہیں ' حلیف بھی نہیں ہو سکتا کہ مجھے شیعوں اور ناصبیوں دونوں کا غلو پسند نہیں - حق بات ہی پسند ہے جو قوی دلیل سے ثابت ہو -

سب سے آخر میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ساری بحثوں اور اعتراضات کے جوابات کا ' جن میں بیسیوں علماء اور کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں ' عام قارئین کو کیا فائدہ پہونچتا ہے ' عام قارئین کو عربی کے کثیر اور اردو کتابوں کے بعض حوالوں کی روشنی میں ان ساری بحثوں سے جو فائدہ پہونچتا ہے وہ یہ ہے کہ خاندان نبوی خلفائے راشدین اور عہد اموی کے بارے میں ان کے جو مسلمہ عقائد و معلومات ہیں وہ صحیح ہیں ' اور وہ درج ذیل ہیں -

۱- سید نا علی مسلمہ طور پر چوتھے خلیفہ راشد تھے ' اس بارے میں شکوک غلط اور بے بنیاد ہیں -

۲- حضرت معاویہ خلیفہ راشد نہیں بلکہ اموی خلافت میں پہلے خلیفہ تھے ' جس کو ابن قیمہ ' شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ تمام علمائے محققین نے اسلامی ملوکیت قرار دیا ہے - اور ان اموی ملوک میں وہ سب سے بہتر تھے -

۳- کوئی بھی دوسرا اموی حکمراں خلیفہ راشد نہ تھا - وہ عام مسلمان بادشاہوں کی طرح اچھے برے تھے -

۴- حضرت حسن و حضرت حسین کی صحابیت کے بارے میں شکوک پیدا کرنا غلط ہے ' وہ دونوں مسلمہ طور پر صحابہ تھے - اور حسین مظلوم شہید ہوئے -

۵- جس طرح سیدہ عائشہ حضورؐ کو اپنی تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عزیز تھیں اسی طرح سیدہ فاطمہ بھی بیٹیوں میں آپ کو سب سے زیادہ عزیز تھیں - ان کی فضیلت کی تمام احادیث صحیح ہیں -

۶- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل صرف سیدہ فاطمہ کی اولاد سے چلی -

۷- حضرت رقیہ اور حضرت زینب کے دونوں فرزند بچپن میں وفات پا گئے -

۸- حضرت ابوالعاص ابن الربیع (حضرت زینب کے شوہر اور بحیثیت مسلمان یک سالہ واہلہ) کا التفات بعلماء تمام تھا انہوں نے کسی غزوہ میں حضور صلعم کے ساتھ شرکت نہیں کی - نہ وہ جنگ یرموک کے وقت زندہ تھے -

۹- حضور کی بچپن میں کفالت ابوطالب نے کی ' دوسرے چچا زبیر نے نہیں کی -

۱۰- حضور نے ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر اپنے بچپن میں کیا ' اور بحیرا راہب نے نبوت کی بشارت دی ' اس میں ابوبکر اور بلال کا ذکر غلط ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ بحیرا نے آنحضرت کو قرآن کی تعلیم دی جو شمنان اسلام بعض عیسائیوں کا غلط دعویٰ ہے -

۱۱- اہل بیت میں ازواج مطہرات اور اولاد و اقارب رسول شامل ہیں -

۱۲- یزید کو تمام علمائے امت نے فاسق کہا ہے ' حنفی ' حنبلی اور شافعی بے شمار علماء محققین نے اس پر لعنت کو جائز کہا ہے اور لعنت بھیجی ہے ' صرف چند علماء نے لعنت کو جائز نہیں سمجھا ہے مگر لعنت بھیجنا کوئی ضروری فعل واجب نہیں -

۱۳- یزید نے قتل حسین اور مدینہ طیبہ پر حملہ اور مدینہ کی تاراجی و غارتگری کا مرتکب ہوا اس لئے اس سے بغض رکھنا اور اس کی مذمت کرنا فعل محمود ہے -

۱۴- یزید کے غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کرنا ثابت نہیں ' جن علماء نے اس کی شرکت کو تسلیم کیا ہے - انہوں نے اس کو یزید کے بعد کے جرائم کا کفارہ نہیں کہا ہے - اور اس کی ابدی مغفرت کو نہیں مانا ہے -

العربی' ناصبی سعید بن جمہان کو واقدی کی طرح "معتبر" سمجھتے ہیں' ابوبکر بن العربی نے تو اس راوی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے' صرف حدیث کے بارے میں ایک جملہ کہا ہے کہ "یہ صحیح نہیں ہے" - اور ابو حاتم کا قول صحب الدین الخطیب نے جو نقل کیا ہے وہ صرف یہ ہے "شیخ لا یحتج بہ" ("یہ ایک ایسے عالم ہیں جن سے استدلال نہیں کیا جا سکتا")-

بلکہ خود صحب الدین الخطیب نے وہ سخت الفاظ استعمال نہیں کئے ہیں جو بلیغ الدین صاحب نے کہے ہیں انہوں نے اس کے بالکل برعکس یہ کہا ہے "ان کے بارے میں اختلاف ہے' بعض نے کہا وہ ثقہ ہیں' اور بعض نے ان کو ثقہ کہا ہے" (ملاحظہ ہو العواصم ص ۲۰۱ طبع ریاض ۱۹۷۹ء)

اور جہاں تک سیوطی کا تعلق ہے تو انہوں نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں' فصل مدت خلافت میں تائید کے لئے سب سے پہلے ذکر کیا ہے (ص ۹ طبع مصر ۱۹۶۹) اسی حدیث سفینہ کو -

اب قارئین بلیغ الدین صاحب کی تحریف اور غلط بیانی ملاحظہ کریں کہ وہ کس کس طرح سے لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں' کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے حوالوں کو چیک کرنے کا وقت کسی کے پاس نہیں ہے' اگر ان کے حوالوں کو چیک کرنے کا وقت کسی کے پاس ہو تو وہ ان کے جھوٹ کا پردہ فاش کر دے گا' لیکن ان کے سب قارئین ایسے نہیں ہیں اور اب قارئین یہ بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ میرے بارے میں ان کا یہ فقرہ "پھر بھی ناصر الدین صاحب سے چمٹے ہوئے ہیں" کس قدر مسموم فقرہ ہے' میں ناصر الدین صاحب سے نہیں بلکہ امام احمد' ابوداؤد' ترمذی' ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ تمام علماء امت سے چمٹا ہوا ہوں جو اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں' آپ ہیں کہ ابوبکر بن العربی اور صحب الدین الخطیب سے چمٹے ہوئے ہیں:

۴- ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ تیس سالہ خلافت کی روایت کسی اور صحابی سے نہیں ملتی' جی نہیں' یہ روایت حضرت ابوبکر الطفلی سے بیہقی کی "دلائل النبوۃ" (ج ۲) اور واحدی کی "الوسیط" میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے بھی مروی ہے' اور اہم بات یہ ہے کہ ان دونوں کی سند یا سلسلہ روایت میں ان صحابیوں سے روایت کرنے والے سعید بن جمہان نہیں بلکہ دوسرے ثقہ راوی ہیں' ان دو شواہد کے بعد یہ حدیث سفینہ اصول حدیث کے مطابق "حسن" کے درجہ سے بڑھ کر "صحیح" کے درجہ میں پہنچ گئی' اسی لئے امام ابن تیمیہ نے اپنے فتوی میں جہاں اس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کو "مشہور" کہا ہے' یہ حدیث متواتر کے بعد وہ حدیث ہوتی ہے' جس کو دو یا تین صحابی بیان کرتے ہیں-

ان سب اقوال اور روایات کے بعد بلیغ الدین صاحب کا اس حدیث کو ضعیف اور منقطع قرار دینا ایک لغو بات ہے' حضرت سفینہ اور سعید بن جمہان کی وفات اور آپس میں ملنے کے بارہ میں انہوں نے ایک حوالہ بھی نہیں دیا ہے' محض ایک بے بنیاد دعوی کیا ہے پھر ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت سفینہ کی وفات ۷۶ھ میں ہوئی حافظ ابن کثیر نے ۷۱ھ بتایا ہے' اور ان کا انتقال جیسا کہ اصابہ میں ہے مدینہ میں نہیں مدینہ اور بصرے کے مابین ایک گاؤں بلعن نخلہ میں ہوا' امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ ایسے جاہل نہ تھے کہ ایک ضعیف اور منقطع حدیث کو مشہور و صحیح کہتے-

۵- یہاں انہوں نے اپنی نامیت (یعنی حضرت علی اور اہلبیت سے عداوت و بغض) کا کھل کر اعلان کر دیا ہے یہ کہہ کر کہ "صحابہ کی عظیم اکثریت نے حضرت علی کی بالکل بیعت نہیں کی" یہ ایک تفردات اور افتراء ہے' تاریخ پر اور ان سارے ائمہ دین بلکہ پوری امت اسلامیہ پر جو حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مانتی ہے' تاریخ سے ثابت ہے کہ سوائے شام کے تمام ممالک اسلامیہ' حجاز' عراق' مصر' فارس' یمن اور خراسان و سجستان کے لوگ حضرت علی کی بیعت کر چکے تھے' ان جلسوں پر ان کے گورنر موجود تھے' طبری اور تاریخ ابن الاثیر وغیرہ میں اس کی تفاصیل دیکھی جا سکتی ہیں-

۶- آپ نے کون سے حوالے دیئے ہیں جو مجھ سے مانگے ہیں' پھر بھی سعید بن جمہان کو ثقہ کہنے والوں میں امام احمد' یحیی بن معین' ابوداؤد اور حافظ ابن حجر اور ابن حبان جیسے جلیل القدر محدثین کے نام سر فہرست ہیں' سعید بن جمہان کے بارے میں آپ کے بیان کی کوئی قیمت نہیں-

۷- سعید بن جمہان سے صرف مشرح بن ہاعان نے ہی روایت نہیں کی ہے بلکہ یہ تین اور راویوں سے بھی مروی ہے' عبدالرحمن بن سعید اور العوام بن حوشب' امام ابن تیمیہ نے فتوی میں یہ سلسلہ سند دیا ہے' سیوطی نے تاریخ الخلفاء کے اپنے مقدمہ میں ایک تیسرے راوی حماد بن سلمہ کے واسطے سے سعید بن جمہان کی روایت کا ذکر کیا ہے اور جو انہوں نے مسند امام احمد سے نقل کی ہے اور کتنے حوالے چاہیئے آپ کو؟

اس طرح تیس سالہ عہد خلافت کی حدیث ثابت ہے' اور آپ کے سارے اعتراضات لغو ہیں-

○○

صفر نمبر ۱۳۳ کا باقی

یونیورسٹی اپنے مسائل سے دوچار ہے' ورنہ جناب عزیز کی قانونی کارروائی کر سکتی تھی- پھر شاید ڈاکٹر صاحب کو یہ خیال بھی نہ رہا کہ پاکستان میں اور کسی ملک میں ایم اے ریسرچ کی ڈگری نہیں ہے' البتہ ایم فل ریسرچ کی ڈگری ہے- باقی شاہ صاحب کے بلند پایہ محقق نہ ہونے کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں- ان کی تقریروں اور تحریروں کا دلچسپ اور ادبی انداز لوگوں میں مقبول ہے- صحیح

قبول خاطر و لطف سخن خدا داست-

ان کی مقبولیت کا باعث پاکستان کے وہی معروضی حالات ہیں' جن کا ابتداء میں میں ذکر کر چکا ہوں- بایں ہمہ شاہ صاحب کی شخصیت اور ان کا کام ناقابل تردید اور بحث طلب (کنٹروورشل) تو ہے ہی' لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنے علوئے علم کے باوجود شاہ صاحب کو انصیں کے سکوں میں ادائیگی کی ہے اور اپنے مقام بلند (پڈسٹل) سے نیچے اتر آئے ہیں- اگر شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب پر "سابیت" کی پھبتی کسی ہے تو ڈاکٹر صاحب نے بھی انہیں "ناصبوں" اور "خوارج" سے خلط ہے-

ڈاکٹر صاحب کی جھنجھلاہٹ والی کیفیت اور غصہ کا رویہ کوئی قابل تحسین چیز نہیں- آتش کا اردو کا شعر تو غلط ہو گا لیکن ڈاکٹر صاحب کے رویہ پر مغرب کے دور جاہلیت کے سبعہ معلقات والے شعراء میں سے ایک شاعر عمرو ابن کلثوم کے قصیدہ کا ایک شعر یاد آتا ہے

الا لا یجھلن احد علینا فنجھل فوق الجاھلین

(ترجمہ- اگر کسی نے ہمارے ساتھ جہالت یا زیادتی کی تو ہم بھی تمام جاہلوں یا ظالموں سے بڑھ کر جہالت یا ظلم کریں گے)-

(۳) اب آخر میں وہ تضحیک آمیز مشورہ جس کا میں نے شروع میں وعدہ کیا تھا- یہ مشورہ میں شاہ صاحب کو بذریعہ ٹیلی فون دے چکا ہوں- مناسب سمجھا کہ بر قضائے انصاف ڈاکٹر صاحب سے بھی رجوع کر لوں- ان سے میرا تعارف نہیں' چونکہ وہ پاکستان سے باہر ہی رہ رہے ہیں' اس لئے "مجیر" کی معرفت پیش کر رہا ہوں- یہ مصلحت پیش نظر ہے کہ قارئین میں جو ذی علم حضرات ہیں' ان تک بھی میرا حقیر مشورہ پہنچ جائے- ایک عام پاکستانی قاری کے لئے ایک اچھی کتاب کی شدید ضرورت ہے' جس میں شخصیت پرستی یا نفرت وغیرہ سے کام لئے بغیر رسول آخر ﷺ کے تمام امراء اور اقرباء نیز خلفائے راشدینؓ اور خاص صحابہؓ کے سوانحی حالات اور ان میں سے ہر ایک کی روایات پانچ پشتوں تک کے سوانحی احوال موجود ہوں- یہ کتاب عام فہم انداز میں لکھی جائے کہ اوسط ذہانت والی مطالعہ دے جائیں- لطف دل سے یہ کتاب لکھی جائے کہ نہ پر ستاری ہو نہ تبرا- اسی قسم کی کتابیں اگر لکھ دی جائیں اور شائع کر دی جائیں' تو ایک بڑا خلاء پر ہو گا اور یہ حضرات لوگوں کے شکریہ کے مستحق ہوں گے- ڈاکٹر صاحب سے ایک اضافی درخواست یہ بھی ہے کہ قارئین کے ذہن میں کسی حد تک یہ تاثر قائم ہوا ہو گا کہ ڈاکٹر صاحب شدت سے ہر روی رکھتے ہیں' مناسب ہو گا کہ وہ عالمانہ اور محققانہ انداز میں ایک کتاب شیعیت پر بھی تصنیف فرما دیں' جو اردو میں ہو اور عام فہم بھی' اس سے دوسروں کی بھی رہنمائی ہو گی اور ایک نمونہ کی چیز سامنے آجائے گی-

والسلام

(ڈاکٹر محمد عزیر)

ڈاکٹر رضوان علی ندوی بنام ڈاکٹر محمد عزیر

ڈاکٹر محمد عزیر صاحب کی گزارشات کے جواب میں ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب کا ایک طویل و مشتاق مضمون ہمیں اشاعت کے لئے موصول ہوا ہے- مضمون کے مندرجات کی اہمیت اور ڈاکٹر صاحب کی تاخلانہ بحث کے باوجود ہم اس کی اشاعت سے معذور ہیں کیونکہ اس بحث کا دروازہ اب بند کیا جا چکا ہے- ڈاکٹر صاحب اپنی "مستقل" کے حق کا حوالہ دے کر اس کی اشاعت پر مصر ہیں مگر ہماری مجبوری یہ ہے کہ جو اداریہ دوسروں کے اسی حق کے اعتراف میں اگر یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا تو اس کا اختتام کبھی نہ ہو سکے گا- یہ بحث برداشت کے کوڑے گھونٹ پی کر ہی ختم کی جا سکتی ہے- یہ تلخی دوسروں کو مشتعل کرنے کے بجائے ڈاکٹر صاحب اپنے ہی کام و دہن تک محدود رکھیں تو مسئلہ آسانی سے نمٹایا جا سکتا ہے- ان کے جوابی مضمون کی ایک نقل ہم ڈاکٹر عزیر صاحب کی خدمت میں ارسال کر رہے ہیں- یہ دونوں ڈاکٹر صاحبان باہمی تبادلہ خیال یا مراسلت کے ذریعہ اپنا موقف ایک دوسرے پر واضح کر سکتے ہیں- قارئین نوٹ فرمالیں کہ اس سلسلہ میں اب کوئی مضمون تکبیر میں شائع نہیں ہو گا- (ادارہ)

ڈاکٹر سید رضوان علی صاحب کی خدمت میں چند مؤدبانہ گزارشات

مکرمی جناب صلاح الدین صاحب مدیر تکبیر سلام مسنون۔

میرا مضمون اسلامی تاریخ نہیں ہے، بلکہ اقتصادیات اور انتظامیات ہے، لیکن میں ایک قاری بھی ہوں۔ تحقیق اور لکھنے سے مجھے بھی دلچسپی ہے اور یہ دلچسپی تقریباً چالیس سال سے ہے۔ تحقیق کرنے والوں اور لکھنے والوں کی رہنمائی اور تصحیح وغیرہ میرے فرائض منصبی میں شامل رہی ہے۔ میں بعد ادب ڈاکٹر سید رضوان علی صاحب کی خدمت میں چند گزارشات اور مشورے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

غالباً ڈاکٹر رضوان علی صاحب کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ بقول شخصے عزیز کا ایک بیٹا مسمّٰی بلاور عرب میں گزار کر اب پاکستان واپس آئے ہیں۔ بلاور تفاخر وہ بار بار اس کا اظہار کرتے ہیں۔ گویا وہ اردو میں لکھنا اپنے مقام سے فروتر سمجھتے ہیں اور شاہ بلیغ الدین وغیرہ جیسے لوگوں کے مقابلہ میں وہ خود نہایت اعلیٰ سطح اور مقام بلند (پلیٹ فارم) پر کھڑے ہیں اور یہ قسمتی سے اب عجمیوں اور کم علم حضرات سے واسطہ پڑ رہا ہے۔ میری دانست میں تفاخر کسی قسم کا ہو، ایک عالم و محقق کے لئے زیبا نہیں ہے۔ اس طویل بحث کے بجائے اگر وہ ۲۸ ستمبر ۸۹ء والے شمارہ میں شائع شدہ چارٹ کی غلطیوں کی نشاندہی کے لئے اپنی دانست میں صحیح چارٹ مرتب کر کے مدیر تکبیر کو برائے اشاعت ارسال کر دیتے تو بہتر تھا۔ مذکورہ چارٹ کے پانچ اجزاء میں پہلے جزو "اہل بیت" کے مندرجات پر ڈاکٹر صاحب کو سب سے زیادہ اعتراض ہے۔ اتفاق سے اس چارٹ کے صرف پہلے جزو میں اس سرخی کے ساتھ ایک ذیلی سرخی "ازواج مطہرات" موجود ہے۔ اگر اس ذیلی سرخی کو اصل سرخی بنا دیا جاتا تو اس تصحیح کے بعد اعتراضات کا خاصا حصہ خود بخود ختم ہو جاتا اور طویل بحث کی ضرورت نہ پیش آتی اور ڈاکٹر صاحب "کم علموں" سے بحث کرنے سے بچ جاتے۔

(۱) ڈاکٹر صاحب بار بار بلور تفاخر یہ کہتے ہیں کہ وہ بلاد عرب میں بہت طویل عرصہ تک مقیم رہے ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے ان کے پیش نظر پاکستان کے وہ معروضی حالات نہیں ہیں، جنہوں نے محمود احمد عباسی، شاہ بلیغ الدین اور اس قسم کے دیگر اصحاب کو اس طرف مائل یا مجبور کیا، وہ شیعت کے خلاف اس قدر متشددانہ موقف اختیار کر کے کتابیں لکھیں، جن کے متعدد ایڈیشن چھپے اور لوگوں میں اس قسم کی کتابوں کی مانگ بھی پیدا ہوئی۔ ان دو حضرات میں دو فرق ہیں، پہلا یہ کہ عباسی صاحب یزید کے نام کے ساتھ رضؓ استعمال کرتے ہیں اور شاہ صاحب ایسا نہیں کرتے۔ دوسرا فرق یہ کہ عباسی صاحب کا انداز تحریر اتنا دلچسپ نہیں، جتنا شاہ صاحب کا ہے۔ پاکستان کی تو تیئیس سالہ تاریخ میں پانچ حکمران شیعہ رہے ہیں۔ فوج اور بیوروکریسی میں بھی شیعہ حضرات خاصی اہمیت رکھتے ہیں اور سرکاری ذرائع ابلاغ میں بھی ان کا خاصا مقام ہے، پریس میں بھی اشتراکیت کے بھیس میں ان کا بڑا غلبہ ہے۔ واضح رہے کہ شیعہ عقیدہ کا حامل ہونا ذاتی نہ عیب ہے نہ جرم۔ ایک پاکستانی کی حیثیت سے انہیں ملازمتوں اور مناصب کا حق پہنچتا ہے، لیکن ایک تو آبادی میں اپنے تناسب سے زیادہ اہمیت انہیں حاصل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان میں بہت سے حضرات منظم طور پر سیاسی اور فرقہ وارانہ مفادات کے تحفظ کے لئے بہت سے ایسے کام کر گزرتے ہیں، جو ملکی مفاد کے خلاف ہوں۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ملک کے دو لخت ہونے (۱۹۷۱ء) میں شیعہ اور قادیانی حضرات کا بہت ہاتھ تھا، چونکہ مشرقی پاکستان جہاں ملک کی چھپن فیصد آبادی تھی، وہاں شیعہ اور قادیانی حضرات کا وجود ہمنزلہ مفقود تھا۔ اب چھوٹے پاکستان میں

ڈاکٹر محمد عزیر

ان کی عددی حیثیت بطور تناسب فیصد بڑھ گئی ہے۔ اسی طرح لوگوں کا خیال ہے کہ اسلامی نظام زندگی کے عملی نفاذ میں بھی یہ حضرات اپنی خرابی سمجھتے ہیں، چونکہ قانون سازی ظاہر ہے اکثریت کی فقہ کے مطابق ہوگی اور روزمرہ زندگی میں ان کی اقلیتی حیثیت کھل کر ظاہر ہو جائے گی۔ بدلیاتی فلسفہ میں دعویٰ (تھیسس) جواب دعویٰ (انٹی تھیسس) اور آخری نتیجہ یا ہیئت ترکیبی (مین تھیسس) ایک چیز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عباسی صاحب اور شاہ صاحب جیسے اصحاب کے پیش نظر یہ حکمت عملی ہو کہ غلو کے مقابلہ میں غلو سے کام لیا جائے، تاکہ عوام خود راہ وسط یا درمیانی فکر اختیار کر لیں۔ باقی یہ بات درست ہے کہ عباسی صاحب اور شاہ صاحب میرے نزدیک اتنے بڑے محقق نہیں، جتنا کہ اس کام کے لئے ہونا چاہئے۔ یہ میں شاہ صاحب سے معذرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں، چونکہ ان سے میں متعارف اور واقف ہوں۔ پاکستان میں شیعت کے منظم پروپیگنڈا کا حامل یہ ہے کہ سرکاری ذرائع ابلاغ کے ذریعہ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے ناموں کے ساتھ رضؓ کی بجائے علیہ السلام استعمال کیا جاتا ہے، جو انبیاء اور رسل کے لئے مخصوص ہے۔ عام مسلمانوں کو رسول آخرؐ کے جملہ اعزہ و اقربا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ پھر واقعۂ کربلا پر تاریخ رکی سی جاتی ہے، یہ کچھ معلوم نہیں کہ حضرات زین العابدینؒ حضرت زینبؓ اور بی بی سکینہ کا سانحۂ کربلا کے بعد کیا ہوا، ان کی زندگیاں کیسی گزریں، ان کی ذرّیت کا کیا ہوا۔ اولاد علیؓ کے علاوہ دیگر اقرباء اور اعزہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ یہ صورت حال اہل علم کے لئے اطمینان بخش نہیں ہے۔

(۲) برصغیر ہند و پاک میں کچھ ایسی صورت حال ہے کہ ارباب تصوّف، بریلوی مسلک کے حضرات، شیعہ حضرات، ان سب میں اطاعت رسولؐ کے علاوہ بلکہ بعض اوقات اس سے زیادہ شخصیت پرستی مشترک ہے اور اس کے لئے وہ یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو تقریباً فوق البشر بنائیں اور ان سے اپنا رشتہ جوڑیں ورنہ ان کا کوئی موقف (فوکس اسٹینڈ بائی) قائم نہیں رہتا۔ یہی مسئلہ ان سنّی حضرات کا ہے، جو اپنے ناموں کے ساتھ "سیّد" کا سابقہ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ سیّد سے ان کی مراد غالباً یہ ہے کہ وہ براہ راست اولاد رسولؐ میں شامل ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس فوقیت کی تشہیر کیا ضروری ہے، سوائے اس کے کہ وہ باقی مسلمانوں سے افضل ہیں اور باقی مسلمان گھٹیا قسم کے لوگ ہیں۔ اعلان مجمع الوداع کے بعد نسلی اور نسبی تفریق و تفاخر کا اظہار مناسب نہیں معلوم ہوتا، چنانچہ دیگر اسلامی ممالک میں کوئی ایسا نہیں کرتا۔ معاملہ یہ ہے کہ ہندو معاشرہ میں چار ذاتیں ہیں، برہمن، کشتری، ویش، اور شودر۔ ہندو ستان و پاکستان کے مسلمانوں نے بھی اسی طرح چار ذاتیں بنالیں۔ سیّد، شیخ، مغل، پٹھان۔ پھر جس طرح ہندوؤں میں برہمنوں نے اپنے لئے ایک فوق البشر مقام حاصل کر لیا اسی طرح مسلمانوں میں سیّدوں نے اپنے لئے مقام بلند حاصل کر لیا اور چونکہ اولاد رسولؐ میں شامل ہونے کا دعویٰ ہے، اس لئے لامحالہ حضرت علیؓ سے رشتہ جوڑنا پڑتا ہے اور ان کو بھی فوق البشر کا مقام دینا پڑتا ہے۔ چنانچہ ارباب تصوّف، بریلوی حضرات، شیعہ حضرات اور سنّی سیّد حضرات سب حضرت علیؓ کو فوق البشر ثابت کرتے ہیں یہ ان کی منطقی ضرورت بھی ہے اور نفسیاتی مجبوری بھی۔ مجھے اس رویّہ سے اتفاق نہیں، چنانچہ روایت سے بغاوت کر کے صرف دو الفاظ پر مشتمل سید حامد حامد خانم رکھا ورنہ میرے کم زاد سیّد رئیس احمد جعفری بھی تھے، جنہوں نے نہج البلاغہ کا ترجمہ بھی کیا۔ ناموں میں سابقوں اور لاحقوں کا رواج مجھے پسند نہیں۔

(۳) بحث کے دوران ڈاکٹر رضوان علی صاحب نے شاہ بلیغ الدّین کے جواب میں شاہ صاحب کو بھی برا بھلا کہا ہے اور تحقیر بھی کی ہے، جو ایک عالم کی شان کے خلاف ہے۔ "عوامی مقرر" "مناظر و باز" وغیرہ کے فقروں کے علاوہ کئی بار یہ طنز بھی کیا ہے کہ اگر انہوں نے ڈاکٹریٹ کی ہوتی تو انہیں تحقیق کرنا آتا۔ غالباً ڈاکٹر صاحب کو پاکستان کے کوائف معلوم نہیں۔ پاکستانی جامعات میں نہ معلوم کتنے ڈاکٹریٹ کے حامل حضرات موجود ہیں، جنہوں نے سرے سے کوئی تحقیق کی ہی نہیں۔ ڈاکٹریٹ کی صحیح تربیت اور ٹریننگ تو امریکہ کی چوٹی کی پندرہ بیس جامعات کے علاوہ عموماً کہیں نہیں ہوتی۔ ایک جگہ تو جوش میں ڈاکٹر صاحب یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ معلوم نہیں شاہ صاحب نے کس طرح کراچی یونیورسٹی سے ایم اے کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب کو خیال نہیں رہا کہ یونیورسٹی کا ڈاکٹر انہوں نے کراچی یونیورسٹی پر بھی تنقید کر دی کہ غلط شخص کو ڈگری دے دی۔ وہ تو کہئے کہ کراچی

باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر

ضمیمہ خصوصی

پُرخلوص دعاؤں اور ہدیۂ تہنیت کے ساتھ:

کل عالم اسلام کے متفقہ علماء

حمایت کنندگان برائے ترویج و نفاذِ شریعت بل

منجانب: ناشرانِ مجموعہ اشاعت کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

انتخابی عذرداری - جائزہ

قومی انتخاب ۱۹۸۸ء میں سیٹ کے چکر میں اپنے مذہب کی بازی کو داؤ پر لگانے والے آغاخانیوں کی کہانی

عدالتی ریکارڈ کی زبانی۔

(اردو ترجمہ)

الیکشن اپیسل ۱۹۸۸ء

مدعا علیہ نمبر ۲ کی طرف سے جوابی حلف نامہ میں مسمی غلام علی الانہ ولد پیار علی الانہ، مسلم، عاقل و بالغ ساکن کراچی حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ:-

۱۔ میں مذکورہ معاملہ میں مدعا علیہ نمبر ۲ ہوں اور اس مقدمہ کے مضمرات سے بخوبی واقف ہوں۔

۲۔ مجھے اپیل کنندہ کے الزامات کا علم ہوا ہے اور میں بیان دیتا ہوں کہ یہ الزامات سراسر غلط ہے بنیاد اور شر انگیز ہیں اور ان میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔

۳۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اور تمام شیعہ امامی اسمٰعیلی مسلمان ہیں اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اُس میں مذکور توحید پر ایمان رکھتے ہیں محمد مصطفےٰ کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں اور یہ بھی کہ اسلام اللہ کا سچا آخری دین ہے جو کہ قرآن کی ہدایت کی صورت میں انسانوں پر نازل کیا گیا ہے لہٰذا یہ کہ شیعہ نظریات، تاریخ اور روایات کے مطابق محمد مصطفےٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے داماد اور چچازاد بھائی مولا حضرت علیؑ مرتضیٰ کو مقرر کیا اور نامزد کیا تاکہ وہ اللہ کے پیغام کو سمجھانے اور پھیلانے کا کام کو جاری رکھیں اور ان کو پہلا امام بنایا۔ محمد مصطفےٰؐ نے اعلان فرمایا تھا کہ امامت وراثت میں علی مرتضیٰ اور بی بی فاطمہ زہرہ خاتونِ جنت کی نسل سے جاری رہے گی۔

امامت کی وراثت نص NASS کے اصول پر جاری ہے گی۔ امام وقت کا قطعی اختیار ہے کہ وہ اپنی نرینہ اولادوں میں کسی کو امام مقرر کر دے۔ موجودہ حاضر امام شاہ کریم الحسینی ہز ہائی نس پرنس کریم آغا خان محمدؐ کے سلسلے سے ہیں اور ان کا براہ راست نسب اسمٰعیلی اماموں کے اہلبیت سے ملتا ہے اور یہ شیعہ امامی اسمٰعیلیوں کے ۴۹ (انچاسویں) امام ہیں۔ شیعہ توجہات اور روایات کے مطابق اسمٰعیلی امام اپنے شیعہ امامی اسمٰعیلیوں کو ہمیشہ ہدایات دیتے رہے ہیں کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر عمل کریں۔ میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی ارکان اسلام پر یقین رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں اور تمام کلموں پر بھی شیعان علی کے طریقوں پر یقین رکھتے ہیں۔

۴۔ میں مزید اقرار کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی اسلام پر یقین رکھتے ہیں وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی طرح قرآن نماز، روزہ، زکوٰۃ اور جہاد پر ایمان رکھتے ہیں اور ان پر شیعہ فقہ کے مطابق وقت کے امام کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ تمام اختلافی باتیں جو اپیل میں بیان کی گئی ہیں غلط شر انگیز اور برا فروختہ کرنے والی ہیں

۵۔ میں مزید اقرار کرتا ہوں کہ (۱) دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آرٹیکل ۲۰۶ (۸) اور (۹) میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق واضح کر دیا گیا ہے۔ (۲) دستور میں اور تمام قانونی دستاویزات میں مسلم کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ:-

(A) مسلمان وہ ہے جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہو محمدؐ کی قطعی اور آخری نبوت پر ایمان رکھتا ہو اور کسی بھی ایسے شخص یا ہدایت کنندہ کو نبی نہ مانتا ہوں جو ایسا کوئی دعویٰ کسی بھی انداز میں کرتا ہو اور

(B) غیر مسلم سے مراد وہ بھی ہیں جو عیسائی، ہندو، بدھ سکھ یا پارسی برادری سے تعلق رکھتا ہو یا قادیانی یا لاہوری گروپ سے ہو جو اپنے آپ کو احمدی یا کچھ اور کہتے ہوں یا پھر بہائی ہو یا شیڈول کاسٹ کا کوئی شخص ہو۔

۶۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ پاکستان کی تاریخ میں کبھی پارلیمنٹ نے ایسا کوئی قانون منظور کیا ہے اور نہ پاکستان کی کسی حکومت یا عدالت نے مجھے یا میری برادری کو غیر مسلم تسلیم نہیں کیا ہے۔

۷۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ چیف الیکشن کمشنر کی طرف سے شائع کردہ ووٹر لسٹ میں میرا نام بحیثیت ایک مسلم ووٹر کے درج ہے اور اسی کی بنیاد پر سندھ کی صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینے کا پورا استحقاق رکھتا ہوں جو کہ میرا دستوری حق ہے اور جو مجھے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور نے عطا کیا ہے۔

باقی صفحہ نمبر ۳۶ کالم ۳ پر

حکم نامہ

روبرو مسٹر جسٹس سعید الزماں صدیقی الیکشن اپیل اتھارٹی (کراچی ایسٹ) **عدالت عالیہ سندھ کراچی۔**

الیکشن اپیل نمبر ۲، الیسٹ / ۸۸

حاجی قاضی قادری محمد سبحان ——— اقرار کنندہ

مقابل

(۱) ریٹرننگ آفیسر ۹۱ - ی کراچی شرقی ——— مدعا علیہان

(۲) غلام علی الانہ ———

نمبر شمار (۱) حکنامہ مجریہ کے دستخطوں سے جاری ہوا

۸۸-۱۰-۲۲

یہ حکمنامہ مذکورہ بالا تینوں اپیلوں پر حاوی ہے جو کہ غلام علی الانہ امیدوار صوبائی اسمبلی حلقہ نمبر ۹۱ - ی ۲ کے کاغذات نامزدگی کی منظوری کے خلاف داخل کی گئی ہیں مذکورہ بالا معترض اور معترض علیہان شیر لاڑ، غلام علی اور محمد اسلم سے سندھ صوبائی اسمبلی کے منعقد ہونے والے انتخابات میں بحیثیت امیدوار اپنے کاغذات نامزدگی داخل کئے تھے۔ اس حلقہ کے ریٹرننگ آفیسر نے تمام امیدواروں کے کاغذات نامزدگی منظور کر لئے تھے۔ معترض نے تمام مدعا علیہان کی درخواستوں کی منظوری کے خلاف اپیل درخواست گزاری ہے اور ان کے کاغذات نامزدگی کو چیلنج کیا ہے۔ درخواست گزار کے لائق وکیل شفیق صدیقی نے واضح طور پر میرے روبرو اپنا موقف بیان کیا ہے کہ مذکورہ مدعا علیہان اسمعیلی ہیں۔ وہ نہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں نہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں نہ حج کرتے ہیں اور نہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ وہ اسمعیلی ہیں اس لئے جہاد پر بھی یقین نہیں رکھتے ہیں پر مستزاد یہ کہ ان کا کلمہ بھی مختلف ہے۔ مذکورہ تمام الزامات کی مد میں طبع شدہ مواد پیش کیا گیا جو کہ اسمعیلی نظریات پر مبنی تھا اور اس کی فوٹو کاپیاں اپیل کے ساتھ منسلک کی گئیں اسی بنیاد پر مدعا علیہان کے بارے میں یہ موقف بیان کیا گیا ہے شدید بحث کی گئی ہے کہ وہ لوگ عام

طور پر ایسے نہیں ہیں جو کہ اسلامی اصولوں سے صرف انحراف کرنے والے تصور کئے جاتے ہیں اور اسی بنیاد پر ان کو مسلم نشست پر انتخاب لڑنے سے باز رکھا جائے۔ مذکورہ بالا الزامات کے جواب میں مدعا علیہان نے جوابی حلف نامہ داخل کیا ہے جس میں انہوں نے مذکورہ تمام الزامات سے انکار کیا ہے اس بات کا اقرار کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اور تمام شیعہ امامی اسمٰعیلی مسلمان ہیں اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو دل سے تسلیم کرتے ہیں کلمہ میں مذکور توحید پر یقین رکھتے ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ کو اللہ کا آخری نبی تسلیم کرتے ہیں اور قرآن کو بندوں کے لئے اللہ کی آخری پیغام اور کتاب تصور کرتے ہیں۔ اور شیعہ نظریات اور تاریخ کے مطابق یہ ایمان رکھتے ہیں کہ محمدؐ نے اپنے چچا زاد بھائی اور داماد حضرت مولانا علی مرتضیٰ امیر المومنین علیہ السلام کو وصیت کی اور نامزد کیا تھا کہ وہ پہلے امام ہوں تاکہ وہ قرآن کی تعلیمات کو اور اُن کی تنبیہات کو جاری رکھیں اور یہ کہ امامت علیؑ اور حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہ خاتون الجنت کی اولاد میں وراثت خاندان میں سلسلہ وار جاری رہے گی اور یہ سلسلہ روایتی طور پر پہلے امام سے جاری ہے کہ وہ اپنے فرزندوں میں سے اپنا وارث اور امام نامزد کرے۔ حاضر امام شاہ کریم الحسینی ہز ہائی نس پرنس کریم آغا خان جن کا براہ راست نسلی رشتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے اور اسمٰعیلی اماموں کے سلسلے میں شیعہ امامی اسمٰعیلی مسلمانوں کے ۴۹ (انچاسویں) امام ہیں۔ شیعہ نظریات کے مطابق اسمٰعیلیہ اماموں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں (پیروکاروں) کو اسلام کی تعلیم دیں اور اسی کے بنیادی اصولوں پر عمل کی تاکید کریں۔ میں اسی بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی اسلام کے بنیادی ارکان پر عمل کرتے ہیں تمام کلموں کو بالکل اسی طرح مانتے ہیں جس طرح شیعان علی تسلیم کرتے ہیں کہ۔

۴:۔ میں مزید یہ کہتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی اپنے اسلامی عقائد پر دیگر مسلمان بھائیوں کی طرح بالکل اسی طرح یقین کرتے ہیں۔ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور شیعہ فقہ کے مطابق روزہ، نماز، زکوٰۃ اور جہاد کو بھی اپنے وقت کے شیعہ اماموں کے احکام کے مطابق تسلیم کرتے ہیں۔

اپیل میں جن اعتراضات کو اٹھایا گیا ہے وہ سب کے سب غلط اور شر انگیز ہیں۔

مدعا علیہان کے مذکورہ بالا حلفیہ بیان کی بنیاد پر اُن کو پہلے ایکٹ ۱۹۷۶ کے تحت الیکشن میں حصہ لینے سے نہیں روکا جا سکتا کیونکہ امیدواری کی بنیادی شرط دستوری طور پر وہ پوری کرتے ہیں۔ اپیل کنندہ نے جو نکتہ اٹھایا ہے وہ غلط نہیں ہے۔ بنی ہے خاص طور پر اس مرحلے پر کیونکہ اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ مدعا علیہان کے نام ووٹروں کی لسٹ میں بطور مسلم درج ہیں اور مدعا علیہان کے خلاف اسلام بات کا ثبوت پیش نہیں کیا جا سکا (ریٹرننگ آفیسر کے روبرو) جب ایکٹ کے سیکشن ۱۴ کے تحت کاغذات نامزدگی کی جانچ۔ ین کی جا رہی تھی میری رائے میں اُس محدود دائرے میں کہ جس کا زیر سیکشن ۱۴ تعین کرتا ہے اپیل ہذا کا کوئی فیصلہ ریٹرننگ آفیسر کے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے اپیل کنندگان کے لئے کچھ نہیں کیا جا سکتا اور اس سلسلے میں سیکشن ۷۸ بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھے کوئی بھی وجہ نظر نہیں آتی کہ میں ریٹرننگ آفیسر کے فیصلے میں کوئی مداخلت کروں۔

لہٰذا یہ اپیل خارج کی جاتی ہے۔

(دستخط)

کراچی

مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۸ء

نقل صحیح

نقل صحیح فہمدہ کمالی زاہد کے گ ۸۸-۱۰-۲۲

دستخط

سید ناصر عباس

اسسٹنٹ رجسٹرار

الیکشن ٹریبونل سندھ

کراچی۔ فون نمبر ۵۲۴۳۷۶

جسارت: صفحہ نمبر ۱۴۸ کا باقی حصہ

کرتے ہیں اور نماز تراویح باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ ہم اس حق ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے اور اس کی خوشنودی اور برکتوں کا قرب حاصل ہو۔ ہم ہی جو رنگ صاحب حیثیت ہیں وہ سال میں ایک بار زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ہم اپنے مال کا چالیسواں حصہ یعنی سوا دو فیصد خیرات دیتے ہیں۔ ہم حج بیت اللہ کو ادا کرتے ہیں۔ ہم جہاد پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ ہم اسلام کے پانچ ارکان پر عمل کرتے ہیں اور دعا فیق الا ما تقوہ۔ ہم سے اکثر لوگ حقہ محمد حاصل کرنے کے مشتاق ہیں۔ انجمن

صفحہ نمبر ۱۳۵ کالم ۲ کا باقی حصہ

اس لئے انصاف کے نام پر اس قابل احترام عدالت سے درخواست ہے کہ وہ اس اپیل کو خارج کرے اور اخراجات دلوائے۔

جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ ہر لحاظ سے صحیح ہے اور میری تمام تر معلومات کی بنا پر درست ہے۔

کراچی

مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء

(دستخط (غلام علی الانہ)

حلفیہ تحریری بیان دینے والا

137

اور تہجد کے نوافل بھی ادا کرتے ہیں۔ ہر سال زیادہ سے زیادہ بندگا حق ادا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ اور اپنی عبادت زیادہ بہتر بنانے کے لئے حسب توفیق ہم قریب استعداد اور دور دراز کے مشرقی ممالک کا اور دور دراز کے حصے ہوتے ہیں۔ ہر سال ہم خدا کی خوشنودی کی خاطر اپنی نجات تصور کرتے ہیں۔ اے میری قوم کے لوگو متوجہ ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کی ایک ہی راہ ہے جس پر چل کر ہر آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اور خدا کا حکم قرآن اور حدیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے اور صحابہ کرامؓ اور اہل بیت نے اس پر عمل کیا ہے۔ لہٰذا صلوٰۃ کے وہی معنی ہیں جو آج تک ہوتے رہے ہیں جس کے مطابق ایک مخصوص ہیئت کے لفظوں اور ترتیب سے ادا کرتے ہیں۔ اگر صلوٰۃ کے معنی تعمیر پذیر ہے اصل اور بنیادی عمل کے لئے ہیں جو ہماری قوم کی مسجدوں (مشنری) اماموں جماعت کے گرد کون و فساد کر رہی ہے نمازی بڑے تین رکعت کی دعا مانگتا ہے تو وہ عمل جناب صدر جناب کریم آغا خان صاحب نے پہلی اکتوبر ۱۹۸۳ء کو نیروبی میں جماعت خانہ میں عید الفطر کو کیا تھا کیا وہ عمل نماز تھی یا نہیں؟ اسی طرح ہر جماعت خانے سے ملحقہ عیدگاہوں میں عید کے موقعوں پر جو عمل ادا کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی جو کبھی امام صاحب کی ہدایت پر بھی یہ عمل کیا جاتا ہے کیا وہ دعا ہے یا نماز؟ یقیناً نماز ہی ہے۔ دعا مانگی امام صاحب نے حکم بھی نہیں دیا۔ اور وہ عمل کیا تھا جس کو ادا کرتے ہوئے حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے؟ وہ عمل کیا تھا کہ جس کو کشت سے ادا کرنے کی بنا پر حضرت زین العابدینؒ اور حضرت امام جعفر صادقؒ مشہور ہیں؟ کیا وہ صلوٰۃ یہ دعا ہے جو آج آغا خان صاحب اور امام نہیں ہیں بتاتے ہیں؟ اور وہ عمل کیا ہے جو وہ اپنی جماعت کی مساجد میں، امام باڑوں میں کرتے ہیں؟ آغا خان صاحب نے اپنے جماعت کے ساتھ ادا کیا؟ یقیناً یہ نماز ہی عمل تھا اور ہونا چاہیئے اسی طرح وہ عمل بھی یاد رکھنا چاہیے جو سر سلطان محمد شاہ آغا خان صاحب نے کچھ خطوط (خطبہ) میں جامع مسجد بمبئی کے آخری صفحہ میں لکھ کر شائع کیا ہے جو ایک ہدایت نامہ کی طرح اپنے جماعت کے سامنے رکھا تھا عمل بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو سر سلطان محمد شاہ آغا خان صاحب نے اور پرنس کریم آغا خان صاحب نے یا دیگر ائمہ نے فرمایا ہے جانچ کریں۔ یہ عمل نماز ہی ہے جس کی ادائیگی حضرت نے فرض تاکید فرمائی ہے۔ اے میری قوم کے لوگو سنو! یہ مبلغ (مشنری) اماموں کی جماعت کے گرد گھومنا خود بھی گمراہ ہونا اور دوسروں کو گمراہ کرنا ہے۔ اور پوری جماعت کو بھی گمراہی کی راہ پر لے جا رہے ہیں! یہ چودھویں صدی کے مبلغ (مشنری) اور علمدار ان جماعت کو فریب دے رہے ہیں کہ نماز پڑھنا اہل شریعت کا کام ہے اور ہم تو حقیقی مومن ہیں مقام معرفت میں ہیں اس لئے نماز نہیں پڑھتے

باقی صفحہ نمبر ۱۵۶ پر

(139)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

137

روزنامہ جنگ کراچی

جماعت خانوں میں نماز سے روکنے کیخلاف حکم امتناعی کیلئے درخواست خارج

عدالت نے بنیادی اسلامی عقائد اور آغا خانی روایات کو ایک رائے پائے جانے سے روکنے کا حکم

کراچی (اسٹاف رپورٹر) سندھ ہائی کورٹ کے سنگل بینچ نے آغا خانی جماعت خانوں میں اذان اور نماز کے خلاف دائر کی گئی درخواست خارج کر دی۔ عدالت نے درخواست گزار کے وکیل کی استدعا کو مسترد کر دیا کہ آغا خانی اسماعیلی ہونے کے ناطے ان کے موکل کو جماعت خانوں میں نماز سے روکنے کا حکم جاری کیا جائے۔ عدالت نے کہا کہ آغا خانی اسماعیلی ہونے کے ناطے ان کے موکل کو جماعت خانوں میں نماز سے روکنے کا حکم جاری کیا جائے۔ عدالت نے کہا کہ آغا خانی اسماعیلی ہونے کے ناطے ان کے موکل کو جماعت خانوں میں نماز سے روکنے کا حکم جاری کیا جائے۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کوئی شخص بیک وقت کس طرح خالص مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور آغا خانی بھی!" سید عبدالرحمٰن۔ جج

مورخہ ۹ اگست ۱۹۹۰ء

آغا خانی جماعت خانوں میں اذان اور نماز کے زیر سماعت مقدمہ میں عارضی حکم امتناعی کی درخواست [redacted] سندھ ہائی کورٹ کے جج کا فیصلہ

[redacted] اکبر علی غلام حسین (مدعیان) ... بنام ... وزیر عاشق علی ایچ حسین (مدعا علیہان)

حکمنامہ: عدالتِ عالیہ سندھ کراچی مقدمہ نمبر 331/1986 مورخہ 6-5-90

- جناب محمد اثر حسین ایڈووکیٹ اور • جناب مظفر الحق ایڈووکیٹ ..... (برائے مدعیان)
- جناب جے ایچ رحمت اللہ ایڈووکیٹ اور • جناب کبیر الدین ایڈووکیٹ ..... (برائے مدعا علیہان)

حکم سی ایم۔ اے نمبر 2663/1986

۱۔ یہ ایک درخواست ہے جو حکم نمبر 39 رول 1 اور 2 ہمراہ سیکشن 151 سی پی سی کے تحت داخل کی گئی ہے۔ جس میں عارضی حکم امتناعی جاری کیا جانے جس کے تحت مدعا علیہان کو منع کیا جائے کہ وہ مدعیان کو نہ تو جماعت خانوں میں باجماعت یا بلا جماعت نماز ادا کرنے سے روکیں اور نہ ہی ان کو اس مقدمہ کے فیصلہ ہونے تک جماعت خانے میں داخلہ سے منع کریں۔

۲۔ مدعیان اسمٰعیلی آغا خانی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی درخواست سے عیاں ہے وہ اپنے آغا خانی اسمٰعیلی برادری میں پائی جانے والی تزئین شدہ رسومات و عقائد کو نہیں اختیار کرنا چاہتے بلکہ خالص اور بنیادی اسلامی طرز و طریقہ اختیار کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی آغا خانی اسمٰعیلی برادری سے وابستگی بھی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ بات کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی شخص حقیقی اسلامی اقدار کو بھی اپنائے اور ساتھ ہی ساتھ اسمٰعیلی آغا خانی بھی ہو۔ مدعیان کی وکیل اور کافی ضمیمہ مواد جو فراہم کیا گیا ہے اسی منطقی نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ آیا یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ چل سکتی ہیں یا نہیں، اس کا تعین تو زیر نظر معاملے کے فیصلہ کے بعد ہی ہوگا۔ جناب جے ایچ رحیم لوہر نے جو مدعا علیہان کے وکیل ہیں اور خود بھی آغا خانی ہیں بڑی فراست سے اس حساس موضوع کو زیر بحث لانے سے گریز کیا ہے اور یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ جماعت خانے آغا خان کی ذاتی ملکیت ہیں اور آغا خان کو اس بات کا پورا پورا اختیار اور حق حاصل ہے وہ اس کا جس طرح چاہیں انتظام و انصرام کریں، ان میں داخل ہونے پر پابندی لگائیں مزید یہ کہ وہاں پر کسی قسم کی مداخلت سے مسائل پیدا ہوں گے جن سے مدعا علیہان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا اور سخت مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

۳۔ میں نے دونوں جانب کے وکلاء صاحبان کی بحث و دلائل کو بہت توجہ اور غور سے سنا ہے میرے خیال میں یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس مرحلے پر اس کا کوئی آزمائشی نتیجہ برآمد کر لیا جائے۔ فی الحال تو میرے پیش نظر یہ ہے کہ آیا مدعیان کی کوئی عارضی داد رسی کر دی جائے میرے اندازوں کے مطابق مدعیان کی عارضی داد رسی نہیں کی جانی چاہئے۔ اگر یہ قبول کر لیا جائے کہ مدعیان کا بادی النظر میں مقدمہ کرنے کا ارادہ ہے تو ناقابل تلافی نقصان مدعا علیہان کو پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ یہ فیصلہ ایک نئی کارروائی سے قبل کسی طور بھی مناسب نہیں ہو گا۔ انصاف پر مبنی نہیں ہو گا۔ درخواست میں کی گئی مختلف استدعاؤں سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے۔

اس لئے میں اس مقدمہ نمبر 2663/1986 کو خارج کرتا ہوں۔

[redacted] دستخط

9-8-1990 سید عبدالرحمٰن۔ جج

مولانا مشکل کشا الحسینی الامام الحاضر الموجود ارحمنا واغفرلنا

دی ایچ. آر. ایچ پرنس آغاخان فیڈرل کونسل برائے پاکستان

ریلیجس (مذہبی کمیٹی) نیو جماعت خانہ۔ برنس روڈ۔ کراچی ۳

آغاخانی مذہبی عبادات کا پیغام

حقیقی مومنوں کو یا علی مدد!

بیان یہ ہے کہ ہم لوگ آغاخانی ہیں۔ ہمارا تعلق اسماعیلی تنظیم سے ہے جس کی ذمہ داری ہمارے دلوں کو مذہبی معلومات فراہم کرنا ہے۔ ہمیں جماعت خانوں میں بھی مساجد کی طرح سرپرستی جمعہ دی جاتی ہے۔ اس کی روشنی میں ہم آغاخانی بندگی عبادات جو جماعت خانوں میں کرتے ہیں۔ انکی مکمل وضاحتی تفصیل ہم تحریر کر رہے ہیں۔

- سلام ہمارا ہے "یا علی مدد" ہمارے سلام کا جواب ہے "مولا علی مدد"۔
- کلمہ ہمارا ہے: اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ واشہد ان علی اللہ
- وضو کی ہمیں ضرورت نہیں اس لئے کہ ہمارے دل کا وضو ہوتا ہے۔
- نماز کی جگہ ہر آغاخانی پر فرض ہے تین وقت کی دعا جو جماعت خانے میں ہے کے پڑھے پانچ وقت فرض نماز کے بدلے میں۔ ہماری دعا میں قیام اور رکوع کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں قبلہ رخ کی ضرورت نہیں ہے ہم ہر سمت رخ کر کے پڑھ سکتے ہیں جس کیلئے دعا میں حاضر امام کا تصور لانا بہت ضروری ہے (ہم دعا کی کتاب اس پیغام کے ساتھ بھیج رہے ہیں۔ آپ خود بھی پڑھیں اور دوسرے روحانی بھائیوں کو بھی دیں)
- روزہ تو اصل میں آنکھ، کان اور زبان کا ہوتا ہے۔ کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہمارا روزہ سورج سر پر کا ہوتا ہے جو صبح دس بجے کھول لیا جاتا ہے۔ وہ بھی اگر مومن رکھنا چاہے اور فرض روزہ نہیں ہے۔ البتہ سال بھر میں جس مہینے کا چاند جب بھی جمعہ کے روز کا ہوگا اس دن ہم روزہ رکھتے ہیں۔
- زکوٰۃ کی جگہ ہمارے ہاں دسویں (دسوند) ہم فرض سمجھ کر جماعت خانے میں دیتے ہیں۔
- حج ہمارا حاضر امام کا دیدار ہے اور وہ اس لئے کہ زمین پر خدا کا نائب صرف حاضر امام ہے۔
- ہمارے پاس تو جیتا قرآن یعنی حاضر امام موجود ہے۔ مسلمانوں کے پاس تو خالی کتاب ہے۔
- ہمارے ہاں صبح و شام بندگی کے گنا بھی صاف کرتے ہیں ہم میں سے اگر کوئی آدمی روز جماعت خانہ جا نہ سکے تو فی روز پیسے دے کر چینا ڈاکٹ (حاضر امام کا ادارہ مثلاً لیبر ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ) پی کر اپنے گناہ صاف کرا سکتا ہے اور اگر کوئی جمعہ کے روز بھی جماعت خانہ نہ جا سکے تو مہینہ بھر کے گناہ چاند رات کو پیسے دے کر چینا ڈاکٹ (حاضر امام کا ادارہ مثلاً لیبر ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ) پی کر گناہ صاف کرا سکتا ہے۔
- ہماری بندگی عبادات کا طریقہ یہ ہے کہ:۔

حاضر امام تین ایک بول (حکم) اعظم دیتے ہیں جس کے عوض ہم ۵ روپے ادا کرتے ہیں جس کی بندگی عبادات ہم جان کے آخری حصے میں ادا کرتے ہیں۔ ۵ سال کی بندگی عبادات صاف کرانے کے ہم ۵ سو روپے اور ۱۲ سال کی بندگی عبادات صاف کرانے کے ۱۲ سو روپے اور لاکھ ممبر (چوتھی لاکھ اعظم) کی بندگی صاف کرانے کے ۵ ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں۔ نورانی حاضر امام کے نور کو حاصل کرنے کے لئے ۱ ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں جس سے ہمیں حاضر امام کا نور حاصل ہوتا ہے۔ فدائین: قیامت کے روز حاضر امام سے ہم اپنے آپ کو بخشوانے (یعنی حاضر امام کے نور کے ساتھ اپنے نور کو ملانے) کا حق پچیس ہزار روپے ہم جماعت خانے میں دیتے ہیں۔ فاندی: ہم فاندی خیرات کو کہتے ہیں۔ ہمارے نصف میں بہترین قسم کے کپڑے دلوانے کو نکوہ قسم کے کپڑے دینا جماعت خانوں میں خیرات فاندی دیتے ہیں۔ جماعت خانے والے اس فاندی کو نیلام کر کے اس کی رقم جماعت خانے میں جمع کر دیتے ہیں۔

ایک اہم وضاحت کرنا بہت ضروری ہے کہ:۔ ہمارا مذہب صدیوں پرانا ہے۔ ہمارا تمام اس پر کسی نے تنقید نہیں کی۔ اگر ہمارا مذہب غلط ہوتا تو کب کا ختم ہو جاتا۔ اب اگر مسلمانوں کو یا ان کے علماء کو ہمارے مذہب میں کوئی خامی نظر آتی ہے یا کوئی اعتراض ہے تو وہ ہمارے عہدیداران برائے ڈی ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغاخان فیڈرل کونسل برائے پاکستان سے وضاحت کیوں طلب نہیں کرتے؟ مسلمانوں کے علماء بھی تنقید کرتے ہیں لیکن ہمارے حاضر امام سے وضاحت طلب کرنے میں کیوں ہچکچاتے ہیں؟ کیا وہ ہمارے حاضر امام سے ڈرتے ہیں؟ صدیوں سے مسلمانوں کے علماء نے ہمارے مذہب پر کبھی تنقید نہیں کی تو یہ پندرھویں صدی کے علماء آخر کہاں سے بیدار ہو کر ہم پر تنقید کرنے لگے؟ ہر زمانہ میں حکومت وقت کی تائید میں حاصل رہی ہے۔ بس یہ ہی ہمارے مذہب کے سچ ہونے کی حقیقت ہے۔

حقیقی مومنو! تم لوگ اپنے مذہب پر ثابت قدم رہو اگر تم سچے ہو۔ دنیا میں تو اس طرح کے فتنے اور الزامات تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ہمیں اور آپ کو نور مولانا حاضر امام کی پہچان اور اس کا دیدار نصیب ہو (آمین)

آخری کلمہ: یا مشکل کریم الحسینی انت الامام الحاضر الموجود (نجود) اللھم لک نجودی ولک اتقی

فقط عاشق علی (پریذیڈنٹ)

دی ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغاخان فیڈرل کونسل برائے پاکستان

ریلیجس (مذہبی) کمیٹی

نوٹ: اس پیغام کی نقل ہمارے جماعت خانوں کو روانہ کر دی گئی ہیں۔

ماخوذ شکریہ: ہفت روزہ "پاک پنجاب" (اشاعت ۱۸ اگست ۱۹۸۰ء) شمارہ اشاعت، روف پارک کراچی

ہفت روزہ خدمت کراچی جلد ۱۰ شمارہ ۳۳ (۱۴ اپریل ۱۹۸۸ء)

ہفت روزہ خدمت کراچی جلد ۱۰ شمارہ ۸ (اشاعت ۲۵ فروری ۱۹۸۸ء)

ہفت روزہ "اسوۂ حسنہ" لاہور (طبع ۱۸ شمارہ ۱۸) تاریخ ۱۹۸۵ء

آغاخانی اسماعیلی برادری میں پائی جانے والی تقسیم شدہ رسومات و عقائد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ (سورۃ النساء)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿١٢﴾

ہم یقیناً ایک روز مُردوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ جو کچھ اعمال انہوں نے کیے ہیں وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں، اور جو کچھ آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں، وہ بھی ہم ثبت کر رہے ہیں۔ ہر چیز ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے

اے میری قوم کے لوگو!

الجواب:

الحمد للہ ہم اپنے سابقہ گمراہ کن اور غلط عقائد سے تائب ہو کر اسلام کے صحیح عقیدہ پر واقف ہو گئے ہیں۔ اب ہم مسلم، قوم ہماری اسماعیلی، دین ہمارا اسلام، وطن ہمارا پاکستان، ہم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی آخری کتاب قرآن کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کو راہ نجات تسلیم کرتے ہیں، ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں، اہل بیت اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے لواحقین کو مانتے چلے آئے ہیں، ہمیں دینی عقائد کی اصلاح کے لئے اسلام نے درج ذیل تعلیم دی ہے:

● ہمارا پہلا کلمہ "اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم" مکمل ہوتا ہے "وسبحان ربی الاعلیٰ" سے

● "یا اللہ مدد" ہمیشہ ہم اپنے مددگار ہونے کے لئے پکارتے ہیں۔

● السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہمارا سلام ہے اور اس کا جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہمارا کلمہ ہے، ہم سنت رسولؐ کے عین مطابق وضو اور غسل سے پاک ہوتے ہیں جس سے ہمیں طہارت حاصل ہوتی ہے۔ قبل از وقت کر کے نماز پنج وقتہ ہم اذان دیئے جانے پر باجماعت سنت رسولؐ کے مطابق مقررہ وقت پر ادا کرتے ہیں نماز ہم اللہ کو حاضر و ناظر جان کر قیام، رکوع، سجود اور قعدہ کی ترتیب سے ادا کرتے ہیں کیونکہ نماز کی ادائیگی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ سجود کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ ہم سال بھر میں ماہ رمضان کے روزے سنت رسولؐ کے مطابق فرض سمجھ کر رکھتے ہیں۔ اور نماز تراویح باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ ناکارہ چیزوں سے بچتے اور اللہ سے ڈرتے اور اس کی رحمتوں و برکتوں کا طالب حاصل ہوتے ہیں۔ ہم میں سے جو لوگ صاحب حیثیت ہیں وہ سال میں ایک بار زکوٰۃ فرض سمجھ کر اپنے سال کا چالیسواں حصہ یعنی سو روپیہ پر ڈھائی روپیہ غریب اور مستحق لوگوں کو ادا کرتے ہیں۔ ہم میں سے جو صاحب حیثیت ہیں حج بیت اللہ فرض سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات، ہم میں سے اکثر لوگ وہ مقام محمود" حاصل کرنے کے لئے اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد کے نوافل ادا کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ بندگی کا حق ادا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ اور اپنی عبادات زیادہ بہتر بنانے کیلئے شب و تہجد، استغفار اور درود شریف کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ خدا کی مخلوق کی خدمت میں ہم اپنی نجات تصور کرتے ہیں۔ اے میری قوم کے لوگو! معجزہ ہوا اللہ اور رسولؐ کے ایک حکم کے انکار سے یہی آدمی کافر ہو جاتا ہے اور نماز کا حکم قرآن اور حدیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نماز کے لئے اٹھو تو چاہئے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں پر ہاتھ پھیرلو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو (۶۔ المائدہ)۔ اور جب تم لوگ اذان دیئے ہو نماز کے لئے (۵۸۔ المائدہ)۔ نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لیکر رات کے اندھیرے تک (فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کے قرآن کا بھی التزام کرو کیونکہ قرآن فجر مشہود ہوتا ہے (۷۸۔ بنی اسرائیل) اور صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ نے اس پر مسلسل عمل کیا ہے۔ لفظ "صلوٰۃ" کے دینی معنی ہیں ہر آن دنیا بھر کے مسلمان رسولؐ کے طریقے کے مطابق ایک مخصوص ہیئت، الفاظ اور ترتیب سے ادا کرتے ہیں اگر صلوٰت کے معنی اس تعریف پر، بے اصل اور غیر شرعی عمل کے لئے جائیں تو ہماری قوم ان سیاستدان (مفسدین) اکابرین جماعت کے گمراہ کن وعظ سن کر بیکار نماز کی بجائے تین وقت کی دعا ادا کرتی ہے تو وہ عمل جو باندیار پرلس کریم آفاخان صاحب نے یکم اکتوبر ۱۹۴۳ء کو نیروبی کے ایک جماعت خانے میں غیر اللہ کے دن کیا تھا کیا وہ عمل نماز تھی یا دعا؟ اسی طرح آج بھی جماعت خانوں سے ملحقہ منہ بولوں میں عید کے موقعوں پر جو عمل ادا کیا جاتا ہے اور کہیں کہیں جمعہ کو بھی باندیار صاحب کی ہدایت پر یہ عمل کیا جاتا ہے کیا وہ دعا ہے یا نماز؟ یقیناً نماز ہی ہے، دعا کا تو کبھی باندیار صاحب نے حکم ہی نہیں دیا۔ اور وہ عمل کیا تھا جسکو ادا کرتے ہوئے حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے؟ وہ عمل کیا تھا جو کثرت سے ادا کرنے کی بنا پر حضرت زین العابدینؒ اور امام جعفر صادقؒ مشہور ہیں؟ کیا وہ صلوٰۃ یہ دعا ہے جو آج ان محلوں (مشنری) اور اکابرین جماعت نے ہمیں بتائی ہے؟ اور وہ عمل کیا ہے جو دلی محبتی اور کراہی کی مساجد میں باندیار پرلس کریم آقا صاحب نے اپنے خلیفہ داروں کے ساتھ ادا کیا؟ جسے وہ نماز کا مکمل حماد ماکا نہیں۔ اسی طرح وہ عمل بھی یاد رکھنا چاہیئے جو سر سلطان محمد شاہ آقا خان صاحب نے کہوڑ، ضلع لاڑکانہ (مقسم پنجاب) کی جامع مسجد میں آخری صف میں کھڑے ہو کر ایک عاجز بندے کی طرح اپنے معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کے سامنے ادا کیا یہ عمل بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس کے ادا کرنے کی سر سلطان محمد شاہ آقا خان صاحب نے اور پرلس کریم آقا خان صاحب نے بار بار اپنی تحاریر میں ہدایات کیں، یہ عمل نماز کا ہی ہے جسکی ان حضرات نے سنت ناکارہ فرمائی اے میری قوم کے لوگو سنو! یہ مبلغ (مشنری) اکابرین اور جماعت کے گمراہ علماران محمد بھی کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں اور پوری جماعت کو بھی گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں! یہ چودھویں صدی کے مبلغ (مشنری) اور علماران، جماعت کو فریب دے رہے ہیں کہ نماز پڑھنا اہل شریعت کا کام ہے اور ہم تو حقیقی مومن ہیں مقام معرفت میں ہیں اس لئے نماز سے بے نیاز ہیں۔ ان سے پوچھو کہ (حضرت علیؓ اور دیگر آئمہ) زندگی بھر شریعت پر قائم رہے بلکہ شریعت کے قیام کے لئے شہید ہوئے، کیا ہم اپنے اماموں سے بھی آگے بڑھ گئے کہ شریعت سے بالکل بے نیاز ہو گئے۔ نماز ایک اساسی بنیادی مقدس فریضہ ہے جس کی ادائیگی رسولؐ معظم کرام اور اماموں اور امت میں سے کسی پر بھی ایک لمحہ بھی معاف نہیں ہوئی تو یہ محمود ساختہ مبلغ (مشنری) اور علماران اتنے بڑے فریضے کو معاف کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو منسوخ (CANCELL) کرنے والے کون ہیں؟ جبکہ قرآن میں واضح احکامات ماذان اور نماز سے متعلق قیامت تک موجود ہیں

لوگو! گواہ رہنا میں نے تم تک نماز کی دعوت اور اسلام کے بنیادی ارکان کی تبلیغ پہنچا دی ہے اب تمہیں اختیار حاصل ہے کہ تم لوگ اپنے گھروں، جماعت خانوں اور مساجد میں باقاعدہ سنت رسولؐ کے تحت نماز ادا کرو۔ اگر نماز یاد کرنے میں / ادا کرنے میں باقاعدہ قائم کرنے میں کسی قسم کی دقت ہو تو اپنے اس خادم کی خدمات حاصل کر سکتے ہو اور رابطہ قائم کر سکتے ہو وما علینا الا البلاغ

الداعی:- آکبر علی غلام حسین

اسماعیلیہ مشاورتی خدمت کمیٹی (رجسٹرڈ) مسلمانان اسماعیلیہ مسجد نور آغا خان میریٹائم بلڈنگ، بلاک نمبر ۲، فیڈرل "بی" ایریا، کراچی ۳۸ فون نمبر ۶۷۲۷۹۱۲

نوٹ: اسماعیلی برادریوں کے لئے اسماعیلیہ ایسوسی ایشن نور پاکستان کی گجراتی زبان سے اردو اور عربی توجہ، نماز کی کتاب، ہمارے دفتر سے سنت حاصل کریں

التماس: اس پیغام کو زیادہ سے زیادہ فوٹو اسٹیٹ کاپی کروا کر دوسروں تک پہنچائیں

مولانا شاہ کریم الحسینی الامام الحاضر الموجود ارحمنا واغفرلنا

دی ایچ آر ایچ پرنس آغا خان فیڈرل کونسل برائے پاکستان

ریلیجس (مذہبی کمیٹی) جماعت خانہ۔ بریٹو روڈ۔ کراچی ۳

His Highness Prince Aga Khan
Shia Imami Ismailia Federal Council for Pakistan **Religious Committee**

300/2 GARDEN EAST, BEHIND ISMAILIA GARDEN JAMATKHANA, KARACHI-3 PAKISTAN
TELEGRAMS: "AGAFEDERAL" TELEPHONE: 72310 TELEX: 24630-AKFC PK & 22781-AKC PK

THE MESSAGE OF AGA KHANI RELIGIOUS WORSHIPS

Ya Ali Madad to the real Momins (Believers)!

This is to state that we are Aga Khanis. We belong to the Ismaili organisation whose responsibility is to provide religious information to the people. We are writing full explanatory details of the religious workships we perform in the Jamatkhanas in the light of the religious teachings given to us under the patronage of Mukhi Sahibs:- * Our Salam (greeting) is: "Ya Ali Madad" and the reply thereto is "Moula Ali Madad". * Our 'Kalima' (Testimony) is: "Ashhado an la ilaha il-Allaho wa ashhado anna Muhammad-ur-Rasool-Ullahe wa ashhado anna Ali-Ullah (i.e. I testify that there is no god except Allah and I testify that Muhammad is Allah's Messenger and I testify that ALI is ALLAH). * We need not 'wudhu' (ablution) because our wudhu is of heart (i.e. not of action). * Instead of 'Namaz' it is mandatory for every Aga Khani to attend the Jamatkhana to chant the 'dua' (prayer) three times a day in place of five times' incumbent 'namaz'. Standing and knealing is not required in our prayers. Nor we need to face Qiblah, we can pray with our face in any direction for which it is very important to bring the Hazir Imam in our perception in the prayers. (We enclose herewith the prayer book which please read and also give to other spiritual brethren). * Dast (Roza) is fundamentally of eye, ear and tongue. It cannot be broken by eating and drinking. Our 'roza' is for one-and-a-quarter 'pahar' (about 4-1/2 hours) which is broken at 10 a.m. and that too is optional for the 'momin' (believer) otherwise fast is not incumbent. Of course, we keep fast on the first day of the month whenever it happens to fall on Friday through sighting of the moon in the whole year. * In place of Zakat we pay two annas per rupee ("Dasond") in the Jamatkhana considering it mandatory. * Our Haj is the vision (sighting) of Hazir Imam (that is because Hazir Imam is the only incarnation of the God on the earth). * Rather we have got speaking Quran, that is Hazir Imam is present, but the Musalmans have got were (or void) Book. * Mukhi Sahib condones our sins for (the period from) morning to evening by sprinkling drops (of water). If any person among us cannot attend the Jamatkhana every day, he can get his sins atoned by getting the drops sprinkled (on him) and by drinking 'GHATPAT' (holy water) on Fridays against payment of money in the Jamatkhana, and if anyone cannot attend Jamatkhana on Fridays he can get the sins for the whole month condoned by means of the said ceremonies on the night the moon is sighted, against payment of money. * The mode of our worship is:- The Hazir Imam gives us a 'Word'/ISM-E-AZAM for which we pay Rs. 75/- the worship whereof we perform in the letter past of the night. For atonement of worships for 5 years we pay Rs. 500/-, for 12 years Rs. 1,200/- and for Life Membership (to get the worships for the whole life pardoned) we pay Rs. 5,000/- in the Jamatkhanas. NOORANI: To obtain the 'noor' (light) of Hazir Imam we pay Rs. 7,000/- in the Jamatkhanas, whence we got the 'Noor' of Hazir Imam. FIDAYEEN: To get ourselves pardoned on the Day of Judgment (Qiyamat) by the Hazir Imam, i.e. (linked) towards the expenses (to be incurred) for getting our 'Noor' linked with that of the Hazir Imam we pay Rs. 25,000/- in the Jamatkhana. NANDI: We call charity as 'Nandi' The best dishes prepared in our homes, clothes of finest kind and ornaments we contribute as 'Nandi' are auctioned by the Jamatkhana people and the proceeds are deposited in the Jamatkhanas. **IT IS VERY IMPORTANT TO EXPLAIN THAT:**

Contd. on Page 2

IT IS VERY IMPORTANT TO EXPLAIN THAT: Contd.

Our religion is centuries old. No one has criticised it till this date. Had our religion been untrue it should have come to an end long ago. Now, if the Muslamans or their Ulemas see any flow in our religion or if they have any objection, why do not they seek explanation from our office bearers of the H.R.H. Prince Aga Khan Federal Council for Pakistan? The Ulemas of the Musalmans also criticise but why they hesitate in seeking explanation from our Hazir Imam? Are they afraid of our Hazir Imam? For centuries the Ulemas of the Musalmans have never criticised our religion then from where have the Ulemas of the fifteenth century awaken to criticise us? During every period, we have enjoyed the support of the Government of the time. Then this is the very fact of the genuineness of our religion. * O REAL MOMINS (Believers)! Adhere to your religion if you are truthful. In (this) world such temptations with continue to come and go. We pray that the 'Noor' (light) of Moulana Hazir Imam may keep you in comfort and prosperous and may you be fortunate to see (have sight of) the Hazir Imam (Ameen). * LAST KALIMA: Ya Shah Karim-ul-Husaini Ant-al-Imam-ul-Hazir-ul-Moujudo (Sujudo) Allahumma laka sujudi wa Taati.

Aashiq Ali H. Hussain (President)
H.R.H. PRINCE AGA KHAN FEDERAL COUNCIL FOR PAKISTAN
Religious Committee

NOTE: Copies of this message have been sent to all Jamatkhana.
For any religious information please contact :-

His Highness THE AGA KHAN,
Le Secretariate, Aiglemont, 92270 Bouvieux, FRANCE Tel: (4)458-4000 (4)421-4179

گنان شریف

حق تُوں پاک توں بادشاہ ہر اِن بھی
یا علی توں نہیں توں ...
رب توں رحمٰن توں یا علی اوّل
آخر ظاہر باطن توں نہیں توں ...
تو ہے او پایا یا شاہ تو نے نی پایا
سری جن ہر یا علی تو ہی نہیں توں
جل تھل ہول منڈلن ہاڑا یا علی
حکم تیرا ہی تو نہیں توں ...
تیری دوستی میں بولیا پیر شمس
میں بندہ تیرا یا علی تو نہیں توں

With Courtesy of:-

BISMI ALLAH AL RAHMAN AL RAHIM.

Al-Furqan

ISSN 0953 8321

No. 3 NEWSLETTER OF THE UMMAH Dhu'l-qa'da 1408/July 1988

ISMA'ILIS

by Jamal-un-Nisa bin' Rafai

Introduction:

There are more than twenty million Isma'ilis all over the world. Agha Khan is the title of the Isma'ili's Imam. They believe that a living Imam is always present in this world for religious guidance. And this Iman should be attached to the unending series of Imams ultimately related to Prophet Muhammad (SAAS). The first Imam of this series is Imam Ali (RAA) then his sons, Imam, Hasan and Imam Hussain (RAA), latter was succeeded by his son Imam Zain-al-A'bedin (RAA). The present Isma'ili Imam is Prince Shah Karim Agha Khan who is 49th Imam of their series.

Historical Background:

By the middle of first century Hijri (670 CE) there were three distinct groups among Muslims, 1. Jamhoor (majority) Muslims; 2. Khawarij and 3. Sh'ian-e-Ali. There were four prominent groups among Sh'ian-e-Ali in the political field: i) *Kesania* were the followers of Imam Hussain's (RAA) non-Fatimi brother Muhamamd bin Ali (RAA) (Ibne-Hanafia); ii) *Zaidia* were the followers of Zaid bin Ali Zain-Al-Abedin bin Hussain (RAA) iv) *Isma'ilis* believe that the seventh Imam was Isma'il (RAA) the elder son of Imam Jafar Sadiq bin Muhammad (RAA). Agha Khans belong to that branch of Ali's (RAA) family who started Isma'ili movement. In 297 Hijri (909 CE) they established their Caliphate in Africa and in 358 Hijri (969 CE) in Egypt, which was called Banu-Fatimah. Their first ruler was O'baid-Ullah Mehdi who was a descendant of Isma'il bin Jafar Sadiq (RAA). It was Hasan bin Sabah, one of the Isma'ilis who brought his faith into Iran where its quiet preaching continued for several centuries. Some of the Isma'ilis went to preach their faith in Iraq and Syria. One of their Imams called Khalil-ullah, Ali the second, who was settled in Yezd, Iran, was killed in 1818, his killers were punished by the then King of Iran, Fateh Ali Shah Qachar, and he who was the first Agha Khan from 1818 to 1881. He migrated to India. After his death he was succeeded by his son Ali Shah, the second Agha Khan who died in 1885. His son the third Agha Khan was Sir Sultan Muhammad Shah born in Karchi on 2-11-1877 and died on 11-7-1957, he was a very well known figure in horse racing and won several Derby prizes.

In 1935 Third Agha Khan's golden jubilee was celebrated in Bombay and Nairobi and on both occasions he was weighed in gold. In March 1946 his diamond jubilee was celebrated in Bombay and Darus-Salam when he was weighed in diamonds. In February 1954 he was weighed in platinum. He died in Switzerland and buried in Aswan, Egypt. He was succeeded by his grand son Prince Shah Karim who is the fourth Agha Khan and the present Isma'ili Imam.

Isma'ili Faith in brief: (According to their own advertisement)

- Kalima: Ashhadu an Lailaha illa Allah, Muhammad Rasul Allah, Ali Allah.
- Ablution not needed
- Instead of Salah they pray in Jama't Khana three times a day.
- Standing, bowing down not necessary in their prayers.
- While praying they should imagine about their present Imam.
- It is not neccessary to face towards Ka'bah as Qibla, they face any direction.
- Fasting not affected by eating and drinking, and is not compulsory, but if the new moon is on a Friday they should fast.
- Instead of Zakah one eighth of their income goes to Jama't Khana.
- Seeing of the present Imam is Hajj

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۵۲)

142

مولانا شاه کریم الحسینی الملقب الحاضر الموجود امام حسنا و انفسنا
امان جا سائین، شاه کریم حسینی امام حاضر موجود امان ڪي تخت
وي آءِ پي آر - ايڇ هز هائينس آغا خان فيڈرل ڪونسل برائي پاڪستان

ريليجس (مذهبي ڪميٽي) نئون جماعت خانو بندر روڊ ڪراچي ٣

فون:- ٧٤٣٣٢٣
٧٤١٠٢٠٢
٧٤١٨٥٨

آغاخاني مذهبي عبادتن جو پيغام

حقيقي مؤمنن کي يا علي مدد !

بيان ڪيو آهي ته امان ماڻهون آغاخاني آهيون - امان جو واسطو اسماعيلي تنظيم سان آهي جنهن جي ذميداري ماڻهن کي مذهبي چال ڏيڻ آهي - امان کي جماعت خانن ۾ ڪي ساڻ جي سرپرستي هيٺ جامد مذهبي تعليم ڏني ويندي آهي - انهي جي سوچ ۾ امان آغاخاني پاڻ کي عبادت جي ڪاج جماعت خانن ۾ ڪندا آهيون - انهيءَ جي پويان ڪليل وضاحت امان کي سمجهايا آهيون -

ته سڀ کان امان جو آهي، يا علي مدد يا امان جي سلام جو جواب آهي هو اصل ۾ مدد ۽ حل امان جو آهي اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَّلِيُّ اللّٰهِ - ۽ وضو جي امان کي ضرورت ناهي هن کي جو امان جي دل جو وضو هوندو آهي -

۽ نماز جي بدلي هر آغاخاني تي تن وقتن جي دعا فرض آهي جو جماعت خانين ۾ اچي ويڙهجي پنج وقت فرض نماز جي بدلي ۾ امان جي دعا ۾ قيام ۽ رڪوع جي ضرورت آهي امان کي قبلي ڏي منهن ڪرڻ جي ضرورت ناهي، امان هر طرف منهن ڪري ويٺو هجي سگهون تا جنهن جي دعا ۾ حاضر امام جو تصور ڪرڻ ضروري آهي - (امان دعا جڪا ڪاپيون ڇپيل سمجهيا آهيون، اوهان پاڻ ۾ پڙهو ۽ پين روحاني پاڻ کي ٻڌايو)

۽ روزو ته اصل ۾ اڪ، ڪن ۽ زبان جو هوندو آهي، ڪاوڙ، پيشڪ ساڻ سوڙ ۽ نفرت ڪڍي - امان جو روزو سوا ڀوڳ جو هوندو آهي - جيڪو صبح جو ڪيو ويندو آهي اهو به جيڪڏهن مڃ نه ڪري سگهي - جيڪڏهن نه ته روزو فرض ناهي - پر جيڪڏهن سڄي سال ۾ جنهن معيني جو چنڊ ڏسڻ جو ڏينهن جو تي انهيءَ ڏينهن امان روزو رکڻ تا - ۽ نڪرات جي مرض امان آمدني ۾ ڏهين حصو ڏيڻ آغا امان فرض سمجهي جماعت خاني ۾ ڏيندا آهيون -

۽ حج امان جو حاضر امام جو ديدار آهي (اهو هن ڪري ته زمين تي خدا جي صورت صرف حاضر امام آهي)

۽ امان وٽ ته گاڏا شيئر ته قرآن يعني حاضر امام موجود آهي مسلمان وٽ ته خالي ڪتاب آهي -

۽ امان جا جيڪي ڀاءُ شلم تايون جا ڳالهڪي ساڻ جنهن کي معاف ڪندو امان جيڪڏهن جو ڪي ماڻهو روزن انوجماعت خانه نه ويندي سگهي ته جمعه جي ڏينهن پيسا ڏيڻ جنهن امائيءَ ۾ آپ شڪار (يعني گهنڊيات) پي پنجنهن گناهه معاف ڪرائي سگهي ٿو ۽ جيڪڏهن ڪو جمعي جي پڇي جماعت خاني نه وڃي سگهي ته معيني جا گناهه چنڊ ڏسڻ جي رات ۾ پيسا ڏيڻ جي چنڊ امائيءَ، آب شفا (گهنڊ پات) پي گناهه معاف ڪرائي سگهي ٿو امان جي بندگي/عبادت جو طريقو هي آهي جو :-

حاضر امام امان ڪي هڪ پول/اسم اعظم ڏيندو آهي - جنهن جي بدلي ۾ امان ٥، ٠٠ روپيه ادا ڪندا آهيون جنهن جي بندگي/عبادت امان سڄات جي پوڙين جسمي ۾ ادا ڪندا آهيون - ٥ سال جي بندگي/عبادت معاف ڪرائڻ جا ٥ سو روپيه ۽ ٢ سال جي بندگي/عبادت معاف ڪرائڻ جا ٢ سو روپيه پوڙي ڏيڻ جي عبادت معاف ڪرائڻ ٥ هزار روپيه امان جماعت خاني ۾ ڏيندا آهيون -

نوٽ اضافي :- حاضر امام جي نور حاصل ڪرڻ لاءِ ٧٥٠٠ هزار روپيه امان جماعت خاني ۾ ڏيندا آهيون جنهن ڪري شاهه حاضر امام جو نور حاصل ٿي ويندو آهي -

فدائيت :- قيامت جي ڏينهن حاضر امام کان امان پڇوپاڻ کي بخشائڻ يعني حاضر امام جي نور شاگرد ٿيڻ لاءِ پنهنجي نور کي ملائڻ جي چڊتي جو خرچ ٢٥ هزار روپيه امان جماعت خاني ۾ ڏيندا آهيون - ۽ ناڊرڪي :- امان ناڊرڪي خيرات ڪي چونڊا آهيون امان جي ڪمين ۾ تمام سڀني قسم جا پسڪل ڪاتا، ڪمدي قسم جا ڪپڙا ۽ زيور امان جماعت خاني ۾ خيرات (ناڊرڪي) ڏيندا آهيون جماعت خاني وارا انهيءَ ناڊرڪي کي ميلاڙ ڪري انهيءَ جي ويجهه جماعت خاني ۾ جمع ڪندا آهن -

هڪ اهم وضاحت ڪرڻ تمام ضروري آهي جو :- امان جو مذهب ڪان پورو ٿو آهي - اڄ تائين انهيءَ تي جنهن به تنقيد نه ڪئي جيڪڏهن امان جو مذهب غلط هجي ها ته ڪڏهن جو خبر پئي ها - امان جيڪڏهن مسلمان ڪيو يا انهن جي عالمن ڪي امان جي مذهب بابت غلط نظر اچي ٿي يا ڪو اعتراض آهي تا هو امان جي عهديدارن واسطي ايڇ - آر - ايڇ پرنس آغا خان فيڈرل ڪونسل برائي پاڪستان ڪان وضاحت چرنتا طلب ڪن ؟ - مسلمان جا عالم پڇي تنقيد ڪن ٿا پر امان جي حاضر امام کان وضاحت طلب ڪرڻ جو حوصلو نه ڪيو ٿا سگهن ؟ — ڇا امان جي حاضر امام کان وڌيڪ مسلمان جي عالمن امان جي مذهب تي ڪڏهن به تنقيد نه ڪئي ته هي هيڏو هين صدي جا عالم آخر ڪٿان سڄا گئي ٿي امان تي تنقيد ڪرڻ لڳا ؟ — هر دور ۾ حڪومت جي تائيد امان کي حاصل رهي آهي - پر اڄ اها ئي امان جي مذهب جي سچ ڇڻ جي حقيقت آهي -

حقيقي مومنو ! ڪان ماڻهو پنهنجي مذهب تي پڪا هو جيڪڏهن ڪو امان تي الزام ڏيڻ ته هڪ ڀيرو ضرور جانڻ جو الزام ڏيڻ جو حق آهي - امان جي دعا آهي ته امان جي هي پيغام جو نور آسمان تائين پهچي ۽ امان کي حاضر امام جو ديدار نصيب ٿئي -

آمين

آخري ڪلمو :- ياشاه ڪريم الحسيني انت للامام الحاضر الموجود (اي شاه ڪريم حسيني تون امام حاضر موجود آهين)

(سُجُوْد) (سجدو)

اَللّٰهُمَّ لَكَ سُجُوْدِيْ وَطَاعَتِيْ

(اي معبود صرف تو (امام) لاءِ منهنجو سجدو ۽ منهنجي عبادت آهي)

فقط

عاشق علي (پريزيڊنٽ)

ڊي - ايڇ - آر - ايڇ - پرنس آغا خان
فيڈرل ڪونسل برائي پاڪستان
ريليجس (مذهبي) ڪميٽي

نوٽ

هن پيغام جا نقل سمورن جماعت خانن ۾ رسوائنڪيا آهن -

માલાના શાહ કરીમુલ હુસયની અલ ઇમામુલ હાઝિરૂલ મૌજુદો અરહમના વગફીરલના

[મૌલાના શાહ કરીમુલ હુસયની, હાજર અને મૌજુદ ઇમામ, અમારા ઉપર રહમ કર અને અમને માફ ફરમાવ]

ધી એચ. આર. એચ. પ્રિન્સ આગાખાન ફેડરલ કાઉન્સિલ ફોર પાકિસ્તાન

રિલિજિયસ કમિટી, ન્યુ જમાતખાના બિલ્ડો રોડ. કરાચી–૩.

આગાખાની મઝહબી ઇબાદતો માટેનો પયગામ

સાચા મોમિનોને યા અલી મદદ ! P11-712710-235811-113323-2014D1-710202

કહેવાનું એ છે કે આપણે લોકો આગાખાની છીએ આપણા સબંધ ઇસ્માઇલી સંગઠન સાથે છે, તેનું કામ લોકોને મઝહબી માહિતી પુરી પાડવાનું છે, આપણા જમાતખાનામાં મુખી સાહેબોની દેખરેખ હેઠળ જે મઝહબી તાલીમ આપવામાં આવે છે તેની રોશનીમાં આપણે જે આગાખાની બંદગી / ઇબાદત જમાતખાનાઓમાં કરીએ છીએ તેનાં સંપૂર્ણ સ્પષ્ટતા સાથેની વિગત અમે અહીં લખી રહ્યા છીએ.

અમારી સલામ છે ' યા અલી મદદ ' અને તેનો જવાબ છે ' મૌલા અલી મદદ ' | કલેમો અમારો છે અશહદો અલ્લા ઇલાહા ઇલ્લલ્લાહુ વ અશહદો અન્ના મુહમ્મદ રસુલુલ્લાહ વઅશહદો અન્ના અલી અલ્લાહ.'

વુઝુની આપણને જરૂર નથી કારણ કે આપણું વુઝુ દિલનું હોય છે.

નમાઝને બદલે કરેક આગાખાની ઉપર ત્રણ વખતની દુઆ ફરજ છે, આ દુઆ જમાતખાનામાં આવીને પઢવાની છે. પાંચ વખતની ફરજ નમાઝના બદલે. આપણી દુઆમાં કયામ કે રુકુઅની જરૂર નથી. આપણા માટે કીબ્લા તરફ મોઢુ કરીને દુઆ પઢવાની જરૂર નથી. આપણે ગમે તે દિશામાં મોઢું રાખીને દુઆ પઢી શકીએ છીએ અલબત્ત, તેના માટે હાજર ઇમામ પોતાની સામે હોવાનો ખયાલ કરવો બહુ જરૂરી છે. (આ સાથે અમે એવા સંદેશા સાથે એ દુઆની કિતાબ મોકલી રહ્યા છીએ કે તમે પોતે પણ વાંચો અને બીજા કુટુંબની ભાઇઓને પણ વાંચવા આપો.) રોઝો તો મુળ હોય છે આંખ, કાન અને જબાનો. ખાવા પીવાથી રોઝો તુટતો નથી. આપણે રોઝે સવા પ્રહરના હોય છે, સવારે દસ વાગે એ બોલાં નાખવામાં આવે છે એ પણ કોઇ મોમિન રાખવા ચાહે તો. બાકી રોઝા ફરજ નથી. અલબત્ત, વરસ આખામાં જ્યારે ચાંદ જુદ્આનો દેખાય છે તે દિવસે આપણે રોઝો રાખીએ છીએ. ઝકાતને બદલે આપણે ત્યાં આવક ઉપર રૂપિયામાં બે આના (દસોંદ) ફરજ સમજીને જમાતખાનામાં આપવાની છે.

આપણી ફરજ તે હાજર ઇમામના દિદાર છે. (કારણ કે ધરતી પર ખુદાનું સ્વરૂપ માત્ર હાજર ઇમામ જ છે.)

આપણા પાસે બોલવું કુર્આન એટલે કે હાજર ઇમામ છે. મુસલમાનો પાસે તો બાકી કિતાબ છે.

આપણા સવારથી સાંજ મુઘીના ગુના મુખી સાહેબ ' છાંટો ' નાખીને માફ કરે છે. આપણામાંથી કોઇ બાજુસ જો દરરોજ જમાતખાને ન જઇ શકે તો જુમ્આના દિવસે પૈસા આપીને છાંટો નખાવીને અને 'આ બે શિફા' (એટલે કે ઘટ પાટ) પીને પોતાના ગુના માફ કરાવી શકે છે. કોઇ જો જુમાના દિવસે પણ ન જઇ શકે તો આખા મહીના ગુના ચાંદ રાતે પૈસા આપીને છાંટો નખાવીને, આબે શિફા (ઘટ પાટ) પીને માફ કરાવી શકે છે.

આપણી ઇબાદતનો નઝરાણો આ મુજબ છે :– મૌલાના હાજર ઇમામ આપણને એક બોલ/ઇસ્મે આઝમ આપે છે. તેના બદલામાં આપણે પોણોસો રૂપિયા આપવાના હોય છે. આ બોલનો પાઠ આપણે રાતના છેલ્લા પ્રહરમાં કરવાનો હોય છે. જો આપણે પાંચ વરસની ઇબાદત માફ કરાવવા ચાહતા. હોઇએ તો તેના માટે રૂા. ૫૮૦/– બાર વરસની ઇબાદત માફ કરાવવી હોય તો રૂા. ૧૨૦૦/– અને આખી જિંદગીની ઇબાદત માફ કરાવવી હોય તો રૂા ૫૦૦૦/– જમાતખાનામાં આપીને લાઇફ મેમ્બર બની શકાય છે.

' નુરાની ' ના નામે ઓળખાતી ઇબાદતથી હાજર ઇમામનું નુર પ્રાપ્ત થાય છે અને તેના માટે જમાતખાનામાં રૂા. ૭૦૮૭ આપવાના રહે છે. ફિદાયન : કયામતના દિવસે હાજર ઇમામ પાસેથી પોતાને બક્ષાવવા (એટલે કે પોતાના નુરને હાજર ઇમામના નુર સાથે મિલાવવા) નો ખર્ચ રૂા. ૨૫,૦૦૦ જમાતખાનામાં આપવાના રહે છે.

નાં દી : નાંદી એટલે ખેરાત, ઘરમાં જે કાંઇ સારું ખાણું પકાવવામાં આવ્યું હોય એ અને સારાં વસ્ત્રો તથા ઘરેણાં વગેરે જમાતખાનામાં આપવા તે ખેરાત છે. જમાતખાનાવાળા આ વસ્તુઓને લીલામ કરીને તેની જે રકમ ઉપજે છે તે જમાતખાનાને આપી દે છે. | અહીં એક અગત્યની સ્પષ્ટતા કરવી પણ જરૂરી છે કે આપણે મઝહબ બદીઓ પુરતો છે. આજ સુધી તેના ઉપર કોઇએ ટીકા નથી કરી.

જો આપણે મઝહબ ખોટો હોત તો એ કયારનો ખતમ થઇ ગયો હોત. હવે જે મુસલમાનો અથવા તેમના આલિમોને તેમાં કશી ખામી દેખાય છે અથવા તેની સામે તેમને કશો વાંધો છે તો તેઓ તેનો ખુલાસો એચ. આર. એચ. પ્રિન્સ આગાખાન ફેડરલ કાઉન્સિલ ફોર પાકિસ્તાન પાસેથી શા માટે નથી માગતા ! મુસલમાન આલીમો ટીકા તો કરે છે પણ આપણા હાજર ઇમામ પાસેથી તેનો ખુલાસો માંગતા શા માટે અચકાય છે ! શું તેઓ આપણા હાજર ઇમામથી ડરે છે ? સદીઓથી મુસલમાન આલિમોએ કયારેય આપણા મઝહબ ઉપર ટીકા નથી કરી તો આ ૫૬મી સદીના આલિમો કયાથી જાગીને આપણા મઝહબ ઉપર ટીકા કરવા લાગ્યા છે ! દરેક દોરમાં એ સમયની સરકારનું સમર્થન આપણને મળતુ રહયું છે. એ જ આપણે મઝહબ સાચો હોવાની સૌથી મોટી દલીલ છે. સાચા મોમિનો ! તમે તમારા મઝહબ ઉપર મકકમ રહો જે તમે સાચા છો. તો દુનિયામાં આ પ્રકારના ફીત્ના ઉઠતા રહયા છે અને આપેપો થતા રહયા છે. થતા રહેશે. અમારી દુઆ છે કે નુરે હાજર ઇમામ અમને અને આપ સૌને સુખી અને આબાદ રાખે અને તેના દીદાર પણ નસીબ થાય.

છેવટની વાત : યા શાહ કરીમ અલ હુસેની અન્તલ ઇમામુલ હાઝિરૂલ મૌજુદ (સિજદો) અલ્લાહુઅમલહા સુજુદી વ તાઅતી [યા શાહ કરીમ અલ હુસેની આપ અમારા હાજર અને મૌજુદ ઇમામ છો. (સિજદો) અમે અલ્લાહ તારા માટેજ મારો સિજદો અને મારી તાબેદારી છે.]

આશિકઅલી પ્રેસિડેન્ટ

ધી એચ. આર. એચ. પ્રિન્સ આગાખાન

ફેડરલ કાઉન્સિલ ફોર પાકિસ્તાન (રિલિજિયસ કમિટી)

નોંધ : આ પયગામની નકલ બધા જમાતખાનાને મોકલી આપવામાં આવી છે.

اسماعیلی نوجوان کو آغاخانی مذہب چھوڑنے پر مشکلات کا سامنا

آئی جی سندھ سے اپیل

۱۔ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے مجھے تشدد سے نجات دلائی جائے۔
۲۔ میرے بیوی اور بچے کو مشرکانہ اور کافرانہ رسومات سے نجات دلائی جائے
۳۔ مجھے اسماعیلی نمازی خدمت کمیٹی نے پناہ دے رکھی ہے۔ عبدالکریم۔

کراچی (اسٹاف رپورٹر) اسماعیلی فرقے کے ایک نوجوان نے آغاخانی مذہب چھوڑ کر دین اسلام قبول کرنے کے بعد آغاخانی مذہب کی جانب سے اپنے اوپر ہونے والے تشدد سے متعلق ایک درخواست ایس ایچ او تھانہ جوہر آباد اور ڈپٹی ڈائریکٹر جناب انظار حسین کو ارسال کی ہے جس میں عبدالکریم رجب علی نے اپیل کی ہے کہ میرے آغاخانی مذہب چھوڑنے اور دین اسلام قبول کرنے سے ناراض ہوکر میرے بھتیجے دھونس دھمکیاں دی جارہی ہیں کہ تم دین اسلام سے مرتد ہوکر پھر آغاخانی مذہب اختیار کرلو، درخواست گزار نے مزید فریاد کیا ہے کہ نجف نزار خاصوانی، شیر علی، اکبل بانو عرف گلا بائی اور رمضان نے زبردستی اغوا کرانے کی اذیت دلوائی ہے میں ایک شکایت پہلے بھی کرچکا ہوں لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ لہٰذا مجبوراً میں نے عدالت عالیہ سندھ میں اپنی فریاد مقدمہ ۱۱۴۲/۸۹ داخل کی جو مقدمات کے زیر سماعت ہے ملاقہ کونسلر جناب محمد صابر بھی ان افراد کی پشت پناہی کررہے ہیں اور انہوں نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے میری بیوی کی طلاق کی ناجائز کارروائی شروع کردی تھی اس لئے ان کو بھی مقدمہ میں شریک بنایا گیا محمد صابر علی عدالت عالیہ سندھ کا سمن وصول کرنے سے گریز کررہے ہیں اور میری بیوی سماعۃ سلمہ جب کو میں نے عدالت عالیہ کے حکم پر فریق بنایا ہے نے ابھی تک سمن وصول نہیں کیا اس لئے عدالت عالیہ کی کارروائی التواء میں ہے گل بانو عرف گلا بائی نے اپنے جواب میں بیان دیا ہے کہ اس معاملہ میں کوئی تعلق ایس ہے جب کہ نزار خاصوانی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ آغاخانی برادری کا ذاتی مسئلہ ہے لہٰذا دیوانی عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے میری بیوی سلمہ نے دھونس دھمکیوں کے باوجود آغاخانی مذہب سے تائب ہوکر دین اسلام قبول کرلیا ہے اسلام قبول کرنے کے بعد میری بیوی کو زبردستی آغاخانی میری موجودگی میں میرے گھر سے اغوا کرکے لے گئے ہیں اور رمضان، قمبلی کے گھر قید کیا ہوا ہے میری بیوی سے میرے رشتہ دار ملنے گئے تو یہ بیان بنایا گیا کہ سلمہ حاملہ تھی اسی لئے ہم اس کی نگہداشت کے لئے لے آئے ہیں اور زچگی کے بعد زچہ اور بچہ دونوں کو عبدالکریم کے گھر بھیج دیا جائے گا۔ ۲۷ ستمبر کو میری بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ میری تمام کوششوں کے باوجود میری بیوی اور بچے کو جس بیجا میں رکھا ہوا ہے۔ عبدالکریم نے اپنی درخواست میں کہا کہ گل بانو عرف گلا بائی کے بے حد اصرار پر میری بیوی اور بچے کو گل مقتل کریم آباد میں لے گئے اور میری مسلمان بیوی کو بچے کے ساتھ تمام آغاخانی مشرکانہ اور کافرانہ رسومات ادا کی گئیں اور انہیں مزید مجبور کیا جارہا ہے عبدالکریم نے اپنی درخواست کی کاپی ۳۱ رجنوری کو آئی جی پولیس صوبہ سندھ، ڈی آئی جی پولیس اور ایس ایس پی ڈسٹرکٹ سینٹرل کو بھی روانہ کی ہیں اور درخواست کی ہے کہ مجھ اور میری بیوی بچہ کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

(ترجمہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رجسٹرڈ بیمہ شدہ مراسلہ:

بتاریخ ۲۷، رمضان المبارک سنہ ۱۴۱۰ ہجری (شب قدر)

۲۳، اپریل سنہ ۱۹۹۰ء

کھلا خط!

ایچ، آر، ایچ پرنس کریم آغاخان کے نام

شاہ کریم الحسینی

H.R.H. Prince Karim Agha Khan,
(Shah Karim Al-Hussaini)
49th Imam of the Shia Imami Ismailies',
Secretariat Son Altees L' Aga Khan,
AIGLEMONT 60270, GOUVIEUX,
FRANCE.

شیعہ امامی اسماعیلیوں کے انچاسویں امام حاضر،
سیکریٹریٹ سن الٹیز ایل، آغاخان
ایگلیمونٹ ۶۰۲۷۰، گووی یوکس، فرانس،

سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ،

میں ایک پیدائشی اسماعیلی ہوں اور پہلے اکثر و بیشتر جماعت خانے میں حاضری دیتا تھا جمعہ اور چاندرات کی مجالس میں توجہ سے وعظ

سنتا اور اس پر غور کرتا جو کچھ نہ سمجھ سکتا ہوں انہیں پڑھتا۔ اس کے علاوہ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کی مذہبی نشریات بھی دلچسپی اور توجہ سے سنتا، دیکھتا، اور پڑھتا۔ کبھی ترجمہ سے قرآن مجید اور دوسری کتابیں دوست احباب سے حاصل کر کے پڑھتا۔ اسی طرح تلاش حق میں یہ احساس ہوا کہ اگر میں اسماعیلی رہنا چاہوں تو مسلمان نہیں رہ سکتا اور مسلمان رہنا چاہوں تو اسماعیلی نہیں رہ سکتا۔!

جو کچھ اسماعیلی لٹریچر اور تشریحوں سے میں نے سمجھا تو یہ عقائد کہ آپ ہی کو اللہ ماننا چاہیئے آپ ہی کے احکام کو آخری ماننا چاہیئے پھر کیوں نہ وہ قرآن اور حدیث سے صریحاً متصادم ہوں، رسول کے طریقے کے برخلاف، پنج گانہ نماز فرض نہ ہونا، ماہ رمضان کے روزے اور حج فرض نہ ہونا، کعبہ میں علی کو سجدہ اللہ سمجھنا، حاضر امام یعنی آپ کو علی سمجھنا آپ سے گناہوں کی معافی طلب کرنا۔ یہ تمام باتیں قرآن اور حدیث کی کسوٹی پر پرکھنے پر فراڈ ثابت ہوتیں۔

تشریحوں کے وعظ کے مطابق اگر آپ خالق ہیں (نعوذ باللہ) تو مخلوق کی تمام بشری کمزوریاں آپ میں کیوں ہیں۔ مثلاً کھانا پینا، شادی اولاد ہونا، بیمار ہونا اور مرنا جینا وغیرہ۔ الغرض کوئی ایسی کمزوری نہیں جو مخلوق میں ہوتی ہو آپ میں نہ ہو اور آپ فطری تقاضوں سے کسی طرح پر آزاد بھی نہیں ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ بہت ممکن ہے کہ آپ کو بہت سی ایسی باتوں کا علم نہ ہو جو آپ کے بشری آپ کے بھائی، اسماعیلیوں کو سکھاتے اور سمجھاتے ہیں۔ مگر یہ ہے تو آپ کی ذمہ داری کہ آپنے پوری اسماعیلی قوم کو ایسے لیڈروں کے حوالے کر رکھا ہے اور خود اس سے بے خبر ہو کر کہیں ذاتی طور پر اٹینڈ (Attend) نہیں کرتے۔

آپ کے تمام فرامین صرف اور صرف صحت، تعلیم، تجارت اور سیاست سے متعلق ہوتے ہیں دینی معاملات پر آپ پراسرار طور پر خاموش رہتے ہیں اور کوئی دینی رہنمائی نہیں فرماتے حالانکہ آپ کو مذہبی رہنما کہا جاتا ہے اور آپ کا تعارف روحانی پیشوا کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ بہرحال مجھے اس سے کوئی غرض نہیں آپ جانیں اور آپکے پیروکار۔ میں نے اپنی مرضی سے اسماعیلی مذہب سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا ہے اور یہ میرا جمہوری حق ہے میرے اس "جرم" پر آپکے لیڈروں کی جانب سے مجھے شدید مالی، ذہنی جسمانی اور روحانی اذیتیں پہنچائی گئیں اور یہ سلسلہ جور و ستم ابھی تک نہ صرف یہ کہ جاری ہے بلکہ روز افزوں ہے اور ان سفاک درندوں کو اب بھی تسکین نہیں ہوئی۔

میں نے اسلام قبول کیا تو ان لیڈروں نے میری بیوی اور بچوں کو مجھ سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی مجھے غنڈوں سے پٹوایا۔ مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی قتل کی دھمکی دی نوکری سے نکلوا دیا۔ کرایہ کے مکان سے بے دخل کروایا۔ پھر جب میری بیوی نے اسلام قبول کیا تو اہل محلہ اور دیگر مسلمانوں کی موجودگی میں اس نے اسلام قبول کیا۔ جس پر باقاعدہ اسے "سند اسلام" جاری ہوئی۔ کریم آباد، اسماعیلیہ کاؤنسل والے میری بیوی اور بچے کو اغوا کر کے لے گئے اور انہیں ابھی تک مجھ سے چھپا رکھا ہے۔ پھر جب میں اپنے سسرال گیا تو مجھے ذلیل کر کے نکال دیا۔ اور بیوی بچوں سے ملنے نہیں دیا حالانکہ پرچہ کرائی تو میری کوئی سنوائی نہ ہوئی۔ الٹا مجھے بلوا کر خوف زدہ کرنے کی کوشش کی۔ ان تمام جرائم میں حیدرآباد اور کراچی کی اسماعیلیہ کاؤنسل کے کرتا دھرتا برابر کے شریک ہیں۔

باقی صفحہ ۴۶ پر

اللہ سے سارے کام ہونے کا یقین اور مخلوق سے کسی کام کے نہ ہونے کے یقین کو اپنانے کے لئے پکاریئے: یا اللہ مدد	دل کو زندہ کرنے کے لئے نماز پڑھئے۔ قرآن کا مطالعہ کیجئے
اہل حدیث کی آواز: قرآن و سنت کا نفاذ	یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ ~~سکون کیلئے مراقبہ کیجئے~~ صحیح نظریہ: سکون حاصل کرنے کیلئے نماز پڑھیئے

کھلا خط: صفحہ نمبر ۴۵ کا باقی

یہ اسماعیلی لیڈر اور مشنری جنہوں نے ہماری کمائی سے آپ کی عبادت کرنے کی فیس کا انتظام و منع کیا ہے یہ مشنری جماعت خانوں میں گلا پھاڑ پھاڑ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے امام میں حلول کیا ہے یعنی دنیا میں خدا آپ کے روپ میں موجود ہے لیکن عام مسلمانوں کے درمیان آکر انہیں سانپ سونگھ جاتا ہے اور گیگی بلی بن جاتے ہیں اور پھر تعلیم دیتے ہیں کہ ہمیں اپنا مذہب چھپانے کا حکم ہے گویا چوری کا مال ہے۔ بھلا جو شخص اپنے عقائد کو حق سمجھتا ہو وہ کھلے پلیٹ فارم سے اسکا اظہار کیوں نہیں کر سکتا؟ ظاہر کچھ، باطن کچھ یہ منافقت ہمارے مشنری سکھاتے ہیں۔

یہ لیڈر ہمارا بھی مال کھاتے ہیں اور آپ کا بھی اور ہمیں بھی دھوکہ دیتے ہیں اور آپ کو بھی۔ دنیا میں ایسا تو کوئی مذہب نہیں ہوتا کہ اپنے عقائد کو حق سمجھے اور پھر اسے چھپائے اور ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اظہار نہ کر سکے۔

مسجد کیطرف اٹھنے والے قدموں کو توڑ دینا یا انہیں جماعت خانے کی طرف موڑ دینا صرف ایک اللہ کے آگے جھکنے والی پیشانی کو آپکی چوکھٹ پر لاجھکانا۔ اللہ کے احکام کی بجاآوری آپ کے فرامین تسلیم کروانا۔ نماز، روزے حج اور زکوٰۃ کے بجائے ایک خود ساختہ متوازی شریعت کو مسلط کر دینا یہ سب کچھ مشنریوں اور اسماعیلی جماعت کے عہدیداروں کا محبوب ترین مشغلہ ہے اور طریقہ کار رہا ہے۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ اس پاپائیت کے باوجود ہر سال ہزاروں اسماعیلی آغاخانی مذہب کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکتے ہیں۔ اور دین حق اسلام قبول کر رہے ہیں۔!!

تمام مشنری صاحبان کے وعظ کے مطابق آپ کو علم غیب حاصل ہے خیر مجھے اس سے کیا۔ لیکن کم از کم ایک اچھے منتظم کی حیثیت سے آپ کو اپنے وزیروں، اہلکاروں اور جماعتی عہدیداروں کی حرکتوں سے واقف رہنا از حد ضروری ہے بہر حال آپکو باخبر کرنے کی غرض سے یہ چند حقائق پیش خدمت ہیں۔

میں صرف آپ سے اتنا ہی چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے ان لیڈروں کے ظلم سے بچائیں۔ اور میرے ساتھ انصاف کریں میں آپ سے کوئی احسان نہیں چاہتا صرف انصاف چاہتا ہوں۔ دنیا بھر میں آپکی انسان دوستی کا بڑا شہرہ ہے میں نے آپ سے کچھ زیادہ نہیں چاہا صرف انصاف مانگا ہے اس سے زیادہ میرا کوئی مطالبہ نہیں۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ آپکے ظالموں کے ہاتھ روکنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آپ کے جواب کا بے حد منتظر

فقط / طالب انصاف

مظلوم نومسلم

دستخط: عبدالکریم رجب علی۔

۱۲-۱ رقیہ اسکوائر بلاک ۱۲ فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸

اسلامی جمہوریہ پاکستان

نوٹ:

(تمام خطوط بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ارسال کئے جائیں)

(149)

روزنامہ نوائے صداقت کراچی
DAILY SAWA I SADAQAT KARACHI

ایڈیٹر، روزنامہ نوائے صداقت کراچی
۵۵۵ سنی پلازہ پانچویں منزل حسرت موہانی روڈ
آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

گلگت میں آغا خانی اسماعیلی ریاست کا قیام خارج از امکان قرار دیا گیا!

یوم علی کے موقع پر اسماعیلی فرقے اور اہلسنت جماعت کے حامیوں میں ٹکراؤ

اسماعیلی حکومت اس سال کے آخر تک اپنا ملیشیا، ویزا اور بینک قائم کریگی، ہماری حکومت کی سرحدیں چین، روس، افغانستان، بھارت کے ساتھ شمالی علاقہ جات ہیں۔

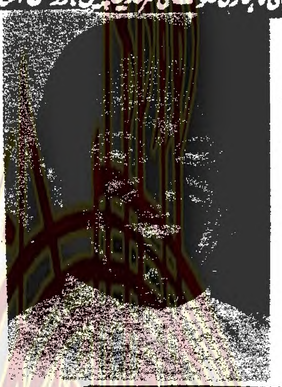

آغا خان نے ہمیں ... دیکھ کر پاکستانی حکومت ان کی طرح توجہ نہیں دے رہی ہے تو انہوں نے پاکستان کے سب سے بڑے تجارتی شہر کراچی کے لیے بھی آغا خان فاؤنڈیشن کے ذریعہ ترقیاتی اسکیمیں بنانے کا اعلان کیا جس میں سب سے بڑا آغا خان میڈیکل ہسپتال شامل ہے اس وقت آغا خان پاکستان کے چاروں صوبوں میں اپنے بڑے منصوبے مکمل کر چکی ہے پھیلا رہے ہیں انہوں نے مختلف تنظیمیں تشکیل دی ہیں اسی وقت مردوں کی تنظیمیں الگ اور عورتوں کی تنظیمیں الگ کام کر رہی ہیں ان تنظیموں میں ہر آغا خانی کو رکنیت فراہم کرکے ان کو شامل کیا گیا ہے، ان کا مقصد پاکستان کے تمام علاقوں میں آغا خانی نیشنلزم پھیلانا ہے کیونکہ یہ بھی لادین اور آزاد طبقہ ہے ظاہراً تو یہ اسلام کا چرچا کرتے ہیں لیکن ان کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، لوگوں کو بے دین بنانے کے لئے نئے نئے تجربات کئے جا رہے ہیں۔

استعمال کرنے کے بارے میں علماء کرام کے فتوے دے چکے ہیں آغا خانیوں کی ایک اسکیم جو کہ بہت خطرناک تصور کی جارہی تھی وہ یہ بھی کہ کراچی سمیت خصوصاً شمالی علاقہ جات کی سیٹیں ہر صورت حاصل کرنا ہیں اور آغا خانیوں نے چند دن پہلے شمالی علاقوں کے بعض حصوں کو اپنے نقشے میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا۔ چترال سے تعلق رکھنے والے شہریوں کے مطابق اسماعیلی طبقے کے کردار پر نظر دوڑاتے ہیں تو ان پر لگائے گئے الزامات حقیقت کے قریب تر نظر آتے ہیں اسی وقت کراچی شہر میں تقریباً ڈیڑھ سو ہزار خاندانوں پر مشتمل اسمٰعیلی خاندان کراچی کے بعض ساحلی علاقوں میں آباد ہیں اور جو کراچی کے سمندر کے قریب تر ہیں اور ان دنوں انہیں سمندری جزیرے قرار دیا جارہا ہے ان کے رہن سہن کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کبھی تنہا الگ نہیں رہتے اور یہ شہد کے چھتہ کی صورت میں ہر جگہ آباد ہیں، ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ جہاں بھی اپنا گھر تعمیر کرتے ہیں وہ قوم بڑھتی اور قدم کی صورت اختیار کرتا ہے۔

اس وقت وہ جماعت خانوں کی صورت میں عام لوگوں میں پھیلائے جاتے ہیں یہ انتہائی نظم و نسق سے آبادی کے تناسب سے برابر اضافہ کر رہے ہیں کراچی شہر کی سیاست کی جانب بھی یہ اتنہ رد فی طور پر اپنی تحریک چلاتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے دیکھ رہے ہیں، ایک حربے ان کی بستیوں کا کیا تو حیران رہ گئے کس تیزی سے انہوں نے کراچی شہر کے اندر اپنی کتنی آبادیاں قائم کر لی ہیں۔ سمندر کے نزدیک آباد بشیر حسان تالپور اعظم محمد علی جناح پیدا ہوتے تھے جیسے کھارادر کا نام دیا جاتا ہے تمام آغا خانیوں سے آباد ہے اور جماعت خانے کی صورت میں ایک محل

ہر ریاست کی طرح آغا خانی ریاست بھی اپنے قیام کے لئے پاکستانی عوام کو خدمت کے نام پر فریب دینے کی کوشش کر رہی ہے اور آغا خان پاکستان کے لئے کچھ خاص کرنا چاہتے ہیں جب کہ کرنے کو بھی خالی ہڈی نہیں سوجھتا۔ آج سے چند سال پہلے آغا خان نے پاکستان کے شمالی علاقہ جات کے انتہائی حساس علاقے جہاں چار ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں، چین، روس، افغانستان اور بھارت اپنی دولت کی طاقت سے یہاں کے غریب لوگوں کے ایمان کو کمزور کرنے کے لئے جو ترقیاتی کاموں کا جائزہ لے رہا ہے اس واقعہ اور آغا خان کی آئے دن ان علاقوں کے ترقیاتی کاموں میں خصوصی توجہ لینے پر ہمارا پورا موجود اہل سنت والجماعت کے لیڈروں نے کئی بار ان کے ترقیاتی کاموں کو آڑ میں مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنے پر ان کو للکارا جس کی وجہ سے گلگت میں کافی خرابی ہوئی جس کی تحقیقات علاقہ میں ہو رہی ہے۔

ام ہے اس کے بعد ملی مذکب، رنجھوڑن ٹی اور گارڈن ایسٹ اور شمار ٹاؤن ویسٹ میں ان کی اسکوائر سوسائٹیاں موجود ہیں ان میں ذاتی بنگلے سوسائٹی کے بنگلے ہیں خلیلی میں پرنس علی خان، پالیسٹم اور بلاک سوسائٹی البیلا سوسائٹی، الہلال سوسائٹی قاسم آباد میں گول مارکیٹ کے پاس، پیرالہی بخش کالونی میں اسین آباد نارتھ ناظم آباد بلاک نمبر ۱ میں فنکاری ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک نمبر ۱ میں حسن آباد، تمبرہ آباد نور آباد، کشمیر آباد میں علی آباد، رحیم آباد، اسکیم نمبر ۱ اور بے شمار دیگر سوسائٹیوں کے علاوہ گلشن ہاشو آباد گلشن اور نقیہ بنگلے جب کہ کورنگی، ملیر کی آبادیاں شامل ہیں۔

اس وقت اتی کی آبادی کا تقریباً اندرون سندھ تک وسیع ہو گیا ہے جو ضلع کا سرحد، حیدرآباد، سکھر خیرپور ناتھو آدم، ٹنڈو الہ یار اس کے علاوہ چھوٹے بڑے شہروں میں وسیع تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں ملتان اور پنجاب میں پوری قوم آغا خانی ہے اس کے علاوہ سرگودھا لاہور، فیصل آباد میں بھی بہت بڑی تعداد شامل ہے پنجاب میں ہر بار زیادہ تر لوگ اپنے آپ کو شیخ کہلاتے ہیں جب کہ یہ سندھ میں خوجے کہلاتے ہیں اس وقت پشاور اور دوبان میں بھی ہزاروں کی تعداد میں آباد ہیں۔

اس وقت چترال کی کل آبادی ساڑھے تین لاکھ بتائی جاتی ہے اس وقت اسی کی چھ گھلیاں ہیں آغا خانی کے قبضے میں ہیں، اور ان میں تقریباً ۹۹ فیصد گجر آغا خانی کے ہیں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اپر نے اس پورے علاقہ آبادی کا نام تبدیل کر کے آغا خانی کے نام کر دیا ہر رکھ دیا ہے۔ گجرات کی آبادی اندازاً چار لاکھ پر مشتمل ہے ان کے تین فیصلوں میں، ۷ فیصد آغا خانی آباد ہیں اس کے علاوہ بعض ذرائع کے مطابق پونیال اشکومن، گوپس، یاسین، مستوج، چیلاس، داس، سرتچی وغیرہ کے تمام علاقے چترال سے ملتے ہیں اور یہ تمام سرحدی علاقے ہیں جو اسماعیلی فرقہ آبادی کے قبضہ میں ہیں جہاں تک روخان سے یہ تمام علاقے بہت قریب تر ہیں جیسے کہ واخان، بدخشاں اور پامیر کا علاقہ ایک بہت نازک خطہ ہے جہاں روس افغانستان چین اور پاکستان کی حدیں ملتی ہیں لہٰذا روس نے واخان کا علاقہ اس لئے افغان حکومت سے تحریری طور پر حاصل کر لیا ہے کہ وہاں آغا خانی آبادی موجود تھی اور لوگوں نے انکا کہنا ہے کہ افغان صوبہ غیخان اور دیگر گرما علاقوں میں کی لاکھ اسماعیلی آباد ہیں گوشیر میں سیاچن کا حصہ ہزارہ، پھونیان، یاسین، گلگت، چترال کے مستوج لوئر اور بیرونیل اہمیت رکھتے اور سلطنت برطانیہ علاقے مثلاً واخان، پامیر، بدخشان، اگران، اجنان، شغنان، اشکاشم اور نزدیک کی سارا علاقہ رقبہ کے لحاظ سے افغانستان کے برابر ہے اس لئے اسماعیلی فرقہ اپنے پیشوا، شہزادہ پرنس کریم خان پہام کی رہائی میں ایک اسماعیلی ریاست کا جو خواب دیکھا بار بار اتا اس کی تعبیر کچھ، (فی قبل جوغرافیہ کی صورت میں پیش کی گئی وہ یقیناً ہیں، اور آغا خانی کی شمالی علاقہ جات یہ تو آتی کہیں شامل ہیں وہ بھی اس ریاست کے تمام کا حصہ ہے؟

اس ریاست کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس ریاست کو جو پاکستان کے بعض شمالی علاقوں کے حصہ پر مشتمل ہے رقبہ کے اعتبار سے افغانستان کے برابر ہے اس ریاست

ہفت روزہ جسارت کراچی نقطہ نظر

جلد نمبر ۱۳ پوسٹ بکس نمبر ۸۴۹ قیمت ۱۰ پیسے
جسارت
۱۳ تا ۱۹ ذوالحجہ ۱۴۰۵ھ ۲۴ تا ۳۰ اگست ۱۹۸۵ء

نقطۂ نظر
اے میری قوم! گواہ رہنا

الحمدللہ ہم نے شہادت گواہی دی اور اعلان کیا کہ ہم نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ ہم مسلم قوم ہیں۔ اسماعیلی دین جماعت اسلام وطن ہمارا پاکستان ہم اللہ، اس کے رسول کا شریک بنا ایمان رکھتے ہیں۔ اسی کتاب کو قرآن کہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے کہ وہ کتاب آسمانی تسلیم کرتے ہیں ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ اہل بیت اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے نقش قدم کو مانتے چلتے ہیں یہ ہیں وہ بنیادی اصول جن کے لئے اسلام نے ورثہ ازلی تعلیم دی ہے۔

۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ ہمارا سلام ہے اور اس کا جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاتہٗ ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اقرار ہمارا کلمہ ہے۔ ہم سنت رسول کے پیرو مطیع و فرمانبردار ہیں جس سے ہمیں طہارت حاصل ہوتی ہے۔ ہم اپنی صدقے کے لئے ہمیشہ یا اللہ پکارتے ہیں۔ قبلہ رخ کے نماز پنج وقتہ ہم اذان دیتے بلند بانگ جماعت سنت رسول کے مطابق مقررہ وقت پر ادا کرتے ہیں خاتم اللہ کے علاوہ نماز جنازہ کی تکبیر، رکوع، سجدہ اور قعدہ کی ترتیب سے ادا کرتے ہیں۔ کیوں کہ نماز کی ادائیگی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ۔۔ حج کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ ۔۔ ہم ہل بیت رسالت اور صحابہ کے روزے سنت رسول کے مطابق فرض کے

باقی صفحہ نمبر ۱۳۶

اور ان کے عبادت خانوں میں عام آدمیوں کا داخلہ کیوں نہیں جیسے پاکستان میں رہنے والے دوسرے مسلمانوں کو یہ عبادت خانوں تک کسی کو اسے جانے کی روک ٹوک نہیں آغا خانیوں کے عبادت خانوں میں کیوں یہ مخالفت ہے پرنس کریم آغا خان کو کروڑوں روپیہ کھیلنے ہیں ان تمام حالات کے بارے میں اور اسماعیلی فرقہ کی خدمت کیفی کے بارے میں آئندہ تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

راولپنڈی رخابندہ خصوصی) قوس کشمیر کا خوفناک شعلہ معاہدے کو سرد کر دیا گیا کہ یہ معاہدہ اب اپنی افادیت کھو چکا ہے

دعاء

ہر آغاخانی مسلمان پر فرض ہے تین وقت کی دعا
جماعت خانہ میں آکے پڑھے، پانچ وقت فرض نماز کے بدلہ میں

جملہ حقوق محفوظ

۲۱ مارچ سنہ ۱۹۷۰ء ۵۰۰۰

شائع کردہ
اسماعیلیہ ایسوسی ایشن پاکستان
کراچی

آغاخانیت کیا ہے؟

آغاخانی عقائد و نظریات کا آئینہ
آغاخانیوں کی مستند کتابوں کے حوالوں سے

مرتب
فیض اللہ چترالی

ناشر
سوادِ اعظم اہلسنت چترال۔ پاکستان

ملنے کا پتہ
مکتبہ اہلسنت
دارالعلوم تعلیم القرآن۔ پاڑہ گیٹ
پشاور۔ صدر

Sedan

[illegible] ને સેહરાસે જિસને ફ્રમાકી અસ્તનતકે: ઉલટ દીમાના
[illegible] હર યે મુસ્સીધાસે મંધને વા [illegible] ફિ હોશિયાર હોના

મંગળવાર તા. ૧૭મી ડીસેમ્બર, ૧૯૮૫

પ્રીન્સેસ યાસ્મીનને અવતરેલું બાળક

ન્યુયોર્ક : પ્રીન્સ અલીખાન અને ફ્રેન્ચ એક્ટ્રેસ રીટા હેવર્થની પુત્રી શાહઝાદી યાસ્મીને પુત્રને જન્મ આપ્યો છે. તેના પ્રીઠ જહાજ પતિ સાથે લગ્ન થયા હતા પણ એ પતિથી અલગ થઇને ન્યુયોર્ક ચાલી ગઇ હતી જ્યાં એની ૧૨ વર્ષની મા રીટા બીમાર છે.

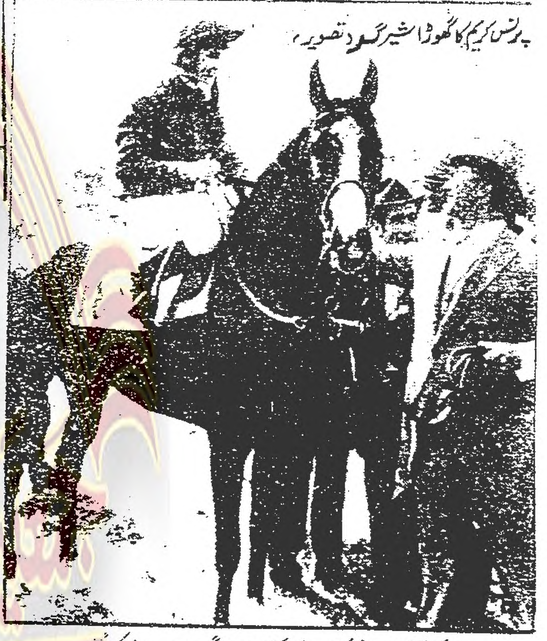

પ્રીન્સ કરીમ કા ઘોડા શીર ગુડ (તસ્વીર)

પ્રીન્સ કરીમ પોતાના ઘોડા શીર ગુડ સાથે દોડ સ્પર્ધામાં ઉતર્યા છે

تیسرا درجہ

پہلا سبق

ہم امامی اسماعیلی "امامِ حاضر" کے مُرید۔ خدا کا نور جو "امامِ حاضر میں" روشن ہے اُس کو سجدہ کرتے ہیں۔

حوالہ:۔ سبق I صفحہ نمبر ۴ شکشھن مالا III
منظور شدہ درسی کتاب برائے ریلیجس نائٹ اسکولز۔
یکے از مطبوعہ اسماعیلی ایسوسی ایشن برائے انڈیا۔ بمبئی۔

ہم نور پرست ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا نور پر ایمان ہے اور اسی نور کو ہم سجدہ کرتے ہیں۔

حوالہ:۔ سبق نمبر ۱ ، صفحہ نمبر ۵
شکشھن مالا نمبر ۳
منظور شدہ درسی کتاب برائے ریلیجس نائٹ اسکولز
یکے از مطبوعات اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے ہند۔ بمبئی۔

આપણે ઇમામી ઈસમાઇલીઓ હાજર ઈમામને મુરીદ, ખુદાઇ નુરને કે જે આપણા હાજર ઇમામમાં રોશન છે, તેને સીજદો કરીએ છીએ. આપણે નુર પરસ્ત છીએ, કારણ કે આપણે નુરને જ માનીએ છીએ અને નુરને જ સીજદો કરીએ છીએ

(૫)

આપણો ઈસમાઇલી દીન–મઝહબ ખુદાઈ નુરની ખરી ઓળખાણ આપનારો દીન છે. જેથી આપણા દીન–મઝહબનો આપણે અભ્યાસ કરવો જોઈએ.

એ નુર પ્રત્યે જે ચાહના રાખે છે અને એ નુર શું છે તેની જે શોધ કરવાની ઝંખના કરે છે તેના ઉપર ખુદાતઆલાની મહેરબાની ઉતરે છે.

ખુદાએ કલામમાં ફરમાવ્યું છે કે "ખુદાતઆલા જેના ઉપર ચાહના રાખે છે તેને પોતાના નુર વડે હિદાયત કરે છે." એ હિદાયતથી આપણને ખુદાઈ નુરનું જ્ઞાન થાય છે, અને એ નુરની આપણે ઈમામે જમાનથી જ ખરી ઓળખાણ કરી શકીએ છીએ.

نمازی اسماعیلی خدمت کمیٹی

اصلاحِ عقائد اور خدمتِ خلق کی ایک انقلابی تحریک

اسی طرح مسلمان پاکستان کی آبادی کا نہایت خاموش اور پُرامن حصہ ہیں۔ بلوچستان اور کاروبار کا پیشہ ہے ان کے عقائد، رسم و رواج، عبادت، رہن سہن کے بارے میں لوگوں کو عام طور سے کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ کراچی اور ملک کے دوسرے شہروں میں ان کی عالیشان بستیاں اور جماعت خانے ہیں جن میں یہ لوگ نہایت خاموشی کے ساتھ اپنی معاشرتی اور مذہبی سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔ بنیادی پاکستان میں اسماعیلی مسلمانوں خصوصاً آغا خان کے اس وقت کے امام پیشوا جناب سلطان محمد شاہ آغا خان کا کردار نہایت نمایاں اور قابلِ قدر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیلی آج بھی اچھے اور محبِ وطن پاکستانی ہیں اور ملک کی تعمیر و ترقی میں پورے جوش کے ساتھ اپنا حصہ ادا کر رہے ہیں۔ ان کے مروجہ عقائد کے بارے میں اگرچہ تفصیلات کا حاصل کرنا دشوار ہے لیکن سلطان محمد شاہ آغا خان کے ایک ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اصل عقائد عام مسلمانوں سے مختلف نہیں ہیں۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے تحریکِ آزادی کے دوران ایک موقع پر مسلم لیڈروں پر زور دیا کہ وہ اس اعتراض کے جواب میں کہ اسماعیلی مسلمان نہیں ہیں، آغا خان کی اس مضامت کو اسماعیلیوں کے بنیادی عقیدے کے دست ہونے کے تحت کے طور پر پیش کیا۔ آغا خان کا یہ بیان روزنامہ ارشاد حیدرآباد کی ۱۳ مارچ ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا اور خطوطِ اقبال نامی کتاب کے صفحہ ۱۴۹ پر درج ہے۔

قرآن بھی نادرکی ریکارڈ کے مطابق موجود ہے۔ یہ دراصل اپنے پیروؤں سے آغا خان کے خطاب کا ایک حصہ ہے جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

"گواہ رہو کہ اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ کعبہ سب کا قبلہ ہے۔ تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ مسلمانوں سے السلام علیکم کہہ کر ملو۔ اپنے بچوں کے اسلامی نام رکھو۔ مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں باجماعت نماز پڑھو۔ باقاعدگی سے روزے رکھو۔ اسلامی قانون نکاح کے مطابق اپنی شادیاں کرو۔ تمام مسلمانوں سے اپنے بھائیوں کی طرح برتاؤ کرو۔"

(خطوطِ اقبال صفحہ ۱۴۱)

آغا خان کے اس ارشاد کی روشنی میں چند برس پہلے کراچی کے ایک باشعور اسماعیلی مسلمان جناب اکبر علی غلام حسین نے اپنے اسماعیلی بھائیوں میں فرقہ واریت کے اس غلط خاکہ کی اصلاح کی تحریک شروع کی جو مختلف وجوہ سے رائج ہو گئے ہیں انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سب سے پہلے توحید کا شعور عام کیا اور قرآن و حدیث اور عقل و دل سے منہ پھیر لیا کہ اللہ کو خالق و مالک سب جاننے کے بعد کسی اور کے آگے سجدہ کرنا یا کسی اور سے دعائیں مانگنا یا خیال رکھنا کہ اللہ کے سوا بھی کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ خالص شرک کا خیال ہیں اور ایمان و اسلام کے قطعی منافی ہیں۔ اسی طرح انہوں نے قرآن و سنت سے ثابت کیا کہ فرض نمازوں کے بارے میں یہ تصور کہ وہ صرف تین وقت کی ہیں بالکل بے بنیاد ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے دن رات میں پانچ نمازوں کا حکم دیا ہے اور ہر مسلمان پر ان کی ادائیگی فرض ہے۔ جناب اکبر علی کا خلوص رنگ لایا۔ ان کی باتوں نے دلوں میں گھر کیا اور بہتوں نے گروگ آنے گئے اور کاروان بنتا گیا اور آج خدا کے فضل سے صرف کراچی میں ایسے ہزاروں اسماعیلی موجود ہیں جو صحیح العقیدہ مسلمان بن چکے ہیں یہ لوگ عام مسلمانوں

باقی صفحہ نمبر ۱۵۴

(۱) پہلا اوتار شاہ نے مچھلی کے رُوپ میں لیا۔ "دیو" سنکھا سر کی گردن مروڑ کر شاہ نے مار ڈالا اور چاروں وید اُس سے لے آئے۔

(۲) دوسرا اوتار کچھوے کی شکل میں لیا اور دیو "دھوکنک" کو مارا اور پوری دنیا کا بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھایا۔

(۳) شاہ نے تیسرا اوتار واراہ (سُور) کے رُوپ میں لیا اور شاہ نے "ہور" دیو کو مارا اور دیو "ہرناکش" کو بھی مارا اور "پرھلاد" اور پانچ کروڑ مریدوں کو نجات دلائی۔

(۴) شاہ نے چوتھا اوتار "وامن" کے رُوپ میں لیا اور "دیو بلی" کو ہلاک کیا۔

(۵) شاہ نے "پرشورام" کے رُوپ میں پانچواں اوتار لیا اور "شیسترارجن" دیو کو مارا۔

(۶) چھٹا اوتار شاہ نے "رام" کے رُوپ میں لیا۔ اور دس سر والے "راون" دیو کو ہلاک کیا۔ سیتا کو آزاد کرایا اور راجہ "وِبھشن" کو "لنکا" کا راجہ بنایا۔

(۸) آٹھواں اوتار شاہ نے "کرشن" کے رُوپ میں لیا "نند" کے گھر پیدا ہوئے۔ کالے مہیب ناگ کی ناک میں نکیل ڈالدی اور دیو "کنسا سُور" کو مارا

(۹) شاہ نے "بلرام" اوتار "بُدھ" کے رُوپ میں لیا۔ اور دیو "دریودھن" کو ہلاک کیا۔ پانچ پانڈوؤں کو بچایا اور راجہ "یودھشٹر" کو نو کروڑ مریدوں کے ساتھ نجات دلائی۔

(۱۰) آخری دسویں اوتار میں "علی" کے رُوپ شاہ ظہور میں ہیں۔

حوالہ :- گنان نمبر ۴۱ صفحہ نمبر ۴۶ مقدس گنان کا مجموعہ۔

مرتبہ : پیر شمس یکے از مطبوعہ اسماعیلیہ ریلیجس بک ڈپو۔ بمبئی۔

اسماعیلیہ نمازی خدمت کمیٹی

درس قرآن کے پروگرام میں ایک ہزار افراد نے شرکت کی

اسماعیلیہ نمازی خدمت کمیٹی، اسماعیلی مسلمانوں میں اصلاح عقائد اور عشق اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لیے کام کر رہی ہے۔ ہم نے ایک گوشۂ اشاعت میں اس کا مختصر تعارف کرایا تھا۔ آج اس تنظیم کے ایک پروگرام کی رپورٹ پیش کی جا رہی ہے۔ جو اگرچہ تاخیر سے شائع ہو رہا ہے مگر اس کی افادیت اپنی جگہ برقرار ہے

اسماعیلیہ نمازی خدمت کمیٹی کی طرف سے امسال بھی حسب روایات تمام نمازی اسماعیلی بھائیوں کو بروز جمعہ ۳۱ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ (بمطابق ۲۳ جولائی ۱۹۸۱ء) افطار پارٹی پر مدعو کیا گیا۔ اگرچہ اس روز کراچی میں سخت بارش ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود افطار پارٹی میں توقع سے زیادہ حاضرین تھے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کی کُل حاضری ایک ہزار سے زیادہ تھی۔

اس افطار پارٹی کا اہتمام "نیشنل پیپلس" بالمقابل خوجہ جماعت خانہ کریم آباد میں روڈ کراچی میں کیا گیا تھا۔ یہ ایک وسیع و عریض جگہ ہے جس میں خواتین اور مردوں کے لئے اسلامی روایات کے مطابق علیحدہ علیحدہ انتظام کیا گیا تھا۔ جہاں مرد اور خواتین پانچ بجے شام ہی سے آنے شروع ہو گئے تھے۔

کارروائی کا آغاز درس قرآن مجید سے کیا گیا۔ مولانا صلاح الدین صاحب نے اپنے درس قرآن میں بتایا کہ:

"رمضان شریف کے مہینے میں اس لئے فرض کئے گئے ہیں کہ ہم اس کی اطاعت کر کے تقویٰ کی صفت پیدا کریں۔ اسی طرح قرآن پاک سے ہی لوگ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔ جن کے اندر تقویٰ کی صفت پائی جائے۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ تقویٰ در اصل دل کی اس کیفیت کا نام ہے کہ وہ دل تلاش حق کی جستجو میں لگ جائے وہ لگ کو جنہوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہ ہو کہ خدا کی بندگی کا صحیح طریقہ کیا ہے اور حق کیا ہے؟ تو ہمیں ایسے تمام لوگوں کے لئے ہدایت کے راستے بند کر دیئے ہیں۔ مولانا موصوف نے قرآن پاک کی اس آیت۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (ترجمہ:۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو) یعنی اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت غیر مشروط ہے لیکن صاحب امر کی اطاعت مشروط ہے بالفاظ دیگر اگر وہ تم کو اللہ اور رسول کے احکامات کے خلاف حکم دیتا ہے تو تم پر اس کی اطاعت فرض نہیں بلکہ اگر اس کی اطاعت کرو گے تو اس کی سزا کے مستحق ہو گے۔

مثلاً نماز کا حکم ہے اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ وقت نماز پڑھ کر بتائی ہے۔ اب اگر تمام صاحب امر امام تین وقت کی نماز بتاتا ہے اور اس طریقہ سے نماز ادا کرنے کو نہیں بتاتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی ہے تو ہم کو اس کے حکم کو قرآن پاک اور حدیث شریف کی کسوٹی پر دیکھنا چاہیئے۔ اگر قرآن اور حدیث سے اس صاحب امر امام کا حکم غلط ثابت ہوتا ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر عمل کرنا چاہیئے۔

"لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق"

"یعنی اللہ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے"

بھیجے بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ سوائے اللہ کی ذات کے تمام اشیاء مخلوق ہیں۔

مندرجہ بالا آیات کی مزید تشریح کرتے ہوئے مولانا صلاح الدین نے فرمایا کہ صرف انبیاء علیہ السلام ہی معصوم ہیں کیونکہ ان کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی رہنمائی حاصل رہی ہے۔ انبیاء کے سوا دیگر مخلوق میں سے کوئی اور معصوم نہیں ہے یعنی اس کے فیصلے اور خیالات سے قرآن و حدیث کی روشنی میں اختلاف کیا جا سکتا ہے اور جو فیصلہ اللہ اور اس کا رسول دے صرف اس کو حرف بحرف تسلیم کیا جائے گا۔ مولانا موصوف نے تمام سامعین کی تسلی بات کی دعوت دی کہ وہ تمام قسم کے تعصبات سے پاک ہو کر خالصتاً متلاشی حق کی جستجو کی نیت سے قرآن مجید کا مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائے گا۔

تعارف : درس قرآن کے پروگرام۔

روزنامہ جسارت کراچی ۲۸ اگست ۱۹۸۱ء

آغاخانیوں کے انچاسویں امام پرنس کریم آغاخان سے جواب دیں

- کیا آپ مسلمان ہیں ؟
- اگر مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے تو مسلمانوں کی طرح نماز روزہ اور حج وزکوٰۃ کے کیوں قائل نہیں ۔ چنانچہ آپ کے جماعت خانے میں نہ کبھی اذان ہوتی ہے نہ نماز پنجگانہ ، نہ آپ کے جماعت خانے قبلہ رُخ ہیں ، آپ کے مرید نہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں نہ بیت اللہ شریف کا حج کرتے ہیں ؟
- کیا یہ واقعہ نہیں کہ آپ کے جماعت خانوں میں قرآن کے بجائے " گنان " پڑھائی جاتی ہے اور اس کو قرآن کا درجہ دیا جاتا ہے ؟
- آپ کے مُرید بتاتے ہیں کہ امام زمان نے ہمیں روزہ اور نماز معاف کر دیا ہے ، کیا امام خدا کے احکام کو منسوخ کر سکتا ہے ؟
- جماعت خانوں میں آپ کے مُرید آپ کی طاعت وسجود بجالاتے ہیں ، آپ سے دعائیں مانگتے ہیں اور آپ سے گناہ معاف کرنے کی درخواستیں کرتے ہیں ۔ کیا یہ وہی کام نہیں جو مشرکین بتوں کے ساتھ کرتے تھے ۔ اور کیا یہ بعینہٖ بت پرستی نہیں ؟
- جماعت خانوں میں آپ کے نمائندے (مکھی) گرانقدر معاوضہ لے کر آپ کے دم کئے ہوئے آب شفا سے چھینٹے مار کر لوگوں کے گناہ آپ کی طرف سے معاف کرتے ہیں کیا آپ یا آپ کے نمائندے گناہ معاف کرنے کی طاقت رکھتے ہیں جبکہ قرآن کریم میں ہے ۔

" اور کون بخش سکتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا "

- آپ کے اور مسلمانوں کے درمیان کونسی قدر مشترک ہے جسکی بناء پر آپ مُسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ؟
- تمام مذاہب کے عبادت خانے بلا تخصیص مذہب عام لوگوں کے لئے کھلے ہوتے ہیں آپ کی جماعت خانے کیوں بند ہیں ؟
- آپ کے عقائد عام لوگوں سے مخفی کیوں ہیں ؟
- اسلام کے خلاف سازش برپا کرنے والی اسماعیلی تحریکیں شلا قرامطہ اور ملوث کے فدائین سے آپ کا کیا تعلق ہے ؟

براہ مہربانی ان سوالوں کے جوابات ریڈیو ، اخبارات یا مطبوعہ اشتہار کے ذریعے دیجئے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اپنے مریدوں کی مذہبی پوزیشن واضح کریں ۔

منجانب :- **جمعیت طلباء اسلام چترال (پاکستان)**

صفحہ نمبر ۱۵۱ کا بقایا۔

because God's image on earth is the present Imam.

- Present Imam is the source of guidance instead of the Quran.
- Daily sins can be pardoned by sprinkling water by the priest of the Jama't Khana.
- If one fails to attend three daily prayers one can be pardoned by paying some money to Jama't Kahana on Friday and drinking and sprinkling some water from there. If one fails to do so on a Friday one may give some extra money and whole month's sins will be pardoned by doing so.
- Various rates are paid to get light of Imam annually, or twelve yearly or life long membership.
- Some fixed amount is paid once in the lifetime to Jama't Khana for the present Imam's mediation on the Day of Judgement.
- Salutations are Ya Ali Madad in reply is said Maula Ali Madad.

Information on faith is derived from advertisement by Ashiq Ali (President) V.H.R.H. Prince Agah Khan, Federal Council for Pakistan Religious Committee, published as such without addition or subtraction by 'Sirat e Mustaqeem' Birmingham, England

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درود پڑھیے، ضرور پڑھیے، مگر درودِ رسول پڑھیے

صحابہ کرام نے جب آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا، درود کیسے پڑھیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف یہ پڑھو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

(بروایت بخاری و مسلم)

FOURTYNINTH IMAM OF THE AGAKHANIS.
PRINCE KARIM AGAKHAN PLEASE REPLY

153

خبردار

اب سے ۱۳ سو سال پہلے کے زمانے کو پیش نظر رکھ کر آیت کی مناسبت سے ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر غور کریں۔

رب العالمین نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا:

فَرَبُّکَ الْمُشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا ۝ المزمل ۹

ترجمہ: وہی مشرق اللہ علیہ کا رب ہے، اس کے سوا کوئی نہیں، اسی کو اپنا حامی و مددگار بنا لو

1. Are you Muslim. ?

2. If you and your followers claim to be Muslims, then why you and your followers do not follow the basic tenets of Islam viz. Namaz, Rojah, Zaqat and Haj. Why Azan has never been heard from the Jamatkhanas nor the same are constructed facing Baitullah, the Qiblah nor the five times cannonical prayers have ever been held. Your followers do not observe the Ramzan fasts nor they perform the Pilgrimage of Haj.

3. In your Jamatkhanas Ginnans are read instead of Quran and these Ginans are held in equal esteem that of the Quran.

4. Your followers say that their Imam has freed them from the bounden duties of Namaz, Roza, Zaqat and Haj, Sir, have you got the power to ammen, alter or repeal the commands of Allah the Almighty. ?

5. In your Jamatkhanas your followers perform Sijdah to your photos and invoke you to forgive their sins ; these are the same rituals that were performed by the Mushrikeens. Sir, is this not the open Shirk. ?

6. In the Jamatkhanas, on payment of monetary sums, the Mukhi forgives the sins of your followers on your behalf. Have you got the power to forgive the sins. Where as Allah has ordained in his Quran "who is there besides Allah that can forgive the sins".

7. There is not the slightest similarity in the teachings of Islam and the teachings of your cult, then on what basis you claim to be the Muslims. ?

8. All the places of worship in Islam are open all the Muslims, why your Jamatkhanas, the only places of worship that your followers have, are closed to the common Muslims. ?

9. Why secrecy shrouds your, and yours followers beliefs.?

10. How you are related to the secretive and conspirative movements against Islam viz. the Karamathians, the Fidayeens, the Assassins of Alamut.

It will be a great obligation for all including your followers if the answers to these questions are published, relayed and televised.

JAMIAT TALBA-E-ISLAM CHITRAL PAKISTAN

بقیہ:۔ آئینہ

وغیرہ کا انتظام سب بہاری ذمہ داری ہے۔ ویسے تو اسماعیلی اپنی آمدنی کا دسواں حصہ آغا خان کو ذاتی ٹیکس کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لیکن افغانستان کے متعلق آغا خان کا حکم ہے کہ سید منصور اس مذہبی ٹیکس سے جتنی رقم چاہے اسماعیلی گرفتہ کی فلاح و بہبود پر خرچ کر سکتا ہے۔

کیان میں پچاس بستروں کی گنجائش کا ایک ہسپتال بھی ہے جس میں اکثر مریض ہیروئن کے عادی ہیں۔ ہسپتال کی ڈاکٹر سیما یونس نے بتایا کہ "یہ اس وجہ سے ہے کہ جنگ کے باعث خاندان منتشر ہو گئے ہیں۔ ہمارے ہسپتال میں ایک تیس سال کا بچہ بھی ہے جو نسوار سونگھنے کا عادی ہے۔" سید جعفر نے بتایا کہ اس ہسپتال میں صرف اسماعیلی ہی نہیں بلکہ ایسے زخمی مریض بھی ہیں جو لڑائی میں حکومت کے ساتھ یا اس کے مخالف تھے۔ کیان میں ایک جیل خانہ بھی ہے۔ ہمارے وہاں قیام کے دوران اس میں چالیس قیدی تھے، جن میں افغان مجاہدین کے علاوہ قبائلی دشمن اور قتل کے مجرم بھی بند تھے۔ جنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند ان مجرموں کے ساتھ مغربی ممالک کی جیلوں کے مقابلے میں نرمی برتی جاتی ہے۔ ایک قیدی نے اب تک چار قتل کئے تھے اور اُسے صرف چھ سال کی سزا ملی تھی جو بظاہر بہت کم ہے۔

سید جعفر کے ساتھ کیان کے علاقے میں گھومنے کے دوران مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ایک عام فوجی سپہ سالار نہیں ہے۔ افغانستان میں شاید چند ہی ایسے افراد ہوں گے جو یہ کہہ سکیں کہ "گذشتہ تو مجاہدین کے ساتھ کرتے ہیں اور دوپہر کا پانچ روسیوں کے ساتھ اُڑاتے ہیں جو سید جعفر کا روزمرہ کا معمول ہے۔

افغانستان کی اسماعیلی ریاست کے نوجوان رہنما نے منڈے میگزین کے نمائندے کو بتایا کہ پہاڑوں پر اُن کی فوجی چوکیاں مجاہدین کے حملوں سے مدافعت کرتی ہیں۔ اُن کے قبضے میں ایک بڑی شاہراہ بھی ہے جسے "پرانی سڑک" کہتے ہیں جس کے ذریعے پاکستان سے مجاہدین کو امداد پہنچتی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم نہ چاہیں تو مجاہدین کو اسلحہ نہیں پہنچ سکتا۔

کیان کی سرحد پر سید جعفر کی علاقات جنبِ اسلامی گروپ کے مجاہدین سے بھی ہوئی جو پاکستان جا رہے تھے اور قریب ہی اسماعیلی مسلم انسرجنٹ سے لڑے ہوئے مجاہدین کی ٹرک کا معائنہ کر رہے تھے۔ سید جعفر نے کہا "ہم ہر ایک کے دوست ہیں۔ کیان میں ہر ایک خاص محل ہے، جہاں ہم روسیوں کی دعوت کرتے ہیں۔ اس محل میں چند کمرے مجاہدین سے ملاقات کے لئے بھی مخصوص ہیں۔ ہمارا مجاہدین سے معاہدہ ہے لیکن کبھی کبھی اُن سے لڑنا بھی پڑتا ہے۔ ہم کسی کو جان سے مارنا نہیں چاہتے لیکن اگر ضرورت پڑے تو ایسا بھی کرنا پڑتا ہے۔"

جنگ کی وجہ سے افغانستان میں ہر طرف تباہی ہے۔ دس لاکھ افراد مارے گئے۔ کتنے ہی افغان خاندان برباد ہوئے۔ ہر طرف تکلیفیں اور مصیبتیں ہیں لیکن یہ جنگ اور روسی جارحیت، اسماعیلیوں کے لئے ایک طرح سے باعثِ برکت ہے۔ روسی جارحیت سے قبل افغانستان کی سب حکومتیں یہاں تک کہ ظاہر شاہ بھی تمام اسماعیلیوں کو افغانستان سے نکال دینے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔

افغانستان کے سابق صدر برہان الدین ربانی نے اسماعیلیوں کی ضبط شدہ املاک واپس کر دیں۔ اور اب روس کے حمایتیوں نے ان کو اسلحہ بھی فراہم کیا ہے تاکہ وہ ایک مضبوط فوجی طاقت بن جائیں۔ لیکن اسماعیلی فوج جو ٹینکوں، بکتر بند گاڑیاں اور مشین گنیں وغیرہ استعمال کرتی ہے، وہ سب کی سب صرف روسیوں سے ہی حاصل نہیں کرتے بلکہ سید جعفر کے بقول "ہم مجاہدین سے بھی اسلحہ وصول کرتے ہیں۔"

جنگ افغانستان میں اسماعیلیوں کے کردار اور مستقبل کے حوالے سے اسماعیلی ریاست کے نوجوان رہنما سید جعفر نے جب بی بی سی کے نمائندے کو بتایا "افغانستان میں جنگ سے قبل ہم اپنی حفاظت بھی خود نہیں کر سکتے تھے لیکن یہ جنگ ہمارے لئے سونے کا موقع ثابت ہوئی ہے۔ اب ہمارے پاس بہت سا اسلحہ ہے۔ افغانستان میں آئندہ خواہ کوئی بھی حکومت ہو، اُسے آغا خان اسماعیلی طاقت سے تعاون کرنا ہوگا۔"

افغانستان کی اس جنگی کشمکش میں جب کہ لوگوں کی وفاداریاں منقسم ہیں، سید جعفر اور اس کا باپ نجیب اللہ کی حکومت اور مجاہدین کے درمیان ایک رابطہ ہے اور کیان ایک پُرامن علاقہ ہے، جسے افغانستان کا سوئٹزرلینڈ بھی کہہ سکتے ہیں۔

یہاں ہم نے ایک نامکمل کی دعوت کی فلم بھی بنائی، جس میں کئی مجاہدین لیڈروں کے علاوہ شوریٰ افغان کے دائمس کمانڈر سید علی مرتضوی اور جمعیتِ اسلامی کے پروپیگنڈہ سیکریٹری آصف جوہری بھی موجود تھے۔ سید جعفر نے مجاہدین کی کسی بھی جماعت سے اتحاد کرنے سے انکار کر دیا ہے، لیکن جمعیت اسلامی کے نمائندے کو اس نے یہ کہہ کر خوش کر دیا "اگر جمعیت کی جنگ باری دشمن ہے اور ہمارے خلاف لڑتی ہے لیکن اب بھی اگر آپ کا کوئی حکم ہو تو ہم اُسے بجا لانے میں خوشی محسوس کریں گے اور جو خدمت ہم سے لگن ہو گی ضرور کریں گے۔"

اسی طرح سید جعفر روسیوں کا دوست بھی ہے۔ چند دن بعد ہم نے اس کے ساتھ ایک چھاؤنی میں روسیوں کی ایک خفیہ ملاقات پر فلم بنائی۔ اس نمائندہ دعوت میں روس کے انزاع اور اس کے کھانے اور روسی شراب شامل تھیں۔ سید جعفر نے روسیوں سے وعدہ کیا کہ وہ اُن کے جنگی قیدیوں کو رہا کرانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اس سے پہلے ایسا ہی وعدہ اس نے مجاہدین کے جنگی قیدیوں کے متعلق بھی کیا تھا۔ سید جعفر نے روسی افسر کو الیتان لاتے ہوئے کہا "ہم اسماعیلی ہیں، اسماعیلی جو کہتے ہیں کر دکھاتے ہیں جو بھی مشکلات ہمیں پیش آئیں گی ہم انہیں برداشت کریں گے اور آپ کے سائنسیوں کی رہائی کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے آپ خوشی خوشی واپس جائیں آپ کے انسٹرکٹر سے باز پرس نہ کریں گے۔"

اس روز دوپہر کے کھانے پر یہ فیصلہ بھی ہوا کہ روسیوں کے افغانستان سے جانے کے بعد سید جعفر کو بلقان کا فوجی گورنر بنا دیا جائے گا۔ اسی طرح روسیوں کی گاڑیاں، اسلحہ اور فوجی سردی چوکی پر ان کا قبضہ ہو گا۔

افغانی لباس میں ملبوس سید جعفر اب بھی اپنے مغرب میں گذارے ہوئے دنوں کو یاد کر کے کہتا ہے "سنٹو یا نیٹو میں کیا ہی مزہ تھا۔ مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہیں گے۔ مجھے بیکڈونلڈز ریسٹورنٹ میں کام کرنے میں بھی بڑا لطف آتا تھا۔ (قہقہہ مارتے ہوئے) اچھے فرنچ کراسانٹ بناتا تھا؟ اس کا مطلب ہے کہ میں افغان ہوں، مجھے افغان سوسیٹی پسند ہے لیکن مجھے مغربی سوسیٹی زیادہ پسند ہے۔ میں اوپر کپڑے پہن لیتا تھا اب اگر میں یہاں ڈھول بجاؤں گا تو لوگ کہیں گے پاگل سمجھیں گے۔"

جب ہم نے سیلی گاٹی داخل ہوا کو پھر ڈانوسیہ جعفر نے آنکھ مارتے ہوئے کہا کہ "جب میرا یہاں قبضہ ہو جائے گا تو ہم اس آلکو خانے کو ناچ گھر میں تبدیل کر دیں گے۔" خاندانِ مذاق ہو لیکن کیا عجب سید جعفر یہ کر دکھائے!

جہاد افغانستان زندہ باد۔

صفحہ نمبر ۱۵۰ کا باقی حصہ

تعارف: اصلاحِ عقائد اور خدمتِ خلق

کے ساتھ مسجدوں میں تراویح اور ذکر کے اور صاحبزادی وہ بھی زندگی کی نام سرگرمیوں میں ان کے ساتھ پوری طرح شریک ہوتے ہیں یہ لوگ دیگر اسماعیلیوں سے اپنے آپکو جدا کہنے کے لئے خود کو صرف اسماعیلی نہیں بلکہ "غازی اسماعیلی" کہتے ہیں۔ جناب اکبر علی خلیا حسین کی سرکردگی میں، جواب اپنے مضمون میں مولانا اکبر علی کہلاتے ہیں، ان فرنگ کیا، بابا صفا تعلیم و اسماعیلیہ غازی خدمت کمیٹی کے نام سے کام کر رہے ہے اصلاح عقائد اور صحتی اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے علاوہ تنظیم جو دیگر کام انجام دیتا ہے۔ ان میں ہیومینیٹک اور ایمبولینس طریقوں کے مطابق طلاق صحابہ کی تربیت کی نرسنگ، بچہ کی قابل زچہ، عقیدہ اسماعیلی مسلمانوں کے نقشے شتے کرانے کا کام شامل ہے۔ اس کے علاوہ یہ تنظیم اسلامی طریقے کے مطابق تجہیز و تکفین کا اہتمام بھی کرتی ہے۔ تنظیم کا دفتر فی الحال فیڈرل بی ایریا بلاک نمبر ۱۰ میں آغا خان بورڈ ہوم سے متصل، گلشن علی نمبر ۱ کے پلاٹ نمبر ۷۰ میں واقع ہے۔ اکبر علی کے مکان کے ایک کمرے پر مشتمل ہے یہ دفتر روزانہ ۹ سے ۷ بجے شام تک کھلتا ہے۔ ہر جمعہ کو عام دنوں میں بعد مغرب اور رمضان میں بعد عشاء مغرب اسی مقام پر درسِ قرآن کا اہتمام ہوتا ہے جس میں اسماعیلی مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے اور یہاں کی سماجی خدمات کا سلسلہ مذکورہ بالا تفصیلات کے مطابق ہے

روزنامہ جنگ کراچی
SOAS JAN 12 1987

جماعت خانوں میں نماز کیلئے ہائیکورٹ میں مقدمہ

کراچی (اسٹاف رپورٹر) تمام آغاخانی اسماعیلی مسلمانوں کی جانب سے اکبر علی اور دیگر نے وزیر عاشق علی صدر بہائی نس آغا خان اسماعیلیہ فیڈرل کونسل پاکستان عالیجاہ حبیب وزیر حسن علی دلیانی صدر انچ انچ آغا خان اسماعیلیہ لوکل کونسل اور عالیجاہ شمس الدین ابراہیم اعزازی سیکرٹری اسماعیلیہ لوکل کونسل کو فریق بناتے ہوئے سندھ ہائیکورٹ میں مقدمہ دائر کیا ہے جس میں عدالت سے استدعا کی گئی ہے کہ یہ قرار دیا جائے کہ درخواست گزاروں اور تمام دیگر آغاخانی اسماعیلی مسلمانوں کو ہر جماعت خانے میں ہر نماز با جماعت سے قبل اذان دینے اور انفرادی یا با جماعت نماز ادا کرنے کا پورا حق اور مکمل استحقاق حاصل ہے اور مدعا علیہان ان کے ملازموں اسکاؤٹس، رضاکاروں یا دیگر افراد کو جماعت خانے کی حدود میں اذان یا نماز کی ادائیگی سے روکنے کا کوئی حق نہیں۔ عدالت مستقل حکم جاری کر کے مدعا علیہان و دیگر افراد کو درخواست گزاروں یا دیگر آغاخانی مسلمانوں کو جماعت خانوں میں اذان دینے اور انفرادی یا با جماعت نماز ادا کرنے سے روکنے سے باز رکھے اور مستقل حکم کے ذریعے مدعا علیہان اور دیگر افراد کو اس امر سے باز رکھے کہ وہ درخواست گزاروں یا دیگر آغاخانی مسلمانوں کے جو نماز ادا کرنے پر ایمان رکھتے ہوں یا قرآن و سنت اور حاضر امام کے فرمان کے مطابق مدعا علیہان کی رسوم و رواج اور اعمال سے اتفاق نہ کرتے ہوں، کسی جماعت خانے میں داخلے پر پابندی عائد کریں۔ اس مقدمہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات فریق بننے کی غرض سے عدالت سے رجوع کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ ۱۸ اگست کو ایڈیشنل رجسٹرار کے سامنے پیش کیا جائے گا

DAILY NAWA-I-WAQT KARACHI
روزنامہ نوائے وقت کراچی
بانی: مجید نظامی
کراچی کا سب سے زیادہ اشاعت والا روزنامہ
جلد ۳۹ نمبر ۱۳۵ جمعرات ۲ شوال ۱۴۰۶ھ ۱۲ جون ۱۹۸۶ء سب ۲۰۴۳ صفحات ۱۲ قیمت ۱ روپیہ
TUESDAY JUNE 12, 1986

کورٹ نوٹس

عدالت عالیہ سندھ ہائی کورٹ، اجتماع کراچی

سول مقدمہ نمبر ۳۳۱ بابت ۱۹۸۶ء

اکبر علی و دیگر ... مدعی

بنام

وزیر علی (۱) وزیر عاشق علی الد ایچ حسین مسلم آغاخانی فرد جو پریذیڈنٹ آف انچ آغاخانی اسماعیلیہ فیڈرل کونسل آف پاکستان نفٹ ہولڈنگ ایسٹ کراچی۔ (۲) عالیجاہ حبیب وزیر حسن علی دلیانی صدر انچ آغاخانی فرد جو پریذیڈنٹ انچ آغاخانی اسماعیلیہ لوکل کونسل ناظم آباد کراچی۔ (۳) عالیجاہ شمس الدین ابراہیم اعزازی سیکرٹری انچ آغاخانی اسماعیلیہ لوکل کونسل ناظم آباد کراچی ... مدعا علیہان

فرمائش بمقدمہ ہذا ... دوں مدعی کی جانب سے تمام متفقہ فریق برکاء کو حکم ... علیہان کے خلاف یک طرفہ سے اپنے مقدمہ دعا کی پیروی کریں گے جس سے آپ کو بھی دلچسپی ہے۔ حسب ذیل "سمن" کے حصول کے لئے دائر کیا گیا ہے۔ مدعا علیہان کے حق میں مطابق ذیل فیصلہ اور ڈگری کیا جائے۔ (الف) اعلان کہ مدعا علیہان اور دیگر تمام آغاخانی اسماعیلیہ جن کو حق، مفاد اور استحقاق رکھتے ہیں کہ جماعت خانہ میں انفرادی طور پر اور باجماعت نماز ادا کریں اور ہر نماز باجماعت سے قبل اذان دیں اور مدعا علیہان یا ان کا کوئی ملازم، کارکن، اسکاؤٹ، رضاکار یا کوئی دوسرا شخص اس کا کوئی حق، استحقاق، مفاد، حساب نہیں رکھتے کہ ان کو بیرون جماعت خانہ کی پریمیسز میں انفرادی اور باجماعت نماز پڑھنے اور اس سے متعلقہ اذان دینے سے روکے۔ (ب) مستقل انجکشن جاری ہو کر مدعا علیہم ان کے ملازمین، کارکنوں، اسکاؤٹوں، رضاکاروں یا دیگر کے حق کے دعوے مانے جانے کی شخص کریں جن سے کہ وہ علیحدہ یا کسی دوسرے طریقہ سے آغاخانی مسلمان کی پریمیسز کے اندر انفرادی یا باجماعت نماز ادا کرنے سے قبل اذان دینے سے روک سکے۔ (ج) مستقل انجکشن جاری ہو کر مدعا علیہان کو کوئی ملازم، کارکن، اسکاؤٹ، رضاکار یا دیگر کو مدعی یا ان کے کسی کو کسی دوسرے آغاخانی مسلمان کو کسی نماز پڑھنے سے جس کو وہ مدعی حق رکھتے ہیں روکنے سے باز رکھے (د) ہر وہ مناسب حکم جو عدالت عالیہ مناسب و مقدمہ کے حالات کے پیش نظر مقرر کرے۔ (ہ) جو شخص بھی اس مقدمہ سے دلچسپی رکھتا ہو عدالت عالیہ میں تحت کوڈ آف سول پروسیجر ۱۹۰۸ء کی دفعہ ۱۲ (۲) کی درخواست فریق مقدمہ بننے کے لئے دے سکتا ہے۔ (و) مدعا علیہ کو ہدایت کی جائے کہ وہ مدعی کو مقدمہ کے اخراجات ادا کرے۔ (ز) ایسا دیگر حکم جو عدالت مناسب سمجھے۔

مقدمہ ۱۸ اگست ۱۹۸۶ء کو ایڈیشنل رجسٹرار کے سامنے پیش ہونا ہے۔ بالکت ۱۹۸۶ء کو صبح ۱۱ بجے مقرر ہے جس سے آپ حاضر ہو کر عدالت کے سامنے پیش ہوں۔ بحکم عدالت

حسب الحکم
ڈپٹی نائب رجسٹرار (ایڈیشنل)

DAWN
Vol. XLV No. 161 Karachi, Dhulqad 1, 1406 Monday, June 9, 1986 12 PAGES Rs. 3.00

21 COURT NOTICE

IN The High Court of Sind at Karachi. Civil Suit No. 331 of 1986. Akber Ali & Another. Plaintiffs Versus 1. Vazir Ashque Ali s/o H. Hussain, Muslim, Aga Khani Khoja, President of H.H. The Aga Khan, Ismailia, Federal Council for Pakistan, Resident of Garden East, Karachi. 2. Alijah Habib Wazir Hassan Ali Valliani s/o Not Known, Muslim, Aga Khani Khoja, President of the H.H. The Aga Khan, Ismailia, Local Council Garden East, Karachi. 3. Alijah Shamsuddin Ibrahim, S/o Not Known, Muslim, Aga Khani Khoja, Adult, Honorary Secretary of the H.H. The Ismailia Local Council for Garden East, Karachi — Defendants. Notice Under Order 1 Rule 8 CPC. To, All the persons interested. Whereas the Plaintiffs above-named have filed the above noted suit with the permission of the Court to sue for and on behalf of and for the benefit of all Aga Khani Ismailia Muslims interested for the following reliefs: 1. Judgment and decree in favour of the plaintiffs as under: (A) Declaring that the plaintiffs and all other Aga Khani, Ismailia, Muslims have full right, complete title and vested interest to offer prayer (Namaz) either individually or Bajamat and to speak Azan before every Namaze-Bajamat, within the premises of each and every Jamat Khana and the defendants or any of them, their employees, servants, scouts, volunteers or any other person or persons claiming through, under, or in trust for them or any of them has no right, title, interest or authority to restrain, restrain, neglect, ban or prohibit the offering of Namaz individual as well as Bajamat and speaking Azan before every Namaz-e-Bajamat every day within the premises of Jamat Khanas. (B) Issue permanent injunction restraining the defendants, their employees, servants, scouts, volunteers or any other person or persons claiming through, under, or in trust for them or any of them from restraining the plaintiffs or any other Aga Khani Muslims from offering prayer (Namaz) either individual or Bajamat and to speak Azan before every Namaze-Bajamat, within the premises of the Jamat Khanas. (C) To issue permanent injunction restraining the defendants, their employees, servants, scouts, volunteers or any other person or persons claiming through, under, or in trust for them or any of them from restraining, banning or prohibiting the entry in any of the Jamat Khanas of the plaintiffs or any of them or any other Aga Khani Muslim who believes in offering prayers and/or is not agreeable to the customs, rusooms and performances adopted by the defendants against the Quran, Sunna and the Farmans of Hazar Imam. (D) Full cost of this suit against the defendant, jointly and severally. (E) Any other or further relief or relieves which this Honourable Court may deem fit or proper in the circumstances of the case. Any person interested in the suit may apply to the Court to be made party in the suit Under Order 1 Rule 8 (2) C.P.C. The matter is fixed before Additional Registrar on 18th day of August 1986 at 11 a.m. Given under my hand and seal of the Court this 1st day of June, 1986. By Order, Superintendent (O.S.) D.J.

(1654885)

روزنامہ
امن
کراچی
قیمت ایک روپیہ
جلد نمبر ۱۵ | جمعہ ۵ شوال المکرم ۱۴۰۶ھ ۱۳ جون ۱۹۸۶ء | شمارہ نمبر ۲۳

آغا خانی جماعت خانوں میں عبادت پابندی کے حکم کو چیلنج

THE DAILY AGHAZ KARACHI
روزنامہ
آغاز
کراچی
جلد ۲۲ | کراچی جمعرات ۵ شوال المکرم ۱۴۰۶ھ ۱۲ جون ۱۹۸۶ء | شمارہ ۱۳۶

آغا خانی اسماعیلی مسلمانوں کو جماعت خانوں میں اذان دینے اور نماز ادا کرنے کا حق ہے

VATAN
وطن

Thursday, June 12 1986

ઈસ્માઈલી જમાત-
ખાનાંઓમાં અઝાન
દેવા ને નમાઝ
પઢવા નો હક
હાઈકોર્ટને કરાયેલી
અરજી

156

(159)

صفحہ نمبر ۶۹ کا مزید

157

آغا خان فیملی میری شادی پر ناخوش نہیں، شہزادی یاسمین

والد کے رشتہ داروں اور اسماعیلیوں نے تنقیدی بیانات بھی بھیجے ہیں، شہزادی

نیویارک (نمائندہ جنگ) شہزادی یاسمین آغا خان نے کہا ہے کہ امریکی غیر مسلم بائیکل کرسٹوفر جیفرز سے ان کی شادی پر آغا خان فیملی کے افراد اور اسماعیلی فرقہ کے لوگ خوش ہیں اور انہوں نے تنقیدی بیانات بھی بھیجے ہیں۔ شہزادی یاسمین نے اپنی شادی کے بعد نمائندہ جنگ سے خصوصی گفتگو کرتے ہوئے یہ بات کہی۔ نیویارک کے مشہور پلازہ ہوٹل میں دنیا بھر سے آئے ہوئے صحافیوں اور فوٹو گرافروں کے ہجوم نے نوبیاہتا دولہا دلہن کی تصاویر لیں۔ شادی کے بعد پرنسس یاسمین کی پریس سے یہ پہلی ملاقات تھی لیکن سوالات کی اجازت نہیں تھی۔ البتہ شہزادی یاسمین نے نمائندہ جنگ کے کہنے پر مختصر سوال کی اجازت دے دی۔ نمائندہ جنگ نے سوال کیا کہ ایک غیر مسلم سے شادی کرنے پر اسماعیلیہ فرقہ کے لوگوں اور آغا خان فیملی کے افراد کا کیا ردعمل ہے چونکہ وہ خود کو اپنے والد کی مناسبت سے پرنسس کہلاتی ہیں اور اسلامی نام بھی استعمال کرتی ہیں لہذا ان کی غیر مسلم سے شادی کے کیا اثرات مرتب ہونگے۔ شہزادی یاسمین نے جواب میں کہا کہ ان کے والد پرنس علی خان مرحوم کے رشتہ دار اس شادی پر خوش ہیں اور اسماعیلیہ فرقہ کے لوگوں نے اور آغا خان خاندان کے لوگوں نے انہیں شادی پر مبارکباد کے پیغامات بھی بھیجے ہیں۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے اس بات کی تردید کی کہ آغا خان فیملی ان کی اس شادی پر ناخوش ہے۔ شہزادی یاسمین نے کہا کہ پرنس کریم آغا خان آج کل بھارت میں ہیں اس

باقی صفحہ ۸ پر ملاحظہ فرمائیں

روزنامہ جنگ کراچی (17) جمعہ 3 فروری 1989ء

شہزادی یاسمین آغا خان کی شادی کل نیویارک میں ہوگی

شادی کی تقریب نہیں ہوگی جج ایڈمنڈ ہالیری سول میرج کی رسم ادا کریں گے

اسماعیلیہ فرقہ کے عالمی شخصیات شریک ہوں گی آغا خان شرکت نہیں کریں گے

نیویارک (نمائندہ خصوصی عظیم ایم میاں) پرنس علی خان کی بیٹی اور اسماعیلی فرقہ کے مذہبی پیشوا پرنس کریم آغا خان کی سوتیلی بہن پرنسس یاسمین آغا خان ۳ فروری کو ایک تحویلی امریکی کرسٹوفر بائیکل جیفرز سے شادی کریں گی۔ یہ شادی نیویارک میں ہوگی۔ شادی کی تقریب بالکل نجی نوعیت کی ہوگی امریکی ڈسٹرکٹ کورٹ کے جج ایڈمنڈ ہالیری سول میرج کی رسم ادا کریں گے شادی یا نکاح کی کوئی مذہبی تقریب نہیں ہوگی۔ شادی کی تقریب کے بعد نیویارک کے مشہور پلازہ ہوٹل میں ایک پرتکلف استقبالیہ دیا جائے گا جس میں دولت مند خاندانوں کے افراد کے علاوہ اہم شخصیات کو مدعو کیا گیا ہے۔ اہم عالمی شخصیات میں اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل پریزڈی کویئیار اور ان کی اہلیہ سینیٹر کرسٹوفر ڈاڈ سینیٹر لیری پریسلر اور دیگر اہم افراد شامل ہیں جبکہ دولت مند افراد میں مدعو کیے گئے لوگوں میں ارب پتی عدنان خشوگی کی بیٹی نبیلہ، ارب پتی امریکی ڈونالڈ ٹرمپ کی بھتیجی وانیسہ ٹرمپ خاندان کے افراد بھی شامل ہیں۔ پرنسس یاسمین کی ترجمان نے نمائندہ جنگ کو بتایا کہ استقبالیہ میں ۱۳۵۰ افراد کو مدعو کیا گیا ہے۔ ترجمان نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے نمائندہ جنگ کو بتایا کہ اسماعیلی فرقہ کے سربراہ پرنس کریم آغا خان اس شادی میں شرکت نہیں کریں گے کیونکہ وہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق بھارت کے دورہ پر ہیں البتہ ان کے بھائی پرنس امین آغا خان اور خاندان کے بعض دیگر افراد شادی میں شرکت کریں گے۔ شادی کے موقع پر شہزادی یاسمین ہیروں اور پلاٹینم کے گہنے اور بالیاں پہنیں گی جو ان کے والد پرنس علی خان نے یاسمین کی والدہ مشہور امریکی فلم اسٹار ریتا ہیورتھ کے ساتھ شادی کے موقع پر تحفتاً دیئے تھے۔ شادی کا لباس لندن کے ونٹرایٹ لین ڈیزائنر نے تیار کیا ہے۔ شہزادی یاسمین کی یہ دوسری شادی ہے۔ سابقہ شادی سے ان کا ایک بیٹا ایڈریو ہے جو اس شادی میں اپنی ماں کیلئے شادی کی انگوٹھی پیش کرنے کی رسم ادا کرے گا۔ ادھر دولہا کرسٹوفر بائیکل جیفرز کی بھی یہ دوسری شادی ہے اور پہلی شادی سے ایک بیٹی اور بیٹا ہیں۔ شادی کے بعد پرنسس یاسمین اور پہلی شادی سے ایک بیٹی اور بیٹا ہیں۔ شادی کے بعد پرنسس یاسمین صحافتی کانفرنس سے بھی خطاب کرنے والی ہیں۔ شہزادی یاسمین کے والد پرنس علی خان اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کرتے رہے ہیں اور ان کے چچا پرنس صدرالدین خان اقوام متحدہ کے کمشنر برائے مہاجرین رہ چکے ہیں اور اس وقت اقوام متحدہ کی جانب سے افغانستان کیلئے انسانی اور اقتصادی امداد کے پروگرام کے سربراہ ہیں۔

توسلوا عند المصائب بمولاکم الحاضر الامام شاہ کریم الحسینی صلوٰۃ علیہ

بتاریخ یکم جنوری ۱۹۹۱ء

ذاتی خط بنام:۔

Personal Letter:
(Private)

URGENT

To:-
Sar Le:
H.R.H. Prince Karim Agha Khan
(Shah Karim Al-Hussaini)
49th Hazir Imam of the:
SHIA IMAMI ISMAILIES'
Secretariat Son Altees L'Aga Khan
Aiglemont 60270, Gouvieux, FRANCE

ایچ، آر، ایچ پرنس کریم آغاخان نامدار صاحب

اے! ہمارے روحانی پیشوا،

یاعلی مدد۔

مولا! آپ بھلی سمجھ رکھتے ہیں کہ موجودہ تعلیم کی روشنی نے لوگوں کے ذہنوں کو کتنا روشن کر دیا ہے۔ ہماری نوجوان نسل اپنے اسکول کالج کی تعلیم حاصل کرنے کے دوران بہت کچھ جان چکی ہے۔ وہ صبح کو تو اپنے اپنے اسکولوں میں حکومت کے مقررہ نصاب کے تحت اسلامیات و دینیات کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور رات کو جب وہ اپنے نائٹ اسکولوں میں اسماعیلی طریقہ کے تحت تعلیم حاصل کرتے ہیں تو ان کے ذہن دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اس منقسم ذہن کو ہم گجراتی میں کتان شریف پڑھے ہوئے لوگ کہاں اکٹھا کر سکتے ہیں۔ ان کے سوالوں کے جواب ہم کیسے دے سکتے ہیں۔ وہ تو ہم سے بہت زیادہ معلومات حاصل کر لینے کی وجہ سے دین اسلام کے سوالوں کی ہم پر بوچھاڑ کر دیتے ہیں اور ایسے ایسے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا نے کبھی سوچے بھی نہیں ہوں گے۔ ہم بچے اسماعیلی ذہن رکھنے والے ان کو مطمئن نہیں کر پاتے، چنانچہ وہ نفسیاتی طور پر ہم سے شکست دینے کے بعد اپنے آپ کو فاتح سمجھنے لگتے ہیں پھر وہاں سے لوٹ کر اپنے باطنی دھرم کی بات، کتان شریف پڑھنے جماعت خانے کی حاضری کی تلقین کریں، وہ ہماری کسی بات پر دھیان نہیں دیتے، بلکہ ہمارے آباؤ اجداد کے اسماعیلی رسومات اور باطنی طریقوں کو فرسودہ کہتے ہیں۔ ان کی بس ایک ہی رٹ ہوتی ہے کہ ہمیں پرائیویٹ اسکولوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ نائٹ اسکولز کورس کے بالکل متضاد کیوں، کیا اور کیسے ہوتی ہے؟ ان دونوں میں سے کونسی بات سچی ہے اور کونسی جھوٹی؟ ہم والدین یہ جواب نہیں دے پاتے کہ نائٹ اسکولز کے علم کتان شریف اور پرائیویٹ اسکول کے نصابی مضامین اسلامیات (دینیات) میں کیا فرق ہے؟ اپنے کو تو بس یہ خبر ہے کہ مولانا امام مبین آغاخان تھرڈ کے فرامین کا مجموعہ کے صفحہ نمبر ۸۱ حصہ ۱ فرمان نمبر ۳۱ میں لکھا ہے کہ "آپ لوگوں کے لئے جو علم ہے وہ کتان ہے۔ قرآن شریف کو تیرہ سو سال ہو چکے ہیں۔ وہ ملک عرب کی آبادی کے لئے ہے۔ کتان کو سات سو سال ہوئے ہیں۔ تم لوگوں کے لئے کتان ہے، اور اسی پر عمل کرنا"! ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات و رسائل نے جہالت کے دور کے عقیدوں اور رسومات کو چھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ وہ نظریات و قوانین جو شخصیت پرستی مذہبی استحصال اور سیدھے سادے لوگوں سے مال بٹورنے کے لئے بنائے گئے تھے، اب وہ تمام کے تمام ٹوٹ رہے ہیں، کافی عرصے سے ہم یہ سنتے آ رہے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے۔ اب تو شریعت کے نفاذ کا واویلا کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کا نظریہ دین اسلام کے بنیادی اصولوں پر آج بھی قائم ہے۔ ہم گھر گھر مسلمانوں کو نماز و قرآن پڑھتا دیکھتے ہیں۔ ہمارے محلوں کے اڑوس پڑوس میں مسلمانوں کی مسجدوں سے اذانوں کی آوازیں اٹھنا، پھر زیادہ نہ سہی چند مسلمانوں کا باجماعت نمازیں دن میں پانچ بار پڑھنے کا ایک طویل سلسلہ، رمضان میں روزے اور تراویح کا عام رواج، اکثر لوگوں کا زکوٰۃ دینا اور حج کے موقع پر لاکھوں مسلمانوں کا حج پر جانا جس کی باقاعدہ نشر و اشاعت ٹی وی، ریڈیو اور اخباروں سے کی جاتی ہے۔ آخر یہ سب کچھ جو ہماری آبادیوں کے اطراف بکھرا پڑا ہے، ہمارے اسماعیلی نوجوانوں کو کچھ نہ کچھ تو سوچنے پر ضرور مجبور کر دیتا ہے۔ بس یہی ایک نقطہ ہے جو ہماری پوری قوم میں انقلابی کیفیت پیدا کر رہا ہے جس کی بنا پر نوجوان ذہن اپنے سابقہ آبائی باطنی مذہب سے دور ہو رہے ہیں۔ قوم کے ذہنوں میں ایک بات بڑی شدت سے بیدار ہو رہی ہے کہ اس طرح اور عقیدۂ اسلام سے اختلاف کی بنا پر ہی تو قادیانی (احمدی لاہوری) لوگوں کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے مسلمانوں کے سیاسی لیڈروں و علماء کے پُرزور مطالبہ کی بنا پر غیر مسلم کافر قرار دیا، انتہا ایک طرف سے اسی طرح کا ہم بھی تو کچھ کچھ یا زیادہ فرق رکھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ظاہری نہ سہی پر باطنی طور پر تو اپنے کو سب کچھ خبر ہے؟ کہیں اپنے دھرم کی باتوں کی وجہ سے ہم بھی مسلمانوں کے لیپٹے میں نہ آ جائیں۔ یہ فکر ہونے لگی ہے۔ دوسری طرف ہماری اسماعیلی آغاخانی جماعت کے عہدیداروں نے جماعت خانوں میں نماز ادا کرنے دینے کے معاملے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے جس کے نتیجے میں ہمارے عقائد و رسوم اور باطنی طریقے یہاں تک کہ اسم اعظم "الا علیٰ" جیسی خفیہ بات بھی چند سر پھرے اسماعیلیوں نے عدالت میں ظاہر کر دی ہے۔ اس سے قبل فیڈرل کونسل کے صدر جناب وزیر علی محمد ایچ حسین کا جاری کردہ "آغاخانی مذہبی عبادات کا پیغام" دری برادری کو مسلمانوں کے سامنے رسوائی کا باعث بنا۔ اس سے انکار نہیں کہ مذہبی عبادات تو ہماری سو فیصد وہی ہیں جو اس پیغام میں لکھی گئی لیکن فیڈرل کونسل کو اس کی تشہیر کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے ہماری باطنی عبادتیں مسلمانوں پر فاش ہو گئیں جس کی وجہ سے اب ہر طرف سے مسلمان ہم پر تنقید کر رہے ہیں کہ آغاخانیوں کے باطنی طریقے و رسومات قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہیں اور دین اسلام کے منافی ہیں۔ کچھ اسماعیلی آغاخانیوں نے ہمارے جماعت خانوں میں نماز نہ پڑھنے دیئے جانے کے خلاف عدالت عالیہ سندھ میں پانچ سال قبل دیوانی مقدمہ نمبر ۶۴/ 331 دائر کیا تھا۔ جس کے متعلق بالآخر مورخہ ۱۹۸۶ء میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ہائی کورٹ نے مقدمہ خارج کر دیا ہے جس پر پوری آغاخانی قوم نے آپ کے حضور شکریہ پیش کی تھی جسے آپ نے قبول کیا تھا اور "خانہ داد خان" فرمایا تھا۔ اس وقت جماعت خانوں میں یہ بھی اعلان ہوا تھا کہ دھرم کے دشمنوں کو شکست ہو گئی ہے۔ یہ ہمارے کچے دھرم کے دشمن ہیں کون؟ مولا! آپ سے ذرا اطلاع کرنا اپنا روحانی فرض سمجھتا ہوں۔ مدعو کردہ مقدمہ میں سرفہرست ایک اسمٰعیل غلام حسین ہے۔ یہ وہی مُلّا ہے جس نے فیڈرل بی ایریا کے بلاک نمبر ۲ میں "مسلم اسماعیلیہ" مسجد بنا رکھی ہے اور شروع دن سے اپنے کچے سچے آغاخانی باطنی دھرم کا مقابلہ اسلام سے کرتا ہے۔ بھلا آغاخانی دھرم کا دین اسلام سے کیا اور کیسا مقابلہ؟ اگر واسطہ پڑ ہی گیا تو ہم پھر آغاخانی کیونکر ہو سکتے؟ اب جب کہ مولا اکبر عمل معاملہ عدالتوں میں لے گیا ہے۔ مجھے اس کی باتوں سے سخت پریشانی ہے۔ وہ اسلام کی باتیں کر کے ہمارے دھرم کے باطنی طریقوں کو غیر اسلامی کہتا ہے تو مجھے اس کی باتوں سے سخت دکھ پہنچتا ہے۔ کچھ روز قبل اس کے ایک آدمی نے یہ خبر سنائی تھی کہ مسلمانوں کے ۱۲ بڑے بڑے علماء نے اسماعیلیوں کو کافر قرار دینے کے فتوے جاری کئے ہیں، اور اس بنا پر ہم تمام آغاخانی مشرک ٹھہرے۔ میں نے اس کو منہ توڑ جواب دیا جو ہمیشہ یاد رکھے گا کہ "مسلمانوں کے علماء کے فتوے کو کون گھاس ڈالتا ہے" اور دوسری بات وہی شرک کی تو خدا کی ذات کے ساتھ کسی کو شامل کرنے سے شرک ہوتا ہے اس پر ملّا کے آدمی نے کہا "برابر" پھر میں نے کہا کہ لیکن ہم اسماعیلی تو خدا میں آغاخان کو تسلیم کرتے ہیں، اس لئے اس کو سجدہ کرتے ہیں، اس میں شرک کی کیا بات ہے؟ اے حاضر امام! آپ نے دیکھا کہ کسی معمولی بات کی میں نے بات کی ہے اب چلتا ہوتی ہے کہ وہ اکبر عمل نے مقدمہ کرتے وقت ایک درخواست بھی دی تھی کہ جب تک مقدمہ کی باقاعدہ سماعت کے بعد کوئی فیصلہ نہ ہو جائے جماعت خانے کے منتظمین کے خلاف عارضی حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ کسی بھی جماعت خانے میں کسی آغاخانی اسماعیلی کو نماز ادا کرنے سے

نہ روکیں اور اگر وہ جماعت خانہ جانا چاہیں تو اذان دینے اور اجتماعت نماز ادا کرنے سے بھی نہ روکیں۔ جناب مرحوم جسٹس سید عبدالرحمٰن صاحب موجودہ جج عدالت عالیہ سندھ نے اپنے فیصلہ مورخہ ۹ اگست ۱۹۹۰ء کے ذریعے اس درخواست کو اس بنا پر رد کر دیا کہ "اس مقدمہ میں باقاعدہ گواہوں کے بعد یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسا حکم دیا جائے کہ نہیں"۔ محترم جج صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ "مدعیان اسماعیلی آغاخانی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی درخواست سے عیاں ہے۔ وہ اپنی آغاخانی اسماعیلی برادری میں پائی جانے والی مسخ شدہ رسومات و عقائد کو نہیں اختیار کرنا چاہتے بلکہ خالص اور بنیادی اسلامی طرز و طریقہ اختیار کرنے پر اصرار کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی آغاخانی برادری سے وابستگی بھی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی شخص حقیقی اسلامی اقدار کو بھی اپنائے اور ساتھ ہی ساتھ آغاخانی بھی رہے۔ مدعیان کی تو قبول اور کافی ضمنی مواد جو اس کیا گیا ہے، اس منطقی نتیجہ پر پہنچاتا ہے، آیا یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ چل سکتی ہیں یا نہیں اس کا فیصلہ تو زیر نظر معاملے کے فیصلے کے بعد ہی ہوگا۔" عدالت عالیہ کے اس فیصلے کی رُو سے یہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اسماعیلی آغاخانی ملت اسلامی سے الگ کوئی دوسری جماعت اور دین اسلام سے الگ کوئی مذہب ہے۔ اس لئے جو شخص اسماعیلی آغاخانی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کے مسلم ہونے میں شک ہے اور کوئی سچا مسلمان آغاخانی نہیں ہو سکتا۔ جب سے میں نے یہ فیصلہ سنا ہے، بڑا دل برداشتہ ہو گیا ہوں ڈاکٹر صاحب مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ میں قطعی کوئی بات کہا کر گھر جاؤں۔ بعض لوگوں نے آغاخانی قوم کو پاکستان سے اربوں کھربوں اکٹھا کر کے باہر لے جانے کا شوشہ بھی چھوڑا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہر لمحہ بدلتی ہوئی دنیا کی طرح ہمارے ان کے جھوٹے ٹھپے بھی کہیں ہمارے گلے کا طوق نہ بن جائیں۔ ہم تو اسلام سے ہٹ کر اپنی ہی ایک الگ دنیا بنا چکے ہیں۔ ہم نے اپنے لئے جو نام اسماعیلی، آغاخانی، شمسی، کریمی، نورانی، صدرانی، پیر صدرالدین، پیر حسن کبیر الدین، پیر شمس الدین، پیر سدرالدین، پیر شہاب الدین، پیر نور الدین، پیر شرف الدین، پیر ناصر الدین، پیر شاہ کریم الحسینی، پیر سلطان محمد شاہ، پرنس کریم آغاخان، پرنس علی خان، پرنس زین آغاخان، پرنس رحیم آغاخان، پرنس حسین آغاخان، پرنس شاہ آغاخان، پرنس علی شاہ آغاخان

روزنامہ
مشرق
بانی
عنایت اللہ مرحوم
پشاور

شمالی علاقہ جات میں اسماعیلی ...وں کو سرکاری کنٹرول میں لیا جائے

...ہفت روزہ تکبیر کراچی

آغا خان پاکستان کے شمالی علاقوں میں اسماعیلی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں

علیحدگی کی تحریک کا آغاز ہو چکا ہے، ہفت روزہ تکبیر کی رپورٹ

کراچی ۱۷ فروری (جسارت سروس) ہفت روزہ تکبیر کے تازہ شمارے میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق آغا خان پاکستان کے شمالی علاقوں میں اسماعیلی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ آغا خان کی ایما پر شمالی علاقوں میں اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کو اسلحہ کی تربیت دی جا رہی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ آغا خان کی ایما پر شمالی علاقوں میں اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کو اسلحہ کی تربیت دی جا رہی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ آغا خان کی ایما پر شمالی علاقوں میں اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کو اسلحہ کی تربیت دی جا رہی ہے۔

باقی صفحہ ۳ کالم ۳ میں ملاحظہ فرمائیں

نوٹ یادداشت

...

جرائم والے پر پابندی

...

رجسٹرڈ ایم نمبر ۲۳۶ پوسٹ بکس نمبر ۸۳۶ قیمت ۱۰ پیسے
روزنامہ
جسارت
کراچی
بانی: نجم الدین صدیقی
جلد ۱۶ نمبر ۵۰
جمعہ ۳۰ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ ۱۹ فروری ۱۹۸۸ء

آغا خان پاکستان کے شمالی علاقوں میں اسماعیلی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں

علیحدگی کی تحریک کا آغاز ہو چکا ہے، ہفت روزہ تکبیر کی رپورٹ

کراچی ۱۷ فروری (جسارت سروس) ہفت روزہ تکبیر کے تازہ شمارے میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق آغا خان پاکستان کے شمالی علاقوں میں اسماعیلی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ آغا خان کی ایما پر شمالی علاقوں میں اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کو اسلحہ کی تربیت دی جا رہی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ آغا خان کی ایما پر شمالی علاقوں میں اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کو اسلحہ کی تربیت دی جا رہی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ آغا خان کی ایما پر شمالی علاقوں میں اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کو اسلحہ کی تربیت دی جا رہی ہے۔

باقی صفحہ ۳ کالم ۳ میں ملاحظہ فرمائیں

ہفت روزہ تکبیر کی رپورٹ

...

جمعیت علمائے اسلام کے زیر اہتمام

جرائم والے پر پابندی

...

روزنامہ مشرق پشاور ۱۹ فروری ۱۹۸۸ء

آج نماز جمعہ کے بعد جلوس نکالا جائے گا

پشاور ۱۸ فروری (مشرق نیوز ایجنسی) انجمن تبلیغ قرآن و سنت پشاور کے زیر اہتمام شمالی علاقہ جات کی اسماعیلی اکثریتی صوبہ بنانے کے مبینہ منصوبے کے خلاف کل جماعتی احتجاجی جلوس نکالا جائے گا۔ اس سلسلہ میں جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد مہتہ سے نماز جمعہ کا جلوس نکالا جائے گا جبکہ اس سے قبل مسجد میں جلسہ سے مولانا محمد امین، مولانا عبدالحق حقانی، ڈاکٹر فدا حسین اور دیگر علماء خطاب کریں گے۔

صباح گروپ

پوسٹ بکس نمبر ۵۷۹۶ کراچی (پاکستان)

(اشتراک عمل :- صباح گروپ انٹرنیشنل - دبئی)

"قل تعالوا نایکھا صاحب جی لیشے"

"گنان شریف"

خبردار! ═══ صرف کمیونٹی حضرات کے لئے

عاملدار حاضر امام علیہ صلوٰۃ کی عظمت و شان ہمیں ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ اگر جماعت کے کسی بااثر عہدیدار یا عام فرد کی ذاتی یا خاندانی بنا پر حضرت کا نقطہ نہ ہمارے حاضر امام کو ناپسند ہے تو ایسے کسی علی یا ادنیٰ فرد کا چہرہ دیکھنا ہمارا فرض نہیں بنتا ہے۔ اب ہم عہدیداروں کی طرف سے جواب نہ دیئے جانے کا انکشاف مزید نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ہمارے آفاقانی مذہب، عقائد و طریقت پر براہ راست حملہ ناقابل برداشت ہو گئے ہیں۔ ان کا جواب دیا جانا ہی اب ہر ایک اسماعیلی آفاقانی "روحانی نیچے" کا فرض ہے۔

اسپیشل رپورٹ

آفاقانی جماعت کے بھائیوں کو ..... یا علی مدد ..... یا لولو سولا علی مدد

حاضر امام صلوٰۃ علیہ کا فرمان ہے کہ "سچ بولو۔ پورا تولو" ہمیشہ میری فکر میں رہو"

ہمارا مشورہ ہے :-

"جاگو، اسمٰعیلی بھائیو جاگو"

ہمارے گروپ نے اسی فرمان کو اپنا مقصدِ عمل بنایا ہوا ہے، اب چاہے ہماری جان بھی جائے گی تو پرواہ نہیں۔ جب ہم سچ بولتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم حاضر امام کے پاک نور کے متمنی ہیں اور چونکہ پیدائشی طور پر اسمٰعیلی برادری کے ہم سب مومن بھائی ہیں، اس لئے ہم اپنی پوری برادری کے ہر بڑے چھوٹے سے بہت ہمدردی رکھتے ہیں، ہم نے جب بھی کوئی تحریری مضمون اپنی برادری کے سامنے مطالعہ کیلئے پیش کیا تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اصلاحی پہلو پیش نظر رہے، اگر ہم نے کمیونٹی کے ہر دلعزیز محترم ابو علی شنری اور علامہ نصیر الدین ہنزائی کی باتوں کی کھل کر تشہیر کی بھی ہے تو اس کا مطلب انکی کوئی حمایت کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ جو بات وہ کرتے ہیں، وہ ہمارے ذہنوں پر جو اثرات چھوڑتی ہے اس کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اب اگر ہم نے کبھی کسی کی تحریر کی مخالفت کی ہے تو اسکا مطلب بھی اس شخص کی کردار کشی مقصد نہیں ہوتا بلکہ تحریر کا تجزیہ کرنے پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے اثرات منفی اور غلط ہیں، اسکی مثال اکبر علی، مہر علی کینیڈا والے کی ہی ہو سکتی ہے۔ یہ فرد ہمارے قدیم مذہب، عقائد اور طریقوں کی مخالفت کرتا ہے، اسکی تحریر بغاوت کی غمازی کرتی ہے، اس صورت میں ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اپنی برادری کو اس سے ہوشیار رکھیں تاکہ کوئی اسکی باتوں میں نہ پھنس جائے، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو صرف سچی بات پہنچائی جائے، ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ جو بات ہم تک پہنچائی گئی ہے، وہ ہی اصل بات سے مطابقت نہ رکھتی ہو، اب اس صورت میں اس کا ذمہ دار ہمارا گروپ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ ہم تو صرف انٹرمیڈیا سورس کے طور پر بات پیش کرتے ہیں۔ ان تمام حقائق کا اعتراف صرف اس لئے ضروری ہے کہ ہم برادری کے ہر فرد کا بے حد احترام کرتے ہیں نہ کہ جماعت کے خلاف بات پیش کرتے ہیں۔ یہ برکت ہے حاضر امام کی عطا کردہ تعلیمات اور ہدایات پر خلوصِ دل سے عمل کرنے کی۔ چنانچہ جو بھی ہم آئندہ بیان کریں گے وہ ہمارے دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والی عمدیت ہوگی جو صرف ہم حاضر امام کے حضور پیش کرتے ہیں، جس کا ہم اظہار کرنا بے حد باعث ثواب سمجھتے ہیں۔ ہمیں نائٹ اسکولز میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ سچ کو زندگی کا اہم اصول بنایا جائے لیکن میں اپنے اسمٰعیلی معاشرے میں اسکی کمی محسوس کرتا ہوں، اسکی ابتدا جماعت کے عہدیداروں سے ہوتی ہے اور پھر ہر فرد اس میں ملوث ہوتا نظر آتا ہے۔ ہمارے عہدیدار برادری کے سامنے آج تک سچ اور حق بات کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے رہے ہیں۔ اس کی چھوٹی مثال یہ ہے کہ دسوند، مجلسوں کی فیس کی رقم، مہمانی سے متعلق حاضر امام کا فرمان ہے کہ یہ رقم اسمٰعیلی قوم کے غریب لوگوں کی حالت سدھارنے پر خرچ کی جائے، لیکن ہمیشہ مشاہدے میں یہ آیا ہے کہ ہماری جماعت کے بڑے عہدیدار سازباز کر کے آدھی رقم آپس میں ہی ہڑپ کر جاتے ہیں اور غریب لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، جبکہ حاضر امام کو غلط رپورٹ پہنچا دی جاتی ہے، اسی طرح دیگر معاملات میں بھی یہ عہدیدار جماعت کے اعلیٰ مفادات کا تحفظ کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں، اسکی ایک اور مثال یہ ہے کہ سعودی عرب میں جماعت خانوں پر حکومت نے جو پابندی عائد کی تھی، اسکی بناء پر سینکڑوں اسمٰعیلی بھائی جو وہاں خوشگوار زندگی گزار رہے تھے اور کمیونٹی کے لئے وہاں خدمات انجام دے رہے تھے، یکدم سعودی عرب کی حکومت نے ان کو ملک بدر کر دیا، جس کی بناء پر یہ تمام معزز لوگ وقتی طور پر بے حد مالی مشکلات کا شکار ہو گئے اسکے متعلق پوچھنا ہے تو بمبئی انڈیا کے جناب دیدار علی اور کلکتہ اور بنارس کے جناب منیر علی اور کریم نور کی رودادیں سنیں۔ کراچی کے جناب الطاف علی بھی حقائق پر روشنی ڈال سکتے ہیں، لیکن نامدار حاضر امام کی فوری نظر کرم سے انکی مالی مشکلات دور ہو گئیں۔ اسی طرح دیگر مسلم ممالک میں کئی جماعت خانے سربمہر کر دیئے گئے، آخر ایسا کیوں ہونے دیا گیا؟ اگر یہ عہدیدار کوئی بھاگ دوڑ کرتے یا حاضر امام کو حالات سے باخبر رکھتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتے، اخبارات میں ہمارے مخالفین نے جس انداز سے ان خبروں کو اچھالا ہے، اس سے پوری برادری کی رسوائی ہوئی، یقیناً یہ عہدیدار اپنے اثر و رسوخ کی بناء پر پوری اسمٰعیلی قوم کو ذلت سے بچا سکتے تھے لیکن قوم کے مفاد میں ایسا نہیں کیا گیا آخر کیوں؟ سب سے زیادہ توجہ طلب بات یہ ہے کہ جب ہمارے مذہبی طریقے و عقائد جو بالکل سچے اور پکے ہیں، جن کو ہم دل و جان سے زیادہ عزیز جانتے ہیں اور اس پر عمل کرنا اپنی نجات تصور کرتے ہیں، آج ان پر جماعت کے اندر دبے دبے الفاظ میں اور مسلمانوں میں کھل کر تنقید اور اعتراض کئے جاتے ہیں، جنہیں سن کر ہمارا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ہمیں تو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ہم سچے ہیں اور حق راہ پر ہیں تو پھر ان مٹھی بھر گمراہ لوگوں کو چپ کیوں نہیں کرایا جاتا انکی تنقید کا حرف بلا واسطہ آخر ہمارے حاضر امام بھی ہو سکتے ہیں، کیا یہ عہدیداران سب کو جواب دے کر حاضر امام کے تقدس کو پامال ہونے سے نہیں روک سکتے؟ ہم تو سمجھتے ہیں کہ یہ عہدیدار مخلص نہیں ہیں، ورنہ یہ لوگ حاضر امام کے خلاف ایک بات بھی سننا گوارہ نہ کرتے، پچھلے دنوں ایک ملاقات میں کراچی یونیورسٹی میں زیر تعلیم آغا خانی اسماعیلی طلباء کے ایک وفد نے ہمارے میمر کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا، ان تمام ہونہار نوجوان طلباء نے ایک ہی بات پر زور دیا کہ آخر ہمارے اسمٰعیلی مذہب اور عقائد پر جو حملے ہفتہ وار تکبیر

کراچی نے اپنی سابقہ کئی اشاعتوں میں مسلسل کئے ہیں، اس پر ہمارے ان عہدیداروں نے کوئی نوٹس کیوں نہیں لیا۔ اگر کوئی قانونی چارہ جوئی کی ہوتی یا ابتدائی مراحل میں ہی تکبیر کے خلاف صلاح الدین کا منہ بند کر دیا جاتا، جیسا کہ بعد میں اس کا منہ بند کر دیا گیا۔ آخر سات روپے کا پرچہ بیچنے والے کی کیا اوقات ہو سکتی ہے۔ آج اکثر مسلمان یونیورسٹی کے طلباء جو ہمارے مذہب کے عقائد و طریقوں پر ہمارا مذاق اڑاتے ہیں، جن دنوں تکبیر میں ہمارے خلاف لٹریچر چھپ رہا تھا تو کراچی کے میڈیکل کالج کے ایک وفد نے جس میں ہمارے گروپ کا نمائندہ بھی موجود تھا، وزیر داخلہ علی احمد خسرو سے رابطہ قائم کیا اور ان سے فوری مداخلت کر کے کاپی رکوانے کی درخواست کی گئی تھی، وزیر اسحاق علی احمد خسرو نے پوری یقین دہانی کرائی تھی کہ تکبیر کے خلاف صلاح الدین نے آئندہ چھ ماہ تک اشاعت کی تمام کاپیاں خریدنے اور ٹیوٹ جیسی کی ۳۰ شش سپلائی فراہم کئے جانے کی شرط پر آئندہ جاری کیسوئی سے متعلق کوئی خبر نہ چھاپنے کا معاہدہ کیا ہے، یہ بات ہم ضرور خفیہ ہی رہنے دیتے لیکن ہمیں حاضرانام کی عظمت اور قوم کے بہتر میں اعلیٰ مفاد میں ہر خفیہ بات کو ظاہر کرنے میں کوئی عار نہیں ہے۔ خلاف صلاح الدین کو حاضرانام کی گستاخی پر اور آغا خانی قوم کو بلیک میل کرنے پر معاف نہیں کیا جا سکتا، یہ بات ہر فرد ذہن نشین کر لے، سب کہئے اس پر حاضرانام کی لعنت ہو (آمین)

ہمارے ان عہدیداروں کی قانونی جنگ جو تین سال قبل ہائی کورٹ میں فریق ثانی نے شروع کی تھی وہ آج بھی جاری ہے جبکہ قوم کو یہ تاثر دیا گیا کہ کراچی کے سوری اکبر علی غلام حسین نے مقدمہ واپس لے لیا ہے جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ایک معمولی فرد سوری اکبر علی غلام حسین نے ہمارے مذہب کے بنیادی عقائد اور اساس کو چیلنج کر کے ہماری قوم کو موت و ذلت کی حالت میں چھوڑا ہوا ہے۔ یہ گستاخ سوری آج اپنے دھوکے سے بڑھ کر بات کر رہا ہے، وہ بڑی بے باکی سے ہائی کورٹ میں دندناتا پھرتا ہے کہ جماعت خانوں میں ماہانہ بیس کروڑ روپے کی آمدنی ہوتی ہے یعنی سالانہ دو ارب چالیس کروڑ روپیہ۔ کیا یہ بیان سچ ہے؟ اور اگر یہ سچ ہے تو یہ آمدنی کہاں جاتی ہے؟ جب کہ ہمارے حاضرانام تو خود اپنی جیب خاص سے اسمٰعیلی برادری کی بھلائی کیلئے عطیات دیتے رہتے ہیں، جس کے متعلق وہ اخبارات میں خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ اس بات کی تصدیق خود وزیر رضوان مرچنٹ نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں ہفتہ وار تکبیر کراچی کو بتایا کہ حاضرانام ہر سال ظاہری حساب کتاب کے مطابق پچاس لاکھ روپے دیتے ہیں تاکہ جماعت کے غریب لوگوں کی بھلائی اور بالی حالت سدھارنے پر خرچ کئے جائیں لیکن حاضرانام کی عطا کردہ اس رقم کا استعمال بھی غریبوں پر نہیں ہوتا بلکہ عہدیدار خود اپنے حالات سدھارتے رہتے ہیں اور غریب آغا خانی اگر اپنے مکان کی تعمیر کے لئے قرضہ کی درخواست بھی کرتا ہے تو وہ رقم مع سود کے ساٹھ واپسی کی شرط پر منظور کی جاتی ہے اور اگر کوئی فرد وقت مقررہ پر سود نہ ادا کر سکے تو اس پر جرمانہ عائد کر دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی مکان کسی بیوہ کو دیا جاتا ہے تو اس سے بھی قیمت مع سود لی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی اپنا مکان اپنے کسی رشتہ دار یا غریب تر کو فروخت کرنا چاہے تو ٹرانسفر فیس کی مد میں پانچ ہزار روپیہ ایسوسی ایشن کو دینا پڑتے ہیں، قوم کی فلاح و بہبود کیلئے آج تک کوئی یتیم خانہ تعمیر نہیں کیا گیا اور بے سہارا خواتین کے لئے دار الامان تک موجود نہیں ہے۔ برادری کے معذور افراد کے لئے کوئی بہبودی مرکز یا اپاہج ادارہ تک تعمیر نہیں کیا گیا، مسافر خانے کا بھی دور دور تک دیکھنے میں نہیں آیا، البتہ بڑے بڑے ہسپتال و زچگی خانے ضرور تعمیر ہوئے ہیں، لیکن برادری کے غریب لوگوں کے لئے انکی خدمت اس لئے نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ انکے علاج معالجہ پر بہت زیادہ پیسوں پر کئے جاتے ہیں۔ ان ہسپتالوں کا سب سے زیادہ فائدہ برادری کے امیر اور خوشحال لوگوں کو پہنچتا ہے تعمیر کیا جا سکتا ہے، اسکی روشن مثال شہر کراچی میں علیم الاسلام آغا خان ہسپتال کی ہے، اس ہسپتال کی دوسری بڑی بات یہ ہے کہ اس ہسپتال میں جان بوجھ کر غیر اسمٰعیلیوں کو ملازمت فراہم کی گئی ہیں، اسمٰعیلی برادری کے امیر سرمایہ دار و صنعت کار (جنہیں ہمارے تقریباً تمام عہدیدار شامل کئے جا سکتے ہیں) اپنی فیکٹریوں و ملوں میں غیر اسمٰعیلیوں کو ملازمت پر ترجیح دی ہے جبکہ غریب اسمٰعیلی اس محرومی کی بناء پر اپنا استحصال ہوتا محسوس کرتا ہے۔ جماعت خانوں کی حاضری سے متعلق حاضرانام کو صحیح رپورٹنگ نہیں کی جاتی کہ جماعت خانوں میں اسمٰعیلیوں کی حاضری اب گھٹتی جا رہی ہے، سارے پاکستان میں کل ۱۵ جماعت خانے ہیں۔ رسومات میں لوگ دلچسپی نہیں لیتے۔ برادری کے بڑے بڑے عہدیدار، صدر، نائب، ولی فرمان اور دیگر نمائندے جو حاضرانام کی نذر پیش کئے جاتے ہیں، خود ہی ہڑپ کر جاتے ہیں، گو کہ حاضرانام کو ان نذرانوں کی قطعی ضرورت نہیں وہ تو برادری کی بھلائی کیلئے وصول کئے جاتے ہیں، انتہا یہ ہے کہ حاضرانام کو بھی صحیح رپورٹ پیش نہیں کی جاتی آخر کیوں؟ پاکستان میں پوری دنیا کی طرح ہر ایسوسی ایشن، سوسائٹی کا الیکشن ہوتا ہے کہ جس طرح ہماری کوآپریٹو سوسائٹی اور بینک کا ہوتا ہے جس میں ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے امیدوار کو ووٹ دے کر کامیاب کرے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اسمٰعیلی ایسوسی ایشن اور فیڈرل کونسل کا الیکشن ہوئے بغیر ہی عہدیدار مقرر کر لئے جاتے ہیں اور حاضرانام کو رپورٹ یہ دی جاتی ہے کہ الیکشن منعقد کرائے گئے ہیں اور پوری برادری نے الیکشن میں بڑی دلچسپی لی ہے۔ ان عہدیداروں کا بعد میں جب قوم کو تعارف کرایا جاتا ہے تو بات کھلتی ہے کہ یہ بدکردار اور اسمگلر قسم کے لوگ ہیں جو کہ ۹۵ فیصد غریب برادری پر مسلط کر دیئے گئے ہیں۔ برادری کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور امداد کی مد میں جو خاص رقم حاضرانام دیتے ہیں، وہ یہ مالدار لوگ ہی ہڑپ کر جاتے ہیں، جس کی بناء پر پوری برادری محلوق ہو کر رہ گئی ہے۔ ہم حاضرانام سے اپیل کرتے ہیں کہ حاضرانام ان تمام عہدیداروں کو برطرف کر کے برادری کے نیک قابل محنتی اور ایماندار لوگوں کا الیکشن منعقد کرا کے عہدیدار مقرر فرمائیں تاکہ وہ برادری کے غریب عوام کی بلا تفریق ذات خدمت سرانجام دے سکیں۔ اسمٰعیلی برادری کے وقار کو اس وقت بڑی ٹھیس پہنچی جبکہ قومی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات سال ۱۹۸۸ء میں برادری کے امیدوار جناب پیر علی الانا، غلام علی الانا، اسلم ناتھا، اور شیراز ناتھا کی جان امرام المن تھانوی اور ملان تاجی جمانی نے چیلنج کر دیا کہ ان تمام امیدواروں کا مذہب اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ اسلام کے عقائد پر پورے نہیں اترتے چنانچہ مجبوری و مصلحت کے تحت ہمارے ان امیدواروں کو یہ حلفیہ بیان دینا ہی پڑا کہ ہماری دین اسلام ہے۔ کلمہ، صدقہ، نماز، حج، زکوٰۃ اور جہاد کا اقرار کر کے اس بات کو دبا دیا گیا، ایسے وقت ہمارے عہدیدار خاموش رہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ کھل کر بیان دلواتے کہ پوری برادری عش عش کر اٹھتی کہ اپنے آغا خانی مذہب کے دفاع میں وہ کہہ سکتے تھے کہ جس سے ہماری نوجوان نسل کے ذہنوں میں کوئی شبہات پیدا ہونے پاتے، انہیں چاہیئے تھا کہ بیان دیا جاتا کہ:۔ "نماز کی جگہ ہم جماعت خانے میں حاضرانام کی تصویر کو سجدہ کر کے دعا پڑھتے ہیں، روزہ پورے دن کی جگہ ہم سوا پہر کا روزہ رکھتے ہیں، قرآن ہمارا حاضرانام کے فرمان پر عمل کرنے اور گمنان پڑھنے کے برابر ہے۔ حج ہمارا حاضرانام کے دیدار کرنے سے ہوتا ہے کیوں کہ وہ ہی دنیا میں خدا کا روپ ہے۔ زکوٰۃ کی جگہ ہم سونا دان کرتے ہیں، یہ سب ہم اسمٰعیلی مذہب کے فرائض کے طور پر ادا کرتے ہیں: انہی عقائد پر عمل کرنے سے ہم لوگ جنت کے مستحق ہیں لیکن ہمارے عہدیدار ان عقائد میں خیانت کر کے ہمیں جہنم رسید کرنا چاہتے ہیں۔

اے ہمارے حاضرانام ہم سب کو اسمٰعیلی مذہب کے حق، سچ طریقہ اور عقائد اور تیرے فرمان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین) یا علی مدد

تعداد اشاعت:۔ پانچ لاکھ ۱۹۸۹ء

نزار علی:۔ چیف آف صبح گروپ

(165)

(شکریہ ہفت روزہ احوال کراچی)

ہفت روزہ
احوال
کراچی

حسن بن صباح

فرقہ اسماعیلیہ سے تعلق رکھنے والا

"افغانستان میں آئندہ، خواہ
کوئی بھی حکومت ہو
اُسے آزاد اسماعیلی طاقت
سے تعاون کرنا ہوگا!"
— جعفر نادری کا اعلان

افغانستان کا حسن بن صباح!

۱۱۷۴ء میں مصر میں اسماعیلیوں کی فاطمی خلافت ختم ہوئی۔ آٹھ سو سال گذرنے کے بعد، باوجود تمام بازشوں اور کاوشوں کے دنیا کے کسی ملک اور خطے میں اسمٰعیلی حکومت قائم نہیں ہو سکی ہے۔ ان آٹھ سو سالوں میں اسمٰعیلی اماموں، داعیوں اور ان کے مریدوں کی خفیہ، مذہبی اور پوری کاوشیں صرف اور صرف ایک اسماعیلی ریاست قائم کرنے کے لئے وقف رہی ہیں۔

ریڈیو ایران (IRANIAN CHANNELS) میں مشہور اسمٰعیلی داعی حسن بن صباح نے "الموت" کی پہاڑیوں میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ "الموت" کے قلعہ سے اسماعیلیوں نے کافی عرصے تک عالم اسلام میں دہشت گردی پھیلائے رکھی۔ بعد میں ہلاکو خان نے حسن بن صباح کے ایک جانشین رکن الدین خورشاہ کے زمانے میں یہ قلعہ تباہ و برباد کر دیا۔ حسن بن صباح نے ایک اسماعیلی ریاست کی بنیاد میں ایک خوبصورت جنت تعمیر کی تھی۔ اس نے حشیش (چرس) کے استعمال سے تاریخ میں پہلی بار برین واشنگ کے ذریعے باقاعدہ دہشت گردی کی ابتدا کی تھی اور اپنے حشیش کے عادی تربیت یافتہ دہشت گردوں کے ذریعے اس زمانے کے مسلمان زعماء، وزیراعظم، کمانڈر انچیف عالموں اور دانشوروں کو قتل کروایا تھا۔ حسن بن صباح کے مریدوں کی یہ فوج جو "فدائی" کہلاتے تھے عالم اسلام کے بڑے بڑے رہنماؤں کے قتل میں پیش پیش رہی اور یہ سلسلہ ایک طویل عرصے تک جاری رہا جس کا مقصد سنّی عباسی خلافت کو ختم کرنا تھا۔ جس مقصد کو حسن بن صباح کے جانشینوں نے ایک سو برس بعد ہلاکو خان اور سنگولوں کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچایا لیکن ہلاکو خان نے اسماعیلیوں کو بھی مدتوں تک کے لئے تاریخ کے صفحات سے غائب کر دیا۔

تاریخی حقائق اشد ضروری ہیں۔ اس سلسلے میں اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ حسن بن صباح کا متقدمی فاطمی خلافت یعنی اسماعیلی حکومت کو دوبارہ قائم کرنا تھا۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک اسمٰعیلی تاریخ کے صفحات سے غائب ہو گئے اور پھر انیسویں صدی میں ایران میں انگریزوں کے خفیہ پولیس کے ایجنٹ کے طور پر نمودار ہوئے اور حکومت کو تختہ الٹنے کی کوشش ناکام ہونے کی وجہ سے ایران سے فرار ہو کر سندھ آ گئے۔ یہاں پہنچ کر ایک طرف افغانستان پر قبضہ کرنے کے لئے انگریزوں سے افغانستان پر حملہ کروایا اور اس امید پر مدد کی کہ انگریز افغانستان کو آغا خان کے حوالے کر دیں گے۔ جب یہ چال ناکام ہوئی اور انگریز خود افغانستان سے نکالے گئے تو خود اس وقت ایک پیر پیار تھے۔ انہوں نے انگریزوں کو سندھ چھوڑنے کی ترغیب دی اور اس میں ان کی مدد کی۔ آغا خان اول (جو ۱۸۴۱ء میں بلوچستان سے سندھ

کی طرف آئے تھے) کا اصلی مقصد سندھ پر اسمٰعیلی حکومت قائم کرنا تھا لیکن یہ کوشش بھی انگریزوں کی ڈپلومیسی کے سامنے بیکار گئی (حالانکہ ۱۸۴۳ء میں آغا خان نے سندھ کی فتح میں چارلس نیپیئر کی مدد کی تھی جس کا اعتراف چارلس نیپیئر نے بھی کیا ہے)

حسن بن صباح کے جانشین اپنی تمام تر کارکردگی خفیہ رکھنے کے ساتھ کوئی آٹھ سو برس سے دنیا بھر میں ایک آزاد ریاست کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ حیثیت کا یہ گروہ دنیا بھر کی سازشوں کا مرکز بنا رہا۔ عالم اسلام کی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے خاتمے سے لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے قتل تک اور ایوبی کے قتل سے افغانستان میں مسلمانوں کی باہم خونریزی تک حسن بن صباح کے جانشینوں نے صلیبیوں کی وفاداری میں مسلمانوں کو تباہ کر دینے کی ہر سازش میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اس پوری سازش کی تاریخ میں آٹھ سو برس سے یہ گروہ اپنے لیے ایک ہی ان داتا کی وفاداری اور خلافت کی خدمت گزاری کے اڈے کی تلاش میں رہا ہے۔ "الموت" اور فاطمی خلافت کے خاتمے کے بعد انہیں پہلے یہ خواہش رہی کہ انہیں ایک آزاد اور خودمختار ریاست حاصل ہو جہاں سے بیٹھ کر یہ عالم اسلام کے خلاف ایک مؤثر اور منظم دہشت گردی کر کے اپنے تاریخی فرض کو ادا کر سکیں۔ "نبوت سے بغاوت" کرنے والے اس گروہ کے وارثوں اور اماموں کی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو یہ صورت حال کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ "کارا... اس گروہ کے طریق کار میں سازش اور جاری وارث اور اہم عنصر ہے... اور بغداد میں ہوں یا ایران و افغانستان میں یا پھر پاکستان... کی سازشی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے گی۔ یہ بیوروز کی طرح... مختلف خطوں میں بسنے کے باوجود ان کی "اسلام دشمنی"... کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے۔

اس باطنی تحریک نے موجودہ دور میں افغانستان کی تاریخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو "کارنامے" انجام دینے کی کوشش کی ہے وہ بھی نگاہ ہے۔ اس عشرے میں مسلمان ریاستوں کے قتل، عالم اسلام کے مختلف محاذوں پر جنگیں اور سازشیں اور افغانستان اور پاکستان کے اہم علاقوں پر مشتمل ایک "اسماعیلی ریاست" کا قیام اسی تاریخی کوشش کا نتیجہ یا مطلبہ ہے۔

اس کا بار... فواد شامل کر کے

...ہیں۔ ربیع المقدس

...بات کے شواہد تو ہمیں

...کی کوششیں کی جا رہی ہیں جس کی بنیاد سازشوں پر رکھی گئی ہو۔

فرقہ اسماعیلیہ سے تعلق رکھنے والے

رُوس نے انہیں اسلحہ فراہم کیا تاکہ وہ ایک مضبوط فوجی طاقت بن جائیں

مولانا عبدالقدوس ہاشمی مرحوم نے ایک ہفت روزہ کو ۳۰ اپریل کی اشاعت میں اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ "یوں تو تاریخ میں بہت سی خفیہ اور تخریب پسند تحریکوں کا تذکرہ ہے مگر کوئی تحریک اسماعیلی باطنی تحریک کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ جس کے حالیہ سربراہ شہزادہ کریم آغاخان ہیں۔ آغاخان سوم نے برطانوی ایجنٹ کی حیثیت سے ایک بہت ہی پُرکار دار ادا کیا۔ برطانیہ سے وفاداری میں ان کے یوں تو بہت سے "کارنامے" ہیں۔ جن میں سے معروف ترین یہ ہیں کہ انہوں نے یہودیوں کے رہنما وشجا ئلڈ سے مل کر آغاخان سوم نے اسرائیل مملکت کی منصوبہ بندی کی اور اس سلسلے میں خلیفہ سلطان عبدالحمید کو تین بار یاد داشتیں پیش کی گئیں مگر وہ ان کی سازش کا شکار نہیں ہو سکا۔ (ب) آغاخان سوم نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ خلیفہ کو درپیش مسائل کا حل یہ بھی ہے کہ وہ ریاست بلقان سے از خود دستبردار ہو جائیں (ج) برصغیر کے مسلمانوں کی "تحریک خلافت" میں آغاخان نے پوری طرح برطانوی آقاؤں کا ساتھ دیا (د) نتیجہ یہ ہوا کہ خود آغاخان اور ان کے مردوں کو دونوں عالمی جنگوں میں اور پورے دور برطانیہ میں خالص وفاداری کے صلے میں آغاخان سوم اور ان کے صاحبزادے علی خان کو بہت سے اعزازات اور خطابات سے نوازا گیا۔

الموت کی حکومت کے تقریباً آٹھ سو سال قبل خاتمے کے بعد سے آغاخان ایک اسمٰعیلی حکومت کے قیام کی جدوجہد کر رہے ہیں انہوں نے برطانوی حکومت کی کاسہ لیسی حاشیہ برداری کے عوض ارباب اقتدار پر ان کی حکومت کے قیام کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ اور واضح کیا کہ ان کے تصرف میں آزادی قوت بھی ہے۔ ان کی اپنی زبان ہے۔ اپنا جھنڈا ہے۔ اپنی تہذیب ہے۔ اپنا مسلک ہے، اور مالی اعتبار سے بھی وہ لوگ بہت مضبوط لوگ ہیں۔ لہٰذا ایک خطہ انہیں ریاست کی تشکیل کے دیا جائے۔ انگریز نے جنگ عظیم دوم کے بعد ملک شام انہیں دینے کا وعدہ کر لیا تھا لیکن ان کا مطالبہ نصر کے لئے ہوا یہ برطانوی حکومت کے لئے ممکن نہ تھا۔ پھر انہوں نے سندھ کے لئے مطالبہ کر دیا۔ برطانوی حکومت نے اسے بھی خوبصورتی سے ٹال دیا۔ اب آغاخان سوم کو صرف اعزازات اور خطابات تک محدود رکھا۔ اب یہ لوگ اپنے پیشوا اکرم آغا خان چہارم کی رہنمائی میں ایک اسمٰعیلی ریاست کا پھر خواب دیکھ رہے ہیں۔

مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے اسماعیلیوں کی جس تاریخی خواہش کا ذکر کیا تھا اس کے بارے میں آج افغانستان سے سید جعفر قادری جو افغانستان کے بیس لاکھ اسماعیلیوں کے پیشوا اور آغاخان کے نمائندے کا بیٹا ہے اور نئی اسماعیلی ریاست کا سردار ہے یہ اعلان کر رہا ہے کہ

"افغانستان میں جنگ سے قبل ہم اپنی خود حفاظت بھی نہ کر سکتے تھے لیکن یہ جنگ ہمارے لئے سود مند ثابت ہے اب ہمارے پاس بہت سا اسلحہ ہے۔ افغانستان میں آئندہ خواہ کوئی بھی حکومت ہو اسے آزاد اسماعیلی طاقت سے تعاون کرنا ہوگا۔"

اس "آزاد اسماعیلی طاقت" کی جیل میں افغان قید ہیں اور اس طاقت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ انہیں سزائے موت بھی دے سکتی ہے۔ روس بھی اس "آزاد اسماعیلی طاقت" سے مذاکرات کرتا ہے اور "مجاہدین" بھی مذاکرات پر مجبور ہیں بلکہ انہیں اسلحہ بھی فراہم کرتے ہیں۔ یہ "اسماعیلی طاقت" پاکستان تک اپنے پاؤں پھیلانے کا خواب دیکھ رہی ہے جو پاکستان کے شمالی حصے میں چند علاقوں پر مشتمل ہے اور رقبہ کے اعتبار

باقی صفحہ نمبر ۲۵ پر

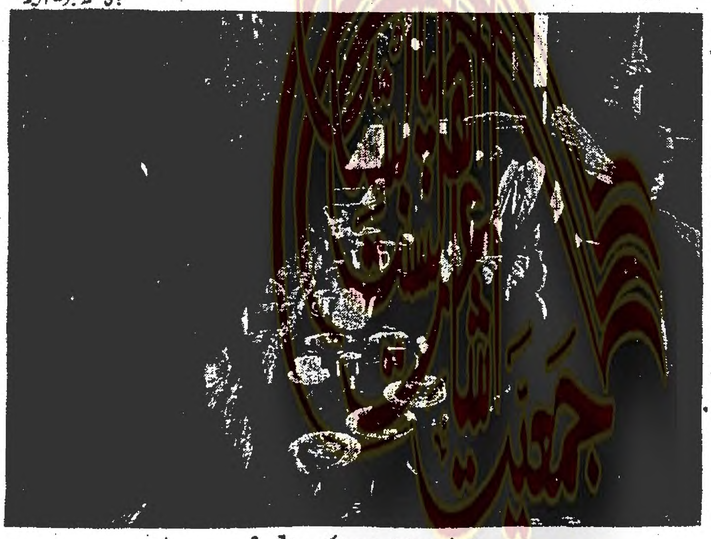

"ناشتہ" مجاہدین کے ساتھ ؟

ہفت روزہ تکبیر کراچی کے بے حد شکریہ کے ساتھ اس "مجموعہ اشاعت" میں مواد شامل کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ (ناشرین مجموعہ اشاعت)

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
۱	ناشرین کا وضاحتی اداریہ۔ جس کو موت آتی ہے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟
۲	جماعت خانوں میں اذان اور نماز پر پابندی کے خلاف سندھ ہائی کورٹ میں مقدمہ کی روداد۔
۴	خصوصی رپورٹ: آغا خان کی پاکستان میں بڑھتی ہوئی دلچسپی
۵	آغا خانی مسلک کیا ہے؟
۹	آغا خانی مذہبی عبادات کا پیغام
۱۲	وضاحت: آغا خان فاؤنڈیشن کی وضاحتیں
۱۳	تصویر ہو جودہ آغا خان اپنے اہل خانہ کے ساتھ (بیگم سلیمہ آغا خان کی غیر شرعی تصویر)
۱۵	اسماعیلی مذہب۔ اپنے عقائد کے آئینے میں
۱۷	آغا خان فاؤنڈیشن کی وضاحتیں غیر تسلی بخش ہیں اسمٰعیلی شرک کرتے ہیں!
۱۸	اسلام کے بنیادی عقائد کی ترویج کیجئے: آغا خان سے انجمن دعوت اسلامی کینیڈا کی اپیل۔
۲۰	ملک کے شمالی علاقوں میں اسمٰعیلی ریاست کے قیام کے منصوبہ پر عمل جاری ہے مولانا عبدالقدوس کا انٹرویو
۲۴	سانحہ گلگت کے محرکات
۲۵	فسادات چترال کے بارے میں مولانا عبیداللہ چترالی کا اظہارِ خیال
۲۸	کیا آغا خان آلِ رسولؐ ہیں؟
۳۲	اشتہار: صادقوں کی تہلکہ خیز تالیف کیا آغا خان آلِ رسولؐ ہیں؟
۳۷	سر آغا خان کے ساتھ ایک شام۔ آغا خان نے اپنی بیگم سے کہا!... "شرمیلا آدھی ہے جاؤ اسے رقص کے لئے فرش پر بھیج لاؤ۔"
۳۹	دلیپ کمار کا دورہ پاکستان۔ ایک سربستہ راز جس سے پردہ اٹھتا جا رہا ہے۔

صفحہ نمبر	مضامین
۴۱	دو اسمٰعیلی خواتین کے قبول اسلام کی روح پرور روداد
۴۳	آغا خانی تنظیم فاطمید فاؤنڈیشن کے لئے ۶۰ لاکھ کی زکوٰۃ کیوں؟
۴۳	ہم ہندو ہیں! بمبئی ہائیکورٹ میں آغا خانیوں کا دلچسپ مقدمہ اور اس کا فیصلہ۔
—	اسماعیلی عقائد سے تائب ہو جانے والے پیار علی ولد غلام حسین ساکن ٹنڈو باگو ضلع بدین کا بیان۔
—	ہندو قانون وراثت۔ چند قانونی حوالے
۴۷	آغا خانی مذہب میں مالی عبادات کا نظام۔ تحریر عبدالکریم رنگون والا
۵۰	آغا خان کے بیش قیمت جواہرات کا نیلام
۵۱	جو علی کو خدا نہ مانے وہ کافر ہے۔ آغا خان کا فرمان ۱۸۷۸ء
۵۳	ننھے علی پر آغا خان ہسپتال کی انتظامیہ کا عدم توجہگی۔
۵۵	حضورؐ کی صاحبزادیاں ایک بالچار
۵۷	آغا خان، دولت، کاروبار اور مشاغل (امریکی جریدے ونیٹی فیئر کے انکشافات)
۶۰	دو اسمٰعیلی خواتین کے قبول اسلام کی روح پرور روداد
۶۱	ایک اسمٰعیلی کے سفر آخرت کی روداد۔
۶۲	سیٹ کے چکر میں لوگوں نے مذہب تبدیل کر لئے۔
—	اسماعیلی ہندو مت کو ڈھال کے طور پر استعمال نہ کریں۔ (مہاراج دھن داس)
۶۳	ہمیں اپنی اصطلاحات سے شرف نہ فرمائیے۔
۶۴	انٹرکانٹی نینٹل..... اربوں روپے کے چار ہوٹل ایک اسماعیلی صدرالدین ہانوانی کے ہاتھ فروخت کر دیئے گئے۔
۶۶	ملائیشیا میں اسماعیلی جماعت خانے بند۔ ۹ مسلم ممالک نے آغا خانیوں

کو کافر قرار دے دیا۔

۶۷۔ جماعت خانے سے مسجد تک (آغاخانی مذہب سے تائب ہونے کی کتابی روداد)

۶۸۔ آغاخان آلِ رسول ہیں بقسط ۱ (کیا آغاخان آلِ رسول ہیں؟ کا جواب اسمٰعیلی جماعت پیش کرتی ہے۔

۶۹۔ قصہ آغاخان کی ہمشیرہ شہزادی یاسمین بنت ریٹا ہیورتھ (عالی وودڈ کی مشہور فلمی اداکارہ) کی شادی کا (مزید صفحہ نمبر ۱۵۷ پر بھی)

۷۰۔ آغاخان آلِ رسول ہیں قسط ۲ (اسماعیلی جماعت کا موقف)

۷۱۔ آغاخان آلِ رسول ہیں آخری قسط

۷۴۔ اسرائیل کے قیام میں آغاخان کا کردار (میں شروع ہی سے صیہونیت کے لئے ہمدردانہ رویہ رکھتا ہوں)

۷۶۔ واخان، ایک نئے اسرائیل کے قیام کی تیاریاں (آغاخانی ریاست قائم ہو رہی ہے۔)

۷۷۔ جوابِ گفتگو۔ پیشکش ایک نومسلم آغاخانی

۷۸۔ جوتے اور سر کی دنیا کا بادشاہ۔ اسلم نورالدین نا تھا۔ (ایک پولیس افسر کے قتل کی پس پردہ کہانی بے نقاب)

۷۹۔ افغانستان آغاخانی سازشوں کی زد میں (اسماعیلی ریاست کے لئے سازشوں کی چند کڑیاں)

۸۱۔ مرحوم بیٹے کے لئے آغاخان سے جنت کی خریداری (سچا واقعہ)

— UNDER STANDING ISMAILISM
(تحقیقی کتاب آغاخانیت پر)

— ٹھکے پہ ٹھکہ!

۸۲۔ مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو، اور اندرا گاندھی کی سمادھیوں پر آغاخان کا نذرانہ عقیدت

۸۴۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اہلِ بیتؓ، اولادؓ، آلؓ، سرپرست اور صحابہ کرامؓ۔ طغرہ:

۸۵۔ خانوادہ نبوتؐ سے متعلق ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کا مضمون

۸۷۔ شہادت حسینؓ کے چند پہلو۔

۸۸۔ خانوادہ نبوتؐ (شاہ بلیغ الدین اور ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کے درمیان عالمانہ بحث)

۸۹۔ شاہ بلیغ الدین کا تنقیدی مضمون

۹۲۔ ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کا جواب

۱۰۷۔ خانوادہ نبویؐ: ڈاکٹر رضوان علی ندوی کے جواب میں شاہ بلیغ الدین کی تحریر۔

۱۱۷۔ خانوادہ نبویؐ کی آخری وضاحت (پہلی قسط)

۱۲۲۔ خانوادہ نبویؐ کی آخری وضاحت (دوسری قسط)

۱۲۶۔ خانوادہ نبویؐ کی آخری وضاحت (آخری قسط)

۱۳۳۔ ڈاکٹر سید رضوان علی کی خدمت میں چند مودبانہ گذارشات

ضمیمہ خصوصی:-

۱۳۴۔

۱۳۵۔ انتخابِ عذر داری۔ عائشہ (اپنے مذہب کی بازی کو داؤ پر لگانے والے آغاخانیوں کی کہانی عدالتی ریکارڈ کی زبانی)

۱۳۷۔ سندھ ہائی کورٹ کے معزز جج کا فیصلہ: "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کوئی شخص بیک وقت کس طرح خالص مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور آغاخانی بھی"

۱۳۸۔ آغاخانی اسماعیلی برادری میں پائی جانے والی ترمیم شدہ رسومات و عقائد:

۱۳۹۔ "تائب ہو جانے والے آغاخانیوں کے اسلامی عقائد" اے میری قوم کے لوگو!)

۱۴۰۔ THE MESSAGE OF AGA KHANI RELIGIOUS WORSHIP

۱۴۱۔ گنان شریف (حق توں پاک توں بادشاہ مہربان بھی۔ یا علی تو نہیں توں.....)

۱۴۲۔ آغاخاني مذهبي عبادتن جو پيغام (سندھی)

۱۴۳۔ આગાખાની મઝહબી ઇબાદતો બારેનો પયગામ (گجراتی)

۱۴۴۔ اسماعیلی نوجوان کو آغاخانی مذہب چھوڑنے پر مشکلات کا سامنا۔

— پرنس کریم آغاخان کے نام۔ کھلا خط (منجانب: عبدالکریم رجب علی کراچی)

۱۴۵۔ اللہ سے سارے کام ہونے کا یقین اور مخلوق سے کسی کام کے نہ ہونے کے یقین:

۱۴۷۔ خبر: گلگت میں آغاخانی اسماعیلی ریاست کا قیام نقشہ تیار کر لیا گیا۔ (بشکریہ روزنامہ نوائے صداقت کراچی)

۱۴۸۔ نقطۂ نظر: اے میری قوم گواہ رہنا (بشکریہ جسارت)

۱۴۹۔ دعاء ۱۹۷۰ء (شائع کردہ: اسماعیلیہ الیسوی الشین پاکستان کراچی)

— آغاخانیت کیا ہے؟ (عقائد و نظریات آغاخانیوں کی مستند کتب کے حوالے سے)

۱۵۰۔ اصلاحِ عقائد اور خدمتِ خلق کی ایک انقلابی تحریک۔

۱۵۱۔ درسِ قرآن کے پروگرام۔

۱۵۲۔ آغاخانیوں کے انچاسویں امام پرنس کریم آغاخان جواب دیں (سوالنامہ)

۱۵۳۔ FOURTY NINTH IMAM OF THE AGHAKHANIS PRINCE KARIM AGA KHAN PLEASE REPLY

۱۵۵۔ اخباری تراشے (جنگ کراچی خبر) نوائے وقت۔ ڈان عدالتی نوٹس)

۱۵۶۔ اخباری تراشے (خبریں: امن، آغاز، وطن بگرانی، جسارت)

۱۵۷۔ اخباری تراشے (خبر شہزادی یاسمین آغاخان کی شادی) صفحہ ۶۹ پر بھی

۱۵۸۔ ذاتی خط (منجانب:- ("پکا دھرمی" رجب علی ولد پرسوتم کارا

۱۶۰۔ اخباری تراشے (خبریں، مشرق۔ پشاور۔ جسارت کراچی)

۱۶۱۔ صباح گروپ (اسپیشل رپورٹ) "جاگو جاگو اسمٰعیلی بھائیو جاگو"

۱۶۳۔ افغانستان کا حسن بن صباح (بشکریہ ہفت روزہ احوال کراچی)

تمت بالخیر

(171)

آغاخانی شیعہ امامی (اسمٰعیلیہ) کافر ہیں

کیونکہ یہ منکر ہیں

قرآن اور اسلام کے پانچ بنیادی ارکان یعنی کلمہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے . . . اس لئے

تمام مسلمان اِن کا سماجی بائیکاٹ کریں

عالم اسلام کے علماء کا متفقہ فتویٰ

ہم درخواست کنندگان یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آغاخانی شیعہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور بالکل کافر مرتد از اسلام ہیں یہ اسلام کے بنیادی عقیدے توحید کے بھی منکر ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو " (اللہ " بصورت انسان کہتے ہیں - اپنے امام آغاخان کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں اللہ بصورت آدمی کہتے ہیں - ختم نبوت کے بھی منکر ہیں - ان کا کلمہ الگ ہے جس کا ایک جزو " اَشْهَدُ اَنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٌّ اللّٰهُ) بھی ہے جس کے معنی ہیں کہ " میں گواہی دیتا ہوں کہ علی اللہ ہیں " العیاذ باللہ - اس کے علاوہ بھی بہت سے خلاف اسلام عقیدے رکھتے ہیں - نماز روزے کے بھی قائل نہیں -

سلیم رشید خان
احمد الرحمٰن عفی عنہ
محمد نعیم ثانی الغفاری الکریمی
ناظم دار العلوم حقانیہ
محمد عبد الرشید نعمانی
رکن مجلس دعوت و تحقیق اسلامی کراچی
سابق پروفیسر و صدر شعبہ اسلامیات
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن
عبد العلیم عفی عنہ
جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی
محمد یوسف لدھیانوی
مدیر دار العلوم کراچی
محمد الفرید رضوان
مدیر دار العلوم کراچی
محمد حسن المرکز عفی عنہ
استاذ و شیخ الحدیث
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی
محمد یوسف بنوری
مدرس جامعہ علوم اسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
عبد الرزاق لدھیانوی
خطیب جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی
مدرس

پنج تن

حضرت امام آقا علی شاہ علیہ السلام
آغا خان ثانی

حضرت امام آقا حسن علی شاہ علیہ السلام
آغا خان اوّل

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام
آغا خان ثالث

حجۃ الاعظم حسن بن صباح

امام زمان شاہ کریم الحسینی آغا خان
"حاضر امام"

Maulana Hazar Imam Ordaining the New Jamati Constitution at Merimont in Geneva on 13th December, 1986.

(Photo credit Ian Charles Stewart)